اردو شعراء کی فارسی اور اردو شاعری کا تقابلی مطالعہ

مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی

تحقیق

محمد یوسف فاروقی

زیر نگرانی

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صدر شعبہ اردو

سندھ یونیورسٹی حیدر آباد (سندھ)

مندرجات مقالہ

باب - سوم (دبستان لکهنو)

(سوم)

باب - چهارم (دبستان عام)

مقدمہ

سندھ یونی ورسٹی نے ۳/ جولائی، ۱۹۶۹ء میں مجھے "اردو شعراکی فارسی اور اردو شاعری کا تقابلی مطالعہ" کے موضوع پر مقالہ لکھنے کی اجازت دی اور ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب صدر شعبہ اردو سندھ یونی ورسٹی کو میرا نگران مقرر کیا۔ اس موضوع پر تقریباً ۴ سال تک تحقیقی کام جاری رہا بالاخر خداکے فضل سے ۲۸/ مارچ ۱۹۷۳ء کو یہ کام تکمیل کو پہنچا:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اگرچہ یہ موضوع اتنا وسیع تھا کہ اس پر کئی سال مزید کام کیا جاتا تو بھی ختم نہ ہوتا کیوں کہ کم و بیش تین سو سال کے اردو شعرا کی فارسی اور اردو شاعری کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس طویل عرصہ میں ہزاروں شعرا گذرے ہیں جن کی ادبی خدمات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا لیکن وقت کی تنگی دامن گیر رہی اس لیے ہم نے ہر زمانے کے مشاہیر کے کلام سے یا ایسے شعرا کے کلام سے جن کا اردو فارسی کلام اتنی وافر مقدار میں مل سکا کہ تقابلی مطالعہ کیا جاسکے، کچھ نمونہ کلام بطور "مشتے از خروارے" پیش کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

اس مقالہ کی نوعیت کچھ تذکروں سے ملتی جلتی ہے لیکن اس سے اردو فارسی کا ادبی تعلق اور اس کی ابتدا و استحکام ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ اور تذکروں میں بھی ان شعرا کا ذکر ملتا ہے۔ اکثر تذکروں میں چند اشعار سے زیادہ نہیں ملتے۔ کہیں اردو کلام ہے تو فارسی ندارد اور کہیں صرف فارسی ہی کے چند اشعار درج کردیے ہیں۔ پھر بھی ان شعراء کا اردو فارسی کلام یک جا نہیں دیکھا جاسکتا۔ بہرحال اس تذکرہ کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ ہر ایک فارسی شعر سے مماثلت رکھتے ہوئے اردو اشعار پیش کیے گیے ہیں اور یہ کوئی آسان کام نہیں ایک فارسی شعر کے مقابل اسی مفہوم کے اردو شعر کے انتخاب میں بعض وقت کئی کئی گھنٹے صرف ہوئے ہیں۔ بعض شعرا کا کلام کچھ کم ملا ہے اس لیے مجبوری رہی ہے ورنہ بندہ نے ذاتی دل چسپی کی بنا پر اور ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب کی ہدایات کے بموجب شعرا کے کلام کے بہترین اشعار انتخاب کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

شعرا کا اردو فارسی کلام ایک جا نہ ملنے کے سبب اکثر مواقع پر بڑی دشواریاں پیش آئیں ۔ مختلف تذکروں کی چھان بین کی گئی اور بڑی تلاش اور جستجو کے بعد دونوں زبانوں کا کلام دستیاب ہوا اس کے بعد اشعار کے انتخاب کی کوشش شروع ہوئی ۔ بہرحال انتہائی دل چسپ مشغلہ تھا ۔

مقالہ میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہجری سنوں کے ساتھ عیسوی سنوں کا بھی التزام کیا گیا ہے اس لیے کہ موجودہ زمانے میں عیسوی سنوں کا رواج زیادہ ہے اور اس کی مدد سے آسانی سے ہر فرد زمانے اور وقت کا تعین کرسکتا ہے ۔

مقالہ کی ترتیب :

ہم نے مقالہ کو چار دبستان میں تقسیم کیا ہے اول دبستان دکن ، دوم دبستان دلی ، سوم دبستان لکھنو اور چہارم دبستان عام ۔ ہر دبستان سے پہلے وہاں کے سیاسی ، سماجی ، ثقافتی اور اقتصادی پس منظر کو پیش نظر رکھا ہے ۔ کیوں کہ زبان کوئی بے جان چیز نہیں ہے وہ لوگوں کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ حرکت کرتی رہتی ہے اور ہر قسم کے مقامی اثر سے متاثر ہوتی ہے اور انھیں کے سہارے پروان چڑھتی اور تغیر پذیر ہوتی رہتی ہے اور یہی شب و روز اس کی آغوش مادر کا حکم رکھتے ہیں اور آج گذشتہ حالات کے آئینہ میں ہم اسے اپنے اصل روپ میں ~~کاٹ~~ دیکھ سکتے ہیں ۔ اس پس منظر کو مستند تاریخوں کی مدد سے ترتیب دیا گیا ہے۔

اس مقالہ میں ان شعرا کا انتخاب کیا ہے جو اردو شاعری میں تو نمایاں حیثیت کے حامل ہیں لیکن ان کو فارسی گو ہونے کی حیثیت سے بہت کم لوگ جانتے ہیں ۔ کیوں کہ ان کا فارسی کلام لوگوں کی نظر سے نہیں گذرا ۔ کچھ ایسے شعرا بھی ہم متعارف کرارہے ہیں جو اب تک کسی نہ کسی سبب سے منظر عام پر نہ آسکے تھے اور گوشۂ گم نامی میں پڑے تھے۔

مقالہ میں مختصر سوانح اور خصوصیات کلام ہیں گو شاعر کی شخصیت سے زیادہ اس کی شاعری کو اہمیت دی گئی ہے پھر چند اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ پیش کر کے نمونہ کے اردو فارسی اشعار پیش کیے ہیں تاکہ شاعر کے کلام کے خصوصیات قارئین کے سامنے آجائیں۔

مقالے کے سلسلہ میں سب سے زیادہ دشواری ہمیں متقدمین کے حالات اور ان کے اردو فارسی کلام کی تلاش میں پیش آئی کیوں کہ قدیم ہونے کی وجہ سے ان کا کلام اور حالات ماضی کے دھندلکے میں گم تھے اور ان کے کلام کی فراہمی ہمارے لیے دشوار تر تھی ۔

مقالہ کے سلسلہ میں مختلف لائبریروں اور دارالمطالعوں میں مجھے جانے کا اتفاق ہوا لیکن کام کی کتابیں نہ ملنے کے سبب بیشتر سے مایوسی ہی لوٹا جن لائبریروں میں مجھے موضوع سے متعلق زیادہ کتابیں مل سکیں وہ مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) لیاقت میموریل لائبریری ، کراچی

(۲) کتب خانہ خاص ، انجمن ترقی اردو ، کراچی

(۳) پنجاب یونی ورسٹی لائبریری ، لاہور

مجھے اپنے موضوع سے متعلق زیادہ کتابیں کتب خانۂ خاص انجمن ترقی اردو کی لائبریری میں دستیاب ہوئیں جن پر کام کر کے میں اپنے موضوع کو تکمیل تک پہنچاسکا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں اپنے محسن مشفق اور مخلص استاد اور رہنما جناب الحاج پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں - موصوف نے اپنے سابقہ تجربات اور غیر معمولی علمی و ادبی صلاحیت کی روشنی میں قدم قدم پر میری رہبری فرمائی اور مجھے کام کرنے کے طریقے سے روشناس کرایا۔ پھر اردو فارسی اشعار مفہوم کے مطابق تلاش کرنے پر انتہا درجہ زور دیا۔ اگرچہ یہ کام میرے لیے نمونہ کے صرف چند اردو فارسی اشعار پیش کردینے کے مقابلہ میں بہت دشوار ثابت ہوا لیکن ڈاکٹر صاحب کی ہمت افزائی اور مشفقانہ رہنمائی ہر مرحلہ پر میرے لیے مشعل راہ ثابت ہوئی اور میں منزل کی طرف گامزن رہا۔

میں اپنے اردو کالج کے زمانے کے دیرینہ مشفق استاد جناب پروفیسر مولانا عبدالرشید فاضل صاحب کو بھی فراموش نہیں کرسکتا - فاضل صاحب کی اردو فارسی پر بڑی گہری نظر ہے اس لیے ان کے مفید مشورے بھی میرے لیے نہایت کارآمد ثابت ہوئے - مقالہ کے سلسلہ میں جب بھی میں موصوف کے پاس گیا وہ بہت ہی تپاک سے ملے اور میری ہر طرح مدد فرمائی اور مجھے اپنا

قیمتی وقت صرف کر کے گرانقدر مشوروں سے نوازا ۔

میں جناب افسر امروہوی صاحب کا بھی ممنون ہوں ۔ افسر صاحب انجمن ترقی اردو میں عرصہ سے مخطوطات پر کام کر رہے ہیں ۔ موصوف نے بھی اپنے دیرینہ تجربات کی روشنی میں مفید مشوروں سے نوازا اور مواد کی تلاش و جستجو میں بھی وقتاً فوقتاً اپنا قیمتی صرف صر کر کے میری مدد فرمائی ۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر وحید قریشی، پروفیسر اورینٹل کالج کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے لاہور کے قیام کے دوران اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا ۔ ساتھ ہی جن لائبریروں میں مجھے زیادہ کام کرنے کا اتفاق ہوا ان میں لیاقت میموریل لائبریری کے سیفی صاحب و سید اظہر الحسن صاحب اور کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کے سرفراز علی رضوی صاحب اور رؤف صاحب کے تعاون کا میں بے حد ممنون ہوں ۔

اور آخر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے عزم و ہمت اور استقامت عطا فرمائی اور مجھے کام کرنے کے بہتر سے بہتر مواقع فراہم کیے۔ کیوں کہ انسان ایک عاجز بندہ ہے اور وہ اس کی اعانت اور مدد کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا ۔ یہ اسی ذات واحد کا فیض اتم تھا جس کی حقیقی رہنمائی سے یہ مقالہ تکمیل کو پہنچا ۔ جو اب ناظرین کے سامنے ہے ۔

محمد یوسف فاروقی
۱۷/اپریل سنہ ۱۹۷۳ء

د پښتان دکی

دبستان دکن

دکنی زبان (قدیم اردو) نے احمد نگر ، بیجا پور اور گولکنڈے کےدرباروں میں نشو و نما پائی - فرمانروایان دکن یہی زبان بولتے تھے اور یہی حکومت کی زبان تھی اور یہی عوام کی -

دکنی زبان کا رسم الخط ابتدا میں نسخ تھا کیوں کہ رحمت اللہ گجراتی جوغالباً بارھویں صدی ھجری سے تعلق رکھتا ھے اس نے قصیدہ غوثیہ کا منظوم ترجمہ کیا ھے - یہ مخطوطہ (۱) پاکیزہ نسخ میں ہے اور ابتدائی اشعار یہ ھیں :-

قدح مجھ وصل کا حقنی پلایا   میں تب شوق الٰہی کون بولایا

اسی مستی نے مجھ میں جوش کیتا   تبی یاران منیں بازی میں جیتا

اس زبان میں کسی قدر فارسی الفاظ کی آمیزش بھی تھی اور مسلم فاتحین کی زبانوں کے خصوصیات بھی اس میں پائے جاتے تھے - جب مقامی زبان کا میل جول علاقائی زبانوں سے ھوا جن میں مرھٹی، تامل اور تلنگی زبانیں شامل ھیں تو ان کے محاورات اور روز مرہ میں بھی کسی قدر فرق آگیا، لیکن یہ خامیاں زبان کے تدریجی ارتقا کے ساتھ ساتھ آھستہ آھستہ دور ھوتی گئیں -

محمد تغلق (۲) نے دکن کو فتح کر کے دہلی کے حدود سلطنت میں شامل کرلیا تو شاھی حکم سے صاحبان علم ترک سکونت کر کے دکن پہنچنے لگے اسی زمانے میں کچھ صوفیہ بھی دکن پہنچے - ان باصلاحیت لوگوں کے دکن میں سکونت اختیار کرنے اور مقامی باشندوں کے ساتھ باھم ربط و ضبط کا یہ نتیجہ نکلا کہ جو زبان دہلی والے بولتے آئے تھے اس میں نمایاں تغیر واقع ھوگیا دکنی اردو نے اپنی ارتقائی منزل کی طرف ایک قدم اور آگے بڑھایا - اس طرح

---

(۱) غلام مصطفی خاں، ڈاکٹر " علمی نقوش " ص ۱۲۷

(۲) نصیرالدین ھاشمی ، " دکن میں اردو " ، لاھور، سویرا آرٹ پریس ۱۹۵۲ء، ص ۱۵

دکن کو علمی و ادبی شہرت کا مقام حاصل ہوا -

اس زبان کی نشو و نما میں اولیاء کرام اور بزرگان دین کا بڑا حصہ ہے - ہندو اور مسلمان دونوں ہی ان کے گرد جمع رہتے تھے اور وہ مخلوق خدا کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہوتے اور وہی زبان بولتے اور لکھتے تھے جو وہاں کی مروجہ زبان ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کا کلام عام فہم ، موثر اور دل نشین ہوتا تھا -

آٹھویں صدی ہجری سے دکن میں بہمنی (۱) بادشاہوں کے عہد کی ابتدائی ہوتی اور یہیں سے اردو ادب میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا - یہ دور ۹۰۰ھجری تک قائم رہا اس زمانے کی تصانیف کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں سے بیشتر کے مولفین صوفیہ ہیں-

اسی دور کے مشہور شاعر خواجہ سید محمد حسینی گیسو دراز (۲) سے دکن میں اردو شاعری کی ابتدا ہوتی ہے یہ شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے- اردو کا نمونہ کلام ـــــہ

لولاک لماخلقت الافلاک خالق پائے　　فاضل افضل جتنے مرسل ساجد سجود ہوئے

امت رحمت بخشش ہدایت شریعت پائے

مخفی نالوں معشوق رکھ ظاہر شہباز کلائے　　عشق کے جیتی چھدر بڑ اپنی آپ دکھائے

الانی کھا کان پھر آپ میں آپ سمائے

آپ کے بعد کے شعرا میں سید محمد اکبر حسینی ، نظامی ، صدرالدین ، عبداللہ الحسینی اور آذری کے نام سر فہرست ہیں - آذری نے دکنی زبان میں " بہمنی نامہ " لکھا تھا جو اب نایاب ہے - جیسا کہ تاریخ فرشتہ کے مصنف کی صراحت سے ظاہر ہے کہ " بہمنی نامہ" نہ صرف اس نے دیکھا ہے بلکہ اس سے استفادہ بھی کیا ہے - یہ کتاب قدیم اردو (دکنی) میں لکھی گئی تھی -

---

(۱)　نصیرالدین ہاشمی ، محولہ بالا ، ص ۲۳

(۲)　نصیرالدین ہاشمی ، محولہ بالا ، ص ۲۵

آج ہمیں بہمنی دور کی نظم و نثر کے جو نمونے ملتے ہیں ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس میں ہندی الفاظ زیادہ ہیں ، فارسی اور عربی الفاظ نسبتاً کم ہیں ۔ حضرات صوفیہ کے کلام میں بعض مقامات پر مجبوراً عربی اور فارسی الفاظ آگیے ہیں ۔ بحر، قافیہ اور ردیف وغیرہ میں فارسی ہی کی تقلید کرتے تھے ، ہرشخص اس زمانے کی مروجہ عام فہم زبان لکھنے کی کوشش کرتا تھا ۔ نظم میں عشقیہ داستانیں لکھنے کی ابتدا ہوچکی تھی اور حقیقت کو افسانوی انداز میں بیان کرنا اچھا سمجھا جاتا تھا ۔

قطب شاہی دور میں اردو :

قطب شاہی سلطنت کا بانی سلطان قلی قطب شاہ ہے ، جس نے ۹۱۲ھ میں دکن میں خود مختار حکومت قائم کرلی تھی اور گولکنڈہ کو اپنا پایہ تخت بنالیا تھا ۔

قطب شاہی (۱) سلاطین نہایت ذی علم تھے ۔ جہاں وہ فارسی اور دکنی زبانوں میں شعر کہتے تھے وہاں ان کے دربار میں شعراء ، علما اور اہل فن حضرات کا اجتماع بھی رہتا تھا ۔ ابتدا میں دکنی زبان پر فارسی کا غلبہ رہا یہی وجہ ہے کہ اردو زبان کی ترکیب و ساخت فارسی زبان کے اصولوں کے مطابق ہے ۔ سلطان قلی قطب شاہ کا دار الحکومت شاعروں اور ادیبوں کا مرکز تھا اس نے ایک خاص محل " آش خانہ " صرف اسی مقصد سے تعمیر کرایا تھا کہ وہاں مشاعروں کی محفلیں گرم رہیں اور بادشاہ شعرا کے کلام سے لطف اندوز ہو ۔

جمشید قلی کو شعر و سخن سے خاصی دل چسپی تھی ملا محمد شریف وقوعی اس کے دربار کا ملک الشعراء تھا ۔

اس خاندان کا چوتھا حکمراں ابراھیم قلی علم دوست انسان تھا اس کے زمانے میں گولکنڈہ علم و فن کا مرکز تھا اس کے عہد میں قدیم اردو کو بڑا فروغ ہوا ۔ کئی نامور شعرا اس کے دربار سے منسلک رہے ۔ فیروز ، محمود اور وجہی اس دور کے مشاہیر میں شمار ہوتے ہیں ۔ مصنف " تاریخ قطب شاہی " نے بھی اس کی داد و دہش کی بڑی تعریف کی ہے ۔

---

(۱) ضیاالدین ہاشمی ، محولہ بالا ، ص ۳۹

سلطان محمد قلی بھی ابراھیم کے عہد کو علم و فضل اور شعر و سخن کی ترقی کے لحاظ سے خاصی شہرت حاصل ہے - وہ خود بھی اچھا شاعر تھا اس کے دربار میں ایران و عرب تک کے علماء اور شعراء اس کی قدردانی کا شہرہ سن کر آگیے تھے - مشاعروں کی محفلیں گرم رھتی تھیں - بادشاہ ان مشاعروں میں اپنا کلام بھی سناتا اور دیگر شعرا کے کلام کی دل کھول کے داد دیتا اور وقتاً فوقتاً خوش ھوکر شعراء کو انعامات سے بھی نوازتا تھا -

بادشاہ قطب شاہ اور معانی (۱) تخلص کرتا تھا - اس نے اپنی زندگی میں پچاس ھزار سے زائد اشعار کہے ھیں اس کا ضخیم کلیات اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل ھے - اس نے ھر موضوع پر طبع آزمائی کی ھے - اس کی بعض نظمیں اس دور کی ثقافت اور تہذیب و تمدن کی آئینہ دار ھیں - اس کے کلام میں تصوف اور عاشقانہ رنگ بھی موجود ھے سادگی اور شیرینی اس کے کلام کا اصل جوھر ھیں - وہ مرقع نگاری اور مناظر قدرت کی عکاسی کا بھی ماہر ھے- اس کے کلام میں فارسی کے ساتھ ھندی کی آموزش بھی کافی ھے - اس نے فارسی کے بجائے ھندی اسلوب اختیار کیا- وہ تلنگی فارسی اور اردو زبانوں میں شعر کہتا تھا - شروع میں اس کے کلام میں فارسی کا رنگ غالب تھا اور اپنا دیوان حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا- لیکن پھر وہ فارسی تراکیب و استعارہ اور تشبیہات کا پابند نہیں رھا اس کے بعد کے کلام میں ھندی کا اثر بڑی حد تک نمایاں ھے - ھندی الفاظ و تراکیب ھندی استعارات و تشبیہات اس نے بڑی مہارت سے استعمال کی ھیں - عورت کی طرف سے اظہار عشق جو ھندی شاعری کا خاصہ ھے اس کے یہاں پایا جاتا ھے -مزیے کی بات یہ ھے کہ جہاں کہیں اس نے فارسی کا اتباع کیا ھے ، فارسی و عربی الفاظ نہایت سادگی اور بے تکلفی سے استعمال کیے ھیں ، ان کے یہاں عظم الفاظ ، محاورات ، تراکیب ، تشبیہات اور فارسی مضامین تک روزمرہ کے انداز میں آگیے ھیں - قطب شاہ نے اپنا منظوم کلام لوگوں کے سامنے پیش کر کے دعوت فکر دی اور اردو شاعری کا دامن ایسا وسیع کیا کہ وہ آگے چل کر ایک ادبی زبان بننے کے قابل ھوگئی - ایک شعر

---

(۱) سیدالدین ھاشمی ،محولہ بالا ، ص ۵۱

بطور نمونہ کلام ملاحظہ ہو :

وہ سکتے ہیں بےعقل شہر حسن میں اب   وفا کا ماس دیھیں اس شہر میں کہا ہے یہ بدست

سلطان محمد قطب شاہ ۔ ظل اللہ تخلص کرتا تھا اور فارسی و قدیم اردو کا صاحب دیوان شاعر تھا ۔ اس کے کلام میں شیرینی ، صفائی اور لطافت پائی جاتی ہے ۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ بھی علم دوست اور شعر و شاعری کا دلدادہ تھا اور فارسی و دکنی میں شعر کہتا تھا ۔ عبداللہ تخلص کرتا تھا ، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اس کے دیوان موجود ہیں ۔ کلام نہایت صاف و شیریں ہے ۔ بڑے بڑے علماء و شعراء اس کے دربار سے منسلک تھے ، ابن نشاطی مصنف " پھول بن " اور غواصی مصنف " مثنوی سیف الملوک " و " طوطی نامہ " اسی کے درباری شاعر تھے ۔

عادل شاہی دور میں اردو :

سلطنت بہمنیہ کے زوال کے بعد ۸۹۵ھ میں یوسف عادل شاہ نے بیجا پور میں خود مختار حکومت قائم کی یہ حکومت تقریباً دو سو سال تک قائم رہی ۔ اس میں یکے بعد دیگرے نوبادشاہوں نے حکومت کی یہ دور بھی علم و ادب کی ترقی کے لیے مشہور ہے ۔

یوسف عادل شاہ فارسی کا بلند پایہ شاعر تھا ۔ علماء ، فضلاء ، شعرا اور اہل فن کا بڑا قدردان تھا اور انھیں گراں بہا تحائف سے نوازتا رہتا تھا ۔ اسے فی البدیہہ شعر کہنے میں بھی بڑا ملکہ تھا ۔ چوں کہ اس نے شیعہ مذہب کو حکومت کا مذہب قرار دے دیا تھا اس لیے تمام اہم عہدوں پر ایرانی اور عراقی عمال مقرر کردیے (۱) تھے ۔ دفتری زبان فارسی تھی اور تقریباً پچاس سال تک فارسی رہی اس لیے اس عرصے میں اردو زبان کی ترقی کی رفتار سست رہی ۔

یوسف عادل شاہ کے بعد اس کا فرزند اسمعیل عادل شاہ تخت نشین ہوا ۔ اس کی

---

(۱) نصیرالدین ہاشمی ، محولہ بالا ، ص ۱۲۸

تربیت ٹھیک ایرانی ماحول میں ہوئی تھی - اس لیے اسے فارسی سے لگاؤ رہا -(۱) وہ بھی باپ کی طرح علماء و فضلاء اور شعرا کا بڑا قدردان تھا اور شاعری و موسیقی میں بھی باکمال تھا اس دور میں فارسی زبان بتدریج مقامی زبان پر اثرانداز ہوتی رہی -

ابراہیم اول بھی ارباب کمال و اہل ہنر حضرات کا مربی و سرپرست تھا - اس نے شیعہ مذہب ترک کر کے سنی مذہب اختیار کرلیا اس وجہ سے اس کے دور میں ایرانی اثر کم ہوگیا اور دکھنیوں کو عروج حاصل ہوا- اس کے دور حکومت میں اردو کی جڑیں مضبوط ہوئیں اور اسے خاصی ترقی حاصل ہوئی -

علی عادل شاہ اول فارسی کا دل دادہ تھا اور علم دوست انسان تھا -

ابراہیم ثانی کا دور علم و ہنر کی ترقی کے لحاظ سے بہت درخشاں ہے - علم کی ترویج و اشاعت میں اس کی کوششیں تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی - یہ بڑا قادرالکلام شاعر تھا - ایران کا عظیم شاعر ظہوری ہندوستان آیا اور ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دربار سے منسلک ہوگیا اور قدردانی کے باعث تادم حیات اسی دربار سے منسلک رہا - ظہوری نے اپنی دو تصانیف " خوان خلیل " اور " گلزار ابراہیم " کے نام اسی ابراہیم عادل شاہ کے نام پر رکھے ہیں- ابراہیم عادل شاہ سرود ہندی میں کمال رکھتا تھا اس نے فن موسیقی سے متعلق ایک منظوم کتاب " نورسنامہ " (۲) لکھی - ظہوری نے اس کا شاندار مقدمہ لکھا جو سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے -

اس کے دور میں دفتری زبان اردو تھی - سلطان نے شعراء اردو کو دل کھول کر عطیے دیے اور ان کے کمالات کی قدر کی - عبدل ، آتشی، مقیمی اور امین وغیرہ کے اردو کلام سے ان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے -

محمد عادل شاہ کو علم و ادب کی قدردانی ورثہ میں ملی تھی - یہ بادشاہ بھی شعراء و علماء کا مربی تھا - ہر روز کئی گھنٹے تک محفل مشاعرہ گرم رہتی تھی - آتشی نے

---

(۱) نصیرالدین ہاشمی، محولہ بالا ص ۱۲۸

(۲) نصیرالدین ہاشمی، محولہ بالا ، ص ۱۳۳

" خمسہ نظامی" کا جواب اسی جلیل القدر بادشاہ کے عہد میں لکھا -

علی عادل شاہ ثانی حکمران ہوا جس کی علم دوستی اور ادب نوازی کی وجہ سے بڑے بڑے علماء و شعرا بیجاپور میں جمع ہوگئے تھے اور گھر گھر شعر و شاعری کا چرچا تھا ہر طرف گلی کوچوں میں مشاعروں کی محفلیں گرم رہتی تھیں - سلطان چوں کہ خوشامر تھا اور شاہی تخلص کرتا تھا اس لیے ہر طرف اردو شاعری کا بول بالا تھا - اس کے معاصر شعراء کی فہرست بہت طویل ہے - جن میں نصرتی ، ملک ، ہاشمی ، ایاغی اور قادر وغیرہ قابل ذکر ہیں -

نصرتی اس کے دربار (۱) کا ملک الشعرا تھا جس نے " علی نامہ" ایک رزمیہ مثنوی لکھی تھی - نصرتی کی واقعہ نگاری اور منظر کشی کا انداز حیرت انگیز ہے ، شہر بیجاپور کے حالات اور وہاں کے لوگوں کی معاشرت پر نصرتی نے خوب روشنی ڈالی ہے -

نصرتی کے قصائد تسلسل بیان ، شوکت الفاظ اور واقعہ نگاری کے لحاظ سے قابل تعریف ہیں پھر خیالات کی جدت ، تشبیہات و استعارات کی ندرت ، تخیل کی بلند پروازی اور زور بیان بھی خوب ہے - نمونۂ کلام :

زہے نامور سید المرسلین | کہ آخر ہے وہ شافع المذنبین

=========xxx=========

معانی کی صورت کی ہے آرسی | کہیا شعر دکھنی جوں فارسی

فصاحت میں گر فارسی خوش کلام | دھرے فخر دکھنی بجن یہ مدام

<u>قطب شاہی ، عادل شاہی اور نظام شاہی اردو پر تبصرہ :</u>

قطب شاہی ، عادل شاہی اور نظام شاہی پرچم تقریباً دو سو سال (۲) تک سربلند رہے اور بالآخر مغلیہ سلطنت کے آغاز پر تاریخ کا یہ اہم دور خاتمے کو پہنچا - اپنے دور اقتدار میں ان سلطنتوں نے اردو کی ترویج و ترقی میں جو کارہائے نمایاں

---

(۱) نصیرالدین ہاشمی ، محولہ بالا ، ص ۱۳۱

(۲) نصیرالدین ہاشمی ، محولہ بالا ، ص ۲۳۳

انجام دیے ہیں وہ ہمیشہ باقی رہیں گے - انھوں نے حتی الامکان اردو فارسی شعر و ادب کی خدمت کر کے اپنی علم دوستی کا ثبوت دیا - ان کی فیاضی کی بدولت علم و فضل اور شعر و ادب کا گلزار سرسبز و شاداب تھا - انھیں کی بدولت شاعری درباروں سے نکل کر گلی کوچوں میں گئی تھی گھر گھر مشاعروں کی محفلیں گرم ہونے لگی تھیں - جو شعر حسب حال ہوتا وہ زبان زد خاص و عام ہوجاتا تھا - ان شعرا کے کلام کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انھوں نے مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، غزل، مخمس، رباعی اور قطعہ غرض جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اور شعر و سخن میں اپنی فنی مہارت کے بہتر سے بہتر نمونے بطور یادگار چھوڑے ہیں -

ان کی شاعری میں رزم و بزم سے لے کر واقعہ نگاری، مرقعہ نگاری مضامین عشق و محبت اور تصوف و فلسفہ غرض سب ہی کچھ موجود ہے، ندرت خیالات، جدت ادا اور تخیل کی بلند پروازی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے سادگی، صفائی اور پاکیزگی ان کے کلام کا خاصہ ہے-

غرض ان سلطنتوں نے اردو زبان کی عظیم خدمات انجام دیے کر اردو ادب پر جو احسان عظیم کیا ہے وہ سنہری حرفوں سے لکھنے جانے کے قابل ہے - ان حکمرانوں کی عظیم علمی و ادبی خدمات کی بدولت اردو زبان کو یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ وہ مغلیہ دور میں ہندوستان کی سرکاری زبان قرار پائی -

مغلیہ دور میں اردو :

جب مغلوں نے ۱۰۴۳ھ میں احمد نگر، ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور اور ۱۰۹۸ھ میں گولکنڈے کی سلطنتوں کو فتح کر کے اپنی قلم رو میں شامل کرلیا تو یہاں کے اردو شعراء کے ساتھ انتہائی مشفقانہ سلوک کیا اور ان کی گراں قدر تصانیف پر انعامات بھی دیے، فتح بیجاپور کے بعد عالمگیر نے بھی نصرتی کو ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا اور اس کے کلام کی بڑی قدر کی- مغلیہ سلطنت کے دور میں اردو کو بڑا فروغ ہوا- اگرچہ اس دور کے امرائے اردو شعراء کی (۱)

---

(۱) نصیرالدین ہاشمی، محولہ بالا، ص ۱۳۵

قدردانی امراء دکن کی طرح نہیں کی تاہم شعر و سخن کا فن ترقی کے منازل طے کرتا رہا اور شعراء کسی حوصلہ افزائی اور صلہ کی توقع کے بغیر ایک دوسرے کو داد سخن دیتے رہے ۔ اس کی وجہ بظاہر یہ نظر آتی ہے کہ شعر و شاعری محض ایک فن کے طور پر ان کے اذہان پر چھائی ہوئی تھی اور وہ مالی منفعت سے قطع نظر اپنے ذوق کی تسکین کے لیے شعر کہتے تھے ۔ اس دور کی شاعری میں تصوف کا رنگ غالب تھا ۔ شعراء اپنے جملہ قلبی واردات و کیفیات یا حقائق و معارف اشعار کے پیرائے میں عوام کے سامنے پیش کرتے اور اسی کو سب سے بڑا صلہ سمجھتے تھے ۔

۱۰۹۲ھ میں جب اورنگ زیب نے اورنگ آباد کو اپنا پائے تخت بنایا تو نہ صرف بیجا پور گولکنڈہ اور احمد نگر بلکہ دہلی تک کے باکمال شعراء اور علما نے اورنگ آباد کا رخ کیا۔ شعر و سخن کا چرچا ہوا اور اس طرح یہاں اردو شاعری کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا ۔ ولی اللہ ولی جیسا باکمال اور قادرالکلام شاعر اسی دور میں ابھرا ۔ اگرچہ اس دور میں فارسی شاعری بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی ۔ مگر اردو شاعری نے اسی دور میں اپنے قدم مضبوطی سے جمائے ۔

ولی اللہ ولی:

ہم یہاں سب سے پہلے اس دور کے سب سے بڑے شاعر کا ذکر کرتے ہیں جس کو ایک زمانے تک اردو شاعری کا باوا سمجھا جاتا رہا ۔ اگرچہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ولی اردو کا پہلا شاعر ہے اور نہ ہی یہ بات درست ہے کہ شمالی ہند میں ولی کے بعد ہی اردو شاعری کا زیادہ شوق ہوا، تاہم یہ بات درست ہے کہ ولی کے تتبع سے دکن کی مروجہ شاعری کی اصلاح ہوئی اور شمالی ہند یعنی دہلی والوں نے بھی ولی کا تتبع کیا اس لحاظ سے ولی اردو شاعری کے مجدّد کہلائے جاسکتے ہیں ۔

ولی نے اپنے اردو کلام کو عربی اور فارسی الفاظ کی بکثرت آمیزش سے پاک رکھا ہے جس کی بنا پر بعض اصحاب نے اپنی محدود معلومات کی بنا پر یہ اعتراض وارد کیا ہے

کہ ولی عربی و فارسی سے آگاہی نہ رکھتے تھے ، حالاں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے ۔ولی دراصل ایک فطری اور قادرالکلام شاعر تھا اس کے خیال میں اردو کا دامن اتنا وسیع تھا کہ وہ بلا تکلف اپنے خیال کو اردو میں ادا کرسکتا تھا اور اسے فارسی اور عربی الفاظ کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے اردو دیوان کو عربی و فارسی کی لغت نہیں بنایا البتہ اس کی عربی و فارسی کی صلاحیت اور قابلیت کا اندازہ کرنا ہو تو وہ تصوف کے موضوع پر اس کی کتاب " نورالمعرفت " کا مطالعہ کریں -

تبصرہ :

مغلیہ دور کا پہلا قابل قدر شاعر ولی گجراتی ہے - دور ماسبق کی طرح اس دور میں بھی شعراء دکن نے مثنوی میں اپنے کمالات کے جوہر دکھائے ہیں -

چوں کہ ولی خود ایک صوفی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور صوفیانہ ماحول میں پرورش پائی اس لیے ولی کا کلام تصوف میں ڈوبا ہوا ہے - اور اس کے متبعین نے بھی پوری طرح اس کی پیروی کی ہے - اس زمانے کے دیگر شعرا کی مثنویاں بھی تصوف کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں مثلاً ذوقی کی مثنوی " وصال نامہ" اور" منصور نامہ "- وجدی کی " تحفۂ عاشقاں" وغیرہ - ان کے علاوہ جو مثنویاں عاشقانہ قصہ کہانیوں کے متعلق لکھی گئی ہیں مثلاً مقیمی کی " عشق صادق" ، امین کی " یوسف زلیخا " اور مجرمی کی " گلشن حسن و دل " وغیرہ ان سب میں تصوف کا رنگ نمایاں ہے -

ولی نے اپنی شاعری کا ذریعہ مثنوی کی بجائے غزل کو قرار دیا اور اتنے اچھوتے انداز میں کہ دکھن سے لے کر شمالی ہند تک کے شعراء کو اپنے اس خاص رنگ کا گرویدہ بنالیا اور بیشتر شعرا نے اسی رنگ میں طبع آزمائی شروع کردی - ولی گجراتی نے جس اسلوب بیان کی بنیاد رکھی تھی مابعد کے دہلوی اور دکنی شعراء نے اسی طرز ادا اور اسلوب بیان کو اپنانے میں فخر سمجھا اور اسی رنگ میں اپنے کمال فن کا خوب مظاہرہ کیا - اس زمانے کے مرثیے بھی ادبیت اور سوز و گداز کے لحاظ سے قابل ذکر ہیں - اس زمانے کے شعراء کے مجموعہ کلام

کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس وقت تک اردو زبان سادگی اور لطافت کا پیرایہ اختیار کرچکی تھی -

دور آصفیہ میں اردو :

یہ دور آصف جاہ اول سے ۱۱۳۶ھ میں شروع ہوا اس خاندان کے یکے بعد دیگرے دس حکمران ہوئے آخری حکمران میر عثمان علی خاں آصف جاہ سادس تھے - ۱۳۶۸ھ میں پولیس ایکشن کے بعد آپ کو راج پرمکھ کی حیثیت دی گئی تھی اس دور کے ہر حکمران نے اردو کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں -

آصف جاہ اول نہایت ذی علم اور علم و ہنر کے قدردان تھے - جب دہلی اجڑی تو صاحبان علم و ادب نے دکن کا رخ کیا اس کے علاوہ آپ کی قدردانی کا شہرہ سن کر ہندوستان کے دور و دراز علاقوں سے ادباء و شعراء نے بھی اسی خطۂ ارضی کی جانب رخ کیا - ہندوستان کے مشہور عالم مولانا غلام علی آزاد بلگرامی آپ ہی کے زمانے میں اورنگ آباد تشریف لائے تھے -

آصفیہ دور میں اردو زبان کو بڑی ترقی حاصل ہوئی - بڑے بڑے شعراء پیدا ہوئے اور اردو نظم و نثر کی کتابیں تصنیف ہوئیں - فارسی کی تقلید میں دکھنی شعراء کے تذکرے بھی لکھے گئے ان تذکروں میں نہ صرف جنوبی ہند کے شعراء کے حالات لکھے گیے بلکہ شمالی ہند کے ممتاز شعرا کو بھی جگہ دی گئی ہے - بعض بعض شعراء کے متعلق ایسی مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں کہ شمالی ہند کے مابعد کے تذکرے ان معلومات سے خالی ہیں-

آصفیہ دور کے نہ صرف سلاطین نے علماء و شعراء کی سرپرستی کی بلکہ امراء نے بھی اہل فن حضرات کی قدردانی کو اپنا فرض سمجھا - ارسطو جاہ ۱۱۸۷ھ میں وزارت عظمی کے عہدے پر فائز ہوئے جنھوں نے دوسو (۱) سے زائد شعرا کی سرپرستی کی ہے - "مجموعۂ فصاحت"

---

(۱) نصیرالدین ہاشمی، محولہ بالا، ص ۳۰۲

اور " خزینۂ سخن" جو زیور طبع سے مزین ہوچکا ہے قصائد اور قطعات کا وہ مجموعہ ہے جو شعراء نے ارسطو جاہ کی تعریف میں لکھے ہیں ۔ " تاریخ دکن " ارسطو جاہ کی شعر فہمی اور علم دوستی کے واقعات سے پر ہے ۔ یہی حال امیرالامراء مہاراجہ چندو لال شاداں کا تھا وہ خود بھی شاعر تھے اور بیسیوں شعراء کی سرپرستی فرمایا کرتے تھے ۔ ان صاحب ذوق حضرات کی علم دوستی کی وجہ سے سر زمین دکن علم و فن اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنی رہی اور وہ ہندو مسلم اتحاد و یگانگت کا ایک مثالی معاشرہ وجود میں آیا۔

سلطنت آصفیہ کی سرکاری زبان فارسی تھی،(۱) دفتری کاروبار فارسی میں ہوتے تھے ، فارسی کو شعراء موجود تھے اور فارسی زبان کو بڑی قوت حاصل تھی اس طرح اردو پر فارسی کا اثر زیادہ سے زیادہ ہوتا گیا۔ اور دامن اردو زبان فارسی کے الفاظ سے آراستہ ہوکر وسعت پاتا رہا۔ شعرائے اردو فارسی زبان میں بھی شعر کہتے تھے چنانچہ اکثر شعرا کے دونوں زبانوں کے دیوان مخطوطہ یا مطبوعہ صورت میں موجود ہیں ۔ اس دور میں شاعری اپنی جملہ اصناف کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن رہی ۔ غزل ، قصیدہ، مثنوی، قطعہ ، رباعی اور مرثیہ ہر ایک صنف سخن کو فروغ حاصل ہوا۔

اس دور میں اردو نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور عثمانیہ یونی ورسٹی کے نام سے ایک اردو یونی ورسٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں تمام مضامین کا ذریعہ تعلیم و تدریس اردو زبان قرار پائی اور اس طرح نئے تعلیمی رجحانات پیدا ہوئے ۔ سائنسی موضوعات پر انگریزی اور فرانسیسی کتابوں کے اردو تراجم ہونے لگے اور یونی ورسٹی میں سائنس کی تعلیم اردو زبان میں دی جانے لگی ۔

ایک زمانے میں اورنگ آباد علم و فضل کا مرکز رہا تو بیجا پور اور گولکنڈہ کے علاوہ دہلی کے اہل کمال بھی اسی مرکز شعر و سخن پر جمع ہوگئے ۔ لیکن آصف جاہ ثانی کے زمانے میں جب حیدر آباد دارالسلطنت قرار پایا تو ہرجگہ کے باکمال سمٹ کر یہاں آگئے اور

---

(۱) نصیرالدین ہاشمی، محولہ بالا، ص ۳۰۵

اس طرح دکن میں حیدرآباد علم و فضل اور شعر و شاعری کا دوسرا مرکز قرار پایا -

اس دور میں زبان بڑی حد تک صاف ہوچکی تھی تاہم بکثرت الفاظ قطب شاہی و عادل شاہی دور کے استعمال ہو رہے تھے - مثلاً

اپس	=	اپنا	سوں	=	سے
ہور	=	اور	غمناک	=	غمگین
بر	=	جسم	کبھو	=	کبھی
بن	=	بغیر	کسو	=	کسی
پاؤں	=	پہونچہ	کن	=	کس
تجھ	=	تیرے	کوں	=	کو
توں	=	تو	کنے	=	پاس
جان	=	معشوق	ڈھونڑکا	=	دھوکا
جیوں	=	جب	نت	=	ہمیشہ
سجن	=	معشوق	مکھ	=	منہ

قطب شاہی اور عادل شاہی سلاطین کی طرح سلاطین آصفیہ بھی اردو اور فارسی شاعری سے گہرا شغف رکھتے تھے - اس دور میں سیکڑوں شعراء نے اپنے اردو فارسی کلام کو یادگار کے طور پر چھوڑا ہے - ان شعراء میں ہر مسلک اور ہرمکتبۂ فکر سے وابستہ لوگ تھے لیکن بیشتر تصوف کی طرف مائل تھے ان شعراء میں بعض تو تصوف کی کسی نہ کسی شاخ سے باقاعدہ طور پر منسلک تھے اور صاحب حال بزرگ تھے ان تمام شعرا کا ذکر دکنی تذکروں میں مذکور ہے -

ولی سے بیشتر مثنوی (۱) کا زیادہ رواج تھا - ولی کے دور میں عام رجحان غزل کی طرف ہوگیا - ولی کے معاصرین نے بھی غزلیں لکھی ہیں مگر اس عام رجحان کی تبدیلی کا

(۱) [illegible] نصیرالدین ہاشمی، محولہ بالا، ص ۳۰۷

بڑا سبب خود ولی کی ذات ہے جن کے تتبع میں ہر شاعر غزل کا دل دادہ تھا - اس دور میں ایک عام بات یہ نظر آتی ہے کہ غزل میں مسلسل مضمون باندھا جاتا تھا اس کی مثالیں ہمیں ولی کے کلام میں بھی ملتی ہیں لیکن اس کا رواج رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا گیا- ولی کی پیروی میں دکنی شعراء نے صنف غزل کی طرف ایسی توجہ دی کہ غزلوں کے دیوان کے دیوان کہہ ڈالے شاعری حیثیت میں مثنوی ، قصیدہ ، قطعہ ، رباعی اور مرثیہ وغیرہ کی مشق بھی جاری رہی - ذیل میں اس دور کے مشہور شعرا کا مختصر حال اور ان کے اردو فارسی کلام کے نمونے پیش کیے جاتے ہیں -

====XXXX====

ولی دکنی :

ولی کے نام کے متعلق تذکرہ نگاروں میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے - حالاں کہ ولی نے ایک شعر میں اپنا نام ولی اللہ اور اپنے پیر و مرشد کا نام علی رضا بتایا ہے:

بعد شاہ نجف ، ولی اللہ(۱)

پیر کامل علی رضا پایا

---

(۱) غلام مصطفےٰ خاں، ڈاکٹر ، " تحقیقی جائزے" ص ۱۵۵

" ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی متذکرہ تصنیف کے ایک مضمون " ولی گجراتی، شاہ گلشن اور شاہ گل" پر لکھا ہے جس میں ولی کے نام اور ان کے پیر و مرشد حضرت علی رضا کے متعلق سیر حاصل بحث ہے - فرماتے ہیں :

بعد شاہ نجف ولی اللہ   پیر کامل علی رضا پایا

یعنی اے ولی اللہ، حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بعد علی رضا جیسا پیر کامل تجھے حاصل ہوا ہے - اس شعر میں ولی نے اپنا نام ولی اللہ اور اپنے پیر کا نام علی رضا بتایا ہے اور یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ ان کا سلسلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے جن سے چشتیہ ، قادریہ اور سہروردیہ سلسلے شروع ہوتے ہیں (یعنی ان کا تعلق یہاں نقشبندیہ سلسلے سے نہیں کیا گیا جس کی ابتدا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے ہوتی ہے اور جن سے شیخ علی رضا کے آبا و اجداد کا زیادہ تعلق رہا ہے -)

اور میر حسن دہلوی نے بھی "تذکرۃ الشعراء" مطبوعہ مسلم پریس علیگڑھ ۱۹۲۲ء ص ۲۰۲ پر ولی کا نام "شاہ ولی اللہ المتخلص بہ ولی" لکھا ہے -

آپ کو عرف عام میں ولی دکنی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے - آپ ۱۰۷۹ھ / ۶۹-۱۶۶۸ء میں اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے -

زندگی کا بیشتر حصہ گجرات میں گذارا ، سورت شہر کے بڑے مداح تھے - کچھ عرصہ دھلی میں بھی قیام کیا اور حضرت شاہ سعد اللہ گلشن * کی صحبت سے فیض حاصل کیا اس کے بعد سیر کشمیر کا بھی اتفاق ہوا - یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں دکن کے مروجہ الفاظ کے ساتھ ساتھ دھلی کے محاورات اور روزمرہ کی چاشنی بھی شامل ہے - یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ولی نے دھلوی زبان کو اپنانے کی انتہائی کوشش کی ہے -

ولی کے اردو کلام کا مجموعہ " کلیات ولی" (۱) کے نام سے اور فارسی کلام کا مجموعہ " دیوان ولی" کے نام سے طبع ہوچکا ہے -

دکنی شعراء کی فہرست میں اکثر تذکرہ نگاروں نے آپ کو پہلا صاحب دیوان شاعر لکھا ہے جو درست نہیں کیوں کہ اب آپ سے پہلے بہت سے صاحب دیوان شعرا کا پتا مل چکا ہے البتہ ان میں سے کسی ایک کے کلام میں بھی تغزل کا وہ رنگ ، زبان کی وہ صفائی ، روزمرہ اور محاورات کے استعمال میں وہ برجستگی اور تخیل کی وہ بلند پروازی نہیں پائی جاتی جو ولی کے کلام کی خصوصیات ہیں اس لیے اسے ہم اردو غزل کا مجدد کہہ سکتے ہیں ، موجد نہیں کہہ سکتے -

ولی سے پہلے جو صاحب دیوان شعراء گذرے ہیں یقیناً ان کی مساعی لائق صد ستائش ہیں لیکن اردو شاعری کے لحاظ سے ان کا کلام چوں کہ ولی کے کلام کی خوبیوں کو نہیں پہنچتا اس لیے ناقدین کی نظر میں زیادہ قابل اعتنا نہیں ثابت ہوا ولی کی تصنیف " نورالمعرفت " (۲) تصوف کے متعلق ایک بے نظیر کتاب سمجھی جاتی ہے جو ان کے افکار کی آئینہ دار ہے -

---

(۱) نورالحسن هاشمی ، سید (مرتبہ) " کلیات ولی" (مرتبہ [illegible] دتاسی) ، کراچی ، انجمن ترقی اردو ، ۱۹۵۳ء ،

(۲) ولی (مصنف) ، ظہیرالدین مدنی ڈاکٹر سید (مرتبہ) " نورالمعرفت " بمبئی ، انجمن اسلام اردو ری سرچ انسٹی ٹیوٹ ، جولائی ، ۱۹۳۷ء

ولی نے ١١١٩ھ / ٨-١٧٠٧ء میں انتقال کیا۔

خصوصیات کلام :

ولی کی شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے -

پہلا دور :

جب کہ وہ دکن میں تھے اور بیرونی اثرات سے دور رہے - ولی کے کلام میں اس دور سے متعلق اشعار دکنی زبان کے مروجہ الفاظ سے پر ہیں اور ان کا پڑھنا یا سننا نازک طبائع پر گراں گزرتا ہے - ہندی الفاظ کا بکثرت استعمال ہے - جمع بنانے کا بھی قدیم دکنی انداز ہے - خیالات میں بلندی اور کلام میں دلکشی نہیں ہے -)

اس دور میں ولی کے کلام میں ایک طبیادہ انداز پایا جاتا ہے - غزل میں جابجا معشوق کے حسن، خط و خال کا ذکر کیا ہے یا محبوب کا سراپا لکھا ہے - ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں ولی کے خیالات میں وسعت پیدا نہیں ہوئی تھی اور اس کا تخیل معشوق کے سراپا کے گرد ہی گھومتا رہتا تھا - اس دور میں انہوں نے قدیم دکنی شعرا کی تقلید کی اس لیے ان کے کلام پر قدیم دکنی رنگ غالب ہے - تاہم فارسی الفاظ بھی ان کے ہاں پائے جاتے ہیں -

دوسرا دور :

اس دور کا آغاز سفر دہلی سے ہوتا ہے - جب ولی ١١١٢ھ میں گجرات سے دہلی پہنچے تو حضرت سعداللہ گلشن کے مشورہ سے دکن کا فرسودہ انداز ترک کر کے شعراء متاخرین فارسی کے طرز میں شعر کہنا شروع کیا کہا جاتا ہے کہ گلشن نے ولی کو بطور نمونہ ایک غزل بھی لکھ کر دی تھی جس کا مطلع یہ ہے ــــــ

خوبی اعجاز حسن یار اگر انشا کروں

بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں (١)

---

(١) یہ شعر ڈاکٹر غلام مصطفی خاں صاحب نے "طبقات الشعراء" مولفہ قدرت اللہ مرادآبادی بحوالہ "کلیات ولی" مرتبہ احسن مارہروی، ضمیمہ٢، صفحہ ٨٧ ج - کے حوالے سے اپنی تصنیف "تحقیقی جائزے" میں نقل کیا ہے -

اپنے فارسی رسالے " نورالمعرفت " میں ولی نے اپنے آپ کو شاہ گلشن کا شاگرد بھی لکھا ہے - یہ اسی شاگردی اور فارسی شعرا کی تقلید کا اثر ہے کہ ولی کے کلام میں حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوئی جس کی بنا پر انھیں شعرا دکن کے مقابلہ میں اپنا کلام ممتاز نظر آنے لگا ـــــ:

دکنی زبان میں شعر سب لوگاں کہے ہیں اے ولی

لیکن نہیں بولا کنی یک شعر خوش تر زین نمط

" یک شعر" ، " خوش تر" ، زین نمط " سے فارسی زبان کا اثر صاف ظاہر ہو رہا ہے - نیز سب لوگاں" اور " کہے ہیں" ، یہ دو الفاظ اس بات کو ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ شعر " شاہ گلشن " کے مشورہ کے فوراً بعد کی کاوش ہے ، کیوں کہ اس کے بعد کے کلام میں نہایت شستگی اور صفائی پائی جاتی ہے - مثلاً

تجھ لب کی صفت لعل بدخشاں سے کہوں گا

جادو ہیں ترے نین غزالاں سے کہوں گا

چناں چہ اسی دور میں صنائع بدائع کا التزام اور رعایت لفظی و معنوی کا شوق بھی پیدا ہوا اور ساتھ ہی اس بات کا بھی احساس ہوا کہ غزل کے حدود معشوق کے خط و خال تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ عشق کا رنج و الم ، فلسفیانہ افکار اور متصوفانہ خیالات میں بھی رنگ تغزل پیدا کیا جاسکتا ہے ـــــ:

ولی شعر میرا سراسر ہے درد

خط و خال کی بات ہے خال خال

(یہاں "خط و خال" کے لفظ "خال" اور "خال خال "میں تجنیس مستوفی پائی جاتی ہے - اسی طرح

تیرے شکر لب کو اب مثل عسل بولنا

بلکہ عسل ہے نقل اس کو اصل بولنا

اتفاق سے اس شعر میں دو صنعتیں یک جا ہوگئی ہیں - لفظ " عسل" کی تکرار

سے صنعت تجنیس مکرر اور " صل" و " اصل" کی مشابہت صوتی سے تجنیس لاحق پیدا ہوگئی ہے -

اس دور میں اگرچہ ولی ہندوستان میں ہیں مگر کشور ایران ان کے خیالات کی جولان گاہ ہے - جس کا ثبوت حسب ذیل شعر ہے :

دی حق نے تجھے بادشہی حسن نگر کی
جا کشور ایران میں سلطان سے کیوں کا

اس شعر میں صنعت مراعات النظیر بھی ہے -

" شاہ گلشن" سے استفادہ کے بعد ولی کے کلام نے وہ عزت اور شہرت حاصل کی کہ لوگ ان کے اشعار ان کے گلشن سخن سے پھولوں کی طرح بطور تحفہ دور دور لے جاتے تھے جس کی طرف وہ خود اشارہ کرتے ہیں ـــــ

ولی تجھ طبع کے گلشن میں جو کئی سیر کرتے ہیں
وہ تحفہ لے کے جاتے ہیں گل اشعار ہر جانب

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ان کے اشعار عرب و عجم میں ہرجگہ پہنچے ہوں گے کیوں کہ اردو زبان کے سمجھنے والے اس دور میں بھی ایران و عرب تک میں پائے جاتے تھے - دوسری یہ کہ فارسی شاعری میں بھی وہ مشہور زمانہ تھے تاہم ان کا یہ دعوی اردو زبان ہی سے متعلق ہے ـــــ

شہرت ہوئی ہے جب سوں تری شعر کی ولی
مشتاق تجھ سخن کا عرب تا عجم ہوا

فارسی شعرائے متاخرین کی اس تقلید نے ولی کے طرز کو یک سربدل کر رکھ دیا ، فارسی الفاظ و تراکیب کی اتنی شان دار بندش ہے کہ پڑھنے والا عش عش کر اٹھتا ہے - ذیل کے شعر میں ایسا لطیف اور نازک خیال پیش کیا ہے کہ جسے سن کر دماغ راحت محسوس کرتا ہے- اس شعر میں تجنیس مضارع پیدا ہوگئی ہے ـــــ

کیا تجھ عشق نے ظالم کو آب آہستہ آہستہ
کہ آتش گل کو کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ

یہ لحاظ تلفظ شعر میں " کو آب " کو " کاب " پڑھیں گے اس طرح " کاب " اور گلاب میں تجنیس مضارع پیدا ہوگئی ہے - لیکن یہ صنعتوں کے التزام کا پرتصنع شوق ، زیادہ دن قائم نہ رہ سکا۔

تیسرا دور :
========

ان کی شاعری کے تیسرے دور کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب وہ اپنی عمر اور مشق سخن کے اعتبار سے پختہ کار ہوچکے تھے - اس دور میں وہ غالب کی طرح حقیقت نگاری کی طرف مائل نظر آتے ہیں ان کے اس دور کے کلام میں حقیقت نگاری کی جھلک نظر آتی ہے پھر بھی پرانے شوق (تکلف نگاری) کے کچھ نشانات اب بھی مل جاتے ہیں - وہ اپنا شمار تجربہ کار اور جہاں دیدہ لوگوں میں کرتے ہوئے نصیحت فرماتے ہیں ـــــ

سختی کے بعد عیش کا امیدوار رہ
آخر ہے روزہ دار کو اک روز عید بان

اس دور میں اگرچہ تصوف اپنا رنگ جماتا جارہا ہے لیکن انداز بیان سے شوخی عیاں ہے ـــــ

ولی تجھ شعر کو سن کر ہوئے ہیں مست اہل دل
اثر ہے شعر میں تیرے شراب پرتگالی کا

دنیا کے ہاتھوں وہ ستائے ہوئے ہیں، کشتۂ ستم اور دل فگار ہیں وہ لوگوں کو اپنی داستان غم سناتا چاہتے ہیں تاکہ لوگ دنیا کے پیچھے دیوانہ وار دوڑنا چھوڑ دیں لیکن یہ دنیا کے شیدائی ولی کی مخلصانہ اور مشفقانہ بات سننے تک کے روادار نہیں جس کا انہیں نہایت غم ہے اور اس شدت غم کا اس طرح اظہار کرتے ہیں ـــــ

نہیں سنتا کوئی احوال میری دلفگاری کا
کہوں کس سوں گریباں چاک کر دکھ بے قراری کا

26827
3.5.77

ولی اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ جب تک انسان دنیا کا طالب رہتا ہے وہ دین کی لذتوں سے محروم رہتا ہے لیکن جب نفسانی تقاضوں سے کنارہ کش ہوکر دنیوی خواہشات کے چنگل سے چھٹکارہ حاصل کرلیتا ہے تو پھر وہ روحانی لذتوں سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے ـــــ

دہ پائے دین کی لذت جسے دنیا کی ہے خواہش
قفل ہے لذت دنیا حقیقت کے خزانے کا

اس دور میں ان کی طبیعت سادگی اور حقیقت پسندی کی طرف مائل ہوئی تو انھیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ جسے فقر و استغنا کی دولت حاصل ہوجاتی ہے وہ تصوف کی اس منزل پر ہوتا ہے جہاں اس کی نظر میں شان سکندری بھی ہیچ ہوتی ہے وہ صرف اس اللہ کا فقیر ہوتا ہے جس کے دربار کے بڑے بڑے بادشاہ بھکاری ہیں جیسا کہ خداوند قدوس خود ارشاد فرماتا ہے : " واللہ الغنی وانتم الفقراء " ـ چنانچہ ولی فرماتے ہیں :

پایا ہے جو کوئی دولت فقر
مشتاق نہیں سکندری کا

جب انسان کی چشم بصیرت کھلتی ہے تو اسے جلوۂ حسن خداوندی عیاں نظر آنے لگتا ہے ـ شعر میں وجدانی کیفیت عیاں ہے اور سادگی طرۂ امتیاز ہے ـــــ

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسن بے حجاب اس کا
بغیر از دیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اس کا

اسی تصوف نے ولی کو عشق کی اس منزل پر پہنچایا کہ جہاں عشق کے ہاتھوں وہ بے بس ہوگئے ، اس بے کسی نے آپ کے حال پر یہ احسان کیا کہ آپ کے دل میں تصور یار اور غم جاناں کو کبھی تنہائی کا ساتھی بنادیا جس کے بعد احساس تنہائی تک جاتا رہا ـــــ

بے کسی کے حال میں یک آن میں تنہا نہیں
غم ترا سینے میں میرے ہمدم جانی ہوا

عشق حقیقی کے طلب گار جب طلب دید لے کر خانۂ خدا میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اپنے چاہنے والوں کو دعوت دیدار دیتا ہے اور اپنے دیدار سے ہر ایک کو مست و

یہ خود بتادیتا ہے ــــ:

آج تیری شبیہ نے مسجد میں
ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا

تیسرے دور کے کلام میں وہ صرف دکنی انداز متروک نظر آتا ہے بلکہ پہلے دور کے اشعار اور تیسرا دور کے اشعار میں اتنا واضح فرق ہے کہ کوئی شخص یکایک باور نہیں کرسکتا کہ یہ ایک ہی شاعر کا کلام ہے ۔ در حقیقت مشورہ گلشن اور فارسی شعراء کی تقلید سخن نے ایسی گلکاری کی کہ ولی کے گلشن سخن کا رنگ ہی کچھ کا کچھ ہوگیا پھر تصوف کی چاشنی نے اس میں حقیقت و معرفت کا رنگ بھر دیا اسی کے بعد ان کا کلام دیگر شعرا کے لیے قابل تقلید ہوا اور بعد کے شعرا کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا۔

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ:-

فارسی خاک پا کش کہ راحت جاں است سرمۂ چشم اہل عرفاں است

اردو تری جناب کا وہ سحن ہے سراپا نور کہ جس کی خاک پہ از سرمۂ صفا بادی

ولی کے دونوں اشعار زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے نہایت بلند مقام رکھتے ہیں ۔ بالخصوص اس زمانے کو دیکھتے ہوئے کہ اردو شاعری کا ابتدائی زمانہ تھا اور زبان میں وہ صفائی اور ترکیب الفاظ میں وہ دروبست اور پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی جو اس زبان نے آگے چل کر حاصل کی اور انداز بیان میں بھی بلاغت و فصاحت اور معانی و بیان کی خوبیوں کا اس وقت بہت کم لحاظ کیا جاتا تھا ۔ اسی طرح فارسی کا بھی معاملہ تھا کہ ولی ہمیشہ دکنی زبان ہی میں شعر کہتے رہے اور جب اس زبان نے کچھ ترقی کے مراحل طے کر کے ریختہ اور اردو کی شکل اختیار کرلی تو اردو میں شعر کہتے رہے وہ فارسی کے شاعر نہ تھے مگر ان دونوں اشعار کو دیکھئے تو اردو شعر کی زبان اور انداز بیان تقریباً آج کی زبان سے کچھ زیادہ مختلف معلوم نہیں ہوتا اور فارسی کا شعر بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل زبان کا نہیں تو کم سے کم بڑے مشاق فارسی گو شاعر کا شعر ہے ۔

فارسی کے شعر میں چوں کہ ممدوح کے گھر کی خاک کی بیک وقت دو خوبیاں بیان ہوگئی ہیں اور اس طرح بیان ہوئی ہیں کہ ان کے بیان کرنے میں قصد و ارادے کو دخل کم

معلوم ہوتا ہے ، بلکہ معلوم ہوتا کہ بلا قصد و ارادہ اس خاک کے اوصاف بے ساختہ زبان سے نکل گئے ہیں - یعنی پہلی صفت یہ کہ وہ خاک راحت جاں ہے اور دوسری صفت یہ کہ سرمۂ چشم اہل عرفاں ہے - اس لیے ان دونوں اشعار میں ہم فارسی کے شعر کو ترجیح دیتے ہیں-

=======XXX X=====

فارسی   زبان پاک او مفتاح عرفی   معانی از بیانش گشتہ روشن

اردو   تری طبع کو دیا حق نے فہم[ے] ہرمقصد   تری زبان کو سزاوار ہے سخن رانی

شاعر نے اپنے دونوں اشعار میں ممدوح کی زبان اور اس کے انداز بیان کی تعریف کی ہے - اردو کے شعر میں اگر " کون" کی بجائے" کو " پڑھا جائے تب بھی شعر موزوں رہتا ہے مگر معلوم ہوتا ہے شعر میں کی دونوں مصرعوں میں " کو" نہیں بلکہ " کون" ہی ہے - بہرحال اس ایک لفظ کے علاوہ پورا شعر بالکل آج کی زبان کا معلوم ہوتا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے - فارسی کا شعر بھی زبان و بیان کے اعتبار سے ایک پختہ گو فارسی شاعر کا کلام معلوم ہوتا ہے - بہرحال دونوں اشعار میں ترجیح فارسی ہی کے شعر کو دی جانی چاہئیے کیوں کہ اس میں پہلے مصرع میں ممدوح کی زبان کی تعریف کی ہے اور دوسرے میں اس کے انداز بیان کی اور زبان ~~کی~~ اور انداز بیان کی نسبت بہت زیادہ مناسب اور قریب کی نسبت ہے -

فارسی   بحق واصل ز خود وارستۂ چند   بہ رنگ ذرۂ با خورشید پیوند

اردو   عشق میں لازم ہے اول ذات کوں فانی کرے   ہو فنا فی اللہ ، دائم یاد یزدانی کرے

دونوں اشعار میں ولی دکنی نے فنا فی اللہ کا مضمون باندھا ہے - فنا کے مسئلہ کو ہماری بعض عجمی مؤلفہ نے اسلامی فنا کے مسئلہ سے جدا کر کے ہمہ و ہمہ اوست کے مسئلہ فنا سے ملا دیا ہے - اسلامی نقطۂ نظر سے فنا کا یہ مفہوم ہے کہ انسان اپنے ذاتی صفات کو خدا کے صفات میں فنا کردے اور اسی کو قرآن میں " صبغۃ اللہ " (۱) کہا گیا ہے اور اسی کی طرف

---

(۱)   سورۂ بقرہ ، پہلا پارہ ، آخری رکوع

ے اصل نسخہ میں فہم کی جگہ "بہن" استعمال ہوا ہے۔

" تخلقوا باخلاق اللہ " ارشاد نبوی میں اشارہ ہے کہ جو لوگ فنا کا مقام حاصل کرلیتے ہیں، یعنی اپنے ذاتی صفات اور اپنے ذاتی رنگ کو چھوڑ کر خدا کے صفات اور خدا کا رنگ اختیار کرلیتے ہیں وہ بڑے مقام کے لوگ ہوتے ہیں - بظاہر ذرّہ لیکن حقیقت میں خورشید ہوتے ہیں-

لیکن عجمی تصوف نے اس فنا کی بجائے فنائے ذات کا عجیب و غریب نظریہ پیدا کیا ہے- یعنی اپنی ذات کو خدا کی ذات میں اس طرح فنا کردو جس طرح قطرہ دریا میں مل کر اپنے آپ کو فنا کردیتا ہے ، حالاں کہ اسلام میں فنا کا مطلب محویت ہے - ان دونو اشعارمیں فارسی کا ~~یکسی حد تک~~ شعر اسلامی نظریۂ فنا کی عکاسی کرتا ہے لیکن اردو کے شعر میں اسی عجمی فنا کا بیان کیا گیا ہے ، جس کا ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں - اس شعر سے یہ بات نہیں نکلتی کہ فنا فی اللہ کا کیا درجہ ہوتا ہے ، اس اعتبار سے فارسی کا شعر اردو کے شعر کے مقابلہ میں بہتر اور مکمل معلوم ہوتا ہے -

چند مزید اشعار تقابلی مطالعہ کے لیے پیش خدمت ہیں :-

فارسی　زہے گلشن کہ گر آیم بوصفش　　بہار افشاں شود کلک سخن کش

اردو　عجیب گلزار ہے وہ مظہر گل　　کہ ہے جس باغ کا خورشید اک گل

===xxx===

فارسی　زہے موزوں مکاں دل نشیں است　　نظر گاہ فلک فرق زمیں است

اردو　فلک پہ فخر زمیں کو کرے نہیں ہے عجب　　کہ اس کے سر پہ یہ گنبد ہے تاج خاقانی

=====xxxx=====

فارسی　کسی کو طبع از ابہام گردد　　خورد زاں جرعۂ شیریں کام گردد

اردو　مجکو پہنچی اس شکر لب کی خبر　　حق شکر خیری کو دیتا ہے شکر

====xxxxx====

فارسی　چو بسم گر ثنائے سبزۂ خطر　　قلم چوں شاخ نرگس می شود سبز

اردو　ثنا لکھنے میں اس آہو نین کی　　ہوا جیوں شاخ نرگس ہر قلم سبز

سراج :

سید سراج الدین نام اور سراج تخلص تھا ۔ آپ اورنگ آباد میں (۱) ۱۱۲۸ھ/ ۱۷۱۵-۱۶ء میں پیدا ہوئے ۔ آپ حسینی سادات سے تعلق رکھتے تھے ۔ آپ نے اپنا حال منتخب دیوان کے دیباچے میں لکھا ہے کہ مجھ پر بارہ برس کی عمر میں جذب و مستی کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر حضرت شاہ برہان الدین غریب دولت آبادی کے روضہ کے اطراف گھومتا رہتا اور ایسی حالت مستی میں اکثر زبان سے بے ساختہ فارسی اشعار نکلتے ۔ اگر کوئی شائق اس وقت موجود ہوتا اور کہتا رہتا تو ایک دیوان مرتب ہوجاتا ، اس کلام کو دیکھ کر لوگ متعجب ہوتے اور اسے الہامی کلام قرار دیتے ۔ یہ کیفیت بارہ سال تک رہی اس کے بعد حضرت خواجہ عبدالرحمن چشتی (متوفی ۱۱۶۱ھ) کی خدمت میں پہنچ کر بحسن ارادت ان کے مرید ہوئے ۔ اس زمانے میں انھوں نے ریختہ زبان میں اشعار کہے ان کے برادر طریقت عبدالرسول خان صاحب نے ان متفرق جواہر پاروں کو جو تخمیناً پانچ ہزار اشعار پر مشتمل تھے حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا اور سراج کا ایک مکمل دیوان شائقین کے ہاتھوں تک پہنچا ۔

سراج فقیر، پاک باز، پرہیزگار، مسافر دوست ، غریب نواز اور خلوت گزین انسان تھے مزاج میں اس درجہ انکسار تھا کہ ہرکس و ناکس کے آگے بچھے جاتے تھے ، انتہائی خوش اخلاق اور باوضع انسان تھے بچوں میں بچے، جوانوں میں جوان اور بوڑھوں میں بوڑھے ۔

میر تقی میر نے "نکات الشعرا" میں انھیں سید حمزہ کا شاگرد بتایا ہے ، آپ کے متعلق مشہور تھا کہ آپ کا کلام الہامی ہے ۔ صاحب محبوب الزمن نے لکھا ہے کہ آپ نے کسی سے اکتساب فیض نہیں کیا اور یہ قول درست بھی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ آپ نے اپنے خود نوشت حالات میں اس کا ذکر نہیں کیا ۔ آپ کی تعلیم و تربیت بھی بزرگان دین ہی کے فیوض و برکات کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے ۔ پروفیسر محی الدین زور نے آپ کو ولی کا جانشین لکھا ہے ۔ یہ ادعا بلحاظ کمال یا بربنائے فیض فائدہ سکتی ہے ورنہ ان کا زمانہ ولی کے

---

(۱) عبدالقادر سروری ، "سراج سخن" ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء ، ص ۲۰

بہت بعد کا ہے - ولی کی وفات ۱۱۱۹ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر صرف ۸ سال تھی اس لیے جانشینی تو کیا شاگردی کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا - ہاں ولی کے بعد آپ ہی کا مرتبہ ہے - جیسا کہ خود فرماتے ہیں :

تجھ بن اے سراج بعد ولی کے
کوئی صاحب سخن نہیں دیکھا

آخر ۴ شوال ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳-۶۴ء کو اس دار فانی سے ملک باقی کو سدھارے - لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی نے قطعہ تاریخ کہا :

سید حق پرست معنی سنج — کہ ازو یافت شعر حسن رواج
سال فوتش شفیق کرد رقم — روبروحانی نمود شاہ سراج (۱)

خصوصیات کلام سراج :

ولی اورنگ آبادی کے بعد ریختہ گوئی میں آپ کا مقام بہت بلند ہے اور آپ ہی کی بدولت شعر و سخن کے چمن میں تازگی اور شگفتگی پیدا ہوئی - آپ کا شہرہ دکن سے دہلی تک پہنچا اور آپ کے کلام کو ہر خاص و عام کی محفل میں مقبولیت حاصل ہوئی - آپ کو فارسی گو شعراء میں بھی بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا - آپ خوش کلام ، بلند خیال اور عالی دماغ تھے - فارسی کلام کی بندش بامحاورہ ہے اور کوئی شعر لطافت سے خالی نہیں ، کلام کی چستی اور زبان کی درستی کا یہ عالم ہے کہ ایرانی الاصل ہونے کا گمان ہوتا ہے -

ہمارے پیش نظر ان کا قلمی کلیات ہے جو بہت ہی مستعلیق لکھا ہوا ہے اسی کے آخر میں فارسی غزلیات و مخمسات بھی ہیں - کلام ایہام و ذومعنی الفاظ سے کسی حد تک پاک ہے - بیان میں سادگی ہے ، تکلف و بناوٹ نام کو بھی نہیں ہے - ان کی غزلیات حسن و عشق کے کرشموں اور غمزوں کا مرقع ہیں جن میں خط و خال کے سہنے اور لب و رخسار

---

(۱) ابوتراب محمد عبدالجبار خان صوفی (مرتبہ) ، "محبوب الزمن" (تذکرہ شعرائے دکن) حیدرآباد : مطبع رحمانی ، ۱۳۲۹ھ ، حصہ اول ، ص ۳۸۹

کے ذکر سے گلکاری کی گئی ہے جسے دیکھنے سے باغ کی سیر کا سا لطف و سرور حاصل ہوتا ہے - خود فرماتے ہیں :

سراج از بس طراوت ہے تری اشعار رنگیں میں
مثال گل ہر ایک طبع کو وہ مرغوب ہوتا ہے

پھر اس میں معرفت کی آمیزش قند و نبات کا مزہ دیتی ہے - خود فرماتے ہیں :

اے سراج آرزو کے قند نہیں
شعر تیرا ہے جیوں نبات لذیذ

ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ جس کے مطالعہ سے اہل باطن اور سالکان راہ طریقت بے خود ہوجاتے ہیں اور ان پر محویت طاری ہوجاتی ہے -

درحقیقت ولی نے دکن میں زمین ریختہ میں جو پودے لگائے تھے سراج نے اپنی توجہ خاص سے ان پودوں کی آبیاری کی اور انھیں پروان چڑھایا - جب چمن ریختہ سرسبز و شاداب ہوا تو اہل دکن نے اس سے خوشہ چینی کی اور بکمال رغبت اسے بطور تحفہ دور دور تک لے جایا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستان میں ان کی شہرت کے چراغ روشن ہوئے - ان کے زمانے میں ریختہ کو دکن میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ شہر میں بکثرت مشاعروں کا زور ہوا - اکثر مشاعروں کی صدارت سراج ہی کرتے تھے - ان کے زمانے میں شاعری کے ذریعہ تصوف کو بہت عروج حاصل ہوا - گھر گھر تصوف کے چرچے رہنے لگے - مشائخ و علماء میں آپ بڑی قدر کی نظر سے دیکھے جاتے تھے - آپ سلسلہ چشتیہ سے منسلک تھے ، اس لیے ہفتہ میں ایک بار محفل سماع منعقد ہوتی تھی قوال اور گویے آپ کی غزلیں سناتے تھے - اہل مجلس پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی - صوفیائے کرام کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے تھے - آپ کی نظر میں بڑا جلال و رعب تھا ، ہرکس و ناکس آپ سے نظر ملانے کی تاب نہ لاسکتا تھا -

تادم مرگ کسی غیر اللہ کی تعریف نہیں کی - کسی کے آگے سائل بننا اہانت کی توہین سمجھتے تھے - دنیا و مافیہا سے بے نیاز اپنی کٹیا میں ہمیشہ مگن اور یاد الٰہی کی

کی لگن میں رہے آپ کے معاصرین میں میر غلام علی آزاد بلگرامی اور لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

اساتذہ کا کلام بڑی توجہ سے سنتے تھے ، بڑے نقاد تھے مگر منصف مزاج اور حق پسند تھے اگر سخن سنجیدہ اور کلام پسندیدہ ہوتا تو بے حد تعریف فرماتے ۔

سراج کے کلام میں مقامی رنگ بھی پایا جاتا ہے جو میں تقاضۂ فطرت ہے ـــــــ

میرے مذاق جان میں ہے قند و نبات تلخ

پایا ہوں جب سوں لذت شیریں مقال دوست

===xxx===

اگر بہشت میں مجکو صدا کرے رضوان

تیری گلی سوں دم حشر لگ نجاوں کا

اس شعر میں " اگر" کی جگہ " اگر " "مجھکو" کی جگہ " مجکو " "گلی سے" کی جگہ " گلی سوں " ، " حشر تک " کی جگہ " حشر لگ " اور " گا" کی جگہ " کا" وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن ولی کے مقابلے میں ان کے کلام میں مقامی رنگ کا اثر بہت کم نظر آتا ہے اور اسی وجہ سے ولی کے مقابلہ میں ان کا کلام نسبتاً عام فہم سادہ اور دل کش ہے ۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کے کلام پر دہلوی اثر غالب ہے زبان میں وہی صفائی وہی بندش وہی دل کشی اور ندرت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے جو دہلی کا خاصہ ہے ۔ جس کی بنا پر وہ ولی سے گوئے سبقت لے گیے ہیں ۔ چناں چہ کسی بھی صورت سے انھیں ولی کا تتبع کرنے والا کہنا درست نہ ہوگا ۔

ان کا انداز ولی سے جدا ہے ۔ زبان میں کہیں کہیں دہلوی رنگ نمایاں ہے۔ ان کے بیان میں حسن اور تخیل میں ندرت ہے ، زبان صاف اور بامحاورہ ہے، اور اسی خصوصیت نے انھیں قبول عام بخشا ہے ۔

سراج کے اردو اور فارسی کے ایک شعر کا خصوصی جائزہ :

فارسی   بس کہ می ترسم از آن کاکل خون خوار سیاہ   ہر طرف در نظرم جلوہ کند مار سیاہ

اردو   اپنے ماروں کو مت پریشاں کر   زلف مشکیں کو پیچ و تاب نہ دے

زلف کو شعراء مار سیاہ سے بھی تشبیہہ دیتے ہیں، ان دونوں اشعار میں سراج نے اس تشبیہہ سے کام لے کر شعر میں نئی بات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے - فارسی کے شعر میں ایک نفسیاتی بات سے فائدہ اٹھایا ہے وہ یہ کہ جب آدمی کسی شخص یا کسی چیز سے بہت زیادہ خائف ہوتا ہے تو ہر طرف اور ہر جگہ اس کو اسی چیز کا خوف لاحق رہتا ہے - شاعر چوں کہ زلف سیاہ کو مار سیاہ کہہ چکا ہے اب اس میں مزید مبالغہ یہ کرتا ہے کہ میرے دل میں ان سانپوں کا اتنا خوف بیٹھ گیا ہے کہ مجھے ہر طرف کالے کالے سانپ نظر آتے ہیں۔

اس نفسیاتی بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شاعر نے اپنے شعر میں ندرت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اپنی کوشش میں ایک حد تک کامیاب بھی ہوا ہے -

اردو کے شعر میں شاعر نے مار اور پریشاں کے دونوں لفظوں سے فائدہ اٹھایا ہے اور اس طرح شعر میں معنوی خوبی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے -

مارا کے معنی کشتہ اور قتیل کے ہیں کہتے ہیں کہ میں آپ کے عشووں کا مارا ہوا ہوں یعنی قتیل عشوہ ہوں، لیکن مارا جمع میں ماروں ہی استعمال ہوتا ہے اور مار جس کے معنی سانپ کے ہیں وہ بھی جمع کی صورت میں ماروں ہوجاتا ہے اس طرح اس لفظ کی وجہ سے شعر میں صنعت ایہام پیدا ہوگئی ہے اور لفظ پریشاں مشترک المعنی لفظ ہے یعنی اس کے معنی منتشر اور بکھرے ہوئے کے بھی ہیں اور آزردہ ستائے ہوئے کے بھی - یہاں دونوں معنوں سے کام لیا گیا ہے - مار کے لیے منتشر اور پریشاں اور لفظ مارا کے اعتبار سے آزردہ اور مصیبت زدہ کے الفاظ استعمال میں آئے ہیں - شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اے دوست اپنی زلف مشکیں کو پیچ و تاب نہ دے، اس کی اس حالت سے تیرے عشاق کا حال خراب سے خراب تر ہوتا چلا جاتا ہے اور تشبیہہ کے لحاظ سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ زلفوں کا پیچ و تاب دینا گویا سانپوں کو چھوڑنا یا پریشان کرنا ہے اور یہ بات بھی بڑی خطرناک ہے - بہرحال شاعر

نے اپنے دونوں اشعار میں ندرت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور دونوں شعر شاعرانہ صنعت کے اعتبار سے خوب ہیں لیکن دونوں میں نسبتاً فارسی کا شعر بہتر ہے کیا زبان کے اعتبار سے اور کیا انداز بیان اور اس مضمون کے اعتبار سے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ۔

چند مزید اشعار :

فارسی زیر بار محنت عشقم که یاری بوده است مدتی در بیکسی ها غمگساری بوده است

اردو اس بیکسی کے حال میں غمخوار کوئی نہیں لیکن همیشه درد جدائی شفیق ہے

====xxx====

فارسی ساغرم از می عشرت چو حباب است تهی گله تاکے کنم از بخت نگوں سار سیاه

اردو کر دے اے بحر حسن تجکو کیا که کسی تشنه لب کو آب عدے

====xxx====

فارسی دل عاشق ز هجرت پر ملال است بیاد مشکل آسانش تو باشی

اردو هجرکی آگ میں عذاب ہے مثل سیماب اضطراب ہے

=====xxx=====

فارسی دیده ام چوں دیدهٔ آئینه حیرت محو بود جاں من خوب‌آمدی خوب انتظاری بوده است

اردو خلوت انتظار میں اوسکی درو دیوار کا تماشا ہے

======

میر عبدالولی عزلت :

میر عبدالولی سورتی کے نام سے معروف تھے ۔ سید سعد اللہ کے فرزند تھے اور عزلت تخلص کرتے تھے ، آپ شاہ پیر محمد سلونی (۱) کے نواسے تھے ۔ آپ سلون ضلع سورت میں ١١٠٣ھ/٩٣-١٦٩٢ء میں پیدا ہوئے ۔ اسی لیے آپ کے نام کے ساتھ "سورتی" کا اضافہ ہوا ۔ آپ کی شخصیت میں عجیب و غریب صفات مجتمع تھیں ۔ فن موسیقی میں دستگاہ کامل

---

(۱) سلون قصبے کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے سلونی کہلاتے تھے جو ضلع سورت میں تھا ۔

رکھتے تھے اور ایسی مترنم آواز تھی کہ سننے والوں کو وجد میں لے آتے تھے بقول مومن :

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک

شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

اور مصوری میں بہزاد کو شرماتے تھے ۔ آپ کے والد سورت تشریف لے آئے تھے، جملہ علوم و فنون اپنے والد ہی سے حاصل کیے ۔ اوائل عمر ہی سے ان کو شعر و سخن سے لگاؤ تھا ۔ آپ کے خیال میں شعر گوئی کی صلاحیت فطری عطیہ ہے اکتسابی نہیں خود فرماتے ہیں :

شعر گفتن قولت آسانست ، دخلش مشکل است

قطرہ گوہر صدف خود بست و نتواند کشود

اول فارسی میں شعر کہنے کا شوق تھا پھر ریختہ کی طرف مائل ہوئے ۔ کبت ، دوہے ، پہیلیاں غرض سبھی میں طبع آزمائی کی اور ایسا کمال حاصل کیا کہ استاد فن کہلائے۔

۱۱۶۳ھ (۱) میں دہلی تشریف لے گئے اور وہاں چند سال قیام کیا۔ قیام کے دوران شہر کے مشہور شعرا سے ملاقات کی ۔ سراج الدین علی خان آرزو سے استفادہ کیا ، میر تقی میر سے بھی بڑے اچھے مراسم تھے ۔ اس کے بعد بنگال پھر حیدرآباد تشریف لے گئے وہاں امیرالملک بن نواب آصف جاہ غفران پناہ نے معقول وظیفہ مقرر کردیا تھا (۲) اسی پر گذر اوقات تھی ۔ مزاج میں حد درجہ مروت تھی اور خاکساری تو ان کے مزاج میں رچ بس گئی تھی :

ز فیض خاکساری مذہب نقش قدم دارم

بفرقم ہر کہ پا زد جا دہم در چشم پایش را

لچھمی نرائن شفیق گل رعنا (قلمی نسخہ) میں فرماتے ہیں " گل رعنا کے ختم ہوجانے کے بعد خبر ملی کی میر عبدالولی عزلت نے حیدرآباد میں ۱۶/ رجب ، ۱۱۸۹ھ / ۷۶-۱۷۷۵ء کو انتقال فرمایا ، اس وقت حضرت آزاد نے یہ قطعۂ تاریخ کہا :

---

(۱) ابوتراب محمد عبدالجبار خان صوفی ، محولہ بالا ، حصہ دوم ، ص ۸۱۶
محمد یحیی تنہا ، مراۃ الشعراء ، ص ۱۳۱

(۲) ایضاً (تنہا نے لکھا ہے کہ " حیدرآباد میں نواب صلابت جنگ آصف الدولہ بہادر نے دو گاؤں جاگیر میں عنایت فرمائے تھے ۔") ص ۱۳۱

فضائل نشان میر عبدالولی زد دنیا بگلگشت جنت برفت

چو بشنید آزاد این واقعہ رقم کرد تاریخ عزلت برفت

١١٨٩ھ

خصوصیات کلام :

میر تقی میر نے نکات الشعرا میں عزلت کا ذکر بڑی خوبی سے کیا ہے - ان کا کلام واردات قلبی کا مرقع نظر آتا ہے - بہت ذکی الحس انسان تھے، انھوں نے قدیم فارسی شعرا سے بھی استفادہ کیا ہے ، مثلاً مولانائے روم کے اس خیال کو کہ " عشق اول درد دل معشوق پیدا می شود " انھوں نے اپنے رنگ میں بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے :

مولانا روم: عشق اول درد دل معشوق پیدا می شود تانسوزد شمع کی پروانہ شیدا می شود

عزلت: گرچہ خود در دل پروانہ زد آتش اول کہ خاکسترش آخر بسر انداختہ شمع

عزلت زمانے کی کج روی سے بڑے دل برداشتہ نظر آتے ہیں اور نہایت موثر انداز میں اس کا شکوہ کرتے ہیں :

درین عہد سست الفت بس کہ سامان جدائی ہا

بشکلین شود مقراض قطع آشنائی ہا

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :

دوستان از دوستان محروم و دشمن کامیاب

چیدہ مقراض از دہان شمع گل ، پروانہ سوخت

وہ جب دیکھتے ہیں کہ زمانے میں کوئی کسی سے خلوص اور محبت سے نہیں ملتا بلکہ لفظ الفت کو زبانی جمع خرچ کے طور پر بولتے ہیں گویا رسمی طور پر گرمجوشی اور خلوص کا مظاہرہ کرتے ہیں، تو انھیں دلی صدمہ ہوتا ہے - چناں چہ وہ احباب کے اس رویہ کا اس طرح شکوہ کرتے ہیں :

بگرم جوشی یاران مصر تکیہ مکن

کہ چون معانقہ عہد ، اعتمادی نیست

عاشق اگرچہ اس دنیائے فانی سے گذر جاتا ہے لیکن عشق کو سربلند کرجاتا ہے اور اسی کی بدولت خود بھی زندۂ جاوید ہوجاتا ہے ۔ اکثر شعراء نے اس خیال کو باندھا ہے لیکن عزلت کے اس خیال کا انداز سب سے جدا ہے :-

نام اہل عشق بعد از مرگ من هم زنده است
بر مزارم گنبدی از سنگ طفلان شد بلند

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :
==================================

فارسی — بیاد شوق کوئے یار بسپردند خاک خود — خدا جنت دهد این جانثاران محبت را

اردو — سدھارے گل کہاں سونے پڑے ہیں گلستاں اپنے — گئی ہیں بلبلیں کیدھر جلاکر آشیاں اپنا

فارسی کے شعر میں عشاق کے فرط شوق کا بیان کیا ہے ۔ کوئے یار کی یاد نے اس قدر غلبہ کیا کہ عشاق نے اپنی جانیں دیدیں ۔ اور چونکہ یہ جان نثاری بڑی قابل قدر چیز ہے اس لیے شاعر دعا دیتا ہے کہ خدا ان جانثاران الفت کو جنت میں جگہ عطا فرمائے۔

اردو کے شعر میں بھی کچھ اسی قسم کا مضمون باندھا ہے کہ گلستاں سونے پڑے ہیں اس لیے کہ جب گل نہ رہے تو گلوں کی جدائی میں بلبلوں نے اپنے آشیانے جلا دیے ۔

دونوں اشعار زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے اوسط درجہ کے ہیں اس لیے اس زمانے تک اردو زبان میں وہ صفائی پیدا نہیں ہوئی تھی جو آج اس کو حاصل ہے ۔ رہا فارسی شعر اوراس کی زبان کا معاملہ تو اس کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ عزلت کو فارسی میں وہ قدرت حاصل نہ تھی کہ ان کے کلام میں اہل زبان کا انداز نظر آتا ۔

===XXX===

فارسی — غنچه ها تنگ دل و دامن گلها چاک است — تربیت خانۂ مژگان اسیر است چمن

اردو — سمجھ اپنا مرض الفت کا جب میں عرض کرتا ہوں
جلے دل کی شگفتی کو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے

فارسی کے شعر میں شاعر نے صنعت حسن تعلیل کا استعمال کیا ہے اور اس صنعت

کی وجہ سے شعر میں بڑی خوبی پیدا ہوگئی - فرماتے ہیں کہ غنچوں کو دیکھئے تو تنگ دل نظر آتے ہیں اور گلوں کو دیکھئے تو ان کے پیراہن چاک ہیں اس طرح چمن کا چمن عزاخانہ بنا ہوا ہے یعنی چمن کی ہر چیز کو غم ہے اور وہ غم ان مرغان اسیر کا ہے جن کو صیاد نے گرفتار کرلیا ہے -

اردو کے شعر کا مضمون کسی قدر مختلف ہے - فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے دوست سے اپنے سوز الفت کا حال بیان کرتا ہوں تو وہ مجھ دل جلے کی تشفی کو آنکھیں دکھاتا ہے- شاعر نے آنکھیں دکھانے کا محاورہ بطور طنز استعمال کیا ہے - بہرحال دونوں اشعار میں فارسی کا شعر بہتر ہے -

=====XX=====

چند مزید اشعار تقابلی مطالعہ کی ضمن میں پیش کیے جاتے ہیں :

فارسی — ہلال عید بدابید بلکہ ماہ صیام   وداع گشت و خمید و سلام کرد وگذشت

اردو — جاتا ہے منہ چھپائے کیوں یک نگہ ادھر بھی

او الٹی شال والے عودی رومال والے

=====XX=====

فارسی — یک بیاباں چشم پرخوں است فرش راہ او   کوی ظالمان می شد لالہ زار تازہ

اردو — تم پر فدا ہیں سارے حسن و جمال والے   کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

=====XXX=====

فارسی — ادب بہ مہر زبانم بود و گرنہ نالہ خواہ از من

چہا امشب ز دست خامشی فریاد می کردم

اردو — اے بلبل اتنی روکے دعا ہر سحر تو مانگ   حق تیری آہ سرد چمن کی ہوا کرے

======XXXX=====

فارسی — باغبان کو سوخت ازکین آشیان عندلیب   نوک گلچیں است عزرائیل جان عندلیب

اردو — خاطر یاران میں ہے ہم خاکساروں کا غبار   صاف ہے شکوہ دلوں میں کیا محبت خاک ہے

فارسی کرحنامی‌بحدی ای کاروی نافرمان من   داغ شد آخر برگ لاله خون دیده ام

اردو دیکھ مت رنگین چمن کو دل مرا صاف ہے   گل کے ہاتھوں خون بلبل کا گریبان چاک ہے

===XX===

فارسی دلی بستم بیاران ناگشاید جد و که کردم   من ابنای زمان راتیک داستم چه بدکردم

اردو جس ابروے سجن میں مرا دل الجھا ہے   دل کھلے گر کبھی دونوں میں گرہ پڑجائے

=====XX====

فارسی بحرون درد دل مثل حباب جام می‌غلت   زجیب چشم تر چشم تری دیگر برون آرم

اردو گھر بہتا پھرتا ہے اے گریۂ غم   کہ آنکھوں سے تیرا خریدار میں ہوں

===XX===

فارسی تا شکر های دست دیدار او کنم   از چشم تر چو شمع برآمد زبان ما

اردو تری زلف کی شب کا بیدار میں ہوں   تجھ آنکھوں کے ساغر کا میخوار میں ہوں

====XX====

فارسی دلم را زخم زد دیگر شد آن دلستان پیدا   ز رخم چشم حیران شد چونرگس ناگہان پیدا

اردو جس خوش نگہ کو پہنچوں غفلت کو چھوڑ لیجے   میں خفتہ بخت شب کا افسانہ ہو رہا ہوں

=====XXX====

فارسی گی‌بہ تنہائی تلاش داد رس باشد مرا   مشفقی چون بے کسی دارم کہ بس باشد مرا

اردو بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا   سوائے بے کسی اب اور آشنا نہ رہا

===XXX===

فارسی رشک نقش قدم کی بتان چشم سوخت   بے تکلف بہ ازین چشم برہ نتوان دوخت

اردو حولت گمان یون تھا کہ چل کر ہوا ہے راکھ   پھر درد آہ دل میں مرا دیدۂ تر گیا

===XX===

فارسی از هواداران یاران ستمگارم چو شمع   میکنم روشن چراغش هر که می‌سوزد مرا

اردو اس کو پہنچی خبر کہ مرتا ہوں   کسی دشمن سے یہ سنا ہوگا

فارسی افسوس کہ داد رس نماندہ است امروز   دانم کہ ہم نفس نماندہ است امروز

اردو سیہ روزی میں میری قدر کو احباب کیا جانیں   اندھیری رات میں کس کو کوئی پہچانتا ہے کا

=====xxx=====

فارسی گرچہ خود در دل پروانہ زد آتش اول   کرد خاکسترش آخر بسر انداختہ شمع

اردو جلایا صحبت دل تو نے کیوں برق تغافل سے   جو سچ بولوں تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

ooooooo

لچھمی نرائن ، شفیق : (صاحب) :-

لچھمی نرائن نام اور صاحب و شفیق تخلص کرتے تھے - ۲/ صفر ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء(۱) اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے - میر غلام علی آزاد بلگرامی کی خدمت میں رہ کر تربیت و تعلیم پائی اور آزاد کی خصوصی توجہ سے جلد ہی صاحب استعداد ہوئے اور صمصام الدولہ کے زمانہ میں دولت چند کے خطاب و منصب سے نوازے گئے - درحقیقت یہ آزاد بلگرامی ہی کا فیض تھا - جس کا لچھمی نرائن نے خود اعتراف کیا ہے - لچھمی نرائن آزاد بلگرامی کی شان میں فرماتے ہیں :

لامکاں است مقام آزاد   فوق عرش است خرام آزاد

دوسری جگہ اس طرح فرماتے ہیں :

سرو موزوں بہ چمن درس رسائی گیرد

ما کہ از حضرت آزاد گرفتیم سبق

جب آزاد بلگرامی نے آپ کو صاحب کی جگہ شفیق تخلص عنایت فرمایا تو آپ نے اس واقعہ کی یاد میں ایک قطعہ تاریخ بھی کہا ہے :

حضرت فیض بخش آزاد (۲)   گردید مرا تخلص انعام

گفتم تاریخ این عنایت   امداد شفیق شد مرا نام!

---

(۱) ابوتراب ، محولہ بالا ، حصہ دوم (مخطوطہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو ، کراچی)، ص ۵۷۹

(۲) ایضاً ص ۵۸۰

شفیق نے ۱۲۲۳ھ / ۹-۱۸۰۸ء میں وفات پائی -

شفیق کے کلام کے چند خصوصیات کے بارے میں مولوی ابوتراب لکھتے ہیں :

" شفیق آزاد کے ارشد تلامذہ میں سے ہے - شاعری ، سخن سنجی ، تاریخ نویسی اور تصنیف و تالیف میں فرد کامل تھا - اس کے نتائج طبع نہایت صاف اور برجستہ ہیں - آپ کے دیوان فارسی اور اردو ضخیم ہیں مگر ابھی تک طبع نہیں ہوئے ہیں کل امر مرہون باوقاتھا کے اعتبار میں گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں-" (۱)

آئندہ کوئی صاحب نظر یقیناً شفیق کے اردو فارسی کلام کی جانب توجہ دے گا اور وہ زیور طبع سے مزین ہوکر صاحبان ذوق کے ہاتھوں میں پہنچے گا - اردو دیوان کے قلمی نسخے سے ہم نے استفادہ کیا ہے - فارسی کلام کا جہاں تک تعلق ہے تو خود شاعر نے اپنی تصنیف تذکرہ گل رعنا میں اپنے حالات کے ذیل میں اپنا فارسی کلام بھی لکھا ہے -

چند مزید اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی زخارہائے مغیلاں پراست وادی عشق شفیق ، آبلہ پا می‌روی خدا حافظ !

اردو اب تو دیوانے بڑھے ہم ہوشیاراں الوداع دامن صحرا خوش آیا ہے گریباں الوداع

عشاق اپنی آبلہ پائی اور شکستہ دوستی کا فخر کے ساتھ ذکر کیا کرتے ہیں - یہاں بھی فارسی اور اردو کے دونوں اشعار میں اسی قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے - خارہائے مغیلاں سے وادی عشق کے پر ہونے سے مراد یہ ہے کہ عشق کے راستہ میں مشکلات ہی مشکلات ہیں - آبلہ پائی اور خارمغیلاں کی مناسبت عام ہے - شعر میں کوئی جدید مضمون نہیں ہے مگر اس موقع پر خدا حافظ کے قافیے نے ضرور لطافت پیدا کیا ہے - ویسے زبان اور الفاظ کی ترکیب کے اعتبار سے بھی شعر اچھا ہے بالخصوص دوسرے مصرع میں بڑی روانی شگفتگی اور بے ساختہ پن پایا جاتا ہے - اردو کے شعر میں دیوانہ اور صحرا کی مناسبت کے ساتھ ساتھ گریباں کو جو الوداع کہا ہے اس سے شعر میں خاصہ لطف پیدا ہوگیا ہے - دیوانگی

---

(۱) ابوتراب ، محولہ بالا ، ص ۵۸۱

میں عشاق صحرا میں نکل جاتے ہیں اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں - شعر میں گریبان کے چاک کرنے کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ گریبان الوداع کہا ہے اور اسی وجہ سے شعر میں لطف پیدا ہوا ہے - پہلے مصرع میں جو ہوشیاراں استعمال کیا ہے ایسا اس زمانے میں عام طور پر کیا کرتے تھے جونداب ندا کی صورت میں جمع کو اس طرح استعمال نہیں کرتے بلکہ آج کل اے ہوشیارو کہتے ہیں - دونوں شعر صاف اور اپنی اپنی جگہ خوب ہیں - ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی -

فارسی   هم‌چو خورشیدی که باشد در سحاب   چهرهٔ خود را نهان دارد هنوز

اردو   بہت ہے اشتیاق اب انتظاری کب تلک جاناں   اٹھاؤ اپنے چہرہ سے نقاب آہستہ آہستہ

فارسی کے شعر میں دوست کے چہرۂ زیر نقاب کو اس آفتاب سے تشبیہ دی ہے جو بادل میں چھپ جاتا ہے - اس مرکب تشبیہ نے شعر میں شگفتگی پیدا کردی ہے - اسی مضمون کو اردو میں یوں کہا ہے - دوست کے چہرے کو دیکھنے کا بیحد اشتیاق ہے مگر چہرے سے نقاب کو آہستہ آہستہ اٹھانے کی درخواست کی ہے - غالباً اس لیے کہ انتہائی انتظار کے بعد اگر چہرے سے نقاب کو یکبارگی فوراً اٹھادیا گیا تو دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں یا دیکھ کر شادی مرگ کی کیفیت پیدا ہوجائے - بہرحال اس مضمون میں نزاکت معنی بھی پائی جاتی ہے اور جدت بھی -

لفظ انتظاری اب متروک ہے ، آج کل صرف انتظار بولتے ہیں - دونوں اشعار میں ہمارے نزدیک اردو کا شعر مذکورہ خصوصیات کے اعتبار سے فارسی کے شعر سے بہتر ہے -

چند مزید اشعار برائے تقابلی مطالعہ نقل کیے جاتے ہیں :-

فارسی   زنهار باده طلب کن بوقت بارش ابر   که مستجاب شود این زمان دعائے قدح

اردو   ہونٹوں پہ آرہی ہے مری جان پیاس سے   ساقی مجھے شتاب پلا بہترین آب

====XXX====

فارسی   خدا گواه که می را به لب نیالودم   برائے مستی من چشم یار شد باعث

اردو   بہ شرکت بزم ساری مست ہورہی ہے   اس جا میں اے جان گر ہشیار ہو تو تم ہو

====XXXX====

فارسی صبح گاهی دیدا و آئینہ را دار شکل آبرو آئینہ را
اردو آئینہ روشن تیری چہرہ سے ہے ماہ میں ہے جیسے نور آفتاب

=====XXXXX=====

فارسی اے تغافل پیشہ کے باشد رواظلم این خط غیررا خطے ومارا بست پیغامی فقط
اردو ہم تمہارے گرچہ ہیں تقصیر وار اس قدر لازم نہیں ہم پر عتاب

====XXX====

فارسی رنگ مہ رویان بہ پرواز آمد از خورشید من گل کند چون صبح کم گردد چراغان را فروغ
اردو تیرا جمال دیکھ کے مرغان باغ کو اصلاً نہیں نظر گل و شمشاد کی طرف

=====XXX=====

فارسی ندامی گویم کہ برمن جورکن یا مرحمت فرما بقربانت روم گاهے چنان گاهے چنین باشد
اردو جوکچھ کہ چاہو مجھ پہ کرو تو تو بجا ہے مجھ سا تو نہیں کوئی گنہگار جہاں میں

====XXX=====

فارسی دل مارفت بہ تاراج سر زلف بتان مہرہ دولت ما بود سیہ ماری چند
اردو اس طور سے جو زلف تیری پیچ کی ہے پھر کاہے کو جیو گا گرفتار جہاں میں

====XXXX====

فارسی باغیر ما زلف بے تاب می کشد برما ز غصہ تیغ سیہ تاب می کشد
اردو میں تو اتر اوروں کو جام شراب کچھ تو ادھر بھی اے خانہ خراب

====XXXX========

فارسی اگر آن صنم در آید بہ ادا و ناز کردن بفدا کہ قربان گردد دل وجان نیاز کردن
اردو تشریف شریف آج لا جاناں مہتاب کی شب ہے جے پلا جاناں

====XXXX====

شادان، چھدو لعل :

راجہ چھدو لعل نام اور شادان تخلص تھا ۔ ان کے اجداد کھتری قوم سے تعلق رکھتے تھے ۔ اور مہرہ دارالخلافہ لاہور (۱) میں متوطن تھے، جب راجے ٹوڈرمل کھتری اکبری دربار

---

(۱) ابوتراب ، محولہ بالا ، حصہ اول ، ص ۵۳۵

کے وزیر مقرر ہوئے تو ان کے بزرگوں کو بھی اکبر آباد بلالیا گیا۔ جب حضرت نواب فتح جنگ نظام الملک آصفجاہ بہادر ناظم دکن ہوئے تو ان کے جد اعلیٰ مول چند کو اپنے ہمراہ لے گیے۔

چندو لعل کی ولادت ۱۱۷۹ھ/ ۶۶-۱۷۶۵ء[(۱)] میں دارالسرور برہان پور میں ہوئی اور وہیں آپ کی تربیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کے عم بزرگ نانک رام کی تعلقداری کروڑگیری کے زمانے میں ان کے والد حیدرآباد میں آکر مقیم ہوئے - ابھی چندو لعل کی عمر دس ہی سال ہوئی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور عم بزرگ نانک رام نے ان کی پرورش کی اور ان کی توجہ خاص سے عین عالم شباب میں فارغ التحصیل ہوئے - تحریر و تقریر حساب و کتاب میں بے نظیر سمجھے جانے لگے - آپ فارسی میں منشی بے مثل تسلیم اور اردو نثر و نظم میں لاثانی تھے -

ایک بار راجہ صاحب کے کسی خادم نے یہ مصرع پڑھا :

ع ترا دیدہ و حاتم را شنیدہ

فوراً خادم کو ایک لاکھ روپیہ بخشش فرمادیا- (۲)

آپ کو علمی مجالس منعقد کرنے کا بڑا شوق تھا - اور جس قسم کی محفل ہوتی اسی قسم کی گفتگو فرماتے اور ہر قسم کے بحث و مباحثہ میں حصہ لیتے علماء سے علمی مسائل دریافت

---

(۱) نصیرالدین ہاشمی نے نواب سالارجنگ مرحوم کی اردو قلمی کتب کی وضاحتی فہرست میں جو انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے شائع کی ہے - چندو لعل کی تاریخ پیدائش ۱۱۸۹ھ لکھی ہے اور صوفی ابوتراب نے "محبوب زمن" (مطبوعہ ۱۳۲۹ھ) میں تاریخ پیدائش ۱۱۷۹ھ لکھی ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ ۱۱۸۹ھ ان کے والد کی تاریخ وفات ہے اور اسی وقت ان کی عمر دس سال تھی - چوں کہ صوفی ابوتراب نے یہ تاریخ پیدائش مہاراجہ کی اپنی کتاب "عشرت کدۂ آفاق" سے نقل کی کی ہے اس لیے بھی اس کی صداقت پر شبہ نہیں کیا جاسکتا -

(۲) ابوتراب ، محولہ بالا ، حصہ اول ، ص ۵۴۱

فرماتے اور صوفیائے عظام سے تصوف کے مسائل بڑی دلچسپی سے سنتے - آپ کی معلومات بھی بڑی وسیع تھیں وحدت و طریقت کے مسائل میں بحث و مباحثہ بھی فرماتے ، اسی طرح اولیائے کرام کی کرامات و عادات و اطوار بھی دریافت فرماتے، جب شعراء کی محفل میں ہوتے تو شعرو شاعری سے لطف لیتے کبھی شعرائے متقدمین کا چرچا ہوتا کبھی شعر کے صنائع لفظی و معنوی اور تشبیہات و استعارات و محاورات اور ردیف و قافیہ سے متعلق گفتگو فرماتے - علم موسیقی سے بھی آپ کو قدرتی لگاؤ تھا بعض مجالس راگ و نغمہ کی بھی منعقد ہوتی تھیں-

نصیرالدین ہاشمی لکھتے ہیں :

" چندو لعل نہ صرف شعر و سخن کے قدردان اور اہل علم کے سرپرست تھے بلکہ خود بھی ایک باکمال شاعر تھے فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کرتے ہروقت گرد و پیش بیسیوں شعراء رہا کرتے تھے ، مشاعروں کی محفلیں گرم ہوتیں اور شعراء کے کلام سے محفل کا رنگ دوبالا ہوتا ، اس قدردانی کے باعث دہلی کے کئی مشہور شعراء حفیظ ، مشتاق ، شاہ نصیر وغیرہ حیدرآباد آگیے تھے، شاداں کے فارسی اور اردو دیوان مرتب ہوئے ہیں-"

نصیرالدین ہاشمی نے تاریخ وفات ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء لکھی ہے -

ایک اردو فارسی شعر کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی　　ہرکس کہ شراب لب لعل تو بنوشد　　داند کہ بہ میکدہ زاں می اثری نیست (۱)

اردو　　سرشار حسن یار کو پیمانہ کیا ضرور　　میکش جو ہو وہی عشق کا میخانہ کیا ضرور

دونوں اشعار میں شراب انگوری اور شراب عشق کا مقابلہ کیا ہے - اور شراب انگور کے مقابلہ میں شراب عشق کو ترجیح دی ہے - فارسی کے شعر میں دوست کے لب لعل کو شراب قرار دیا ہے اور شراب ظاہر کے مقابلہ میں اس کی کیفیت کی تعریف کی ہے - مگر فرماتے ہیں کہ یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آئے گی ، اس بات کو وہی شخص سمجھتا ہے جولب لعل یار کی شراب سے کچھ اخذ ہوچکا ہے -

---

(۱)　اصل نسخہ میں یہ شعر اس طرح ہے :

ہرکس ز شراب لب‌لعل تو بنوشد　　داندکہ در میکدہ زا می اثری نیست

یہی بات اردو کے شعر میں بالکل صاف صاف عام فہم انداز میں کہی ہے کہ جو شخص حسن یار کی شراب سے سرشار ہوچکا ہے ، اس کو پیمانے کی کیا ضرورت ہے - اس لیے کہ شراب عشق کے مقابلے میں یہ مادی شراب کوئی حقیقت نہیں رکھتی -

دونوں شعر بالکل صاف ہیں اور محض اس اعتبار سے قابل تعریف ہوسکتے ہیں کہ یہ ایک ہندو کا اردو اور فارسی کلام ہے ہم نے اس قسم کے شعراء کے اردو اور فارسی کلام کا نمونہ محض اس لیے درج کرنا ضروری سمجھا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ کسی زمانے میں ان زبانوں کو کیسا قبول عام حاصل تھا کہ عیسائی اور ہندو بھی، نہ صرف ان زبانوں کو سیکھتے تھے بلکہ ان زبانوں میں شعر کہنے کی بھی کوشش کرتے تھے -

چند مزید اشعار برائے تقابلی مطالعہ :

==========================

فارسی   شاداں مدام باد خدا را بدل بدار   حق بوتو رحم کردہ تو بوشاهواہ باش

اردو   کسی کے دل سے شاداں پوچھ دیکھو   سوا اس کے نہیں ہے کوئی کچھ خاص

====XXXX====

فارسی   دارم هر دم خط غلامی   داغی که دگر ایاز دارد

اردو   بندہ ہوں دل و جاں سے میں اپنے صنم کا   سایہ ہے مرے سر پہ تو اس کے ہی قدم کا

=====XXXX====

فارسی   شکر شاداں بچه عنوان بقلم نظم کند   دائم از لطف تو سلوات رگ و ریشه ما

اردو   شاداں ہوں اس واسطے میں صبح و شام   بندے کو بھروسا ہے تری فضل و کرم کا

===XXX====

فارسی   آن ماه شد مهرو سیر بهار هم   ساقی پیاله آرزو می غم گسار هم

اردو   کر رہا ہے جو بات ہم سے آج   دل ہے خوش اس کے اس کرم سے آج

=====XXXX====

فارسی   منکه مشتاق جمال تو بوبو گشتم   لازم افتاد که تو لطف هائی و کرم

اردو   میاں عاشق و معشوق کہ کیا شاداں   بڑا ہے رشتہ محبت کا جوں گھوڑیں آج

=====XXXXX== =

فارسی خموشم حیرتی دارم نگارم جلوہ دارد بیان حسن اورا چون شود گفتار می باعث

اردو آتا ہے کس ادا سے بت نازنین مرا کرتا ہے مہر و مہ کو خجل مہ جبین مرا

=====XXX=====

فارسی بہرسو نظر کردم ندیدم جز صنم دیگر به تحقیقات این معنی بود گرداوس باعث

اردو بغل میں بچہ ہے اور شہر میں ڈھنڈورا ہے وہ ڈھونڈا اس کو کہتیں ہی برہمن ہے وہ شوخ

=====XXXX=====

فارسی چو غفاری و ستاری تو خواہم گناہ خود ز آب عفو شویم

اردو اپنی شاداں نہ ڈر ہرگز کسی سے کسی کا کوئی ہے تیرا خدا ہے

=====XXX=====

واصف و مسکین :

محمد مہدی واصف و مسکین خلف رشید جناب محمد عارف الدین خان رونق ۱۲۱۷ھ/۳-۲-۱۸۰۲ء (۱) میں بمقام مدراس پیدا ہوئے - فارسی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور شعر و سخن میں بھی اپنے والد رونق ہی سے تلمذ رہا - عربی صرف و نحو ، منطق فقہ ، و حدیث اور تفسیر وغیرہ مولوی سید عبدالقادر حسینی و مولوی محمد یوسف علی خان سے پڑھی ، انگریزی میں بھی خاصی دستگیر تھی -

آپ کافی عرصہ تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول رہے -

(۱) کتاب دلیل ساطع (مشتمل برحل لغات ہندی)

(۲) دلیل الشعرا (برالفاظ و محاورات فارسی و حکایات دلپسند)

(۳) رقعات واصفی

(۴) گلزار عجم (یعنی برہان قاطع)

(۵) املا نامۂ واصفی

---

(۱) ابوتراب ، محولہ بالا ، حصہ دوم ، ص ۱۱۲۵

(۶) تذکرۂ معدن الجواہر

(۷) تہذیب الاخلاق

(۸) ترجمہ جلد اول در مختار

(۹) ترجمۂ آداب الصالحین

(۱۰) خلاصۃ التکمیل (در عقائد)

(۱۱) تحسین الاخلاق

(۱۲) مطلوب الاطباء

وغیرہ آپ کے تراجم ہیں -

واصف نے اپنے تذکرہ میں شعرا کے کلام پر نہایت شوخی اور بیباکی سے تبصرہ کیا ہے- صاحب محبوب الزمن کا خیال ہے کہ " آپ نہایت ذکی الطبع اور ذہین تھے ، سخن گو اور سخن فہم تھے - کلام کے نقاد اور جوشیلے تھے - شعرائے قدیم و جدید کے اشعار پر رد وقدح فرماتے تھے آپ کے بعض اعتراضات بجا و درست ہوتے ہیں اور بعض بیجا و نادرست -"

اگرچہ آپ کی مادری زبان اردو تھی لیکن آپ کو اپنی فارسی شاعری پر ناز تھا - چنانچہ فرماتے ہیں :-

خاک ہندم گرچہ واصف لیک استاد سخن

طرز من چوں بنگرد گوید کز ایران میرسم

آپ کا فارسی دیوان ۱۲۷۸ھ میں سید مولوی عبداللطیف ، لطف کے زیر اہتمام مطبع مظہر العجائب مدراس میں طبع ہوا لطف نے قطعہ تاریخ کہا ہے :

الطف از درج واصف ما	درۃ التاج وقف انجمن است
یعنی این نسخۂ کہ ہر بحش	محو وصفش زبان بہر دہن است

بسکہ دراد معانی روشن

سال آن شمع محفل سخن است

واصف کا اردو دیوان بھی ۱۲۷۸ھ ہی میں عبداللطیف الطف کے زیر اہتمام مطبع مظہر العجائب مدراس میں طبع ہوا اور الطف نے قطعۂ تاریخ لکھا :

خوب یہ دیوان ہوا مسکین نازک طبع سے   جس کے سب اشعار رنگیں ہیں مضامیں دلپذیر

سال تاریخ اس کتاب دلنشیں کے ختم کا   خامۂ الطف نے لکھا ہے کلام بے نظیر

اس اردو دیوان کے قطعۂ تاریخ کے آخری شعر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ دیوان ۱۲۷۸ھ ہی میں اختتام کو پہنچا ، چوں کہ موصوف کے دونوں دواوین میں محمد مہدی کا خود نوشت قطعۂ تاریخ نہیں ہے ، ساتھ ہی سرورق پر یہ بات بھی درج ہے کہ مرحوم کی وصیت کے مطابق الطف کے زیر اہتمام یہ دواوین طبع ہوئے ہیں - یہ تینوں باتیں اس بات کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے کافی ہیں کہ محمد مہدی نے ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱-۶۲ء ہی میں انتقال کیا -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   سیر کند گر بچمن آن نگار   خار شود بر سر دیوار گل

اردو   آوے اگر بہر سیر چمن گلبدن مرا   ہوجائے چاک عشق سے اس کے قبائے گل

فارسی کے شعر میں دوست کو رشک گل و گلزار قرار دے کر فرماتے ہیں کہ اگر میرا دوست سیر چمن کے لیے باغ میں چلا جائے تو دیوار چمن پر گل اس کو دیکھ کر اس کے عشق میں سوکھ کر خار ہوجائے -

شعر میں گل و خار اور چمن کے تلازمہ کے ساتھ ساتھ دوست کی تعریف کا ایک اچھا پہلو نکالا ہے - چھوٹی بحر میں زبان بہت سادہ اور ترکیب الفاظ میں بڑی صفائی اور روانی پائی جاتی ہے -

اردو کے شعر میں اسی بات کو ایک دوسرے اسلوب کے ساتھ ادا کیا ہے - فرماتے ہیں اگر میرا دوست سیر چمن کو آجائے تو اس کے عشق میں گل اپنا پیراہن چاک کر ڈالے -

شعر میں قبائے گل کے چاک ہوجانے کے دعوے کی وجہ سے صنعت حسن تعلیل بھی پیدا ہوگئی ہے - قدیم زمانے کی اردو زبان ہے لیکن پھر بھی بجز ایک آدھ متروکات کے زبان میں بڑی صفائی ، پاکیزگی اور روانی پائی جاتی ہے -

آج کل آپ متروک ہے اس کی بجائے آئے بولتے ہیں ۔ اور فارسی کی اس قسم کی ترکیب بھی کہ جس میں حروف جار وغیرہ کا بھی فارسی کے انداز میں استعمال کیا جائے جیسا کہ اس شعر کے پہلے مصرع میں بسورجس کہا ہے متروک ہے ۔

بہرحال اس زمانے کے لحاظ سے ان متروکات کی پرواہ کرتے ہوئے ہم دونوں اشعار کو یکساں اچھا سمجھتے ہیں اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مناسب نہیں سمجھتے۔

===xxx===

فارسی خیال روئے تو از ما جدا نخواہد شد دلم بصورت غیر آشنا نخواہد شد

اردو یوں دل میں سمائی تری رخسار کی صورت جوں آئینہ تصویر میں گلزار کی صورت

فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ دوست کی صورت کا خیال میرے دل سے کبھی جدا نہ ہوگا اور جب اس کا خیال ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا تو غیر کی صورت کا خیال میرے دل میں کیسے آسکتا ہے ؟۔

شعر میں اس دعوے کو کہ میرا دل غیر کی صورت سے کبھی آشنا نہ ہوگا بڑی دل نشین اور حسین دلیل کے ساتھ ثابت کیا ہے کککیہ کہہ کر کہ دوست کی صورت کا خیال میرے دل میں ہمیشہ رہے گا ظاہر ہے جب دوست کے روئے زیبا کا تصور دل میں رہے گا تو دل کے غیر کی طرف مائل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

اردو کے شعر میں اسی بات کو اس خوب صورت تمثیل کے ساتھ ادا کیا ہے ۔ فرماتے ہیں جس طرح آئینہ تصویر میں گلزار ہوتا ہے ۔ اسی طرح میرے دل میں دوست کے رخسار کی صورت سمائی ہوئی ہے ۔ جس طرح وہ گلزار آئینہ تصویر سے جدا نہیں ہوسکتا ۔ رخسار دوست کی صورت بھی میرے دل سے جدا نہیں ہوسکتی ۔

دونوں اشعار میں ہمارے نزدیک فارسی کا شعر بہتر معلوم ہوتا ہے ۔

تقابلی مطالعہ کے ضمن میں مزید حسب ذیل اشعار درج کیے جارہے ہیں :

فارسی ساغر سرشار وحدت بسکہ ایراست کرد خار راگل می شد سرخوش آہنگ عشق

اردو دیکھو جو غور سے تو صنم ہے خدائے عشق کیونکر کہوں نہ دین و دل ابتدائے عشق

فارسی گوهر شبنم کہ بی آب تا در چشم گل — چشم زارم اشک را سوی گلستاں می برد

اردو میں آنکھوں سے جہاں خوں رواں ہوتا تھا — رنگ گلزار محبت کا عیاں ہوتا تھا

===xxx===

فارسی واصف بسیر گلشن زاں رونق کاهی — گل آب و رنگ رویت اے گلبدن ندارد

اردو گلشن میں میرے سرو خراماں کو دیکھ — گل کہاں ہے اس کے عارض خداں کو دیکھ

===xxxx====

فارسی دل زیاد او، گلستاں می شود — از خیال خط بہاراں می شود

اردو آنکہ اپنی رنگ عشق دکھائے تو کیا عجب — دل میں ہمارے تو نظر آئے تو کیا عجب

====xxx====

فارسی آں بیکسے کہ لطف خدا کارساز است — اورا دگر بیاری و برادر چہ احتیاج

اردو حافظ خدا ہیں تو گرداب میں پھنسے — کشتی چلا رہا ہے میں ناخدا عجب

===xxx===

فارسی نہ ہوا دارد و نی پاس الفت — زکت دادم بشوقش رائگاں دل

اردو تو اے دلدار اپنا دل رہا ہے — کروں کیوں کر نہ ہم تجھ پر فدا دل

========

حافظ میر شمس الدین خاں ، فیض :

میر شمس الدین محمد نام اور فیض تخلص تھا - ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰-۸۱ء میں (۱) ایلچ پور برار میں پیدا ہوئے - آپ دھلی الاصل ہیں - آپ کے جد امجد مولوی رحمت اللہ خاں آصف جاہ بہادر کے عہد میں دھلی سے دکن تشریف لے گئے اور وہاں منصب اعلی پر فائز ہوئے -

آپ نے عنفوان شباب ہی میں علوم ظاہری و باطنی سے فراغت حاصل کرلی تھی-

---

(۱) ابوتراب ، محولہ بالا ، حصہ دوم ، ۹۱۳

آپ کی طبیعت بچپن ہی سے شعر و سخن کی طرف مائل تھی آپ میر درد کے شاگرد خصوصی جناب حافظ تاج الدین مشتاق دھلوی سے اصلاح لیتے تھے - کچھ ہی عرصہ میں ایسی مشق بہم پہنچائی کہ استاد کے لیے باعث صد افتخار ہوئے۔ آپ درویش کامل حضرت حافظ محمد علی صاحب خیرآبادی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور ۱۲۸۳ھ/ میں انتقال فرمایا-(۱)

خصوصیات کلام :
==========

فیض صاحب کو شعر و شاعری کا ایسا شوق تھا کہ اکثر و بیشتر مکان پر مشاعرے ہوا کرتے تھے اور شعر و سخن کی محفلیں گرم تھیں - دکن کے علاوہ دھلی اور لکھنو کے شعراء بھی ان مشاعروں میں شریک ہوکر داد سخن دیتے اور فیض کے کلام سے مستفیض ہوتے تھے - اس طرح آپ کی ذات سے اردو ادب کو بہت فائدہ پہنچا۔

بقول مصنف محبوب الزمن "آپ کے کلام میں درد اور میر کا انداز نمایاں اور ناسخ و مشتاق کا رنگ عیاں ہے، طبیعت میں موزونیت و جولانی موجزن تھی اور دماغ میں ذکاوت و نازک خیالی شعلہ زن تھی -"

آپ کے کلام میں نادر مضامین اور پاکیزہ خیالات پائے جاتے ہیں، جن میں تصوف کی چاشنی بھی شامل ہے - آپ کے اشعار نہایت صاف اور سادہ ہوتے ہیں، مضامین بلند اور خیالات میں ندرت پائی جاتی ہے -

دیوان فیض ۱۳۰۰ھ میں طبع ہوا اس کے دو تاریخی نام شمع فیض اور مرقع فیض (۱۳۰۰) (۱۳۰۰) رکھے گیے ہیں محمد عبدالعلی طپش نے یہ قطعہ تاریخ کہا ہے :

لو چھپا دیوان فیض ناصر	مشترک جاری رہے فیضان فیض
طپش نے تاریخ لکھی فی البدیہہ	نام آور چھپ گیا دیوان فیض

---

(۱) ابوتراب ، محولہ بالا ، حصہ دوم ، ص ۹۱۷

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   بعشق او دلم شد پارہ پارہ   شکستہ شد گہر از سنگ خارہ (۱)

اردو   تیر سا لگتا ہے دل پر ہر سخن   اس کمان ابرو کا ہے ٹیڑھا مزاج

فارسی کے شعر میں عشق یار میں دل کے پارہ پارہ ہوجانے کو تشبیہ اس طرح کہا ہے کہ موتی سنگ خارہ سے ٹوٹ کر رہ گیا۔ دل کو گوہر کہا ہے اور عشق کو سنگ خارہ - ہوسکتا ہے کہ عشق کی تشبیہ سنگ خارہ سے بعض طباعوں کو ناگوار گذرے کیوں کہ یہ بات شایان شان عشق نہیں ہے لیکن بعض دفع شاعر قافیہ کی وجہ سے بھی مجبور ہوجاتا ہے - پھر یہ اس طرح کی وجہ سے کہ ہم نے اپنے دل کو عشق کی سختیوں سے پارہ پارہ کر کے خود ہی ایسا کام کیا ہے جیسے کوئی موتی کو ضربات سنگ خارہ کے حوالے کردے - ہمارے نزدیک کوئی سقم پیدا نہیں ہوتا - بہرحال ہم شعر کو بہت اچھا سمجھتے ہیں - کیا زبان اور کیا انداز بیان اور کیا معنوی خوبیوں کے اعتبار سے -

اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے دل پر ہمارے دوست کی ضربات تیر کی طرح آکر لگتی ہے اس لیے کہ اس کا مزاج ٹیڑھا ہے ~~ظاہر ہے ٹیڑھے مزاج والے آدمی کی بات دل پر لگتی ہے اس لیے کہ اس کا مزاج ٹیڑھا ہے~~ ظاہر ہے ٹیڑھے مزاج والے آدمی کی بات دل پر تیر کی طرح ہی لگنی چاہیے -

شاعر نے دوست کو کمان ابرو کہہ کر تیر کی مناسبت بھی بہم پہنچادی ہے - بہرحال معنوی خوبی اور لفظی مناسبات کے اعتبار سے اردو کا شعر بھی قابل تعریف ہے اس لیے دونوں اشعار میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے میں ہمیں تامل ہے -

٭٭٭

فارسی   آگاہ کسی نیست ز سوز سخن ما   قفل است زتب خالد لب بود دہن ما

اردو   ہم خلقت حباب ہوں اے خیز کیا کہوں   لی میں نے سانس اد ہوا عدم ہوا

---

(۱)   اصل نسخہ میں یہ شعر اس طرح ہے :

بہ عشق او دل گشت پارہ پارہ   شکستہ شد گہری ز سنگ خارہ

فارسی کے شعر مین ایک بالکل نئی بات پیدا کی ہے وہ یہ کہ ہمارے کلام مین اتنی گرمی ہے کہ اس کی وجہ سے ہمارے لب پر جو تپ خالے پیدا ہوگیے ہین وہ قفل دہن بن گیے ہین اور جب دہن پر قفل لگ گیا تو سوز سخن سے دوسرے لوگ کیون کر آگاہ ہوسکتے ہین ۔ لہذا شاعر کو اس بات کا قلق ہے کہ اس کی گرمی سخن ہی اس کی محرومی کا باعث بن گئی ہے ۔
حالان کہ گرمی سخن بڑی اچھی چیز ہوتی ہے ۔ شعر زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے اور امر خاص نازک خیالی کے اعتبار سے جس کا اچھی بیان کیا ہے بہت خوب ہے ۔

اردو کے شعر مین بھی اسی قسم کی نازک خیالی کی وجہ سے شعر مین طرفگی پیدا کی ہے ۔ فرماتے ہین کہ اے فیض مین حباب کا ہم خلقت ہون یعنی میری خلقت حباب جیسی ہے ۔ حباب کی نزاکت کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہوا کے اثر سے پھوٹ جاتا ہے ہوا ہی پانی کے ساتھ مل کر حباب کی شکل اختیار کرلی تھی اور اسی ہوا کے نکلنے پر حباب کی ہستی فنا ہوجاتی ہے ۔ شاعر انسانی زندگی کو بھی ایسا ہی ناپائیدار قرار دیتا ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ جب آخری ہچکی آتی ہے تو انسان بھی اسی طرح ختم ہوجاتا ہے وہ آخری ہچکی آخری سانس ہی تو ہے جو ہچکی کی شکل مین ہمیشہ کے لیے منقطع ہوجاتا ہے ۔

اردو کا شعر بھی ندرت بیان اور لفظی و معنوی خوبیون کے اعتبار سے بہت خوب ہے بلکہ ہمارے خیال مین اردو کے شعر کو فارسی کے شعر پر ترجیح دی جاسکتی ہے ۔

چند مزید اردو فارسی اشعار تقابلی مطالعے کے لیے پیش کیے جاتے ہین :

فارسی   میان کعبہ و بت خانہ ہیچ فرقی نیست   بچشم عارف باللہ کفر و دین عین است

اردو   حیرت مین دکھاتا ہون تجھے شان خدا شیخ   کعبہ سے نکل کر طرف دیر تو چل آج

=====XXX=====

ہر نقش و نگاری کہ درین بزم خراب است   جز نقش رخ دوست ہمہ نقش برآب است

اردو   کہتے ہین خال رخ سے منہ دیکھ آرسی مین   تیرا سا رنگ روپ تل بھر دیکھین کسی مین

=====XXX=====

فارسی

فارسی   کشتہ زلف توام سبزہ مدمد برخاکم   اے کہ موگاں غزال ختنی درکار است

اردو   کاکل کے گرفتار ھیں زنجیر کے لائق   ابرو کے کشتہ کا رھیں شمشیر کے لائق

===XXX===

فارسی   ھمای عشق بہ بست آشیانہ دردل فیض   چہ چارۂ کنم ای مشت استخواں چہ علاج

اردو   کی دوا لیکن نہیں سدھرا مزاج   بھر مریض عشق کا بگڑا مزاج

====XXX====

فارسی   پیش ارباب نیاز از رہ ناز آمدہ   قصہ کوتاہ کہ از راہ دراز آمدہ

اردو   آیا عدم سے میں جوںسیر گلشن وجود   شوق نظارۂ چمن ماسوا ھوا

====XXX=====

فارسی   چشم وفا مدار ازاں چشم فتنہ زا   درعین دوستی بکند کار دشمنی

اردو   کل کا وعدہ آج بھر اس نے کیا   لطف عین امروز ھی فردا ھوا

====XXX===

فارسی   ذکر و تسبیح فراموش شد سازم چہ کنم   کہ مرایاد تو در عین نماز آمدہ است

اردو   دل مکان یار ترسا ھوگیا   ان دنوں کعبہ کلیسا ھوگیا

=====000000=====

عشق ، حکیم عبدالباسط :

حکیم عبدالباسط نام اور عشق تخلص تھا ان کے والد مولوی مہدی واصف اور دادا عارف الدین خاں رونق فارسی گو شاعر ہونے کے اعتبار سے کسی تعارف کے محتاج نہیں اور اس میراث عشق پر جتنا فخر کریں بجا ھے -

ذرم سخن عشق رسیدست بہ ستم

میراث گرفتۂ جدّ و پدرم است

عبدالباسط ۱۲۳۸ھ/ ۲۳-۱۸۲۲ء (۱) میں مدراس میں پیدا ہوئے - اور وہیں تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا ابتدا میں اپنے والد مولوی مہدی واصف اور ماموں زین العابدین سے فارسی کی تعلیم حاصل کی پھر نواب خاں ظالم فاروق سے عربی اور فارسی کی تحصیل کی - اس فیاضی کا یہ عالم تھا کہ مقروض و تنگ دست رہتے تھے -

اگرچہ عبدالباسط کے والد اور ماموں بھی شاعر تھے مگر انھوں نے فاروق سے (۲) اصلاح لی اور کی خاں ظالم خاں بہادر فریق سے عربی کی تعلیم بھی حاصل کی - کلام سے پتا چلتا ہے کہ استاد اور شاگرد کے درمیان ہمیشہ خلوص کا تعلق رہا :

ز شعر پر اثرم عشق اثر ہویدا شد دعائے حضرت فاروق پر گزید مرا

جدا از حضرت فاروق تا شدم اے عشق زیاد رفت سخن خاطر حزین مرا

حیدرآباد آنے کے بعد ان کے مشاغل درس و تدریس اور شعر و سخن تک مخصوص ہوکر رہ گیے تھے -

عبدالباسط کے زمانے میں حیدرآباد میں اچھے اچھے سخنور جمع ہوگیے تھے منشی حبیب اللہ ذکا ، امیر اللہ صاحب امیر ، اور سالک وغیرہ ، اکثر شعر و سخن کی محفلیں گرم رہتی تھیں - عشق اکثر مشاعروں میں شرکت کیا کرتے تھے - نہایت قادرالکلام تھے جب کہنے پر آتے تو فوراً سیکڑوں [redacted] شعر کہہ ڈالتے تھے لیکن افسوس کہ عشق کی لاپروائی کی وجہ سے ان کا جوانی کا کلام ضائع ہوگیا صرف حیدرآباد کے زمانے کا کلام باقی رہا -

دیوان کے دیکھنے سے ان کی پرگوئی اور قادرالکلامی ظاہر ہوتی ہے - ایک ہی بحر و ردیف میں کئی کئی غزلیں ملتی ہیں وہ اپنے انداز فکر اور زور طبیعت کی بنا پر ہمیشہ اپنے معاصرین کے مقابلے میں قدر کی نگاہ سے دیکھے گیے - ترانۂ عشق کے دیباچہ میں مولوی صدرالباقی

---

(۱) ابوتراب ، محولہ بالا ، حصہ دوم ، ص [redacted] ۸۵۳

(۲) ایضاً ، ص ۸۵۳

عشق کے قدیم دوست نواب اسد علی خاں کے حوالہ سے لکھتے ھیں :

" فارسی کلام بجز چند غزلوں کے صاف نہ ھوسکا اور بہتیری بڑی مسودے کی حالت میں پڑی رھی اور ان کو مرتب اور ایک جگہ فراھم کرنے کی نوبت ھی نہیں آئی حالانکہ ان کا فارسی کلام ھی زیادہ اعتنا کا مستحق تھا کیوں کہ وہ درحقیقت فارسی کے شاعر تھے - اردو میں وہ بطور تفنن طبع شعر کہا کرتے تھے - رونق کے دادا ان کو اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں فکر شعر کرتے ھوئے دیکھ کر منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کسی ایک زبان کو اختیار کرو کیوں کہ یکا پکا ھوتا ھے -"

باوجود پرگوئی کے ان کے کلام میں زبان و بیان کی صفائی اور محاورہ کی چاشنی بدرجۂ اتم موجود ھے :-

عشق است وکنون گاہ گہے نالۂ سر دے

کو لذت بیداش چہ شدآں طبع روانش

حضرت عشق نے ۱۳۰۲ھ / ۸۵-۱۸۸۴ء(۱) میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی آپ کے برادر زادے مولوی عبدالواحد نے ذہول کے مصرع سے تاریخ وفات نکالی ھے :

ع حادثۂ عشق جہاں ھنر

۱۳۰۲ھجری

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی از چشم تو ساقی نہ بہ انکار شویم در صومعہ بنشینم و میخوار شویم

اردو تیری آنکھوں کے شوق میں ھم تو سر ھے جب سے خمار رکھتے ھیں

دونوں اشعار میں دوست کی چشم مست کی تعریف کی ھے - دوست کی آنکھوں کو محض مست ھی کہنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کبھی پیمانہ اور اس سے بھی بڑھ کر میخانہ تک کہہ گزرتے ھیں -

فارسی کے شعر میں چشم یارکی تعریف اس طرح کی ھے کہ دوست کی آنکھوں سے

---

(۱) ابوتراب ، محولہ بالا ، حصہ دوم ، ص ۸۵۳

جو شراب ملتی ہے اس سے کسی حال میں انکار نہیں کیا جاسکتا ۔ حتی کہ اگر میں مسجد میں بھی بیٹھا ہوں تو بھی چشم یار کی شراب سے سرشار ہوسکتا ہوں ۔

اردو کے شعر میں اگرچہ فارسی کے شعر جیسی لفظی مناسبات نہیں تاہم دوست کی آنکھوں سے یا اس کے تصور سے جو مستی حاصل ہوتی ہے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ دوست کی آنکھوں کا نشہ ہمارے سر میں آج پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ جب سے سر رکھتے ہیں (اسی وقت سے یہ خمار بھی رکھتے ہیں ۔

دونوں اشعار میں فارسی کے شعر کو زبان اور انداز بیان اور بعض دوسری لفظی و معنوی خوبیوں کی بنا پر ترجیح حاصل ہے ۔

فارسی　　بسکہ معنی‌ہائے رنگیں گل کند از فکر عشق　　از صریر خامہ ام بشنو نوائے عندلیب

اردو　　کیا غضب ہے خوش نوائی سے نہیں آتا ہوں باز　　دیکھ کر بھی حالت عبرت فزائے عندلیب

دونوں اشعار میں شاعر نے اپنی رنگین بیانی کی تعریف کی ہے ۔ فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ میرے فکر سے اس کثرت سے معانی رنگین پیدا ہو رہے ہیں کہ میرا قلم ان رنگین معانی کو دیکھ کر عندلیب بن گیا ہے اور اس کی آواز نوائے عندلیب معلوم ہوتی ہے۔

اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ میں بھی کس قدر غافل آدمی ہوں کہ بلبل کی عبرت ناک حالت کو دیکھ کر بھی سبق حاصل نہیں کرتا اور خوش نوائی کیے جاتا ہوں ۔ حالاں کہ یہ دیکھتا ہوں کہ بلبل کو اس کی خوش نوائی کی وجہ سے ہی قفس میں بند کرکے رکھتے ہیں ۔

فارسی کے شعر میں تکلف مبالغہ ہے اور تکلف نے شعر کو بے لطف کردیا ہے ۔ لیکن اردو کا شعر مقابلتاً صاف ہے اور جو بات اس میں کہی ہے وہ مشاہدہ اور تجربہ کے اعتبار سے صداقت پر مبنی ہے ۔ یعنی یہ کہ دنیا میں صاحبان کمال ہی کو تکلیف اور مصیبت میں دیکھا گیا ہے ۔ اس اعتبار سے ہم اردو کے شعر کو فارسی کے شعر پر ترجیح دیں گے ۔

مزید اشعار کا تقابلی مطالعہ :

فارسی　　عاشق و معشوق ہمراز ند و ہم آوازہم　　بردۂ گلبانگ می‌باشد صدائے عندلیب

اردو　　قابل دید ہے یہ جوش بہار تازہ　　گل ہے سودا ترا اور بلبل کیا میں ہوں

فارسی سوز دیدهٔ مشتاق هیچگاه و ببین   که خویش راز نگاهی که خود نما کردی

اردو نظر سے بچ کے مری آنکھ میں آبیٹھے   میں اپنی آنکھ کہوں کیسے ان کے منظر کو

====XXXXX===

فارسی مقصود ما نهادی ، انکار ما نهادی   ماتم و سوز ماتی ، یاراست و خوش نهادی

اردو کیا غضب ہے کرتی منہ میں زبان نہیں   ہردم نہیں نہیں ہے، کبھی ایک ہاں نہیں

====XXX===

فارسی شعر و سخنم گرچہ بود عیب سراسر   این عیب نہ بیحد کہ رشک ہنر افتاد

اردو ادراک غزل کے سمجھنے کا ہے شوق دل کو عشق   میں بھی تو شعر فہم ہوں کیا قدردان نہیں

=====XXX====

فارسی در آئینہ حیرت ما تاب جمالش   رنگ چمن و آب گہر نور نظر نیست

اردو دل تھا کہ آئینہ تھا تمہارے خیال کا   ہر چند ڈھونڈھتا ہوں پر اس کا نشان نہیں

====XXX====

فارسی برقع کسے ندید مہ و آفتاب را   بود ادای نگار زورییت نقاب را

اردو کبھی مانع تجلی کا حجاب ناز ہوتا ہے   جو ڈھانپا منہ کو تم نے تو نہایت خوشنما ٹھہرے

=====XXXX======

فارسی دانم نہ بے منزل مقصود بودہ ام   از آسمان کہ روئے بآن آستان کنم

اردو ہماری کیا حقیقت رات دن دیکھو مہ و خور بھی   اسی کے آستاں پر سر بسر ہیں جبہہ سا ٹھہرے

====XXXX====

فارسی چون منزل نخست طلب ہست بیخودی   گم گشتہ ام کہ رہبری سالکان کنم

اردو شراب حسن سے سرشار کب تک یوں رہو گے بس

کہ ہم بھی حشر میں آویں تمہارا اگر نشان ٹھہرے

====@@@@====

عشقی، غلام مصطفی :

ابوالولاغلام مصطفی نام (۱) اور عشقی تخلص تھا ۔آپ محمد آباد بیدر میں پیدا ہوئے آپ نے اپنے والد منشی محمد حسین اور دیگر اساتذہ سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی ۔ اور ہوش سنبھالنے کے بعد سے حیدرآباد دکن میں مقیم رہے ۔ آپ کے آبا و اجداد کا وطن مکۂ معظمہ اور ہجرتاً مدینہ منورہ تھا، آپ کے اسلاف گردش زمانہ سے متاثر ہوکر ہندوستان آئے اور محمد آباد بیدر میں مقیم ہوئے جو کسی وقت میں سلاطین بہمنیہ کا دارالخلافہ تھا اور اب حیدرآباد کا ایک ضلع ہے ۔

ترک علی شاہ ترکی " سخنوان چشم دیدہ " میں لکھتے ہیں کہ عشقی کو سید علی فقر سے شرف تلمذ حاصل تھا ۔

آپ حضرت افتخار علی شاہ صاحب حسنی الحسینی (۲) چشتی سے بیعت تھے ۔

خصوصیات :

عشقی کی طبیعت بچپن ہی سے شعر و سخن کی طرف مائل تھی ۔ شروع میں وہ بھی عام شعرا کی طرح مجازی معشوق کے تصور میں شعر کہتے تھے ۔ جب ان پر حقیقت کا رنگ چڑھا تو تمام مسودات چاک کر ڈالے صرف ایک واسوخت بنام " گلزار سخن" باقی رہی جو طبع ہوچکی تھی اس کے بعد آپ نے جو کچھ کہا وہ حقیقی عشق سے متعلق ہے جس میں ان کی قلبی کیفیات و حالات ہیں ۔ چوں کہ یہ اشعار حمد یا نعت سے متعلق ہوتے ہیں اس لیے ہر پڑھنے والا ان تصورات میں اپنے دل کی دھڑکن محسوس کرتا ہے اور پڑھ کر وجد میں کچھا جھومنے لگتا ہے ۔ عشق حقیقی کو انھوں نے جس قدرت اور خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے یہ انھی کا حصہ ہے ۔

عشقی نے قطعہ تاریخ طبع دیوان بنام " محامد محمدی" اس طرح لکھا ہے ۔

---

(۱) تجلیف محمدی عرف توصیف مصطفی، دیوان عشقی، مقدمہ، شمسی پریس حیدرآباد، ۱۳۳۲ھ، ص ۳

(۲) ایضاً، ص ۵

هست در نعت پاک این دیوان　　　　مظہر معجزات مصطفیٰ (۱)

سال طبعش بشوق دل عشقی　　　　<u>گلِ نعت و صفاتِ مصطفیٰ</u>

۱۳۳۲ھ

ترک علی شاہ ترکی نے ۱۳۳۵ھ/ ۱۷-۱۹۱۶ء میں لکھا ہے کہ حافظ " شمس الدین فیض کے مشاعروں میں عشقی شریک ہوتے تھے اور وہیں میں نے انھیں دیکھا ہے (۲) ان کے علم اور عمر کے متعلق مجھے کچھ یاد نہیں۔"

<u>چھ اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :</u>

فارسی　الٰہی شعلۂ شمع تجلی کن زبانم را　　　　فروغ حسن دہ از نور عشق خود بیانم را

اردو　الٰہی نام سے تیرے ہو وا قفل دہان میرا　　　　حدیث عشق سے اپنی بڑھا حسن بیان میرا

عشقی صاحب کے دونوں اشعار کا مضمون یکساں ہے ۔ فارسی کے شعر میں خدا سے اپنی زبان کو شعلۂ شمع تجلی بنانے کی درخواست کرتے ہیں تاکہ کلام میں گرمی پیدا ہو ۔ اور اپنے بیان کو فروغ حسن کے لیے عشق الٰہی کے نور کی تمنا کرتے ہیں کہ اگر دل میں عشق الٰہی کا نور ہوگا تو بیان میں بھی فروغ حسن پیدا ہوسکے گا ۔ دونوں تمنائیں بہت پاکیزہ ہیں اور ایک عاشق خدا شاعر کی تمنا ایسی ہی ہونی چاہئے ۔

یہ شعر زبان، انداز بیان اور معنوی لطافت کے اعتبار سے خوب ہے ۔

اردو کے شعر میں جناب باری میں اس بات کی درخواست کرتے ہیں کہ اگر میں لب کشائی کروں تو آغاز کلام تیرے نام سے ہو اور میرے بیان میں تیرے بیان عشق ہی سے حسن پیدا ہو یعنی کلام کا آغاز تیرے نام سے ہو اور میرا بیان سر تا پا تیرے عشق کا بیان ہو تیرے عشق کے علاوہ میرے بیان میں اور کوئی بات نہ ہو ۔

اردو کے شعر میں بھی فارسی کے شعر کی طرح بہت اچھی اور پاکیزہ تمناؤں کا بیان ہے اور یہ شعر بھی زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے بہت خوب ہے۔

---

(۱)　محامد محمدی، محولہ بالا ، ص ۱۹۶

(۲)　ترک ، ترک علی خان، " سخنوران چشم دیدہ" مطبوعہ ۱۳۳۲ھ، ص ۹۰

لہذا دونوں اشعار میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

======

فارسی۔ سینۂ پر داغ ما باشد گلستان جہان   چشمہ ھائے ھر دو چشم ماپود انہار ما

اردو   سینے میں دل ھے ،دل میں تمہارا ہے داغ عشق

کعبہ میں اب چراغ نہ کیوں کر جلائیں ہم

شعراء سینۂ پر داغ کو گلستان سے تشبیہہ دیتے آئے ھیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن عشقی صاحب نے اپنی دونوں آنکھوں کو انہار کہہ کر شعر میں ندرت پیدا کی ھے ۔ اس لیے کہ باغ میں نہروں کا ہونا بھی ضروری ھے اور عاشق کی آنکھیں ھمیشہ رواں ھی رھتی ھیں۔ اس لیے شاعر نے اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ چشمہائے گریاں کہے بلکہ اس نے اس بات کو چشمۂ ھائے ھر دو چشم کہہ کر بڑی خوب صورتی سے ادا کردیا ھے۔

اردو کے شعر میں بھی داغ عشق ھی کی تعریف ھے مگر بڑی خوب صورتی سے سینے کے داغ کو چراغ سے تشبیہہ دی ہے اور اس سینے کے داغ پر اس طرح اظہار خوشی بھی کیا ھے کہ دل میں جو دوست کا داغ عشق ھے اس خوشی میں اگر ہم کعبہ میں چراغ جلائیں تو یہ بات بالکل حق بجانب ہوگی ۔ اس انداز بیان میں بیک وقت ایک محاورےکا بڑا ھی برمحل استعمال بھی ہوگیا اور دل کی کعبہ سے اور داغ سے تشبیہہ بھی ہوگئی ۔ بہرحال عشقی صاحب نے اپنے دونوں اشعار میں ندرت پیدا کرنے کی کوشش کی ھے اور وہ اپنی کوشش میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ھیں لیکن ہم ان کے دونوں اشعار میں اردو کے شعر کو بہتر سمجھتے ھیں ۔

تقابلی ضمن میں مزید اردو فارسی اشعار :

فارسی   گشت زنور خدا نور تو اول پیدا   من نہ گویم کہ تو خورشید وشی ماہ وشی

اردو   آپ کا ھے نور نور کبریا یا مصطفےٰ   خلق اول جس کو خالق نے کیا یا مصطفےٰ

=====XXX====

فارسی   ساقیا وہ می عشقم کہ خورم می بخوشی   عاشق بادہ کشم خوش دلم از بادہ کشی

اردو   کرشی عشق محمد سے ہہ بیہوش مجھے   ہوش آئے وہ کبھی تا دم محشر یارب

=====XXX=====

فارسی   یا حبیب عربی مطلبی القرشی   میکنم بر تو فدا جان و دل خود بخوشی

اردو   کوئی ہے ششدر کوئی ہے حیران کوئی ہے صدقے کوئی ہے قربان

ہے حسن محض جابجا کی وہ صورت دلستان احمد

=====XXX=====

فارسی   بجوش مستی عشق تومی گوید همی عشقی   یکے ساز دیکی گردان دمادم راحادم را

اردو   مرا نغمہ ہے یاہو، ہوں میں بلبل باغ وحدت کا

کہ شاخ گلبن لاہوت پر ہے آشیاں میرا

=====XXX=====

فارسی   درد و عالم هست برتر از همہ سرکار ما   گشت مختار خدائی احمد مختار ما

اردو   ان کا جو بندۂ بے دام و درم ہوتا ہے   وہی سلطان عرب شاہ عجم ہوتا ہے

=====XXX=====

فارسی   هست داغ عشق محبوب خدا گلزار ما   رنگ و بوئے خوب دارد ہر گل بیمار ما

اردو   گلاب اس واسطے ہیں مجھ کو پیارا سب گلوں سے ہے

کہ آتی اس کی خوشبو سے ہے مجھ کو بوئے پیغمبر

=====XXXX=====

فارسی   یا الٰہی گشت یاور طالع بیدار ما   یار محبوب تو آخر شد زقسمت یار ما

اردو   میں ہوں رہرو تم ہو میرے راہبر سے خدا

میں ہوں گمرہ تم ہو میرے رہنما یا مصطفیٰ

=====XXXX=====

فارسی یاد حق خودم بعد ذکر پیغمبر هر نفس هست روز و شب همین اوراد ما اذکارم را

اردو رهیں هم ذکر و فکر مصطفی میں کیوں نه اے عشقی

هے ستر سال کا اجر عبادت ایک ساعت میں

====xxx===

فارسی هر دل دارم یک عشقی بی سودائے عشق هست چون بازار حسن مصطفی بازار ما

اردو دل کو میرے اب هے حضرت کی حضوری کا یه شوق

جان کو میری بنا هے جسم زندان ان دنوں

====xxx====

فارسی نه شناسی بخدا ذوق می عشق خدا جرعهٔ تا ز میٔ عشق محمد نه چشی

اردو هیں نشه باز شراب وحدت، هے سر میں ان کے سرور الفت

پئے هیں جام مئ محبت ، هیں مست مے، میکشان احمد

===xxx====

فارسی هست چون عشق خدا عشق محمد عشقی نوش کن بادهٔ عشقش تو اگر باده کشی

اردو ہے عشق نبی هے مست رهتا هے سدا عشقی پیا هے جام جو روز ازل ان کی محبت کا

====xxx====

فارسی وصل حاصل شود و واصل محبوب شوی نفس خود را چو کشی بار محبت چو کشی

اردو جس کے دیدار سے دیدار هو تیرا حاصل یاالٰهی مجھے وه صورت زیبا دکھلا

====xxxx=====

فارسی مست عشقم گهی باهوشم وگاهی بیهوش نه زمی مستم ونی بی خبرم همچو نشی

اردو عشق محبوب الٰهی سے میں هوں دیوانه کیا خبر مجھ کو که کیا هے ادب و بے ادبی

=====xxxx====

فارسی بر زبان نام تو ، هم یاد تو در دل دارم که بلال حبشی کل غداة و عشی

اردو دل میں هے میرے نہان عشق نبی هے زبان پر میرے نام مصطفی

فارسی　سرطاعت بہ نہادند ہمہ بر در تو　　عربی و عجمی، ہندی و رومی حبشی

اردو　اھل دل ھر مرد دل ھردم ھواکہتے کراحد　　کلمہ احمد ھواھم امروح اللہ کا

===xxx====

فارسی　زآتش عشق، دل تشنۂ دیدار تو سوخت　　شربت وصل چشان العطش والعطش

اردو　جام اک وصل کا اے ساقی کوثر دیجئے　　ھجرمیں جان ھے ھونٹوں پہ ہے ھے تشنہ لبی

====ooooooo==

شوق، غلام محمد عرب :
===============

غلام محمد عرب ولد محمد حسین خاں عرب، شوق تخلص کرتے تھے - آپ عربی نژاد تھے - خود فرماتے ھیں :

از خاک عرب ھستم وھم شوق چو سرمہ

دردیدہ کشم خاک بیابان عرب را

آپ کے جد اعلی شاہ نظام الملک آصف جاہ اول کے عہد میں دکن تشریف لائے - خانی و بہادری کے خطابات اور جاگیر کے اعزاز سے ۱۲۰۰ھ میں سرفراز ھوئے - غلام محمد عرب کی ولادت ۱۲۶۲ھ / ۳۶-۱۸۳۵ع (۱) میں ھوئی -

دعا کروں گا دم زیست حق میں آصف کے

یقیں ھے دین کے مدد اس میں سب ولی مجھ کو

آپ کو حضرت شاہ آغا داؤد قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل تھا اپنے پیر و مرشد کے وصال پر ملال پر ان الفاظ میں اظہار افسوس کرتے ھوئے قطعۂ تاریخ لکھا ھے جس کے آخری مصرعۂ "مہر برج بوالعلا پنہا شدہ زیر زمیں" سے ۱۳۲۲ھ تاریخ وصال نکلتی ھے -
(م ۱۳۰۳ھ)

آپ کو محمد سلطان عاقل دھلوی سے تلمذ تھا - (۲)

---

(۱)　نصیرالدین ھاشمی، محولہ بالا، ص ۵۰۶

(۲)　ابوتراب، محولہ بالا، ص ۵۳۳

اپنے ذوق سخن کے متعلق فرماتے ہیں کہ " سن شعور ہی سے رجحان طبع شعر و سخن کی طرف تھا " [1] اس ذوق کی تسکین کی خاطر حافظ شمس الدین فیض کے مشاعروں میں شرکت کرنے لگے ۔ فارسی زبان میں محمد عبدالعلی والہ مدراسی سے اور اردو میں محمد سلطان مائل دہلوی سے استفادہ کیا اور اصلاح لی ۔ آپ کو اپنے زمانے میں سخندان حضرات کی کمی کی شکایت رہی ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

مائل شعر و سخن ہو گی طبیعت کیوں کر
شوق لاکھوں میں کوئی ایک سخندان دیکھا

بتیس سال کی مشق سخن کے بعد اپنا فارسی کلام یک جا کیا اور اس مجموعہ کا نام " آتش پارہ ہائے عشق رکھا ۔ شوق کے شاگرد غریب نے قطعۂ تاریخ کہا :

کلیات فارسی استاد شوق　　　طبع شد از فضل رب ذوالمنن
مصرع سال نکو گفتار غریب　　　خوش کلید باب گلزار و چمن
۱۳۳۲ھ

اردو کا دیوان بھی بوستان بے خار کے نام سے ۱۳۳۲ھ ہی میں طبع ہوا شوق نے خود قطعۂ تاریخ کہا ہے :

چھپ گیا دیوان اردو شکر حق　　　جو کہ خاص و عام کو مرغوب ہے
فکر سال طبع پر دل نے کہا　　　شوق کا دیوان اردو خوب ہے
۱۳۳۲ھ

سخنوران دکن میں سید تمکین کاظمی لکھتے ہیں " دونوں زبانوں میں دیوان چھپوانے کے بعد آٹھ دس سال ہوئے انتقال فرمایا ۔ چوں کہ تذکرہ سخنوران دکن ۱۳۵۷ھ میں طبع ہوا، اس تذکرہ کی رو سے آپ کا سنہ وفات ۱۳۶۵ھ اور ۱۳۶۷ھ / ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان ہونا چاہئے ۔

---

(۱) شوق " آتش پارہ ہائے شوق " (تعارف) دکن مطبع مفید ۱۳۳۲ھ ص ۱ - ۲

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی بس کہ از مدرسہ و صومعہ دل تنگ شدم   عاقبت روبہ سوی محفل رندان کردم

اردو اے شوق ایسے آپ کے اسلام کو سلام   کعبہ میں بھی وہ دل سے خیال بتاں گیا

فارسی اور اردو دونوں اشعار کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مذہبی مقامات کا وہ مقصد فوت ہوچکا جس کی وجہ سے ان مقامات کا تقدس اور ان سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ عقیدت کا رشتہ قائم تھا فارسی کے شعر میں اسی خیال کے پیش نظر شاعر کہتا ہے کہ میں مدرسہ اور مسجد سے ایسا بے زار ہوگیا ہوں کہ آخر کار حلقہ رندان میں شامل ہونے کے لیے تیار ہوگیا ورنہ کجا مدرسہ و صومعہ اور کجا محفل رندان ۔

شعر زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے بالکل اہل زبان کا شعر معلوم ہوتا ہے اور فارسی کے شعر کی یہی خوبی ہونی چاہئے ۔

اردو کے شعر میں بھی اسی بات کو ایک دوسرے انداز میں پیش کیا ہے اور ایک خوبی اس شعر میں یہ بھی پیدا کی ہے کہ مخاطب اپنے آپ کو بنایا ہے یعنی تنقید دوسرے کے کردار پر نہیں خود اپنے کردار پر کرتے ہیں ۔ فرماتے ہیں کہ اے شوق جو اسلام آپ کا ہے اس کو تو دور سے ہی سلام کرلینا اچھا ہے ۔ یہ کیا اسلام ہے کہ کعبہ میں ہوتے ہوئے بھی دل میں بتوں کا ہی خیال ہے ۔

اس شعر میں کعبہ اور بت کی مناسبت بھی شاعر کے پیش نظر رہی ہے بہرحال دونوں شعر اچھے ہیں لیکن فارسی کا شعر زیادہ اچھا ہے ۔

فارسی اے غم جانان بشوئیم درین دار محن   از وطن گشتہ جدا دورازدیارافتادہ ام

اردو کیاوطن کا دین بتا کس کوغمکا یاد ہے   ناصرطلعی سے ہمارا خانماں برباد ہے

فارسی کے شعر میں بڑی اچھی بات کہی ہے ۔ شعرا یہ لکھتے آئے ہیں کہ ایک غم عشق دنیا کے دوسرے تمام غموں کو ختم کردیتا ہے ۔ اور جب غم عشق نہیں رہتا تو دنیا کے ہزاروں غم آموجود ہوتے ہیں چناں چہ شوق صاحب اپنے فارسی شعر میں اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر فرماتے ہیں کہ میں اپنے وطن سے جدا ہوں اور طرح طرح کی مصیبتوں میں

گرفتار ہوں اس حالت میں اے غم جاناں تو میری مدد کر یعنی تو اتنا غلبہ پیدا کر کہ میں تمام غموں کو بھول جاؤں ۔ یا جب وطن میں تھے غم جاناں کی شکایت کیا کرتے تھے اب غریب
کو یاد کرتے ہیں تاکہ اس کے
میں طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہونے تو غم جاناں دوسرے غم بھول جائے گا ۔

اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ لوگ مجھ سے میرے وطن کا پتہ پوچھتے ہیں لیکن میں اپنے وطن کا کیا پتا بتاؤں نہ مجھ کو پتا معلوم ہے نہ اپنا ٹھکانا یاد ہے اس لیے کہ ہم تو بچپن ہی سے بے وطن اور بے ٹھکانا ہوگئے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارا نام بھی خاندان برباد مشہور ہوگیا۔ بہرحال دونوں اشعار خوب ہیں لیکن فارسی کا شعر خوب تر ہے ۔

چند مزید اردو فارسی اشعار تقابلی مطالعہ کے لیے نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی　　محمد رافلام و شوق مشہورو عرب زادم　　　ہمین باشد دریں ملک دکن نام ونشان من

اردو　　جناب شوق سو اب زمانے میں شہرہ　　　تمہارے نام کا نزدیک و دور ہونے لگا

=====XXX====

فارسی　　شعلۂ برق تجلی جبل طور بہ سوخت　　　من ازاں شعلہ بدل داغ فروزاں کردم

اردو　　ہو مبارک حضرت موسی کو شعلہ طور کا　　　جلوۂ جاناں سے جان روشن ہے کاشانہ مرا

====XXXX====

فارسی　　بسنگ آستانش بالش سرمستیوان کردن　　　زمین بوس درا خواہد　خواہد مسند جم را

اردو　　تخت اور تاج سکندر کو مبارک ہوے　　　تیری دہلیز کا پتھر کافی ہے بستر ہم کو

===XXX====

فارسی　　اے شیخ کہ جلوۂ حق پرتو تجلی　　　از دیدۂ حق بیں، تو ببین روئے صنم را

اردو　　صورت پرست دیدۂ حق بیں سے دیکھلے　　　آئینہ جمال خدا ہیں جناب فیض

====XXX====

فارسی　　گرفتہ شعلہ ہا درد غم عشق تو سرتاسر　　　دل وجان و جگر جسم وتن از سوزنہان من

اردو　　دل بیقرار ہوگیا درد جگر کے ساتھ　　　اور جل گیا جگر بھی تو آہ و شور کے ساتھ

====XXX====

فارسی — حبیب کبریا ختم رسل معشوق ربانی — شہ کون و مکاں و افتخار جن و انسانی

اردو — تاج فرق انبیا ختم رسل — ہاں حبیب کبریا ہیں مصطفی

===XXX===

فارسی — زبہر عفو گناہان امت عاصی — شفیع روز قیامت محمد عربی

اردو — امت عاصی کو کیا ہے خوف حشر — شافع روز جزا ہیں مصطفی

====XXX====

دبستان دلی

دبستانِ دلی

فاتح سندھ محمد بن قاسم نے پہلے سر زمین سندھ پر اپنے قدم جمائے اور بعد ازاں ملتان کو اپنی قلمرو میں شامل کرلیا تو سیکڑوں عرب فاتحین یہاں مقیم ہوگیے اور اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات اس خطۂ ارضی پر پڑنے لگے تو عربی زبان کے الفاظ کا سندھی زبان میں داخل ہونا ایک فطری امر تھا اور اسی طرح عربوں نے بھی بہت سے سندھی الفاظ کو معرب بنالیا ہوگا گویا اسی وقت ایک مخلوط زبان کی بنیاد پڑی -

تیسری صدی ہجری میں جب صفاریوں نے ایران کو فتح کیا تو قربت کی وجہ سے ایرانی اثرات سندھ کو متاثر کرنے لگے چنانچہ چوتھی صدی کے سیاح اصطخری کا بیان ہے کہ ملتان اور منصورہ کے باشندے فارسی اور سندھی دونوں زبانیں بولتے تھے -

سلطان محمود غزنوی(۱) نے پانچویں صدی ہجری میں جب لاہور فتح کرلیا تو اسی زمانے سے فوج کی کثیر تعداد یہاں رہنے لگی تھی جن میں ترک ، افغان اور خلج وغیرہ شامل تھے- غزنوی دور کے فاضل بزرگ علامہ البیرونی نے ہندوؤں کی قدیم درسگاہوں سے سنسکرت کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور ہندوؤں کے علوم سنسکرت میں اور سنسکرت کے علوم عربی میں منتقل کیے- اسی زمانے کا مشہور شاعر مسعود سعد سلمان (۲) سر فہرست نظر آتے ہیں - آج ان کا ہندی کلام معدوم ہے لیکن فارسی میں سہ ماہہ (۳) یا دوازدہ ماہہ اب بھی محفوظ ہے - اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پنجاب و سندھ (مغربی پاکستان) میں ہندی شاعری کی ابتدا ہوئی - مسعود رازی بھی اسی دور کا شاعر ہے وہ سلطان کے حکم سے ہندوستان آیا اور لاہور میں مقیم ہوا- اس کا بیٹا ابوالفرج رونی لاہور کے موضع رونہ میں پیدا ہوا - ابالفرج نے

---

(۱) شیرانی ، حافظ محمود خان ، " پنجاب میں اردو " ، لاہور، ص ۳۱-۳۰

(۲) ایضاً ، ص ۵۳

(۳) قدیم زمانے میں سہ ماہہ ماہوار تنخواہ اور دوازدہ ماہہ سالانہ تنخواہ کہلاتی تھی-

اپنی زندگی کا بیشتر حصہ لاہور میں گزارا اسی زمانے میں صوفیہ اور علماء بھی ہندوستان تشریف لائے - شیخ اسمعیل لاہوری(متوفی ۴۴۸ھ) بخارا سے تشریف لائے - اور لاہور میں مقیم ہوئے ، صاحب کشف المحجوب علامہ شیخ ابوالحسن بن ابوعثمان الجلابی (متوفی ۴۶۵ھ) المعروف داتا گنج بخش اسی زمانے کے بزرگ ہیں - اسی طرح شاہ یوسف (متوفی ۵۵۰) ، شیخ فخرالدین حسین زنجانی لاہوری، سید احمد توکلت ترمذی لاہوری، سید یعقوب صدرالدیوان زنجانی لاہوری بھی غزنوی دور سے تعلق رکھتے ہیں - ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہندوستان میں اسلام کا سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا - اور لاہور اسلام کا مرکز بنا ہوا تھا یہاں سے اسلامی تہذیب و ثقافت اور علم و فضل کی شعاعیں پورے ہندوستان میں پہنچ رہی تھیں - غزنویوں کی حکومت سندھ اور ملتان سے لے کر پنجاب ، ہانسی ، سرستی اور میرٹھ تک پھیل گئی تھی ، حکام چوں کہ مسلمان ہوتے تھے اس لیے ان کے لیے مقامی زبان سیکھنا ضروری تھا اور عوام کے لیے حکام کی زبان سیکھنا لازمی تھا ، ہندو مسلم اقوام کی یک جہتی اور کاروبار ضروریات کو پورا کرنے کے پیش نظر ایک مخلوط زبان ظہور میں آئی جو شروع میں ہندی کے نام سے موسوم ہوئی - اس باہم اختلاط کے اثرات نہ صرف زبان پر بلکہ اخلاق اور بود و باش پر بھی پڑے - سلطان محمود نے غزنی میں ایک دارالترجمہ قائم کیا جہاں ہندی زبان کے ترجمان کی ایک جماعت مقیم تھی ان میں تلک ہندی اور بہرام کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں - تلک فارسی اور ہندی کا ماہر تھا - اس نے کشمیر میں تعلیم پائی تھی - تاریخ شواهد سے سلطان کا ہندی زبان سے واقف ہونا ظاہر ہے - کیوں کہ جب سلطان کالنجر پہنچا تو کالنجر کے راجہ نند نے سلطان کی شان میں چند اشعار لکھ کر بھیجے تھے سلطان نے خوش ہوکر اسے پندرہ گاؤں کا پٹہ لکھ دیا - یہ سلطان کی ہندی دانی کا بین ثبوت ہے -

رام بابو سکسینہ کا قول کسی حد تک قرین قیاس ہے (۱) کہ بارھویں صدی عیسوی کے آغاز تک ہندی زبان صرف بول چال کی حد تک ہی محدود تھی اگر کچھ لوگ اردو میں

---

(۱) رام بابو سکسینہ (مولف) (مترجم) "تاریخ ادب اردو"، ص ١٧

شعر کہنے کی کوشش بھی کرتے تھے تو اس میں آدھے فارسی الفاظ استعمال کرتے تھے گویا وہ باقاعدہ علمی شاعری نہ تھی - اگرچہ یہ مخلوط زبان ہندوستان کے ہر گوشے میں بولی اور سمجھی جاتی تھی - حال کی زبان بیرون سے فارسی چلی آرہی تھی - اور فارسی سیکھنے پر ملازمتوں کا انحصار تھا اس لیے ہر شخص اچھی ملازمت کے حصول کے لیے فارسی زبان سیکھتا تھا - اس طرح فارسی زبان بھی عوام میں بخوبی سمجھی جانے لگی تھی -

جب اجمیر، ہانسی، سرستی ، میرٹھ ، دھلی ، بدایون ، قنوج ، بنارس ، هریانہ ، تھنگیر ، گوالیار، کالنجر، اودھ اور مالوہ مسلمانوں کی حدود سلطنت میں آگئے تو قدرتی طور پر یہاں کے هندو مسلمانوں میں باهمی تعلقات زیادہ استوار هوئے اور مشترکہ هندی زبان کو مزید فروغ حاصل هوا -

امیر خسرو (متوفی ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ع) جو فارسی شاعر کی حیثیت سے بہت بڑی شہرت کے مالک هیں انہوں نے اپنے فارسی اشعار میں هندی (۱) الفاظ بھی استعمال کیے هیں بلکہ سب سے پہلی غزل بھی امیر خسرو هی سے منسوب کی جاتی هے - (۲) ذیل کے اشعار بھی امیر خسرو هی کے بتائے جاتے هیں :

زحال مسکیں مکن تغافل   دو رائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب هجراں ندارم اے جاں   نہ لیہو کاهے لگائے چھتیاں

خالق باری حضرت امیر خسرو هی کی تصنیف (۳) بتائی جاتی هے هندی اور فارسی زبان کے باهمی اختلاط سے هندی زبان میں وسعت پیدا هوئی اور اس نے بڑی فراخ دلی سے فارسی محاورات ، تشبیہات و استعارات اور ضرب الامثال کو اپنے اندر ضم کرلیا اور شاعروں نے نہایت ذوق شوق سے ایسے الفاظ باندھے جن کا فارسی ادب سے تعلق تھا مثلاً لیلی مجنوں کا

---

(۱) " صنعت ترجمہ " بھی اسی زمانے کی ایجاد هے مثلاً
ع " سودائے رخ تو کشت مارا " - کشت کے معنی اردو میں مارا کے هیں-

(۲) شیرانی ، محولہ بالا ، ص ۱۲۶

(۳) ایضاً ، ص ۱۲۸

عشق ، شیریں ، فرہاد کی محبت ـ رستم و اسفندیار کی شجاعت ، مانی و بہزاد کی مصوری ـ دریائے سیحوں و جیحوں کی طغیانیاں کوہ بے ستون و کوہ الوند کی فلک بوس چوٹیاں اسی طرح گل و بلبل ، سرو و قمری ، شمشاد و صنوبر ، چشم نرگس ، زلف سنبل ، باد صبا ، باد صرصر ، باد خزاں ، اسی کے ساتھ فارسی کے نہایت دل چسپ مبالغے دل نشیں بندشیں ، ترکیبیں ، صنعت تضاد اور دیگر صنائع اس خوب صورتی سے استعمال کیے کہ انھیں اردو ادب کا ایک حصہ بنادیا ـ یہ الفاظ ان کی فارسی دوستی کو ظاہر کرتے ہیں اور اس بات کا بھی پتہ دیتے ہیں کہ اس زمانے میں ہر خاص و عام فارسی زبان سے بخوبی واقف تھا ـ

قدیم شعرا نے فارسی قواعد ، بحور اور عروض میں بھی فارسی کا اتباع کیا ـ بعض شعرا نے سنسکرت کی بحروں میں ہندی نظمیں کہی ہیں جن میں جا بجا فارسی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں ـ لیکن یہ بحور رواج نہ پاسکیں ہندی میں فارسی بحور ہی نے رواج پایا ـ

جب اسلامی سلطنت نے دہلی پہنچ کر مرکزیت اختیار کرلی تو اس کی آغوش میں ہندی زبان نے خاطر خواہ مقبولیت حاصل کی اور اس کے لیے ترقی کی [illegible] راہیں استوار ہوئیں اور ہوگئیں اور اس مخلوط زبان کے ذریعہ ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا کرنے کی فکر کی گئی ـ رفتہ رفتہ اہل علم ، مشائخ ، اہل صنعت و حرفت اور کاروباری لوگ ، ایران ، عراق ، شام اور عرب سے ہندوستان آنے لگے اور اس طرح فارسی اور ہندی ایک دوسرے سے اور زیادہ قریب ہوئیں اوران میں کسی حد تک عربی کی چاشنی بھی شامل ہوتی رہی ـ اور دہلی کے گرد و نواح میں رفتہ رفتہ اسے مقبولیت حاصل ہوتی رہی ـ ہماری زبان نے فارسی اور عربی کے ساتھ ترکی زبان سے بھی خوشہ چینی کی ہے ـ ہماری اردو شاعری کے زریں عہد کا آغاز حضرت امیرخسرو سے ہوتا ہے ـ جو ترک لاچینی تھے اور مرزا غالب ترک افراسیابی کے ذریعہ ترقی کے بام عروج پر پہنچتا ہے ـ پھر ترک سلاطین کے دور حکومت میں ترکی زبان نے فروغ پایا ـ سلطان معزالدین غوری ، قطب الدین ایبک ، شمس الدین التمش ، جلال الدین سنک برنی ، غیاث الدین بلبن اسیر

اور غیاث الدین تغلق وغیرہ سب ہی ترک حکمران تھے - اور بابر نے تو اپنے دور میں ترکی زبان کو رائج کیا اور ہمایوں کے ابتدائی عہد تک ترکی زبان سرکاری زبان کی حیثیت سے (۱) رائج رہی - یہی وجہ ہے کہ عہد مغلیہ کے اواخر تک بعض لغتوں میں ترکی زبان کی فہرستیں بھی ملتی ہیں جن میں بہت سے الفاظ تو آج ہماری اردو میں بھی رائج ہیں مثلاً الغ (بہت زیادہ) بابر، التمش ، ہلاکو، الاغ (گدھا) اکا (ماں) آج کل دودھ پلانے اور بچے کھلانے والی عورت کو کہتے ہیں -

اسی طرح ایل (فرمانبردار) ایلی (محبت) اسلامبول جسے استنبول کہتے ہیں ، ایلچی (قاصد) یورش (حملہ کرنا) یال (گردن) مجازاً گھوڑے کی گردن کے بال ایلدرم (برق) جسے یلدرم کہتے ہیں - ایلغار (دشمن پر ٹوٹ پڑنا) جسے یلغار بولتے ہیں - یتاق (پاسبان) قزلباش (سرخ سر والا) اشنار (جاسوس) ایرانی قزلباشوں کے قبیلہ کا نام بھی ہے - قزغان (کڑاھی) قاق (خشک گوشت) قاطر (خچر) قاشق (چمچہ) قاب (ڈش پلیٹ یا کسی چیز کا غول) قابو (موقع) جس سے فارسی میں قابو یافتن اور اردو میں قابو پانا مصادر بنے ، قاچار (ایرانی شاہی خاندان) قاز (ٹی بطخ) بیگ و بیگم ، باجی (مشہورہ) قزاق (ڈاکو) قرق (نگہبانی) اسی سے عدالت کی طرف سے مال کی ضبطی کا لفظ قرقی مشتق ہے - قرقر گاڑی کے چلنے کی آواز ہے - غالباً یہی آواز کثرت استعمال سے اردو میں کھڑ کھڑ یا گھڑگھڑ کی آواز سے بدل کر مستعمل ہے - ترکی کردن (ظلم کرنا) یا لفظ ترک سے فارسی میں ترک ختن (آفتاب) ترک خوردن (دھوپ کھانا) وغیرہ مصادر بنائے گئے - ترک نیمروز ، ترکش ، ترکب جوش (بخشی) ترکستان ، ترکان چرخ (ہفت کواکب) ترک فلک (مریخ) وغیرہ الفاظ وجود میں آئے - ترک تاز (لشکری ، لٹیرا) ترکی بہ ترکی جواب دینا ، ہندو مسلمانوں کو ترک بمعنی بہادر کہہ کر پکارتے تھے اور اسی سے ترکی تمام ہونا (بہادری یا اکڑ نکل جانا) محاورہ ہے یہ اردو الفاظ اپنے درخشاں ماضی کی یادگار ہیں - اگرچہ ترک شہنشاہ فارسی بھی

---

(۱) غلام مصطفی ، ڈاکٹر ، "تحقیقی جائزہ" سکھر : اتحاد پریس ، ۱۹۶۸ء ، ص ۱۳۰

جانتے تھے لیکن ان کے زمانے میں ہندی اردو ترکی الفاظ کی آمیزش سے وسعت ہوئی - اس کے باوجود فارسی کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا -

مولانا جلالی (م ۹۳۲ھ) بابر کے ہم عصر تھے - ملا نوری عظیم پوری ، ملا فیضی اور سعدی وغیرہ نے اپنی شاعری میں آدھے فارسی اور آدھے اردو الفاظ استعمال کیے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں یہ رنگ خاصہ مقبول ہوگا - اور وہ قصداً ایسا کرتے ہوں گے کیوں کہ جہاں تک ان کی زبان دانی کا تعلق ہے وہ شستہ محاورات اور روز مرہ استعمال کرنے پر بھی خاصی قدرت رکھتے ہیں ہم یہاں مثال میں شیخ سعدی (۱) کے دو شعر پیش کرتے ہیں:

قشقہ چو دیدم بر رخش گفتم دہ کیا دیت ہے

گفتہ کہ دُر اے باؤ ری اس ملک کی یہ ریت ہے

سعدی بگفتہ ریختہ ، دَر ریختہ دُر ریختہ

شیر و شکر آمیختہ ، ہم شعر ہے ہم گیت ہے

اکبر کا زمانہ بھی بڑا خوش حالی کا زمانہ تھا - اس زمانے میں بھی اردو کو بڑا فروغ حاصل ہوا اس کے ایک ہندو وزیر (۲) مال کی طرف سے حکم جاری کیا گیا تھا کہ ہر سرکاری ملازم کو فارسی سیکھنا ضروری ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجبوراً ہندی زبان بولنے والوں کو بھی فارسی سیکھنا پڑی اور اس طرح ہندی زبان (جس کو بعد میں اردو کا نام دیا گیا) کو مزید ترقی ہوئی - اکبر کے دربار سے بھی بڑے بڑے شاعر وابستہ تھے جن میں ملا دوپیازہ ، فیضی اور عبدالرحیم خان خاناں خاص طور پر قابل ذکر ہیں - ملا دوپیازے (۳) کی ایک غزل کا مقطع

---

(۱) درد کاکوروی نے " اردو اور شمالی ہند " صفحہ ۵۶ میں سعدی کو کاکوروی لکھا ہے - اور حافظ محمود خان شیرانی نے " پنجاب میں اردو " صفحہ ۱۸۰ میں سعدی کو شمالی ہند کا شاعر لکھا ہے -

(۲) درد کاکوروی ، " اردو اور شمالی ہند " : ، ص ۶۰

(۳) رام بابو سکسینہ ، محولہ بالا ، ص ۵

ملاحظہ ہو :

نہ دو پیازہ کی دلداری کرت ہے

مگر صد گونہ پا خواری کرت ہے

عبدالرحیم خان خاناں فارسی کے عظیم شاعر تھے - ہندی، فارسی اور ترکی کے بھی قادرالکلام شاعر تھے - ہندی میں دوہے ان کے مشہور ہیں - فارسی میں رحیم اور ہندی میں رحمن تخلص کرتے تھے :

رحمن دھاگا پریم کا جن توڑو چٹکائے جائے

ٹوٹے سے جڑے نہیں، بیچ گانٹھ پڑ جائے (۱)

<u>محمد افضل جھنجھانوی</u> (۲) ۱۰۲۰ھ سے قبل ہوئے ہیں - کلام ملاحظہ ہو :

اری یہ عشق ہے یا کیا بلا ہے   کہ جس کی آگ میں سب جگ جلا ہے

شب و روز گزرتے رہے اور زمانے کی تدریجی رفتار کے ساتھ اردو زبان ترقی کرتی رہی- گویا یہیں سے اردو زبان کے نام کی بنا پڑی - اس کے بعد عالمگیر کا زمانہ آتا ہے - اس میں ولی دکنی نے خاص شہرت پائی لیکن ان کی شہرت شاہ گلشن کی شاگردی کے بعد ہوئی - انہوں نے ولی کو اپنے مخصوص دہلوی رنگ میں شعر کہنے کی ترغیب دی - دہلوی انداز اختیار کرتے ہی ولی کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ ہرکس و ناکس کی زبان پر ولی کا کلام تھا-

عالمگیر کا عہد اردو شاعری کے فروغ کا خاص دور سمجھا جاتا ہے اس کے زمانے میں فارسی شعرا نے اردو شاعری کی طرف توجہ دی موسوی خان فطرت ، مرزا عبدالقادر بیدل ، مرزا عبدالغنی قبول اگرچہ فارسی کے نامور شاعر تھے مگر اردو میں بھی شعر کہتے تھے -

عالمگیر کے بعد کچھ عرصہ خانہ جنگی رہی اس کے بعد محمد شاہ کی رنگین طبیعت نے ایسا رنگ دکھایا کہ قزلباش خان امید ، علی قلی خان ندیم ، مرتضی قلی خان فراق ، میر

---

(۱) مطلب :- اے رحیم رشتہ محبت چٹکیوں سے توڑنے کی کوشش نہ کرو - کیوں کہ ٹوٹنے کے بعد جڑ نہیں سکتا اگر جوڑا جائے تو بیچ میں گانٹھ پڑ جاتی ہے -

(۲) درد کاکوری، محولہ بالا ، ص ۶۹

شمس الدین فقیر، سراج الدین علی خان آرزو اور صدرالدین محمد فائز ایسے بڑے بڑے صاحب فضل و کمال دلی میں موجود تھے - دکّی میں ولی کا رنگ بہت چمکا بڑی قدردانی ہوئی - جو شعرا فارسی شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے انھیں جب اردو میں شعر گوئی کا شوق ہوا تو انھوں نے اردو میں بھی کمالات دکھائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ زبان دکّی سے اردو ئے معلی[1] کا خطاب پاکر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی -

عالم گیر کے زمانے میں لغات کی تدوین اور کتابوں کے تراجم کا بھی خیال پیدا ہوا- ملا عبدالواسع ہانسوی نے " گلستان و بوستان" کی شرح لکھی پھر اردو قواعد کی کتاب مرتب کی اور ایک لغات کی بھی تدوین کی اس میں اردو الفاظ کے معنی و تشریح فارسی میں کی اور اس کا نام"غرائب اللغات"رکھا -

دکّی نے اردو ادب کی جو شاہراہ دکھائی تھی اس کے پیرو فائز ، آرزو، مظہر، ضاحک ، حاتم ، درد اور قائم وغیرہ ہوئے - یہ شعرائے دہلی اردو اور فارسی میں بے ساختہ شعر کہتے تھے - یہی وہ ہستیاں ہیں جن کے آغوش میں نونہال اردو نے پرورش پائی اس عہد میں زبان میں بڑی پختگی پیدا ہوئی - اس دور کے شعراء کی عام خصوصیات یہ ہیں کہ ان کے کلام میں تصنع یا ایچ پیچ نہیں ہے، جو کچھ محسوس کرتے تھے اسے سیدھی سادی سی زبان میں بیان کردیتے تھے - مضامین اگرچہ معمولی ہوتے ہیں مگر کلام کی سادگی اور بے تکلفی لطف دے جاتی ہے-

ولی کی تقلید سے جو ثقیل اور بے کیف محاورات دکّی کی زبان میں داخل ہوگئے تھے اور دکّی کے شعرا بھی انھیں استعمال کرنے لگے تھے انھیں اردو زبان سے خارج کرنا پڑا - اس طرح تصفیہ زبان کے لحاظ سے یہ خدمات قابل قدر ہیں انھوں نے یہ مشکل کام جس حسن و خوبی سے انجام دیا یہ ان کی خوش مذاقی ، فنی صلاحیت اور قابلیت کی دلیل ہے - انھوں نے

---

(۱) اردو اور شمالی ہند کے مصنف ذوق کے شاگرد ظہیر دہلوی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شاہ جہاں نے جامع مسجد اور لال قلعہ تعمیر کرکے شاہجہاں آباد کو دارالخلافہ قرار دیا - ایک بازار تعمیر کرایا اسے اردو بازار کے نام سے موسوم کیا اس بازار کے لوگ مختلف اللسان تھے ان میں اہل لشکر بھی تھے اس لیے باہم اتفاق سے اس کا نام اردوئے معلی قرار پایا اور اسی نسبت سے اردو زبان کا نام اردو ئے معلی رکھ دیا گیا - جو بعد میں اہل دکّی کی زبان کہلائی - ص۴۲

متروکات کے خارج کرنے میں بڑی دقت نظری سے کام لیا۔ ثقیل اور ناتراشیدہ محاورات اور تراکیب کی جگہ فارسی کے خوشنما محاورے اور دل کش تراکیب اردو میں داخل کیں - جس سے اردو زبان کی دل کشی میں اضافہ ہوا - چوں کہ اس میں کوئی عصبیت کارفرما نہ تھی اس لیے ہندی کے بہت سے شیریں اور سبک الفاظ باقی رکھے گیے اور بعض فارسی الفاظ کا ترجمہ بھی کیا گیا۔ زبان میں لوچ اور جذب کی صلاحیت پہلے ہی سے موجود تھی اس لیے یہ جدید تصرفات اس نے آسانی سے قبول کرلیے -

ولی کے معاصرین صنعت ایہام کے بہت شائق تھے یہ صنعت ابتدائی شاعری میں بہت مقبول رہی اور دوہوں کی جان سمجھی جاتی تھی - چناں چہ قدماء کے کلام میں ذو معنی اشعار بکثرت موجود ہیں - آبرو، یک رنگ ، شاکر ، ناجی اور حاتم وغیرہ نے اس رنگ کو بہت برتا ، مگر شاہ عالم کے زمانے میں اس میں ترمیم و اصلاح ہوئی - مظہر، سودا ، میر ، قائم کے کلام میں اس کا رواج بہت کم ہوگیا اور غالب اور مومن کے زمانے میں یہ رنگ بالکل ہی ختم ہوگیا۔ میر فرماتے ہیں :

کیا جانے دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ایہام بھی نہیں

سودا فرماتے ہیں :

یک رنگ ہوں آتی نہیں خوش مجھکو دو رنگی
منکر سخن و شعر میں ایہام کا ہوں میں

اس دور کی ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ آپ بیتی کہتے ہیں اس میں ایسا درد اور سوز ہوتا تھا کہ سننے والوں کے دل تڑپ جاتے ہیں۔ زبان میں اب خاصی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے اسی لیے ان بزرگوں نے گل کاری کے کمالات بھی دکھائے ہیں -

اسی زمانے میں شاعری تصوف کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی وجہ یہ تھی کہ شعرا اکثر صوفی مشرب ہوتے تھے یا آخر عمر میں ہوجاتے تھے - پیری مریدی کا بازار گرم تھا چوں کہ فارسی شعرائے متاخرین کا کلام تصوف میں ڈوبا ہوا ہے - اس لیے اردو میں بھی ان کی تقلید

کی گئی اور اس پر بھی تصوف کا رنگ غالب رہا -

دلی میں متوسطین کے دو گروہ ہوئے ایک شاہ نصیر ذوق اور ان کے معاصرین کا دوسرا دور مومن ، غالب اور ظفر وغیرہ کا - اول الذکر شاعری میں الفاظ و محاورات اور زبان سازی کا دلدادہ نظر آتا ہے تو آخر الذکر ندرت بیان اور طرز ادا سے اشعار کو جادو اثر بنانے کا شائق دکھائی دیتا ہے - قدما کی طرح ان کا کلام بھی حسن و عشق کی داستانوں سے پر ہے لیکن شیفتگی، عشق میں کہ سپردگی اور خود رفتگی کی حد تک نہیں پہنچتی - ان کا دل چوٹ تو کھاتا ہے مگر دماغ اس کو برداشت کرنے کی تاب رکھتا ہے اسی لیے شدت احساس کے باوجود طرفگی ادا کا رنگ مزا دیجاتا ہے -

اس کے بعد متاخرین کا دور آتا ہے داغ ، سالک ، حالی ، مجروح اور شیفتہ وغیرہ بھی اپنے فنی کمالات دکھاتے ہیں لیکن ان میں داغ کا طوطی بولتا ہے - اور ان کی شاعری میں ذوق کی شاگردی کے اثرات اسی طرح موجود ہیں وہی الفاظ محاورے اور روز مرہ کا استعمال ہے چوں کہ داغ نے اصناف شعرات سے اپنی شاعری کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی اور دلّی کے روزمرہ کی زبان اختیار کی اس لیے عوام و خواص دونوں میں یک وقت مقبول ہوئے - ان کی معاملہ بندی بھی آپ بیتی پر مبنی ہوتی ہے اس لیے لطف دے جاتی ہے اور طبع نازک پرگراں نہیں گزرتی -

●●●●●●

فائز دہلوی ، نواب صدرالدین محمد خاں بہادر :

صدرالدین محمد نام اور خان بہادر لقب اور فائز تخلص تھا - ان کے والد زبردست خاں عالمگیری عہد کے چالیسویں سال ۱۰۹ اھ میں صوبۂ اود کے ناظم مقرر ہوئے اور سہ ہزاری دو ہزار پانصد سوار کے منصب پر فائز ہوئے اور عالمگیری عہد کے ۱۱۱۶ھ میں اجمیر کے صوبہ دار مقرر ہوئے - ان کی ولادت اور وفات کے متعلق تمام تذکرہ نویس خاموش ہیں لیکن خود ان کے اپنے دیوان کے خود نوشت سے مقدمہ سے بھی اس امر کا حتمی ثبوت تو نہیں ملتا - قیاس ہے کہ ان کی پیدائش ۱۰۹۷ھ / ۸۶-۱۶۸۵ء کے قریب ہوئی ہوگی -

کی پیدائش ۱۰۹۷ھ / ۱۶۸۵-۸۶ء کے قریب ہوئی ہوگی - (۱) ۱۱۴۲ھ میں انھوں نے اپنا دیوان ترتیب دے لیا تھا اور اس وقت وہ جوان تھے - دیوان کی تدوین کی کیفیت اس طرح لکھتے ہیں :

"مخفی نماند کہ این رسالہ در ابتدائے سن شباب چنان چہ مذکور شد مرقوم شدہ بود - مجملہ آن اشعار معنی داشتم کہ موافق طبع خود پارہ انتخاب کردہ بود از رائے آن منتخب اکثر عزیزان قبول برداشتہ بودند و قلیل نظر برآن کہ رطب و یابس در کلام می باشد ارادہ نظر ثانی برآن داشت - لیکن تا پانزدہ سال میسر نماند کہ اشتغال دیگر درمیان بود - بعد از انقضائے این مدت در سنہ یک ہزار و یک صد و چہل و دو، فرصتے اتفاق افتاد ، نظر ثانی برآن مجموعہ کردیم - قریب یک سال دریں کار کشید - آن چہ بہ عقل قاصر رسید حتی المقدور حک و اصلاح و کم و زیاد کرد ، تا ایں رسالۂ کلیات بدیں تفصیل بربیست و ہشت کتاب مرتب گردید -"(۲)

یہ ضخیم دیوان اب نایاب ہے - ہمارے پیش نظر دیوان سید مسعود حسن کا مولفہ مرتبہ ہے - جو بڑی سائز میں ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے -

ناثر ایک ذی علم آدمی تھے ان کی علمیت کی وجہ سے امرا لامرا ان کی بڑی قدر کرتے تھے - اور ان سے ملاقات کرنا اور ان کی صحبت میں بیٹھنا اپنے لیے باعث عزت سمجھتے تھے-

ناثر کا شمار اس دور کے منشیوں و مقتدر علماء میں ہوتا ہے - وہ بے شمار کتابوں اور رسالوں کے مصنف ہیں - اور یہ تصانیف مختلف موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں - بہت سی تو

---

(۱) انھوں نے سن شباب کے زمانے میں کلیات کی تدوین کا کام شروع کیا اور درمیان میں کسی دوسرے کام میں مشغول ہوجانے کے باعث پندرہ سال تک تدوین کا سلسلہ منقطع ہوگیا - اگر ہم تدوین کے کام کے ابتدائی ایام میں ان کی عمر تیس سال تصور کریں اور اس میں پندرہ سال بھی جمع کریں تو اس طرح کلیات کی تدوین ۱۱۴۲ھ کے وقت ان کی عمر ۴۵ سال ہوتی ہے - اور اسی مفروضہ کے مطابق ان کی تاریخ پیدائش ۱۰۹۷ھ میں ہونا قرین قیاس ہے -

(۲) سید مسعود حسن رضوی ادیب مقدمہ "دیوان ناثر" انجمن ترقی اردو دہلی سنہ ۱۹۳۶ء ص ۲۶

نایاب ہیں لیکن سترہ(۱) تصانیف اس وقت موجود ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں :

(۱) اعتقاد الصدر (۲) طریق الصدر (۳) صراط الصدر (۴) معارف الصدر
(۵) تبصرۃ الناظرین (۶) احزن الصدر (۷) احیاء القلوب (۸) رسالہ
مناظرات (۹) انیس الوزرا (۱۰) ارشاد الوزرا (۱۱) حجم الصدر
(۱۲) تحریر الصدر (۱۳) رسالۂ مالیخولیا (۱۴) ہدایت الصدر
(۱۵) زینت البساتین (۱۶) تحفۃ الصدر (۱۷) رقعات الصدر ۔

فائز کو علم طب ، منطق ، فلسفہ اور علم الکلام میں کافی دخل تھا ۔ انھوں نے علم طب پر دو رسالے فوائد الصحت اور رسالۂ مالیخولیا لکھے ہیں ۔ ان کی تحریر سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ ۱۱۳۲ھ میں جوان تھے اور ۲۵ سال کے قریب عمر تھی اس طرح ۱۱۳۲ھ/ ۱۷۲۹-۳۰ کے بعد تک زندہ رہنا ظاہر ہوتا ہے ۔

خصوصیات کلام فائز :

فائز نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہے ہیں ۔ ان کے فارسی کلام کی مقدار غزلوں سے زیادہ ہے ۔ اور مثنویوں کی مقدار غزلوں سے زیادہ ہے ۔

مثنویوں کے متعلق مختصراً اتنا کہا جاسکتا ہے کہ وہ زیادہ تر خارجی چیزوں سے متعلق اور بیانیہ شاعری میں شمار ہونے کے قابل ہیں ۔ فائز نے اپنی غزل گوئی کے محرکات خود بتائے ہیں ۔ وہ انھیں کی زبان سے سنئے :۔

" این ہیچ مدان ہرگز بہ دستور شعراء دیگر سعی و فکر برائے مضمون نکرد ۔ در غلبات شوق آنچہ بخاطر رسید بے توقف تحریر نمود ۔ چناں چہ اکثر در روزے صد و بست و زیادہ از آں کہ دماغ چاق می بود گفتہ می شد ۔" (۲)

اسی ذیل میں ایک جگہ فرماتے ہیں :

" اکثر در وصف حسن خوبان شعرے و غزلے طرح می شد ، رفتہ رفتہ مجموعہ گردید ۔" (۳)

---

(۱) سید مسعود حسن رضوی ادیب مقدمہ "دیوان فائز" انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۶ء ص ۲۵-۹
(۲) ایضاً خطبۂ فائز "دیوان فائز" " " ص ۱۷۲
(۳) ایضاً ایضاً " " ص ۱۷۱

فائز کو فطری طور پر شہرت اور نام و نمود سے کوئی لگاؤ نہ تھا غالباً یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے دیوان کے مفصل دیباچہ میں کہیں مشاعروں میں شرکت کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ ان کے بیان سے مزاج کی شوخی، رنگینی اور قادرالکلامی ضرور ظاہر ہوتی ہے - ساتھ ہی یہ کہ انھیں دیگر شعراء کی طرح شعر کہنے اور مشاعروں میں جاکر غزلیں سنانے کا بھی شوق نہ تھا - غالباً یہی وجوہ ہیں کہ وہ شاعر کی حیثیت سے غیر معروف رہے اور شعرا کے تذکرے ان کے ذکر سے خالی ہیں -

فائز نے قصیدہ گوئی کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی ان کی خود داری معمولی انسان کی مداحی کو خواہ وہ کسی درجے کا ہو جائز نہ رکھتی تھی - اور صلہ کی امید پر شعر کہنے کو وہ ایک طرح کی گدائی سمجھتے تھے - ان کے فارسی دیوان میں اٹھارہ چھوٹے چھوٹے قصیدے ہیں - ان میں سے ایک خدا کی حمد میں، تین رسول کی نعت میں اور چودہ حضرت علی کی منقبت میں ہیں - زیادہ تر قصیدوں میں صرف آخر کے پانچ سات بلکہ دو چار شعر مدح، مناجات یا دعا کے ہیں باقی تمام شعر تشبیب کے ہیں -

فائز سچائی کے دلدادہ تھے اس لیے وہ شاعری میں بھی جھوٹ کو جائز نہیں رکھتے تھے۔ فائز کے کلام میں غور و فکر کے آثار نہیں پائے جاتے نہ وہ مضمون کی تلاش میں زیادہ کوشش کرتے ہیں نہ لفظوں کے انتخاب میں غیر معمولی کاوش سیدھی سیدھی باتیں سیدھے سادے لفظوں میں کہتے چلے جاتے ہیں -

شاعروں کے لیے فائز نے جو ہدایتیں کی ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی بھی توجہ صرف صحت زبان اور حسن بیان کی طرف ہے نفس شاعری کی طرف نہیں -

فائز کی غزلوں کا عام موضوع ظاہری حسن ہے یا مجازی محبت، خدا کی محبت کا تو شاید کہیں ذکر ہی نہیں - انسانی محبت کا تصور بھی کچھ بلند نہیں ہے - ان کے ہاں جس محبت کا بیان ملتا ہے وہ وہی ہے جسے ہوس یا حسن پرستی کہہ سکتے ہیں لیکن عشق کے نام سے تعبیر نہیں کرسکتے -

فائز کے کلام میں مقامی رنگ بھی پایا جاتا ہے - وہ تشبیہوں ، استعاروں اور تلمیحوں میں خاص ہندوستانی چیزوں سے کام لیتے ہیں -

فائز نے اپنے کلام میں بہت سی صنعتوں کا بھی استعمال کیا ہے اس سے ان کی قادرالکلامی ظاہر ہوتی ہے -

فائز کے کلام میں مسلسل نظمیں بھی ہیں جو مقدار میں غزلوں سے زیادہ ہیں - فائز کی زبان میں ایسے متروک الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جو اس زمانے میں بولے جاتے تھے اور ان کا وجود ایک فطری امر ہے -

<u>چند اردو و فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :</u>

فارسی   شرمندہ شد ز عارض تو لالہ زار ہا   حیران ازین گل اند ہمہ عالم بہار ہا

اردو   یار میرا جان گلشن ہے   غرق خوں پھول تا بداماں ہے

اشعار میں دوست کے رخسار کو لالے سے تشبیہ دے کر تعریف میں مبالغہ سے کام لیا ہے، فرماتے ہیں کہ عارض یار کو دیکھ کر لالہ زار بھی شرمندہ ہوتے ہیں بلکہ لالہ زار کیا ، اس کی تازگی و شادابی اور رنگینی کو دیکھ کر دنیا کی بہاریں بھی محو حیرت ہوجاتی ہیں - اس خاص انداز بیان کی وجہ سے شعر میں نہ صرف ندرت بلکہ شگفتگی بھی پیدا ہوگئی ہے -

شعر میں اگر کوئی صنعت بلا ارادہ پیدا ہوجائے تو اس سے شعر میں نئی دل کشی پیدا ہوجاتی ہے یہاں بھی شعر میں جو صنعت پیدا ہوگئی ہے اس میں آورد کا مطلق دخل نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ شعر بالکل اسی طرح بے ساختہ شاعر کی زبان سے نکل گیا ہے-

اردو کے شعر میں عارض یار کا ذکر نہیں کیا بلکہ دوست ہی کو رشک گلشن قرار دیکر کہا ہے کہ دوست جب باغ میں جاتا ہے تو پھول ندامت سے غرق خوں ہوجاتے ہیں -

شرم سے پانی پانی ہونا محاورہ ہے - شرم کے مارے پانی میں ڈوب مرنا - مگر یہاں اس محاورہ میں یہ جدت بھی ہے کہ شرم سے خوں میں ڈوبنا استعمال کیا ہے - اس میں یہ خوبی ہے کہ گلاب کے پھول کی سرخی شرم کا نتیجہ ہے اس لیے اس جدت سے محاورہ میں لطف پیدا ہوگیا ہے - دونوں اشعار خوب ہیں لیکن نسبتاً فارسی کا شعر بہتر ہے -

فارسی   خواہی نہ شوی شکستہ دل اہل دہر   بر شیشۂ خاطر کسے سنگ مزن

اردو   مستعداں کو ستایا نہ کرو   بات کو ہم سے دُرایا نہ کرو

فارسی کے شعر میں ایک اخلاقی بات بڑی عمدگی سے بیان کی ہے وہ یہ کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ دنیا میں تم شکستہ دل نہ ہو تو کسی کے شیشۂ دل پر سخت کلامی کا پتھر نہ مارو ۔ شیشہ ، سنگ اور شکستہ کی مناسبات ایسی ہیں کہ جس میں بے ساختگی پائی جاتی ہے اور اس سے شعر میں لفظی خوبی بھی پیدا ہوگئی ہے ۔

اردو کے شعر میں اسی بات کو اس طرح ادا کیا ہے کہ حاجت مندوں کو ستانا اچھا نہیں ہوتا ۔ یعنی ہم سے تم ہر بات چھپاتے ہو یہ ستانا ہی تو ہے ۔ ورنہ ایک دوست دوسرے کا محرم راز اور ہمدرد ہوتا ہے ۔

اردو کے شعر کے پہلے مصرع میں لفظ "کو [illegible] "مستعد" کی جمع "مستعداں" استعمال کی ہے حالاں کہ ایسی صورت میں جمع کا الف نون گرجاتا ہے اور اس کی بجائے واؤ نون استعمال کرتے ہیں ۔ اور دوسرے مصرع میں بہت پرانا لفظ "دراتا" چھپانے کے معنوں میں استعمال کیا ہے ۔ یہ بھی آج کل متروک ہے ۔ تاہم دونوں اشعار میں فارسی کا شعر بہت بہتر ہے ۔

==========

مزید چند اشعار تقابلی مطالعہ کے لیے نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی   دلم از وزیدن (1) تو چو گل چمن شگفتہ   مگر اے نسیم گلشن خبرے ز یار داری

اردو   کرے رشک گلستاں دل کو ناتر   مرا ساجن بہار انجمن ہے

=====XXX=====

فارسی   گر تو با پیرمغاں ہی زدہ رطل گراں   من ہم از بادۂ چشم تو خماری دارم

اردو   گردش چشم سوں سریجن سب   بزم میں کار جام کرتے ہیں

====XXX=====

---

(1) اصل نسخہ میں پہلا مصرعہ اس طرح ہے :

"دلم از دمیدن تو چمن شگفتہ"

فارسی از خیال خم زلف تو چو موی گاہم موشگافم من و این فکر رسا از سوداست

اردو مجھے ہے موشگافی میں مہارت جووقت دل محو خط عنبریں ہے

****

آرزو ، سراج الدین علی خان :

شیخ سراج الدین علی خان عرف خان آرزو شیخ حسام الدین ، حسام کے صاحبزادے تھے اور آرزو تخلص کرتے تھے - ۱۱۰۱ھ م ۱۶۸۹ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے - (۱) ان کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے شیخ کمال الدین خواہرزادہ شیخ نصیرالدین محمود سے ملتا ہے اور والدہ کی طرف سے شیخ محمد غوث گوالیاری شطاری جو کہ شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری کی اولاد سے تھے ملتا ہے - سن شعور کو پہنچ کر تحصیل علم میں مشغول ہوئے - اپنے وقت کے زبردست علماء و فضلا سے علوم متداولہ کی تحصیل کی اور چوبیس سال کی عمر میں منتہی علماء میں شمار ہونے لگے - تعلیم سے فراغت کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی اور شاہی منصب پر مامور ہوئے - محمد فرخ سیر کی سلطنت کے ابتدائی ایام میں گوالیار کی خدمت پر مقرر کیے گیے اس کے بعد ۱۱۳۲ھ دارالخلافہ شاہجہان آباد بلا لیے گیے - چودہ سال کی عمر میں سرپر شاعری کا سودا سوار ہوا اور آخر وقت تک بدستور رہا ، تمام تذکرہ نویس ان کی مدح میں رطب اللسان ہیں - سودا ، مظہر اور درد جیسے مسلم الثبوت شعراء ان کی استادی کے قائل ہیں - میر تقی میر نکات الشعرا میں یوں رقم طراز ہیں :

" آب و رنگ باغ نکتہ دانی ، چمن آرائے گلزار معانی ، مصروف ملک زہد طلب بلاغت ، پہلوان شاعر عرصہ فصاحت چراغ دودمان صفائے گفتگو کہ چراغش روشن باد - سراج الدین علی خان آرزو سلمہ اللہ تعالی ابداً - شاعر زبردست قادر سخن عالم ، فاضل تاحال ہمچو ایشان بہندوستان جنت نشان بہم نرسیدہ بلکہ بحث در ایران می رود - شہرہ آفاق ، درسخن فہمی طاق ، صاحب تصنیفات ، دہ پانزدہ کتب و رسالہ و

---

(۱) محمد یحیی تنہا ، " مراۃ الشعرا " ، لاہور : دالنگیر الیکٹرک پریس ، ۱۹۵۰ء ، جلد اول ، ص ۱۱۳

دیوان و مثنویات - حاصل کمالات اوشان از حوزۂ بیان بیرون است - همه استادان مضبوط فن ریخته هم شاگردان این بزرگوارند - گاهے برائے تفنن طبع دو سه شعر ریخته فرموده - این فن بے اعتبار یکه ما اختیار کرده ایم اعتبار داده اند تبرکاً نوشته آمد -"(۱)

سراج الدین علی خان آرزو دہلی سے لکھنؤ تشریف لے گیے اور اسحق خاں کی وساطت سے نواب صفدر جنگ تک رسائی ہوئی - نواب موصوف نے ۱۱۶۷ھ میں رخت سفر آخرت باندھا - اور نواب صاحب کے خلف ارشد شجاع الدولہ جانشین ہوئے تو انھوں نے بھی آرزو کی عظمت میں فرق نہیں آنے دیا -

آزاد بلگرامی (المتوفی ۱۲۰۰ھ) نے آرزو کی وفات ۱۱۶۹ھ/ ۱۷۵۶ء لکھی ہے - پھر لکھتے ہیں :

"در بلدہ لکھنؤ فوت کرد ، و در حسین (۲) شہر مدفون گردید"-

آزاد بلگرامی کا لکھا ہوا قطعہ تاریخ بھی ملاحظہ ہو :

سراج الدین علی خان نادر عصر ز مرگ او سخن را آبرو رفت

اگر جوید کسی سال وفاتش بگو آن جان معنی آرزو رفت

۱۱۶۹ھ

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی آرزو بیجاست سعیت در تمنای وصال عالمے گر جان دهد آن شوخ کی تن می دهد

اردو وعدۂ وصل تو کرتے ہو مگر سچ کہیو دل کو اس وعدہ سے میں شاد کروں یا نہ کروں؟

معشوق کا وصل آسان نہیں ہوتا - لیکن شعراء اس کو مشکل ہی نہیں دشوار بلکہ محال تک کہہ گئے ہیں - یہاں بھی فارسی اردو دونوں اشعار میں وصل کے دشوار ہونے

---

(۱) میر، میر تقی، "نکات الشعراء" : ص ۳

(۲) محمد یحییٰ تنہا اپنی تالیف "مرآۃ الشعرا" کی جلد اول میں لکھتے ہیں : "نادر شاہ کے حملہ کے بعد نواب سالار جنگ کے مشورہ سے وطن چھوڑ کر لکھنؤ آئے جہاں ۱۱۶۹ھ مطابق ۱۷۵۶ء میں انتقال کیا۔ نواب موصوف کی وصیت کے مطابق انھیں دہلی لے جاکر دفن کیا گیا - ص ۱۱۳

کے بارے میں اسی قسم کا مبالغہ کیا گیا ہے -

فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ اے آرزو دوست کے وصل کی تمنا عبث ہے - کیوں کہ اس کا حصول ممکن نہیں - اگر ایک عالم بھی اس کی تمنا ئے وصل میں جان دیدے تب بھی وہ اس بات پر راضی نہیں ہوسکتا -

وصل کے دشوار ہونے کا مضمون تو نیا نہیں ہے مگر آرزو نے دوسرے مصرع میں دو ترکیبیں ایسی ستعمال کی ہیں جن کی وجہ سے شعر میں بڑی ندرت پیدا ہوگئی ہے - وہ ترکیبیں یہ ہیں :" جان دہد " - " تن دردہد " پھر اس لفظی تضاد اور مقابلہ کے ساتھ ساتھ معنوی خوبی بی شعر میں یہ پیدا ہوگئی ہے کہ جان وتن کا اس انداز سے مقابلہ کیا ہے - کہ یہ خان آرزو جیسے استاد ہی کا کام ہوسکتا تھا - جان کتنی عزیز شے ہے اور اس کے مقابلہ میں تن کتنا حقیر ، مگر آرزو کہتے ہیں کہ ایک شخص کی جان نہیں بلکہ اگر ایک عالم جان دیدے تب بھی وہ ایک شخص تن دینے کے لیے تیار نہ ہوگا -

اگرچہ فارسی میں " تن درادادن" کے معنی راضی ہونے کے ہیں اور " جان دادن" کے معنی ہلاک ہونے کے ہیں اگر ان دونوں ترکیبوں سے صنعت شعر میں بڑا کمال پیدا کیا ہے یعنی ایک عالم اگر اپنی جانیں پیش کرے تب بھی وہ اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے کو تیار نہیں-

وصل یار کی دشواری میں مبالغہ ضرور ہے لیکن بڑی صناعی اور نازک خیالی سے کام لیتے ہوئے اس مبالغہ کو جو غلو کے درجے تک پہنچ چکا ہے مبالغہ مقبول بنادیا ہے -

اردو کے شعر میں بھی وصل کے دشوار ہونے کی طرف اشارہ ہے - مگر ساتھ ہی وعدہ دوست پر اعتبار نہ کرنے کا اشارہ بھی پایا جاتا ہے - تاہم اس شعر کو مبالغہ نے نہیں بلکہ انداز بیان اور خفیف طنز نے بہترین شعر بنادیا ہے - فرماتے ہیں کہ اے دوست تونے وعدۂ وصل تو کیا ہے مگر یہ تو بتادے کہ میں تیری اس وعدہ سے اپنے دل کو خوش کروں یا نہیں-

وعدہ وصل اور استفہام کے خفیف طنز نے کہ آپ کے وعدے سچے نہیں ہوتے شعر میں بڑا لطف پیدا کردیا ہے بہرحال دونوں اشعار اپنی اپنی لفظی اور معنوی خوبیوں کے اعتبار سے اعلی درجہ کے اشعار ہیں - تاہم اردو کا شعر اپنی لطافت بیان کے اعتبار سے ہمارے نزدیک قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے -

فارسی   هست خالی از تناسب عضو آن پری   ساق سیمین دستۂ آئینۂ زانوی اوست

اردو   دریا عرق میں ڈوبا تجھ سیم تن کے آگے   موتی نے کان پکڑا تیری سخن کے آگے

فارسی اور اردو دونوں اشعار میں دوست کے حسن اور تناسب اعضا کی تعریف کی ہے۔ فارسی کے شعر میں بظاہر دوست کی پنڈلی کو سیمیں کہا ہے اور اس کے زانوں کو آئینہ سے تعبیر کیا ہے - لیکن ان دونوں باتوں کو مجموعی طور پر جس انداز سے پیش کیا ہے وہ قدرت کلام کی بہترین مثال ہے فرماتے ہیں کہ دوست کا ایک ایک عضو تناسب رکھتا ہے پھر اس تناسب کو دوسرے مصرع میں اس طرفہ انداز میں ثابت کرتے ہیں کہ دوست کی ساق سیمی اس کے آئینہ زانوں کا دستہ ہے ظاہر ہے کہ یہ بات اس سے پہلے اس انداز میں شاید ہی کسی شاعر نے پیش کی ہو -

اردو کے شعر میں بڑی خوب صورتی کے ساتھ دونوں مصرعوں میں حسن تعلیل یا شبہہ حسن تعلیل سے کام لیا ہے - پہلے مصرع میں دوست کے تن سیمی کے آگے دریا کو عرق ندامت میں ڈبویا ہے اور دوسرے مصرع میں دوست کے کلام کے آگے موتی نے کان پکڑا ہے - موتی سیپ کے اندر ہوتا ہے اور سیپ کے دونوں حصے کان سے مشابہ ہوتے - بہرحال دونوں اشعار میں تازگی اور جدت بلکہ نازک خیالی سے کام لیا گیا ہے - ہمارے نزدیک ان دونوں اشعار میں فارسی کا شعر قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے -

ذیل میں مزید چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں :

فارسی   شاہد ہمچو حنا ، ہیچ اختیار مرا   سپرد بستہ بدست تو روزگار مرا

اردو   جان تجھ پہ کچھ اعتبار نہیں   زندگانی کا کیا بھروسا ہے

=====xxxx=====

فارسی   اگر از ناز بتان ازین تماشا گیرند   از کف آئینہ گذارند دل ماگیرند

اردو   کھول کر بند قباکو ملک دل غارت کیا   کیا(۱) حصار قلب دلبر کھلے بندوں کیا

---

(۱) اصل نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے :
"کیا حصار قلب دلبر کے کھلے بندوں نے کیا"

فارسی   بعزم سے بوستاں خود نمائی شوخ کمترکی   بسان شعلہ اسباب معیشت را بسر سوکی

اردو   مغاں مجھ مست بی بیخود کو قلقل شیشہ ہو گیا   مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے روئے گا

====XXX====

فارسی   می دہد آسمان را بہر کارخانگہان   از بزرگیہا بجد گریہ وقارم کردہ اند

اردو   آتا ہے ہر سحر اٹھ تیری برابری کو   کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

====XXX====

فارسی   دیدہ باشی گل شبنم آلود   گریہ را ہم دل خوش می آید

اردو   دریائے اشک اپنا جب سر پہ اوج مارے   طوفان نوح بیٹھا گوشے میں موج مارے

====XXX====

فوضی   محض معدوسیم ودر عالم هویدائیم ما   خوب اگر فہمد کسے تصویر عنقائیم ما

اردو   ہرگز نظر نہ آیا ہم کو سجن ہمارا   گویا کہ تھا چھلاوا وہ من ہرن ہمارا

====XXX====

فارسی   تغافل این همہ کجاست جان کسی   بخلق وعدہ دلم نیز شرمسار توهست

اردو   وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سنے   یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

====XXX====

فارسی   آن دو گیسوی سیہ بروی رخشان آوزو   شعر ہندی بودہ است از بیوز اروشن ضمیر

اردو   اوس زلف سیہ فام کی کیا دھوم پڑی ہے   آئینہ کے گلشن میں گھٹا جھوم رہی ہے

====XXX====

فارسی   مہ کامل بخور آن رخ دلبر شی ماہ   اگر ماہ شب ماہ شب دیگر شی ماہ

اردو   آتا ہے صبح اٹھ کر تیری برابری کو   کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

====XXX====

مظہر ، مرزا جانجاناں :

مرزا جانجاناں نام اور مظہر تخلص تھا - والد کا نام مرزا جان اور تخلص جانی تھا - ۱۱/ رمضان المبارک ، ۱۱۱۱ھ/ ۱۷۰۰-۱۶۹۹ء میں کالا باغ علاقہ مالوہ میں پیدا ہوئے- ان کے والد عالمگیر کے دربار میں صاحب منصب تھے جب عالمگیر کو بچے کی ولادت کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ بچہ باپ کی جان ہوتا ہے -"(۱) چناں چہ عالمگیر نے جانجاناں نام رکھا ایک شعر میں مظہر فرماتے ہیں :

جان اول مظہر درگاہ شد

جانجان خود مظہر اللہ شد

عاشق مزاج تھے حسن صورت کی طرف بچپن ہی سے طبیعت اتنی مائل تھی کہ بد صورت کی گود میں بھی نہیں جاتے اور اگر کوئی خوب صورت لیتا تو ہمک کر جاتے - لطف معانی سے بھی انہیں پیدائشی لگاؤ تھا - ان کا قول ہے کہ چھوٹی عمر میں بھی موزوں مصرعے زبان سے بے ساختہ نکل جاتے تھے - ان کی خود نوشت سوانح کا ترجمہ ملاحظہ ہو :

" بعد حمد و صلوۃ کے بندے کا نام جانجاناں ، اور مظہر تخلص ہے والد کا نام مرزا جان جانی تخلص ہے نام کے ساتھ بہی بلند نسبت ہے، ہندوستان میں پیدا ہوا، مذہب حنفی ہے اور نقشبندی مسلک سے تعلق رکھتا ہوں - اپنے حالات احباب کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ سولہ سال کی عمر میں شفقت پدری سے محروم ہوگیا- بیس سال کی عمر میں درویشوں کی صحبت اختیار کی اور تیس سال تک مدرسہ اور خانقاہ کی جاروب کشی کی اور پریشان حالی کا زمانہ اسی معزز شغل میں گذارا- خدا کے فضل سے میں دنیا کا طالب کار نہیں اسی لیے طالب دنیا میں جد و جہد سے بھی باز رہا ہوں - آج جب کہ گیارہ سو ستر (۱۱۷۰ھ) ہجری ہے میری ساٹھ سال کی عمر ہے - بیس سال سے گوشہ نشین ہوں اور

---

(۱) تنہا ، محمد یحیی، " محولہ بالا ، جلد اول ، ص ۱۱۵

حضرات مشائخ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے حکم سے بنی نوع انسان کی اصلاح روحانی میں مشغول ہوں کیوں کہ انسانی وجود اب بھی ہزارہا غلطیوں کا مجسمہ ہے ۔ مجھ پر عنوان شباب میں عشق کی تحریک کا غلبہ ہوا جس کا شک میرے شعور میں تھا ۔ اسی موزوں آہ و بکا کو شاعری کا نام دیدیا گیا ۔ مجھ میں ان اور اق پارینہ کو جمع کرنے اور کلیات مرتب کرنے کی قطعی ہمت نہ تھی اس لیے منظومات کا بیشتر سرمایہ ضائع ہوگیا ۔ اور جو کچھ باقی رہ گیا نقل کرنے والے احباب نے ان اشعار میں بیجا تصرف کر کے غلط نسخوں کو رواج دیا ، اور نقل کے امدھوں نے اضافات سے پہلو تہی کرتے ہوئے کلام کے حُسن و عیوب کو شاعر کے سر تھوپ دیا گویا کلام کی معنوی اور خوبیوں کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنے کی بجائے عیب جوئی پر کمربستہ ہوگئے ۔ میرا حال یہ ہے کہ میں چراغ سحری ہوں اور سفر آخرت کے لیے زاد راہ کی فکر میں عدیم الفرصت ہوں ۔ لہذا اس نقصان کی تلافی سے قاصر ہوں ۔

ایک نوجوان بلکہ سراپا جوان نے مجھے اس کلیات کی جمع آوری اور تصحیح پر مجبور کیا ۔ انتہائی کوشش اور چھان بین کے بعد بندہ بیس ہزار اشعار کے مجموعے میں سے ایک ہزار اشعار ایسے یک جا کرسکا جن میں سے اکثر کی غزلیں نامکمل تھیں اور ردیف کی ترتیب بھی درست نہ تھی ۔ وہ سب کلام میری نظر سے گذرچکا ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ بھی درست اور موزوں کلام ہے ہاں واردات قلبی کا اتفاق آج کل بہت کم ہوتا ہے وہ اشعار جو پرانے مسودات سے دستیاب ہوئے ہیں اور نظر سے گذرتے رہتے ہیں وہ بھی مسلم ہیں ۔

آج سے بیس سال پہلے ایک مہربان نے بندہ کے کچھ اشعار جمع کیے اور میرے پاس بھیجے کہ میں اس کا کوئی عنوان مقرر کروں وہ چند سطور معرض تحریر میں آنے سے رہ گئیں تھیں اب میں اسے معتبر نہیں سمجھتا کیوں کہ وہ مفہوم اس (پیش نظر) عبارت میں شامل ہے ۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ ۔" (۱)

مظہر جانجاناں کا شمار زمرۂ اساتذہ میں ہوتا ہے ۔ وہ ایک فارسی شاعر نہایت دیندار اور پاک باز انسان تھے ۔ احکام شریعت کو صدق دل سے مانتے اور عمل کرتے تھے ،

---

(۱) مظہر، مرزا جانجاناں، "دیوان"، کانپور : مطبع مصطفائی، ۱۸۷۰ء، صص ۲-۳

طور طریق نہایت پاکیزہ تھے، ادب و آداب کے سختی سے قائل تھے - مزاج میں حد درجہ لطافت تھی، خلاف وضع پوشش اور غیر فطری باتیں انھیں ایک نظر بھی نہیں بھاتی تھیں- ان کے مزاج کی نزاکت اور طبیعت کی نفاست کا تقاضہ تھا کہ وہ زبان کی اصلاح کی طرف توجہ دیں چنانچہ انھوں نے ایہام گوئی کے فرسودہ طریقہ کو تراش کر زمین شعر کو نہایت صاف و شفاف بنایا-

کسی نا معلوم بدبخت انسان نے اس فرشتہ صفت انسان کو گولی مار کر ہلاک کردیا-

سنہ وفات ۱۱۹۱ھ / ۱۷۷۷ع ہے - مرزا رفیع سودا نے تاریخ کہی ہے :

مرزا کا ہوا جو قاتل ایک مرتد شوم   اور ان کی ہوئی خبر شہادت کی عموم

تاریخ ز روئے درد بہ سن کے کہی   سودا نے کہ ہائے جانجاناں مظلوم

۱۱۹۱ھ

ان کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے - جن میں میر محمد باقر حزیں، بساون لعل بیدار، خواجہ احسن الدین خاں بیان اور انعام اللہ خاں، یقین بڑے نامور اور صاحب دیوان شاعر گذرے ہیں -

خصوصیات کلام :

آپ کا کلام زبان اردو کی تاریخ ارتقا میں ایک خاص درجہ اور اہمیت رکھتا ہے - اس وجہ سے کہ آپ نے نہ صرف زبان کو صاف کیا بلکہ اس میں فارسی کی نئی نئی تراکیب ایجاد کیں اور جدت تخئیل سے اردو زبان کے دامن کو مالامال کیا ساتھ ہی قدیم طرز ایہام گوئی کو ترک کر کے زبان کو صفائی بخشی - زبان و بیان میں یہ جدید رنگ آپ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے - مگر افسوس ہے کہ بہت کم لوگوں نے اس کا اعتراف کیا ہے - مصحفی اور شوق اپنے اپنے تذکروں میں اس خدمت کا ضرور اعتراف کرتے ہیں -

آپ کا کلام نہایت سادہ سلیس اور فصیح ہے اور جذبات اور تاثیر کے ساتھ تصوف کے خیالات سے بھی مالامال ہے اکثر اشعار کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مضمون خیالی نہیں - بلکہ واردات قلبی کا من و عن اظہار ہے - آپ نے اپنا ایک فارسی دیوان جس میں ایک ہزار

ابیات ہیں ۱۱۷۰ھ میں مرتب کیا یہ ایک قدیم دیوان کا انتخاب ہے جس میں بیس ہزار شعر تھے ۔ ایک ناتمام دیوان معہ بیاض خریطۂ جواہر آپ سے یادگار ہے ۔

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

مظہر جانجاناں بھی ان شعرا میں ہیں جنھوں نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے ہم ان کے چند منتخب متقابل فارسی اور اردو اشعار کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں ۔ مثلاً

فارسی   تخم بلبل کاشت جائے گل، مگر اے باغباں   ہر طرف در باغ مشت بال و پر افتادہ است

فارسی   یارب چہ فتاد بلبلاں را   در باغ نشان آشیاں نیست

اردو   چلی اب گل کے ہاتھوں سے لٹا کر کارواں اپنا   نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں نشاں اپنا

فارسی کے دونوں شعر ہم معنی ہیں اور اسی مفہوم کا اردو کا شعر ہے ۔

فارسی کے دونوں اشعار میں پہلا شعر جدت رکھتا ہے یعنی یہ مضمون اس طرح اس سے پہلے شاید ہی کسی نے باندھا ہو ۔ بلبل کی تباہی و بربادی کو اس انداز سے بیان کرنا کہ اس دفعہ معلوم ہوتا ہے باغباں نے گل کی بجائے تخم بلبل کی کاشت کی ہے کہ باغ میں ہر طرف پھولوں کی بجائے بال و پر بکھرے پڑے ہیں ۔

فارسی کا دوسرا شعر بالکل صاف ہے کہتا ہے کہ باغ میں بلبل کے آشیانے کا بھی کہیں نشان نظر نہیں آتا تو آخر بلبل پر ایسی کیا مصیبت ٹوٹ پڑی ۔

اردو کا شعر فارسی کے دوسرے شعر سے بالکل ہم آہنگ ہے لیکن اردو کے شعر میں مضمون کی وضاحت کے ساتھ ساتھ جو چاشنی ہے فارسی کے شعر میں وہ بات نہیں ہے ۔

اس لیے ہماری رائے میں فارسی کا پہلا شعر اپنی جدت ، تازگی اور تاثیر کی وجہ سے ترجیح رکھتا ہے اور اردو کا شعر فارسی کے دوسرے شعر سے مذکورہ بالا وجہ کی بنا پر بہتر ہے۔

فارسی   این ست وفا کہ بعد قتلم   از کوی تو خون من روان نیست

اردو   جو تو نے کی سو دشمن بھی نہیں دشمن سے کرتا ہے   غلط تھا جانتے تھے تجھ کو جو ہم مہرباں اپنا

فارسی کے شعر میں ندرت اور جدت پائی جاتی ہے یعنی وفا کے مضمون کو اس توجیہہ کے ساتھ شاید پہلے کسی نے نہ لکھا ہو - پھر جدت کے ساتھ ساتھ شعر میں صنعت حسن تعلیل بھی پیدا ہوگئی ہے - وہ اپنے خون کو جو کوئے دوست میں بہا تھا اور وہیں کی خاک میں جذب ہوکر رہ گیا وفا کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ قتل ہونے کے بعد میرے خون نے بھی کوئے دوست سے باہر جانا گوارا نہ کیا پھر زبان کے اعتبار سے بھی شعر خوب ہے - لیکن اردو کے شعر میں زبان کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ جو تاثیر پائی جاتی ہے اس سے فارسی کا شعر خالی ہے اور تاثیر ہی شعر کی روح ہوتی ہے -

فارسی   اے محبت چہ قدر خانہ برانداز خودی   دل کہ آرام گہت بود خرابش کردی

اردو   گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا   لیکن اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

فارسی کے شعر میں بڑی خوبیاں موجود ہیں یعنی محبت کے ہاتھوں خانہ براندازی کا مفہوم ایک خاص جدت کے ساتھ باندھا گیا ہے یعنی دوست سے خطاب کرنے کی بجائے محبت سے خطاب کرتے ہیں - کہ اے محبت تو کس قدر خانہ برانداز واقع ہوئی ہے کہ دل جو تیری آرام گاہ تھی تونے اس کو بھی برباد کر کے رکھ دیا -

اردو کے شعر میں بھی تقریباً ایسا ہی مضمون ہے لیکن یہاں عاشق اپنے دوست سے مخاطب ہے کہ اے دوست میں نے مانا کہ میرا یہ دل زار آپ کے الطاف و عنایت کے قابل نہ تھا لیکن آپ نے اس پر جس قدر جور و جفا کی ہے بہرحال یہ اس کا بھی سزاوار نہ تھا -

دونوں شعر زبان کی خوبیوں اور انداز بیان کی دل کشی اور دیگر محاسن کے اعتبار سے اپنی اپنی جگہ مکمل ہیں لیکن اردو کے شعر میں فارسی کے شعر کے مقابلے میں سوز و گداز اور تاثیر کا عنصر غالب ہے - پھر شاعر نے پہلے مصرع میں جس عاشقانہ عجز و انکسار کا اظہار کیا ہے اس کا کوئی جواب نہیں -

فارسی   اے بادصبا ادب ضرور است   این مشہد ماست گلستان نیست

اردو   لالہ وگل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور   کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار

فارسی اور اردو دونوں شعر معنوی اعتبار سے بالکل متقابل ہیں - لیکن فارسی کے شعر میں باد صبا سے خطاب کرتے ہوئے اس کو متنبہ کیا ہے کہ وہ ان کی قبر پر اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی نہ آئے جس انداز سے وہ باغ میں آتی ہے بلکہ ادب سے آئے - لیکن اردو کے شعر میں باد صبا سے خطاب نہیں کیا ہے بلکہ لالہ و گل کی کثرت سے مخاطب ہیں جو قبر پر اگے ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے لوگوں کے ہجوم سے ایک شور برپا ہے - اس پر باد صبا سے شکایت کرتے ہیں کہ اے باد صبا یہ تیری ہی فتنہ سامانی ہے تو نے مردوں کو بھی نہ بخشا اور یہاں بھی ایک شور برپا کرادیا - ظاہر ہے تاثیر کے اعتبار سے اردو کے شعر میں جو بات پائی جاتی ہے وہ فارسی کے شعر میں نہیں ہے -

فارسی   رحم ایدم کہ بی‌تو چسان بیش می‌برد   بیکس دلم ، غریب دلم ، بی‌نوا دلم

اردو   یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے   کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہے

دونوں اشعار کا مفہوم اس اعتبار سے مشترک ہے کہ دونوں میں محبت کے ہاتھوں دل کا جو حال ہوا ہے اس پر اظہار افسوس کیا گیا ہے - لیکن فارسی کا شعر زبان، انداز بیان اور تاثیر غرض کہ ہر اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتا - عاشق کو اپنے دل پر اس لیے رحم آتا ہے کہ وہ دوست کے بغیر کس طرح ہے ظاہر ہے عشق و محبت میں دوست کے بغیر زندہ رہنا معمولی بات نہیں ہے - اردو کے شعر میں عشق کے ہاتھوں صدمات اٹھاتے اٹھاتے دل کا جو حال ہوگیا ہے تو اس کا بیان کیا ہے کہ اب یہ دل اتنا خستہ اور درماندہ ہوگیا ہے کہ عشق کے قابل نہیں رہا -

فارسی کا شعر مذکورہ بالا وجوہ کے اعتبار سے اردو کے شعر سے بہتر ہے -

مزید چند اردو فارسی اشعار پیش کیے جاتے ہیں :

فارسی   چونکہ حسرتم دہد بزبان تیغ ابرو   من خون‌گرفتہ را گفت کہ چہ در خیال داری

اردو   کوئی آزردہ کرتا ہے سجن اپنے کو اے ظالم   کہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جان‌جان اپنا

فارسی   صبر باشد خوش بکنجی ہستی آسودہ است   میرزا مظہر حریف بزم ہست و بود نیست

اردو   لوگ کہتے ہیں موا مظہر بے کس افسوس   کیا ہوا اس کو وہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا

فارسی دہ از وحشت چہ جنون نے زخم چون کوہکن مردم

کشیدی تیغ و چونی زہر لب گفتی و من مردم

اردو زخمی تری نگاہ کا اک پل جیا تو بہت کیا صیاد کی بغل مین ٹک دم لیا تو بہت کیا

===XXX===

فارسی باغبان بیرحم و من دردام و فصل گل رسید

الوداع ای ہم صفیران مرگ این بلبل رسید

اردو ہم گرفتارون کو اب کیا کام ہے گلشن سے لیک

جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہین آتی ہے بہار

===XXX===

فارسی چو لعل از آتش این رشک یارب زہرہ ام خون شد

چرا این گرمجوشی رنگ پان بآن دہن کردہ

اردو کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن

نہایت منہہ لگایا ہے سجن نے بیڑۂ پان کو

===XXX===

فارسی این دل کہ گل داغ محبت بسر اوست آتشکدہ ہست کہ دوزخ شرر اوست

اردو آتش کہو شرارہ کہو کوئلہ کہو مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

===XXX===

فارسی ہرکجا بینی دل مظہر بکس باید رساند گرچہ ہفد جان بدست آید خریدار دلم

اردو مظہر چھپاکے رکھ دل نازک کو اپنے تو یہ شیشہ بیچ ہے کسی بیوپاری کے ہاتھ

===XXX===

فارسی عشق و صدکوہ الم مظہر و یک شیشہ دماغ

دلش از عشق بتان سخت پشیمان شدہ است

اردو اگر ملئے تو خفت ہے وگر دوری قیامت ہے نوش نازک دماغون کو محبت سخت آفت ہے

فارسی مظہر از درد جدائی ہائے خوبانم مپرس حالتے دارم کہ ہرگز قابل تحریر نیست

اردو الہی مت کسو کو پیش رنج انتظار آئے ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آئے

====xxx===

فارسی اے باد صبا، ادب ضرور است این مشہد ما است گلستان نیست

اردو یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے قدم سنبھال کے رکھیو ترا یہ باغ نہیں

====xxx====

فارسی رستی از قید خودی مظہر بحق پیوستی ست قطرہ (۱) بودم بحریک کشتی شرابم کردہ است

اردو آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سے میٹا لگا ہے جب سے کہ مجھ پیچوا کے ہاتھ

===xxx===

فارسی زشوخی ہائے آن مژگان گیرا، کارم آخر شد چنان افشردہ دل راچنگال بازیکہ من دارم

اردو خدا کو اب تجھے سونپا اپے دل بہیں تک تھی ہماری زندگانی دارم

=========

ضاحک، سید غلام حسین :
================

سید غلام حسین نام اور ضاحک تخلص تھا - آپ کی پیدائش ۱۱۲۶ھ /۱۷۳۱ع کے لگ بھگ ہوئی ہوگی -(۲) ان کے آباو اجداد ہرات سے آکر دہلی میں مقیم ہوئے - آپ

---

(۱) حاشیہ پر اس طرح ہے :" ای بجای یک قطرہ بودم مگر کشتی شراب مرا بحر کردہ است و کشتی شراب آن باشوکہ درآن نشستہ میکشی نمایند، پس فی فرمایند کہ بدولت می از قطرہ دریا شدم یعنی بمرتبہ خود پیوستم -"

(۲) تذکرہ شعرا اردو مولفہ میرحسن دہلوی کے مقدمہ میں محمد حبیب الرحمن شیروانی لکھتے ہیں :" کہ ۱۲۰۱ھ میں میرحسن نے پچاس سال کی عمر میں انتقال کیا- بقول محمد حسین آزاد سودا ضاحک کے انتقال کے وقت زندہ تھے اور انھوں نے ۱۱۹۵ھ میں انتقال کیا- میرحسن نے اپنا تذکرہ ۱۱۸۸ھ اور ۱۱۹۲ھ کے درمیان مرتب کیا اس وقت ضاحک زندہ تھے اس طرح ضاحک کا انتقال ۱۱۹۲ھ اور ۱۱۹۵ھ کے درمیان ہوا ہوگا-

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے اور امامی ہروی کی اولاد میں تھے۔ شاعری ان کے خاندان کی میراث سمجھنی چاہئے ۔ ان کے صاحب زادے میر حسن نے مثنوی میں اور پوتے میر انیس نے مرثیہ میں بہت نمایاں مقام حاصل کیا۔

میر موصوف نہایت بذلہ سنج ، خوش خلق اور ہنس مکھ آدمی تھے اسی مناسبت سے ضاحک تخلص اختیار کیا۔ میانہ قد رنگ گورا خشخشی داڑھی رکھتے تھے گویا وضع قطع میں دہلی کا نمونہ تھے ۔

جملہ اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے، لیکن ہجو کہنے میں کمال حاصل تھا۔ ایک طویل ہجو بہ عنوان " قصیدہ در جواب نعمت خان علی" کے دو شعر ملاحظہ ہوں:۔

نی بادی و نہ خاکی نہ آبی و نہ ناری　　　نہ آدمی نہ جنی بسیار حشو و مہمل

آں موجد کثافت و آں دشمن لطافت　　　خرخنا پرخرافت بسیار حشو و مہمل

ایک مقام پر مرزا مظہر جانجاناں کی ہجو میں کہتے ہیں :

جان جاناں ہے مظہر شیطان

بس رسائیو، ہے یہ سخن جاناں

سودا کی شان میں جب گستاخانہ کلام کہا تو سودا ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضرت آپ سید خیرالانام کی اولاد میں ہیں اور سید کہلاتے ہیں اس لیے آپ کو زیب نہیں دیتا کہ آپ میری اور میرے معزز احباب کی شان میں ہجو یہ کلام کہیں ۔ اگر جذبات کی رو میں میری زبان سے کچھ گستاخانہ کلمات آپ کی شان میں نکل گیے تو ڈرتا ہوں کہ قیامت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی نہ ہو ۔ آپ اپنی اور اپنے بزرگوں کی عزت کا پاس رکھیں اور دوسروں کی عزت سے نہ کھیلیں ۔ لیکن ضاحک ہجو گوئی سے

(صفحہ گزشتہ کا بقیہ فٹ نوٹ) اگر ہم میر حسن کے سن وفات ۱۲۰۱ھ سے ضاحک کے سن ولادت کا قریبی زمانہ معلوم کرنا چاہیں تو فرض کرنا ہوگا کہ میرحسن کی پیدائش کے وقت ان کی عمر ۲۵ سال رہی ہو تو ضاحک کا سنہ ولادت ۱۱۲۶ھ کے قریب قرین قیاس معلوم ہوتا ہے ۔

باز نہ آئے تو سودا نے بھی مجبوراً ہجو لکھی لیکن بہت محتاط رہ کر ہجو میں قدم بڑھایا ہے ۔ جس کا عنوان ہے " ترجیع بند درہجو ضاحک " اور اس طرح ابتدا کرتے ہیں :

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد از سلام　　　کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام

آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں　　　جد مرا پوچھو تو ہے خیر الانام

پس دکھا تو اب کسی کی ہجو میں

ہو اگر ختم رسالت کا کلام

سودا نے ضاحک کے انتقال پر ان کے صاحبزادے سے اپنی یاوہ گوئی کی معذرت چاہی سعادت مند بیٹے میر حسن (۱) نے باپ کا دیوان منگاکر اس میں سے سودا کی ہجو کے جملہ اشعار دیوان سے قلم زد کردیے۔ سودا نے بھی بعد کے لکھے ہوئے تمام ہجویہ اشعار چاک کر ڈالے تھے، لیکن سودا کی زبان سے نکلے ہوئے اشعار زبان زد خاص و عام ہوجاتے تھے اس لیے یہ ترجیع بند باقی رہ گیا۔ ضاحک کا کلام مقبولیت کے اس مقام کو پہنچا ہوا نہ تھا علاوہ ازیں اس کی حفاظتی تدابیر بھی نہیں کی گئیں اس لیے بیشتر کلام ضائع ہوگیا۔ جو ضائع ہونے سے بچا وہ اس درجہ کم یاب رہا کہ محمد حسین آزاد لکھتے پر مجبور ہوئے کہ " جس تذکرہ میں دیکھا، ایک ہی شعر ان کا درج پایا۔"

کیا دیجئے اصلاح خدائی کو وگرنہ

کافی تھا ترا حسن اگر ماہ نہ ہوتا

ہرچند چاہا کہ ان کے جلسے اور باہمی گفتگو کے لطائف و ظرائف معلوم ہوں ۔ کچھ نہ ہو تو چند غزلیں ہی پوری مل جائیں، کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی ۔"

(آب حیات ص ۱۸۲)

---

(۱) میر حسن کو محمد حسین آزاد نے سودا کا شاگرد بتایا ہے/۔ محمد عبد الرحمن خان شیروانی نے میر ضیا کا شاگرد لکھا ہے خود میرحسن/ میر ضیا کے متعلق اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں: " مجھ سے ان کی طرز کا تتبع نہ ہوسکا اس لیے میر دردؔ اور مرزا رفیع سودا کے طرز کی پیروی کی"/ (تذکرہ شعراء اردو ص ۶) آزاد نے قدرت اللہ خان قاسم کے نام میرحسن کا جو خط نقل کیا ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے " اصلاح سخن از میر ضیاء گرفتہ ام "/ (تذکرہ شعراء اردو ص ۶) اس کے باوجود نہ معلوم کس رو میں سودا کا شاگرد لکھ گیے ہیں ۔

(۲) آزاد - محمد حسین " آب حیات " لاہور - مطبع نولکشور پریس ۱۹۰۷ء ص ۱۸۲

کچھ عرصہ پیشتر "معاصر" (جولائی ۱۹۶۷ء اور جولائی ۱۹۷۲ء) میں ان کا بیشتر فارسی کلام اور کچھ اردو کلام جناب عبدالمنان بیدل کی کوششوں سے پٹنہ سے شائع ہوچکا ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے -

اس زمانے میں غزل مسلسل کا عام رواج تھا اکثر شعرا اس انداز میں بھی طبع آزمائی فرماتے رہتے تھے ضاحک کا کلام بھی اس طرز سے خالی نہیں ہے -

محمد حبیب الرحمن خان شروانی لکھتے ہیں :" کہ تذکرۂ شعرا اردو میر حسن نے ۱۱۸۸ھ اور ۱۱۹۲ھ کے مابین مرتب کیا - اور میر غلام علی ضاحک تحریر تذکرہ کے وقت زندہ تھے-

محمد حسین آزاد گلزار ابراہیم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ ۱۱۹۶ھ تک بقید حیات تھے - حالاں کہ یہ کس طرح قرین قیاس ہوسکتا ہے جب کہ (محمد حبیب الرحمن شروانی لکھتے ہیں کہ ۱۲۰۱ھ میں جب میر حسن نے پچاس سال کی عمر میں انتقال کیا اس وقت ضاحک کا انتقال ہوچکا تھا) - بقول محمد حسین آزاد ضاحک کے انتقال کے وقت سودا (م ۱۱۹۵ھ) حیات تھے اس بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ضاحک کا انتقال ۱۱۹۲ھ اور ۱۱۹۵ھ/ ۸۱-۱۷۷۸ء کے درمیان ہوا ہوگا-

ذیل کے شعر کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   کشش کہ عشق دارد بکشا کشد ہردو   دل من کشش دل تو، تو دلم کشیدہ باشی

اردو   راہ سے راہ جیسے نکلے ہے   چاہ سے چاہ جیسے نکلے ہے

مشہور ہے کہ ع دل را بدل رہیست بریں گنبد سپہر

یہاں فارسی اور اردو کے دونوں اشعار کی بنیاد اسی مشہور شعر پر رکھی گئی ہے - فارسی کا شعر زبان کے اعتبار سے بھی خوب ہے اور صفائی روانی اور انداز بیان بھی اہل زبان کا سا معلوم ہوتا ہے - پھر دوسرے مصرع میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اپنے بارے میں ترکشد کا استعمال کیا ہے جس میں یقین کی کیفیت پائی جاتی ہے یعنی فرماتے ہیں کہ میرا دل تیرے دل کو کھینچتا ہے اور ظاہر ہے کہ آدمی اپنے فعل کے متعلق ہی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے اور دوست کے بارے میں کشیدہ باشی یعنی ماضی شکی سے کام لیا ہے - یعنی فرماتے ہیں کہ تونے میرا دل کھینچا ہوگا - اور پھر کشش عشق پر باتیں کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ بکشا کشد

ہر دو خوبی کا مذکورہ وجوہ کی بنا پر فارسی کا شعر نہایت اچھا ہے -

اردو کے شعر میں اس مشہور فارسی شعر کا ترجمہ کردیا ہے جس کی طرف ہم نے شروع میں اشارہ کیا ہے ، پھر جس شعر کا ترجمہ کیا ہے - اس شعر کی سی خوبی پیدا نہ ہوسکی اس لیے ان دونوں اشعار میں فارسی کے شعر کو ترجیح حاصل ہے -

مزید چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :-

فارسی تپشے کہ دل بہ عشقت بفراق توکشیدہ بفراق دلربایان تو بدل کشیدہ باشی

اردو ضاحک تری فراق میں جلتا ہے روز و شب بجھتا ہے اس کا شعلۂ دل تا کجا سہی

====XXX====

فارسی فاش می‌گویم و از گفتۂ خود دلشادم بندۂ عشقم و آزاد شدم از دوجہان

اردو آفت سہی بلا سہی جور و جفا سہی فرقت سہی ، فراق بلا پُر بلا سہی

====XXX====

فارسی چو ضاحک ہست دردیوان عالم عجب مردیست فرد انتخابی

اردو انشا عطاری سی کرتحسین کریں نہیں شاعر قدرت ہے کیا کسی کی جو میں منھ پر آئے

===XXX====

فارسی ہست در زمرۂ خدام غلام شہر لیک کی لیاقت بوین عاصی احوال تباہ

اردو ضاحک اول سے تیرا بندہ غریب مسکین شہرکا تھا خوان سب ملک ماسوائی

===XXX===

فارسی کشش کہ عشق دارد بکشاکشد خرد و دل می کشد دل تو، تودلم کشیدہ باشی

اردو راہ سے راہ جیسے نکلے ہے چاہ سے چاہ ویسے نکلے ہے

===XXX====

فارسی می برد آن صنم دل ضاحک چہ کنم آہ یا خدا چہ کنم

اردو غم لائے وہ تجھے لے چلے ہم دل دیا وہ تجھ دے چلے ہم

====XXX====

فارسی عشق در ہر دلے کہ خیمہ زند صبر و ہوش و خرد کُل اندازد

اردو ہم تو دیکھیں گے یار ، ہوسو ہو دل میں یہ جھالا کر کے بیٹھا

====XXX====

فارسی   گر شگفتہ لالہ برگل اندازد   داغ در جان بلبل اندازد

اردو   زلف سنبل ہے چشم نرگس دیکھ   چہرہ گل فام کرگیا دلبر

ooooooooo

سودا، مرزا محمد رفیع :

مرزا محمد رفیع نام ہے سودا تخلص کرتے تھے ، والد کا نام مرزا محمد شفیع تھا۔ دہلی میں (۱) ۱۱۲۵ھ(مطابق ۱۷۱۳ع) میں پیدا ہوئے -

دہلی اردو ادب کا گہوارہ اور علم و فضل کا مخزن تھا، سودانے ایسی ماحول میں پرورش پائی - بڑا پرسکون دور تھا - ہر طرف شعر و ادب کی محفلیں گرم تھیں یہ ماحول سودا کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں بڑا مدد و معاون ثابت ہوا۔

اگرچہ یہ پتا نہ چل سکا کہ سودا کے اساتذہ کون تھے، اور انھوں نے کہاں تک تعلیم حاصل کی تھی؟ تاہم ان کے کلام سے ان کی علمی استعداد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے - مصحفی لکھتے ہیں: " اگرچہ مرد کم علم بود اما ذکاوت و رسائی طبعش از کلامش پیداست "(۲)

اوائل عمر ہی میں ان کی طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل تھی پہلے سلیمان قلی‌خان وداد سے اصلاح لینی شروع کی ، پھر شاہ حاتم (جو پہلے رمز تخلص کرتے تھے) کو اپنا کلام دکھاتے رہے - خود شاہ حاتم نے اپنے شاگرد رشید کا ذکر نہایت فخر کے ساتھ کیا ہے۔

سودا نے فارسی شعراء کے کلام سے بھی استفادہ کیا اور شعر گوئی میں وہ مقام حاصل کیا کہ استاد سے بھی سبقت لے گیے اور استاد کے لیے باعث افتخار ہوئے - فرماتے ہیں :

چاہئے رتبہ سخن کا ہو سخنور سے زیادہ

کہئے اس کو ہی پسر جو ہو پدر سے بہتر

---

(۱)   تنہا، محمد یحیی، محولہ بالا، جلد اول ، ص ۱۶۶

(۲)   مصحفی، غلام ہمدانی، " عقد ثریا"،   :   ص ۳۳

ابتدا میں سودا فارسی میں شعر کہتے تھے ۔ عبدالباری آسی نے مقدمہ کلیات سودا میں لکھا ہے کہ خان آرزو کے مشورے سے ان کی طبیعت اردو شعر گوئی کی طرف مائل ہوئی لیکن سودانے مرزا فاخر مکین سے ملاقات کا ذکر ایک قطعہ میں کیا ہے،اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرزا فاخر مکین کے طنز سے سودا کی طبیعت اردو شعر گوئی کی طرف راغب ہوئی۔ تین شعر ملاحظہ ہوں :

جوجاہیےکہ کہے ہند کا زبان دان شعر   توبہتر اس کے لیے ریختہ کا ہے آئین
وگرنہ کہنے کے وہ کیوں فارسی غزل یا حق   ہمیشہ فارسی دان کا ہو مورد نفرین
کوئی زبان ہو لازم ہے خوبئ مضمون   زبان فرس پہ کچھ منحصر سخن تو نہیں

یہ سودا کی شاعری کا ابتدائی دور تھا ،اس کے بعد انھوں نے اردو میں شعر کہنا شروع کردیا ۔ اور کلام کو درجہ کمال پر پہنچایا ۔ فرماتے ہیں :

شاعران ہند کا تو گرچہ پیغمبر نہیں
پر سخن کہنے میں اے سودا تجھے اعجاز ہے

میر تقی میر نے سودا کو ملک الشعرا لکھا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

" غزل و قصیدہ و مثنوی و مخمس و رباعی ہمہ را خوب می گوید ، سرآمد شعراء ہندی اوست ، بسیار خوش گو است ، پرشعرش طرف لطف رستہ رستہ ، درچمن ہندی الفاظش گل ، معنی دستہ دستہ ، ہر مصرع سرو آزاد بودہ، پیش فکر عالیش طبع عالی شرمندہ ، شاعرریختہ ، چنانچہ ملک الشعرائی ریختہ اورا شاید ۔" (۱)

میر نے بڑی فراخ دلی سے اپنا فیصلہ سنادیا لیکن سخن فہم حضرات نے ملک الشعرائی کا سہرا میر ہی کو پہنایا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میر بھی اس کے ایسے ہی مستحق ہیں ۔

سودا اور میر کی افتاد طبع میں نمایاں فرق یہ ہے کہ میر کی طبیعت میں متانت

---

(۱) میر، میرتقی، " نکات الشعرا" ، بدایوں: نظامی پریس ، ناشر: انجمن ترقی اردو ہند ، سلسلہ نمبر ۲۸ ، ص ۳۲

سنجیدگی اور سوز غم تھا ، اس کے مقابلہ میں سودا کے مزاج میں بانک پن ، ظرافت اور شوخی تھی اسی بنا پر وہ عاشقانہ کیفیات کو بیان کرتے وقت بھی شوکت الفاظ ، ندرت خیال ، مضمون آفرینی الفاظ کی بندش اور محاورات کی چستی کو ہر وقت پیش نظر رکھتے تھے - ان کے حراجاز میں شوخی و ظرافت کار فرما نظر آتی ہے -

بہرحال ان کے کلام میں نئی انفرادیت ہے اور اسی چیز نے انہیں ایسا ککفاطی مقام بخشا ہے - تین شعر ملاحظہ ہوں :

مت تو گھر بناتا ہے مری آنکھوں میں اے دوست

کسی نے آج تک دیکھا نہیں پانی میں گھر ٹھہرا

موتی تو صدف میں سے نکلتے ہیں سمندر کے

بحریں سے عاشق کی مرجان نکلتے ہیں

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی

اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی !

غزل

غرضکہ سودا غزل اور قصیدہ کے مسلم الثبوت استاد مانے جاتے ہیں اگرچہ آخر وقت تک زیادہ تر اردو ہی میں شعر کہتے رہے لیکن کبھی کبھی دل بہلانے کے لیے فارسی میں بھی کہہ لیتے تھے - کیوں کہ فارسی سے انہیں فطری لگاؤ تھا - ان کا فارسی کلام اگرچہ ان کے اردو کلام کا ہم پلہ نہیں ٹھہرتا تاہم بہت عمدہ ہے - سودانے فارسی میں نواب عمادالملک آصف جاہ کی شان میں ایک بے نقط قصیدہ بھی لکھا ہے مطلع ملاحظہ ہو :

مدار کار دو عالم حصول ہر مامول

مراد اهل دعا مدح سر ورم مسئول

سودا نے ۱۱۹۵/ ۸۱--۱۷۸۰ع میں وفات پائی - (۱)

---

(۱) غلام مصطفی خان، ڈاکٹر ، " تحقیقی جائزہ " ، : شعبہ مطبوعات بزم غالب ، ۱۹۶۸ع ، ص ۹۰

- ۱۰۰ -

خصوصیات کلام سودا :

سودا کے اپنے زمانے کے بہت بڑے استاد مانے گئے ہیں - میر اور سودا دونو زبان اردو کے سب سے بڑے شاعر گزرے ہیں - زبان، اور فن شاعری شعر اور نثر کے ضمن میں ان کی خدمات بہت قابل قدر اور ان کی اصلاح زبان کا اثر بہت گہرا اور دیرپا ہے -

سودا نے اکثر ہندی الفاظ کی درشتی کو دور کرکے فارسی کی آمیزش سے زبان میں شیرینی اور حلاوت پیدا کی - شاعری کی صنعتوں سے اس میں طرح طرح کی لطافتیں اور نزاکتیں پیدا کیں - فارسی سے بکثرت الفاظ و محاورات استعارے اور تشبیہیں طرز ادا اور تلمیحات طریت لیے اور اس استادی سے ان کا استعمال کیا کہ آج تک جزو زبان ہیں - اس کے علاوہ نئی نئی ترکیبیں اور فقط محاورے بھی ایجاد کیے -

یہ بات بھی قابل داد ہے کہ فارسی اصطلاحات اور تلمیحات کے ساتھ ہندوستان کی قدیم روایات اور روزمرہ کا بھی لحاظ رکھا جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اردو زبان کے ساتھ فارسی کے تعلقات کو پختہ کرنے کا خیال شعراء کے دل میں جاگزیں تھا - مرزا کو اکثر ہندی الفاظ بھی ہندی خیالات کے لیے اختراع کرنے پڑے اور اس کوشش میں وہ اپنے معاصرین سے سبقت لے گئے -

نئے انداز پر اردو شاعری کی جو بنیادیں ولی اور شاہ حاتم نے رکھی تھیں ان پر سودا نے اپنا شاندار ایوان شاعری تعمیر کیا - قصیدہ اور ہجو گوئی میں سودا نے وہ کمالات دکھائے ہیں کہ بعد کے شعراء کے لیے ان کی ہمسری کا خیال تک محال ہوگیا - ایک جگہ وہ خود فرماتے ہیں :

باطل ہے ہم سے دعویٰ شاعر کو ہمسری کا
دیوان ہے ہمارا کیسہ جواہری کا

ان کے اردو قصائد بڑے بڑے فارسی استادوں کے قصائد کے ٹکر کے ہیں اور بعض تو عرفی اور خاقانی کے معرکۃ الارا قصیدوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں - اسی کے ساتھ نزاکت خیال

اور ظریفی مضامین میں وہ اکثر اہل عجم سے سبقت لے گیے ہیں -

سودا نے ہجو میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالے ہیں - وہ ظرافت اور طنز و مزاح کا ایک زعفران زار ہے - ان کی ہجو میں گرمی کلام ہے جس سے ان کی طبیعت کی تیزی کا پتہ چلتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس صنف سے انہیں فطری لگاؤ اور طبعی مناسبت تھی - وہ زمانے کی کج روی اور برائیوں کی پردہ دری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے -

مرزا سے پہلے اگرچہ اردو میں بہت سے مرثیہ گو گذرے ہیں مگر ان کے کلام میں سوائے مذہبیت کے کوئی شاعرانہ رنگ ، کوئی جدت اسلوب اور تازہ روش نہ تھی - مگر مرزا ہی وہ صاحب ایجاد ہیں جنہوں نے اس فن میں بھی اپنے زمانے کے اعتبار سے کمال حاصل کیا اور سچ بات تو یہ ہے کہ بعد کے آنے والوں کے لیے ترقی کی راہیں کھول گیے-

سودا کو کلام پر بھی قدرت حاصل تھی مشکل سے مشکل زمین ان کے لیے آسان اور ادق مضامین ان کے لیے بادی تھے - اشعار سب نوک پلک سے درست ، بندشیں چست ، زوائد اور بھرتی کا نام نہیں کلام سانچے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہے - الفاظ انگوٹھی میں نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ نہیں رکھ سکتے اگر لفظ ادھر سے ادھر رکھ دیا جائے تو شعر کا مزہ جاتا رہے گا کلام پُر زور اور فصیح ہے ایسی ایسی نئی بحریں، شگفتہ زمینیں ، نئے ردیف و قافیے استعمال میں لائے ہیں کہ پڑھنے والے کا دل جھوم جاتا ہے - ان کے کلام میں سنگلاخ زمینوں سے ابلتے ہوئے چشموں کی مانند شعر نکلتے چلے آتے ہیں -

مرزا میں چند خاص باتیں ایسی ہیں جو ان کے کلام کو جملہ شعراء ماضی و حال سے ممتاز کردیتی ہیں :-

۱- زبان پر کامل قدرت ہے جس نے کلام میں زور اور مضمون کی لطافت و نزاکت میں عجب تاثر پیدا کردی ہے -

۲- زبان کی چستی اور الفاظ کی نشست کچھ اس انداز کی ہوتی ہے جس سے شعر میں ڈھیلا پن اور سستی مطلق باقی نہیں رہتی بلکہ اس میں تلوار اصفہانی کی

میں رنگینی آب و تاب پیدا ہوجاتی ہے -

۳- خیالات میں بلندی اور نزاکت پائی جاتی ہے - تشبیہہ و استعارے سے وہ اس طرح کام لیتے ہیں کہ شعر کا حسن بڑھ جاتا ہے -

۴- چوتھی چیز ان میں ترکیب زبان ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے زبان کو پاک صاف کیا اور وسعت بخشی ان میں سودا کا نام سر فہرست ہے -

تاہم مرزا کا کلام مندرجہ ذیل صفات سے عاری ہے :-

۱- ان کا کلام کم و بیش تصوف کی چاشنی سے خالی ہے ،

۲- لطف غزل ان میں کم ہے یعنی ان کی غزلیں سبک اور سادہ ہیں ، وہ سوز و گداز سے بھی خالی ہیں جو غزل کی جان ہے مثلاً

۳- ان کی طبیعت میں یکرنگی نہ تھی بلکہ وہ رنگارنگ طبیعت کے مالک تھے-

ج۔ اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی　تو هر جوری که خواهی کن ز من هرگز نخواهد شد
میان داد خواهان تو در روز جزا افتم

اردو　جو جو ستم ہیں ہم پہ کیے اس کے برخلاف
کرتے ہیں ہم بیان تیرے احسان ہر کہیں

عاشق اپنے دوست کے ظلم و ستم سہنے کو بھی شان عشق اور تقاضائے محبت سمجھتے ہیں - اس کے برخلاف ظلم و ستم کی شکایت کو عشق کے منافی سمجھتے ہیں اور کم ظرفی پر محمول کرتے ہیں -

سودا نے اپنے دونوں اشعار میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے - لیکن یہ خیال فارسی میں جس خوب صورتی اور موثر پیرائے میں ادا ہوا ہے وہ بات اردو میں نہیں پائی جاتی - فارسی میں یہ کہنا کہ اے دوست تو جس قسم کا ظلم کرنا چاہے کر اور اس بارے میں مواخذہ روز حشر کا اندیشہ نہ کر کیوں کہ قیامت کے دن تو اپنے داد خواہوں کے زمرے میں مجھ کو نہ دیکھے گا - کیوں کہ یہ اپنے اپنے ظرف کی بات ہے -

اردو میں سیدھی سی بات کہی گئی ہے کہ دوست ہم پر ظلم کرتا ہے پھر بھی ہم لوگوں میں اس کے احسانات ہی کا ذکر کرتے رہتے ہیں -

==xxx===

فارسی رفتن زباغ دهر بود ماتم عظیم گل می درد قبا چو ازین گلستان رود

اردو بھلا گل تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر بتا روتی ہے کس کی ہستی موہوم پر شبنم

دونوں اشعار میں دنیا کی بے ثباتی بیان کی ہے کہ یہاں کسی چیز کو بھی ہمیشگی حاصل نہیں ہے - دونوں ہی اشعار اپنی اپنی جگہ نہایت پر لطف اور شعری محاسن سے مالا مال ہیں -

فارسی کے شعر میں اس بے ثباتی کے مضمون کو اس طرح ادا کیا گیا ہے کہ دنیا سے جانا بڑا ہی المیہ حادثہ ہوتا ہے چناں چہ دیکھ لیجئے کہ گل جب اس باغ ہستی سے رخصت ہوتا ہے تو اس بے ثباتی پر اپنی قباکو چاک کر ڈالتا ہے -

پھول کی کچھ پنکھڑیاں جو الگ الگ ہوجاتی ہیں وہ گویا گل کی بےثباتی پر اپنا پیراہن چاک کر ڈالتی ہیں اس طرح اس شعر میں بڑی بے تکلفی سے صنعت حسن تعلیل بھی پیدا ہوگئی ہے -

اردو کے شعر میں یہی مضمون کچھ اور بھی زیادہ ندرت کے ساتھ ادا ہوا ہے - شاعر کہتا ہے کہ اے گل تو ہماری بے ثباتی پر ہنستا ہے لیکن یہ تو بتا کہ شبنم کس کی بےثباتی پر روتی ہے - اس استفہام میں جو لطف ہے اس کو مذاق سلیم ہی سمجھ سکتا ہے-

==xxx===

فارسی سودا برائے جرعۂ آبے درون دیار هرگز به خضر همچو سکندر نگفته ام

اردو پانی بھی نہ مانگ اس سے جو ہووے تنک مایہ

کاسہ کے تئیں گل شبنم نہ کبھو بھردے

دونوں شعروں میں شاعر نے خودداری کا سبق دیا ہے - فارسی کے شعر میں نہایت

حقارت کے ساتھ کہا ہے کہ اے سودا ہم نے سکندر کی طرح خضر[۴] سے پانی نہیں مانگا - بھلا ایک پانی کے گھونٹ کے لیے ہم اپنی آبرو کیا گنواتے ؟

لیکن اسی خیال کو اردو کے شعر میں اور ہی پیرائے میں ادا کیا ہے کہتے ہیں کہ کم ظرف سے اگر پیاس کی حالت میں پانی کی ضرورت پیش آئے تو ہرگز نہ مانگ کیوں کہ کم ظرف سے کسی چیز کا مانگنا اپنی خودداری کو مجروح کرنا ہے۔ پھر تمثیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ دیکھئے شبنم چوں کہ تنگ مایہ اور حقیر ہے وہ کاسۂ گل کو کیا پرکرسکتی ہے - فرماتے ہیں :

طلب تو چرخ سے کر نہ راحت اے سودا
بھری ہے آب وہ کاسہ لیے گدائی کا

اردو کا شعر چوں کہ ایک خاص ندرت کا مالک ہے اس لیے فارسی کے شعر پر اس کو ترجیح دی جاسکتی ہے -

=====XXXX=====

فارسی   اے شیخ گر بسعی حرم می روی چہ سود   با صاحب حرم نہ رسی جز براہ دل

اردو   شیخ کعبہ میں خدا کو تو عبث ڈھونڈھے ہے
غالب اس کا ہے ، تو ہر ایک کی کر دل جوئی

عشق الٰہی کے شیدائی یہ کہتے ہیں کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ حقیقت میں دلوں میں سے ہوکر گزرتا ہے اس لیے اگر کوئی خدا تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ مخلوق خدا کی دل جوئی کرے - چناں چہ یہ شعر مشہور ہے کہ :

دل بدست آور کہ حج اکبر است
با ہزاران کعبہ یک دل بہتر است

اردو اور فارسی کے دونوں شعروں میں اسی مضمون کو باندھا ہے دونوں شعروں میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی -

=====XXXX=====

فارسی   غرور ناز را نازم کہ ہرگز سرفرونآید (۱)   اگر صد بار چوں رنگ حنا در دست وی افتم

---

(۱) اصل نسخے میں مصرع اولیٰ اس طرح ہے :

" غرور ناز ایام کہ ہرگز سرفرو نارد "

اردو   نقاب اب دور کر چہرے سے کر سے منھ چھپاتا ہے

قدم تیرے کو ملتے ملتے عالم کی گھسی آنکھیں

===XXX===

فارسی   اگر خاکم کنی یارب بکوی دلربا افتم   بپای رہ نوردان تاکجا خیزم کجا افتم

اردو   خاکستر اپنے سوختہ دل کی صبا کے ساتھ   تحفہ تری گلی کو ہے بھیجا حضور صبح

===XXX===

فارسی   بے تو ای رشک گل گلزار در فصل بہار   لالہ آتش زیر [illegible] بود و من می سوختم

اردو   تو ہی نہو تو سیر چمن سے ہے کیا حصول   آب رواں بھی تیغ کی ہے دھار تجھ بغیر

====XXX===

فارسی   بلبل دل نالان و خیال رخ او گل   با بلبل و گلزار جہان کار نداریم

اردو   مرا لگتا نہیں اے باغباں تیری چمن میں دل   لگے کیوں کر کسی کا یارین سرو سمن میں دل

====XXX===

فارسی   ما بندۂ عشقیم و بیزار مذاہب   با شیخ و برہمن سر پیکار نداریم

اردو   اب شیخ و برہمن ہیں بیزار مذاہب   تجھ عشق نے وہی سبحہ و زنار کو آتش

=====XXXX====

فارسی   در کعبہ یہودیم و مسلمان بہ در دیر   آرام بجز خانۂ خمار نداریم

اردو   زاہد چلا ہے کعبہ کو اور برہمن گنشت   بیٹھے ہیں اس کے ہم جو کسی دل میں گھر کرے

====XXXX=====

فارسی   بہ آب خضر کی لب تشنۂ ناز تو رو آرد   لب خود را اسازم تر، چو در آب بقا افتم

اردو   جوں خضر زندگی ابد ہوائے صہیب   یکبار دے تو جس کے تئیں بھر کے جام لب

=====XXXX====

چشم را بستہ درون دل یک خلق در آ   این عجب کنج فراغ است چہ می بینی تو

اردو   پردے کو تعین کے در دل سے اٹھادے   کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

====XXX====

فارسی   دود یار حسن می دارد بہار بے خزان   ہیچ معشوقی نباشد درمیان ہمتائے سرو

اس کے قامت کو صحن گلشن میں   ہوگیے سرو دیکھتی ہی نہال

=====XX=====

فارسی   آتش بدلم مرزد این دنگ که آں شوخ   مخفی سخت پس پرده و بیرون خواوست

اردو   جھلکے ہے اس میں حق کی تجلی کا جو کوئی   جوں شمع ہو رہے میں سراپا گداز عشق

===XXX-==

فارسی   اے شیخ زجاروب کش می کده ام پس   رازیکه نہانست ز تو در نظر اوست

اردو   اسباب جہان دن نے کیا جب نظرانداز   پوچھا جو میں کیا دیکھے ہے دیوانے کہا ہیچ

====XXXX====

فارسی   دوست درعشق تمارا دشمن جان دربغل   تیر مژگان ترا دل کشت پیکان دربغل

اردو   مژہ اس چشم کا کھٹکے ہے دلِ ... مفتوں میں

نشتر بیٹھی ہے لوہو کی بڑی جھجھوں میں

===XXX====

فارسی   گل را ہمی شناسم و نه بوشناس گل   هستم ز تخم مرغ قفس زاد در قفس

اردو   بال و پر سوختہ پائے تھے ہوا ار ہنوز   تب سے ہم کنج قفس میں ہیں گرفتار ہنوز

===XXX===

فارسی   وعده هائے وصل با اغیار ایفا می شود   یا مدش امروز و فردا بود من می سوختم

اردو   سچا تو ہے وعدے میں کس طرح ہم سے یار   وعدہ تجھسے ہو ایک سے پیمان ہرکہیں

====XXV===

فارسی   یک خلق را بگریه در آورده گریه ام   گاہے نه شد بیاد تو تنہا گریستم

اردو   روئے کی تیری سودا تاثیر کیا کہوں میں   عالم کے دل کو جن نے خونناب کردیا ہے

====XXXX====

فارسی   از پرده تا برون فتد راز عشق دوست   رفتم برون ز شهر و بصحرا گریستم

اردو   راز دیر و حرم افشا نہ کریں ہم ہرگز   ورنہ یاں کیا ہے جو ہو پنہاں نظر سے باہر

===xxx===

فارسی   کوششم تا بہ چہ انداز شوخیش را   سرتا بہ پا براق ست یک پیکر تبسم

اردو   ہر تجلی شہرہ آفاق جلوہ حسن کا   عشق نازوں کی نگاہ پاک سے کیا کیا ہوا

====xxx===

فارسی   نامحرم است خضر بجائے کہ می روم   نام مقام دوست بہ رہبر نگفتہ ام

اردو   جز شوق دل نہ پہنچوں ہرگز یکی جاناں   اے خضر کب ہوں تری محتاج رہبری کا

====xxx===

فارسی   رنگین تر است قصۂ دل خون شدن زگل   لیکن بپاس خاطر دلبر نگفتہ ام

اردو   کروں میں حال کس طرح ظاہر سخت مشکل ہے

کہ دل سے بھی زیادہ خاطر دلدار نازک ہے

===xxx===

فارسی   انداز خندۂ او باغیر سوخت مارا   داغیست سینۂ ما از اخگر تبسم

اردو   گہ مقتل عشاق بہ انداز تبسم   تا زخم شہیدوں کے جگر کا نمکیں ہو

=====xxxx====

فارسی   عشق تو صد رنگ چو بگداخت دلم را   این شیشہ اگر بوقلمون شد شدہ باشد

اردو   بزم بتاں میں یادل صد پارہ جو گیا   آئینہ خانہ میں وہ پری خانہ لے گیا

====xxx===

فارسی:-

گم شد بطریقے رہ دیر و حرم از من   کز شیخ و برہمن بہ ہم قافلہ افتاد

اردو   گہ کفر کا مائل ہے یہ دل گہ سوئے اسلام   ہے در طلب سبحہ و زنار پریشان

===xxx===

فارسی   مذہبی دہ بمن اے عشق کہ از دولت او   گاہ تسبیح بگردن گہے زنار افتد

اردو   چھوڑا میں کفر و دین فقط یار سے غرض   تسبیح سے نہ کام نہ زنار سے غرض

====xxxxx===

فارسی قصد گلگشت چمن بی تو گر آید بخیال پائے این دل شده چون سرو زرفتار افتد

اردو کس کو گلگشت چمن کا ہے دماغ اے باغبان کھینچ کر سوا گریبان یاں لے آتی ہے بہار

===XX==

فارسی ما صورت داد و ستد دل چه بگوئیم چون مرغ اسیری که ببازار فروشند

اردو جہاں تڑپتا ہے دل ہمارا کبھو تو ظالم تو وان گذر کر

کوئی بھی صیاد چھوڑ تا ہے بھلا کہ بسمل شکار اپنا

====XXX====

فارسی آنانکه بدست تو دل زار فروشند صبر و خرد و دین همه یکبار فروشند

اردو دل فروشوں کے لیے فقط محبت چاہیے جنس کی قیمت کب ان کی درہم و دینار ہے

=====XXX====

فارسی گفتم زخم عشق تو دیوانه ام اے شوخ گفتا اگرت خبط جنون شد شده باشد

اردو ڈرتے ڈرتے جو کہا میں کہ ترا عاشق ہوں قہقہہ مار لگا کہنے وہ طناز ، درست !

====XXX====

فارسی از پریشانی در این بستان دلا غمگین مشو غنچه گل می گردد این جا گر پریشان می شود

اردو غنچه کو دل کہاں ہے دم سرد سے شگفت شرمنده اس چمن میں نہیں میں نسیم کا

====XXX===

فارسی چون قدم بیرون ز مجلس آن بت بیباک زد حلقهٔ بزم نکورویان گریبان چاک زد

اردو مجلس سے جب خوست وہ رشک بتان اٹھا محشر کا اهل بزم سے شور فغان اٹھا

====XXX====

فارسی بارها گفتم همی آید زبهر خویش باز ناصح از گفتار خود روزی پشیمان می شود

اردو دکھاؤں گا تجھے زاہد اس آفت جاں کو خلل دماغ میں تیرے ہے پارسائی کا

====XXX===

فارسی گوشش بشناسد بجهان این دو صدا را آنکس که دلش محرم اسرار تو باشد

قهقهٔ
گریانهٔ صلوة ست دگر نالهٔ ناقوس این زمزمهٔ مرغ گرفتار تو باشد

اردو : | سودا کو میں پایا ہے وحدت سے مست   اس سے نہ کسی شیشۂ دل کو ہے شکست
رباعی : | ناقوس و اذاں سن کے نہ بولے آزاد   اے برہمن و شیخ صدائے عشق است

=====XXX===

فارسی   دل دارم و جان دارم و دین دارم و ایمان

از من بستانی انچه که در کار تو باشد

اردو   کیا کہوں جو مجھ سے ترے عشق نے لیا   صبر و حیا و دین و دل و تاب و خور و خواب

====XXX====

فارسی   چراروم بگلستاں دریں بہار مہ   که هست سیر چمن بے مے و نگار مہ

اردو   تو ہی نہ ہو تو سیر چمن سے ہے کیا حصول

آب رواں بھی تیغ کی ہے دھار تجھ بغیر

===XXX===

فارسی   هر یکی خواهان دل از جنس خوبان می شود

تا بدست آورد ظالم درپئے جان می شود

اردو   جان بھی دیجئے جو اس جینے کا اب جھگڑا چکے

دین و دل کھوکر میاں ابھی سزا ہم پاچکے

====XXX====

فارسی   جنس دل مرا تو بمن باز پس دہ   این کار قدر فہم خریدار بشکند

اردو   مجھے مت ہاتھ سے دے پھول کر میری محبت پر

سمجھ نادان کہ کار دوستی بسیار نازک ہے

====XXX===

فارسی
از دست شان بریده بدامت فتاده ام   آنانکه صید را بہوسی فرختند .

اردو   نے دانہ ہم قیاس کیا ہے لحاظ دام   آئے قفس میں دیکھ کے صیاد کی طرف

نگہ

====XXX====

فارسی   یوسف اگر بعهد تو می بود در جهان   اورا که می خرید و کجا می فروختند

اردو   ہوتا اگر اس عہد میں تو دیکھ کے تجھ کو   پڑھتا فتبارک کوئی شان میں یوسف

===XX===

فارسی   بیسوز سینہ کس بتوحاشامی رشد   جز داغ دل چراغ در منزل تو نیست

اردو   ہووے نہ ملک عشق سے کم رسم داغ دل   روشن رہے ہمیشہ الہی چراغ دل

====XX===

فارسی   جز چاشنی درد تو دل را چہ لذتیست   ای وائے برکسے کہ دلش مائل تونیست

اردو   اس عشق کا تو ہی ہے سزاوار کہ ہر ایک   دل دیکھے تیری نام کو جہائے نشان ہوا ہے

===XXX===

فارسی   شہسوار عرصۂ عشقم ولے در کوئی دوست   تا گذر کردم عنان اختیار از دست رفت

اردو   اب نکل سکتا نہیں مکن تجھسے مان سے ولا   زلف کے حلقہ میں ہے جوں نقطۂ پرکار تو

===XXX====

فارسی   خود را درون پردہ نہفتہ چہ حاصل است   صد پردہ پیش اہل نظر حائل تونیست

اردو   ایسے جوشیں ناپیدا وجوہ ہے قیامت کا   پیدا کی بیرنگ یا دیدار نظر میں ہے

====XX====

فارسی   آزادگی بہ این اسیری نمی رسد   درگوشۂ قفس خطر و خوف دام نیست

اردو   دل جنشوں کا ہے اسیری کے مزے سے آگاہ   ہے قفس بیچ انہیں عیش وتہ دام نشاط

===XX===

فارسی   موجب سودا (خاموشی) چہ می پرسی کہ من   داشتم دل نام شخصے غمگسار از دست رفت

اردو   جہان کے بیچ غم دل کہوں تو کس سے کہوں

سوائے دل کے (۱) مرا کوئی غمگسار نہیں

=====XXX====

فارسی   خوبی چشم بتان وابستہ حسن خط است   بادہ بے لطف ست چون فصل بہار از دست رفت

---

(۱)   اصل نسخہ میں "سوائے غم کے" ہے -

اردو کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجیو کہ چلا میں

===XXX====

فارسی ساختیم از حال دل آگاه و یار از دست رفت

کرده ام کارے بتداری که کار از دست رفت

اردو القصه خط کو پڑھ کے یہ اس نے لکھا کہ خیر

تیری ہی دل کی مہر دہانے کہ ہو گئی

====XXX====

فارسی اے که در چشم ہمہ صورت تو منظور ما قربے بدل نزدیک من ازمن چرا دوری ما

اردو ہے نقش جان دیدہ ترا ہر یہی ہے دھیان جی جائے یارہے، مجھے یک بار دیکھنا

====XXX===

فارسی من بدل جور ترا بہتر زمہرا نگاشتم گرچه در ذیل ستم کیشان تو مشہوری ما

اردو خدا کے واسطے آ در گذر گنہ سے مرے نہ ہوگا پھر کبھو اے تند خو ہوا سو ہوا

====XXX====

فارسی نامۂ وصل ترا خط بر رخت آورده است رفت ایام فراق و وقت مہجوری ما

اردو سنا ہے اب تو خط آیا ہے کس اسلوب دیکھیں ہم

لکھا ہو وصل قسمت میں تو یہ بھی خوب دیکھیں ہم

====XXX===

فارسی می‌کنم هرچند پنهان راز عشق اما چه سود چاره نتوانیکرد، غمازی حال خسته را

اردو رنگ سے چہرے کے رسوا ہوئے ہے بیمار عشق عشق کو مارے چھپا سکتا نہیں بیمار عشق

====XXX====

فارسی من بساط عیش خود را بر ده چیدم تا کجا خنده زن بر شادی من اهل ماتم تا کجا

اردو اے غنچه آنکھ کھول کے رنگ توچمن کو دیکھ جمعیت دلی یه تری پھول ہنس چلے

====XXXX====

فارسی   مانده ظالم ز جور فلک دون خود را   شانهٔ زلف جفا ساخته دل ریش ما

اردو   زلف میں شانہ کوئی جاکہ تو اسکا کیا گناہ   یہ دل صد چاک بھی تو کچھ کم از شانہ نہیں

=====xx=====

فارسی   صد بہار آخر شد و از ساغر خود همچوگل

من بجز خون جگر گاهی نه خوردم باده را

اردو   پھل جوانی سے نہ پایا کبھو جوں طفل سرشک

مل گیا خاک میں یاں پاؤں کے دھرتے دھرتے

===xx===

فارسی   ناصح از راه کرم مارا نصیحت می کند   جز شنیدن هیچ نه توان گفت مرد ساده را

اردو   عمر ناصح نے نصیحت میں گنوائی اپنی   پر مرے دل سے بتاں کی نہ محبت کھوئی

====xx====

فارسی   بسکه پابند علائق گشتم اے سودا مپرس   زندگانی دائم الحبس است این آزاده را

اردو   کیا گلہ صیاد سے ہم کو یونہیں گزری ہے عمر

اب اسیر دام ہیں تب تھے گرفتار چمن

====xx===

فارسی   از رهبری عشق بجائے رسیده ام   صد خضر گم شود بتلاش سراغ ما

اردو   اے خضر زخود رفتگی کیا طرفہ سفر ہے   جس میں کہ نہ بھولیں نہ کوئی راہ بتائے

===xx===

فارسی   از اختلاط او دل یک غنچه وانشد   شرمنده (۱) صد نسیم برون شد زباغ ما

اردو   غنچہ سے مسکراکے اسے زار کر چلے   نرگس کو آنکھ مارکے بیمار کر چلے

---

(۱)   اصل نسخہ میں " شرمندہ او نسیم " ہے

فارسی   چوں دل نخواهد که کند ترک وفا را   افتاده ام مہر به عشق تو جفا را

اردو   اس دل میں گو ہماری الفت نہیں رہی اب

اپنی طرف سے اے دل ہم تو بھلا نباہیں

===XXX===

فارسی   رحم کن بہر خدا بر غربت سودا کہ او

در دیار دور از خویش و تنہا ماندہ است

اردو   بلبل کو کیا قفس میں دیکھا چمن سے دور

یارب نہ کیجیو تو کسی کو وطن سے دور

====XXX====

فارسی   عشق او نگذاشت اے ناصح بمن ہیچ اختیار   اختیارم کردہٴ بے اختیاری ماندہ است

اردو   لہو اس چشم کا پوچھے سے ناصح بند کیوں کر ہو

جو دل ٹوٹے کسی کے ہاتھ سے پیوند کیوں کر ہو

=======

حاتم ، شیخ ظہورالدین :
=================

شیخ ظہور الدین ولد شیخ فتح الدین حاتم کی پیدائش شاہ جہان آباد میں ۱۱۱۱ھجری /۱۷۰۰-۱۶۹۹ ع میں ہوئی لفظ ظہور سے ان کی تاریخ پیدائش نکلتی ہے - شاہ حاتم نے ۱۱۲۸ھ میں شاعری شروع کی - ڈاکٹر محی الدین زور کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کی ابتدا فارسی[1] سے ہوئی " حاتم نے " " دیوان ولی " کے مطالعہ سے چار پانچ برس پہلے یعنی ۱۱۲۸ھجری سے فارسی میں مرزا کی طرز پر شعر کہنا[2] شروع کردیا تھا مگر جب ۱۱۳۳ھجری میں صاحب " دیوان ولی " نظر سے گذرا تو ان کے ہم عصر شعراء کو بھی اردو شاعری کا شوق ہوا - اسی وقت سے حاتم نے بھی اپنے بعض اردو میں شعر کہنا شروع کردیا - حاتم پہلے رمز تخلص کرتے تھے -

---

(۱) ڈاکٹر محی الدین زور " شاہ ظہورالدین حاتم " ہندوستانی اکیڈمی کا سہ ماہی رسالہ جنوری ۱۹۳۲ء ص ۱

(۲) ایضاً   ایضاً   ایضاً   ص ۸

حاتم کی نواب عمدۃ الملک کے دربار تک رسائی تھی[1] اور نواب صاحب بڑی قدر کرتے تھے۔ حاتم نے ایک مثنوی " در تعریف قہوہ " نواب صاحب کی فرمائش پر لکھی تھی چوں کہ یہ شمالی ہند کی اردو کی اولین مثنویوں میں سے ہے - اور اس سے ہمارے معاشرے میں چائے کے رواج سے بھی مطابقت پیدا ہو رہی ہے، اس لیے خاص طور پر قابل قدر ہے - مثنوی کے چند شعر بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

بھا ہے اس کی مجھ سے گرم جوشی

کہ جاتی ہے مری بیہودہ خوشی

جہاں دیکھو تہاں ہر آن قہوہ   ہے بزم عیش کا سامان قہوہ

انیس روح و جان و راحت دل   جلیس بزم و رونق بخشش محفل

برائے حرمت اخوان تواضع   تواضع اس کی ہے جائے تواضع

مجھے ہر دن یہ چاروں جام بس ہیں

دو پیالہ صبح اور دو شام بس ہیں

اگرچہ انھیں امرا کی صحبتوں سے بہت کم فرصت ملتی تھی - لیکن درویشوں کی صحبت سے بھی شاہ حاتم کو قلبی لگاؤ تھا - حضرت شاہ محمد امین سہروردی کے مرید میر بادل علی شاہ کے تکیہ میں ان کی خاص بیٹھک رہا کرتی تھی - نہایت عقیدت سے فرماتے ہیں:

خودی کو چھوڑ آ حاتم خدا دیکھ کہ

کہ تیرا رہنما ہے شاہ بادل

حاتم کہا ہے حق نے دو عالم میں سربلند

بادل علی کے جب سے لگے ہیں قدم سے ہم

ممکن ہے کہ حضرت بادل کے ہاتھ پر بیعت بھی ہوگئے ہوں -

حاتم کو ایک وقت میں دو صحبتیں میسر تھیں ایک طرف نواب عمدالملک کے دربار کی رنگینیاں اور شان وشوکت تو دوسری طرف حضرت بادل کی صحبت میں معرفت حقیقی کی باتیں۔

---

(۱) زور، ڈاکٹر محی الدین ، " شاہ ظہور الدین حاتم" : " ہندوستانی"، الہ آباد: جلد ۲، حصہ اول، جنوری، ۱۹۳۲ء ، ص ۲۵

نور و ظلمت دونوں یکجا نہیں رہ سکتے تھے آخرکار دنیا کی کشش نے دنیا کے جاہ و جلال پر قابو پالیا اور حاتم نے عمدۃ الملک کی خدمت میں نظم لکھ کر پیش کردی ایک شعر ملاحظہ ہو :

یہی ہے عرض خدمت میں تری حاتم بکاول کی

کہ یہ خدمت اسے دے جو کوئی خواہاں نعمت ہو (۱)

جن لوگوں نے ان کی دنیوی شان و شوکت دیکھی ان میں سے کچھ نادان ان کے بہی خواہ اور ہمدرد بھی تھے انہیں حاتم کے اس فیصلہ کا افسوس ہوا کیونکہ دینی نکتۂ نگاہ اور دانشمندی کی رو سے یہ فیصلہ قطعی درست نہ تھا۔ پھر اس وقت جب کہ زمانہ میں قحط الرجال ہو لیکن حاتم کی دور رس نظر وہاں تک دیکھ رہی تھی جہاں تک ان کی فکر کی رسائی نہ تھی - وہ معترضین کو ایک قطعہ میں اس طرح مخاطب کرتے ہیں :

درجواب اس کے پڑھا میں نے یہ شعر خاقؔ

کہ سن اس رمز کو اے غافل و نادان و دنی

" نسبت فقر و فنا بسکہ بہم نزدیک است

نیست یک رشتہ جدائی ز کفن تا کفنی "

۱۱۳۵ھ میں جب حاتم کے احباب نے بھی بے رخی کا برتاؤ کیا تو حاتم کی ... یہی احساس ... حاتم کے حساس دل سے شعر بن کر ابھرا - (۲)

دیکھ کر حاتم کو مفلس اٹھ گیے دولت کے یار

تب تو چرخی کی طرح کھاتے تھے چکر جب تھا مال

حضرت بادل علی شاہ کے بعد شاہ تسلیم سے ربط و ضبط بڑھ گیا تھا -

حاتم نے مفلسی میں بھی قناعت و توکل کا دامن نہ چھوڑا :

تنگ دستی سے نہ ہو دل تنگ و حاتم تنگ چشم

دل تونگر چاہیے تیرا تو گر مفلس ہوا

---

(۱) بعض تذکرہ نویسوں نے عمدۃ الملک کی وفات کے بعد گوشہ نشین ہونا ظاہر کیا ہے۔ اس استعفے سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہوجاتا ہے۔

(۲) زور، ڈاکٹر محی الدین، محولہ بالا ، ص ۲۸

حاتم گوشہ نشین ہونے کے بعد بھی تقریباً پچاس سال تک زندہ رہے انھوں نے اپنی آنکھوں سے بڑے بڑے سیاسی انقلابات دیکھے -

حاتم نے اپنے زمانے کی زبوں حالی کی بے نظیر عکاسی کی ہے سودا کی مشہور نظم "شہر آشوب" اس کے بہت بعد کی چیز ہے ، سودا کی شہر آشوب میں شکایت روزگار کا تصور حاتم ہی سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے - بقول محی الدین زور دیوان زادہ میں اس موضوع پر مسلسل نظم ہے - چند شعر ملاحظہ ہوں :

عادت فیض و کرم اہل دل سے چھوٹ گئی　　دست ہمت شل ہوا ، چشم مروت پھوٹ گئی

کہاں تک کہئے بےرنگی اوضاع جہاں　　کہ یک چشم زدن ہوگیا عالم ویران

نعمتیں جن کو میسر تھیں ہمیشہ ہر وقت　　روز پھرتے ہیں یہاں قوت کو اپنے حیران

رتبہ شہر ونگا ہوا ہوگا شغالوں کو نصیب　　جائے بلبل ہیں چمن بیچ غزل خوان زاغان

ولے جو بیکار ہیں ان کا تو خدا حافظ ہے　　نوکر جو ہیں نام کو نوکر انہیں تنخواہ کہاں

ان کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن چند مشہور ہیں ان کے نام یہ ہیں- مرزا رفیع سودا ، مرزا سلیمان شکوہ، عبدالحی تاباں ، سعادت یار خان رنگین، محمد امان نثار، بقا اللہ خان بقا ، لالہ مکند لعل فارغ ، ان میں سودا کا مقام بہت اونچا ہے - حوادث زمانہ نے آخر عمر میں بھی چمن سے انہیں بھٹکنے دیا اور وہ خود کہہ اٹھے :

اس جا بھی آسماں نے نہ دی فرصت اس کے تئیں
مارا جلا کے آگ لگاتی بدن کے بیچ
چاہے تھا کچھ کہے کہ اسی دم میں ناگہاں
یوں آگئی اجل کہ رہی من کی من کے بیچ

عقد ثریا میں مصحفی لکھتے ہیں : (جامع برقی پریس دہلی ۱۹۳۴ء ص ۲۲)

"در یک ہزار یک صد و نود ہفت در ماہ مبارک رمضان رحلت کرد فقیر تاریخ رحلتش چنین یافتہ"

سال تاریخ از خرد جستم　　ناگہ این مصرعہ بگوشم خورد

کہ بگو مصحفی چو پرسیدت　　آہ صد حیف شاہ حاتم مرد

۱۱۹۷ھ

ڈاکٹر محی الدین زور نے حاتم کی وفات کے سلسلہ میں بڑی تحقیق کے بعد ۱۲۰۷ھ/ ۹۳-۱۷۹۲ع تاریخ وفات صحیح قرار دی ہے -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   حاتم ہزار قصہ بگوشت رسیدہ است   امشب فسانہ دل ماہم شنیدنی ست

اردو   کیا بیان کیجئے ہورگئی اوضاع جہان   کہ یک چشم زدن ہوگیا عالم ویران

شاہ حاتم نے اپنے دونوں اشعار میں اپنی پریشان حالی کا ذکر کیا ہے - فارسی کا شعر زبان کے اعتبار سے بہت صاف ہے اور انداز بیان بھی غیر ایرانی نہیں معلوم ہوتا اردو کا شعر بھی زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے قابل تعریف ہے - ابتدائی زمانے کی زبان اور بحر ایسی بامحاورہ اور صاف ستھری کہ بالکل آج کی زبان معلوم ہوتی ہے -

فارسی کے شعر میں اگر آپ بیتی کی طرف اشارہ ہے تو اردو کے شعر میں جگ بیتی کا بیان ہے اور دونوں اشعار اپنی اپنی جگہ ایسے مکمل ہیں کہ ایک دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے-

===XXX===

فارسی   دز دیدہ دیدن تو زخود می برد مرا   ای کاش گرنگہ بہ نگہ آشنا شود

اردو   تمہاری چشم کے طالب کو جام سے کیا کام   نگہ کے مست کو شرب مدام سے کیا کام

فارسی کے شعر میں دوست کی دزدیدہ نگاہی کی تعریف کی ہے - فرماتے ہیں کہ جب دوست کی دزدیدہ نگاہی کا یہ عالم ہے کہ میرا دل چھین لیا ہے تو اگر کہیں آمنا سامنا ہوگیا تو کیا حال ہوگا-

"نگاہ بیگانہ آشنا شدن" کے محاورے نے شعر میں بڑی خوبی پیدا کی ہے اور جس بے ساختگی سے محاورہ کا استعمال ہوا ہے اس نے شعر میں اہل زبان کی سی پختگی اور صفائی پیدا کردی ہے -

اردو کے شعر میں چشم یار کی مستی کا ذکر کیا ہے - فرماتے ہیں کہ جو لوگ یار کی مست نگاہوں سے سرشار ہوتے ہیں وہ شراب کی پروا نہیں کرتے اس لیے کہ شراب کا نشہ چشم یار

کے مشعر کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتا ہے - اشعار دونوں ہی زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے لاجواب ہیں تاہم فارسی کے شعر کو اردو کے شعر پر کسی قدر برتری حاصل ہے -

===XXX===

فارسی   یاد از شوخی آن نرگس فتّان کردم   سینہ را پیشکش خنجر مژگان کردم

اردو   نہ دل میں چین ہے میرے نہ خواب آنکھوں میں

پھرے ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں

فارسی کا شعر زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے جواب نہیں رکھتا - کسی ہندوستانی کا فارسی زبان میں اس انداز سے کہنا کہ اس میں ہندوستانیت ظاہر نہ ہوسکے بڑے کمال کی بات ہے -

شاہ حاتم کی فارسی زبان میں یہ خوبی قریب قریب ان کے ہر شعر میں نظر آتی ہے- " نرگس فتان" اور " سینہ را پیشکش خنجر مژگان کردم" میں جو واردات قلبی اور شگفتگی پائی جاتی ہے اس سے خالص ایرانی ہونے کا دھوکا ہوتا ہے - لیکن فارسی کے شعر کی ان تمام خوبیوں کے باوجود اردو کے شعر کا جو مقام ہے فارسی کا شعر اس کو نہیں پہنچ سکتا - کیا خوب کہا ہے :

" پھرے ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں"

اس کا کوئی جواب ہوسکتا ہے - اور پھر ابتدائی زمانے کی زبان ہے - حاتم کا یہ شعر اتنا مقبول ہوا ہے کہ اس وقت سے آج تک شعراء اس کی بڑی تعریف کرتے آئے ہیں -

====XXX====

فارسی   ہست دل در بوم از شوخی صیادے چند   حسرتی چند گرہ دارم و فریادے چند

اردو   جس کو دیکھا سو یہاں دشمن جان ہے اپنا

دل کو جانے تھے ہم اپنا سو کہاں ہے اپنا

فارسی کا شعر بہت بلند اور اعلی درجہ کا ہے - لفظ صیاد معشوق کے لیے استعمال کیا ہے جو دلوں کا شکار کرتا ہے - " شوخی صیادی چند" میں جو خوبی ہے اس کو مذاق سلیم ہی سمجھ سکتا ہے - پھر دوسرے مصرع میں یہ کہنا کہ میرا دل تو معشوقوں نے

چھین لیا اور ایک دو نہیں کتنے ہی معشوقوں نے مل کر جھپٹ لیا اور اب دل کی جگہ چند حسرتوں اور فریادوں نے گھر کرلیا ہے جو گرہ بن کر میرے پہلو میں رہ گئی ہیں - غرض کہ فارسی کے شعر میں متعدد ایسی خوبیاں ہیں کہ جن کو بیان کرنے سے وہ لطف حاصل نہیں ہوسکتا جو شعر کے پڑھنے سے خود بخود حاصل ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اردو کے شعر میں ایک عام بات بیان کی ہے کہ ہر حسین ہمارا دشمن جان نکلا ، یعنی ہر ایک نے ہمارا دل چھین لینے کی کوشش کی۔ اس اعتبار سے فارسی کا شعر اردو کے شعر کے مقابلہ میں بہت بہتر ہے- اردو کے دوسرے مصرع میں" جانے تھے" اس زمانے کا استعمال ہے ، آج کل اس کی بجائے جانتے تھے بولتے ہیں -

=====XXXX=====

فارسی حاتم بیں کہ زاہد پرہیزگار را دل جائے دیگر است و نظر جائے دیگر است

اردو مسند سالوس سے زاہد نہیں ہے شان فقیر بوریے پر بیٹھئے اور بے ریائی کیجئے

دونوں اشعار میں زاہد پر پھبتی کہی ہے اور دونوں اشعار میں زاہد کی مذمت کا سبب بھی بتادیا ہے - کسی مذہبی رہنما کی ایسی مذمت کہ جو وجہ کے ساتھ کی گئی ہو قابل تعریف ہوتی ہے - یہاں دونوں اشعار میں یہ بات موجود ہے - فارسی کے شعر میں جہاں " دل جائے دیگر ست و نظر جائے دیگر ست " کہہ کر زبان کا لطف پیدا کیا ہے وہاں زاہد کی دورنگی چال ظاہر کر کے مذمت کا سبب بتلا دیا۔ اسی طرح اردو کے شعر میں یہ بات صاف صاف کہہ دی ہے کہ فقر اور مکر دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوتے - فقر کے لیے خلوص اور بے ریائی کی ضرورت ہے - مکاری اور فریب فقر کے منافی ہیں - بہرحال دونوں اشعار اعلی پائے کے ہیں فارسی کے شعر میں جہاں یہ مصرع " دلجائے دیگرست و نظر جائے دیگر ست " اپنا جواب نہیں رکھتا وہاں اردو کے شعر میں اس حسین طنز کا بھی کوئی جواب نہیں ہے کہ " بوریے پر بیٹھئے اور بے ریائی کیجئے " اس اعتبار سے دونوں شعر خوب ہیں اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا -

دیگر اشعار ملاحظہ ہوں :

دیگر اشعار ملاحظہ ہوں:-

فارسی کہ می خواہد کہ می پرسد"، کجا قاصد کجا مطلب

دگر نہ ماہم اے دل نامۂ داریم و پیغامے

اردو لیا ہر ایک سے مل مل کے دل کا بھید ہم سب کا

کیا معلوم عالم میں جو ہے سو اپنے مطلب کا

===XXX===

فارسی آن پری راخویں دیدن خود پیدا شد عمرہا خدمت آئینہ فروشاں کردم

اردو جاتے ہوئے ادھر بھی وہ جادہ ہوگیا آئینہ خانہ دل کا پریخانہ ہوگیا"

ooooooooooo

درد، خواجہ میر :

خواجہ میر نام اور تخلص درد تھا، آپ نجیب الطرفین سید تھے، آپ کا شجرہ نسب والد کی طرف سے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی سے اور والدہ کی طرف سے حضرت محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے -

<u>سلسلہ محمدیہ</u> :- خواجہ میر درد کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب نے ایک نئے سلسلہ " محمدیہ " کی بنا ڈالی جس کی اشاعت و ترویج میں خود خواجہ میر درد ہمہ وقت مشغول رہے - اگرچہ سلسلہ " محمدیہ " نقشبندی سلسلہ کی ضد نہیں ہے - خود خواجہ میر درد <u>علم الکتاب</u> (صفحہ ۵۹۵) میں اس امر کی وضاحت فرماتے ہیں کہ سلسلہ " محمدیہ" میں اول نقشبندی و قادری سلسلہ کے معمول کے مطابق طریقہ اذکار و اشغال کی تلقین کی جاتی ہے - مجددیہ سلسلہ کے مشائخین کی ہدایت کے مطابق مراقبہ کے ذریعے تزکیہ نفس کی تعلیم دی جاتی ہے - پھر مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں (علم الکلام صفحہ ۳۶۶) کہ جس طرح شیخ احمد سرہندی نقشبندی نے " مجددیہ" سلسلہ کی بنا ڈالی پھر بھی وہ نقشبندی ہی رہے - اسی طرح سلسلہ " محمدیہ" بھی خواجہ محمد ناصر عندلیب کو سلسلہ نقشبندی سے جدا نہیں کرتا -

اگرچہ شریعت اور طریقت میں کچھ فروعی اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن نقشبندی سلسلہ تمام سلاسل تصوف میں زیادہ متشرع ہے ۔ اس لیے میر درد اور ان کے اسلاف حنفی نقشبندی ہی رہے ۔

خواجہ میر درد (۱) ۱۱۳۳ھ/ ۲۱-۱۷۲۰ء [میں پیدا ہوئے] اور چھیاسٹھ سال زندہ رہ کر ۱۱۹۹ھ/ ۸۵-۱۷۸۴ء میں ملک بقا کو کوچ کرگیے ۔ ان کی زندہ جاوید یادگاریں ان کی تصانیف ہیں، خاص طور پر ان کے اردو فارسی دواوین ان کی دونوں زبانوں پر یکساں قدرت اور ان کی شاعرانہ عظمت کا پتا دیتے ہیں مذکورہ دواوین کے علاوہ دس [مزید] تصانیف قابل ذکر ہیں :

(۱) اسرار الصلوۃ (۲) واردات (۳) علم الکتاب (۴) نالۂ درد (۵) آہ سرد (۶) شمع محفل (۷) درد دل (۸) حرمت غنا (۹) واقعات درد اور (۱۰) سوز دل ۔

خواجہ میر درد نے اپنے والد بزرگوار خواجہ ناصر عندلیب کی نصیحت پر عمل کیا اور راہ خدا میں دنیوی جاہ و حشمت اور عیش و عشرت کو لات مار کر قناعت پسند ہوگیے اور گوشۂ عزلت کو اختیار کیا تو خدائے بزرگ و برتر نے یہ مقام بخشا کہ امرا و سلاطین کے لیے آپ کی بارگاہ کی حاضری باعث افتخار ہوگئی ۔ ایک بار شاہ عالم آپ کی محفل میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیے تو آپ نے فرمایا کہ اگر طبیعت ناساز تھی تو آپ نے ناحق تکلیف فرمائی ۔ اس اشارہ کو شاہ عالم سمجھ گیا اور بہت شرمندہ ہوا ۔

جب دلی اجڑی اور نظام حکومت میں ابتری پیدا ہوئی تو وسائل معاش مفقود اور سکون و اطمینان نیست و نابود ہوگیا ۔ بڑے بڑے جواں مرد دلی چھوڑنے پر مجبور ہوگیے مگر خواجہ میر درد کے پائے استقلال میں ذرا جنبش نہ آئی ۔ یہ ان کی قناعت پسندی اور کمال درویشی کا ثبوت ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

---

(۱) حبیب الرحمن شروانی، محمد ، "[illegible] دیوان درد" (مقدمہ) ، بدایوں: نظامی پریس، ۱۹۲۲ء ، ص ۳

ثبوت ہے -

<u>خصوصیات کلام درد :</u>

خواجہ میر درد کی تقریباً گیارہ تصانیف دستیاب ہوتی ہیں - جن میں ایک دیوان فارسی اور ایک دیوان اردو بھی شامل ہے -

دیوان فارسی میں جو بہت مختصر ہے غزلوں کے علاوہ رباعیات اور مخمسات بھی ہیں - آخری چیز دیوان اردو ہے جس کو اردو شاعری کے تاج کا سب سے بڑا ہیرا سمجھنا چاہئے -

خواجہ میر درد کی زبان اور طرز ادا تقریباً وہی ہے جو میر کی ہے - عبارت صاف سلیس فصیح ، جوہرشعر، کی سمجھ میں آسانی سے آتی ہے اور درد و اثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے -

تصوف کو خواجہ میر درد سے بہتر اردو میں کسی نے نہیں کہا - عرفان اور تصوف کے پیچیدہ اور مشکل مضامین اس خوب صورتی اور صفائی سے بیان کیے ہیں کہ دل وجد کرنے لگتا ہے - غزلیں زبان کی سادگی اور صفائی میں میر کے کلام کا مزا دیتی ہیں - اور تصوف کی چاشنی اور درد و اثر کے اعتبار سے ان سے بھی سبقت لے گئی ہیں - درد کی وہ غزلیں جو چھوٹی بحروں میں ہیں میر کی طرح اپنا جواب نہیں رکھتیں - بقول مصنف آب حیات " تلواروں کی آبداری نشتروں میں بھردی ہے" یا بقول امیر مینائی " بہت ہی چھوٹی پھلجھڑیاں معلوم ہوتی ہیں" -

خواجہ میر درد نے بیہودہ مذاق اور ہجو سے اپنی زبان کو کبھی آلودہ نہیں کیا - کہیں کہیں پرانے الفاظ اور محاورات بھی استعمال کرجاتے ہیں - مگر اس خوب صورتی سے کہ ان سے شعر کی خوبی اور بڑھ جاتی ہے -

خواجہ صاحب کا عاشقانہ رنگ نہایت اعلی اور بلند ہے - عشق مجازی جس کو بوالہوسی سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے کلام میں نہیں پایا جاتا - ان کے یہاں بھی خواجہ حافظ کی طرح معشوق سے معبود حقیقی یا مرشد مراد ہے -

اب اردو میں خواجہ صاحب نہایت نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے ہیں - محمد حسین آزاد نے اردو کے چار رکن قرار دیے ہیں جن میں ایک حضرت درد ہیں باقی تین رکن

میر ، سودا اور مظہر ہیں ۔

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی همت عالی نگردد شرمسار عافیت   جز نمک مرهم نباشد بر دل افگار ما

اردو داغوں کو اپنے کیوں نہ کرے درد پرورش   ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

دونوں اشعار کا مرکزی خیال یہ ہے کہ عشاق درد ، داغ اور زخم وغیرہ کو پسند کرتے ہیں راحت طلبی اور آرام پسندی کو شایان عشق نہیں سمجھتے ۔ لیکن یہی خیال خواجہ صاحب نے فارسی اور اردو دونوں شعروں میں الگ الگ اسلوب سے بیان کیا ہے ۔ اور دونوں شعر اپنی اپنی جگہ انتخاب ہیں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔

فارسی کے شعر میں مذکورہ بالا مرکزی خیال کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ہماری ہمت عالی عافیت کی طرف مائل ہوکر شرمسار نہیں ہوسکتی اس لیے ہم زخم دل پر مرہم کی بجائے نمک چھڑکتے ہیں اور نمک ہی کو اپنے دل کا مرہم سمجھتے ہیں ۔

اردو کے شعر میں اسی خیال کے ادا کرنے کے لیے ایک دوسرا نہایت نادر انداز اختیار کیا ہے وہ یہ کہ درد اپنے داغوں کی پرورش کیوں نہ کرے جب کہ ہر باغباں کو اپنے باغ کی دیکھ بھال اور آب یاری پسند آتی ہے ہمارا باغ بھی ہمارے داغ ہیں ۔ پھر ہم ان کی پرورش کیوں نہ کریں ۔

=====XXX=====

فارسی دیدہ ما آئینہ باشد بامیدی کہ کند   جلوۂ یار قدم رنجہ بہ کاشانۂ ما

اردو سوائے تیرے کسو سے نہیں ہے واشد یاں   مثال آئینہ اے چشم انتظار مجھے

دونوں اشعار کا مرکزی خیال یہ ہے کہ عاشق دوست کے لیے ہمہ تن انتظار ہے ۔ فارسی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ عاشق کہتا ہے ، میری آنکھیں آئینے بن گئی ہیں اور اس امید میں کہ دوست کا جلوہ میرے کاشانۂ دل میں قدم رنجہ کرے اس لیے کھلی ہوئی ہیں ۔

آئینہ اور جلوے میں مناسبت ہے ۔ آئینہ بھی اس انتظار میں رہتا ہے کہ کوئی اس میں جلوہ نما ہو اور یہ آنکھیں بھی دوست کے انتظار میں آئینہ بن گئی ہیں اور اس امید میں کہ

دوست کب آتا ہے آئینے کی طرح سے انتظار میں ہیں - اردو کے شعر میں شاعر اپنی چشم انتظار سے خطاب کرتا ہے کہ اے چشم انتظار میری سوا اور کسی سے ہمیں سروکار نہیں ہے - اس لیے کہ تو انتظار دوست میں آئینہ بن گئی ہے اور جس طرح آئینے کو جلوۂ حسن نظر آکر رہتا ہے یقیناً تیری انتظار کے نتیجہ میں بھی دیدار یار میسر آئے گا -

بہرحال فارسی کا شعر اردو کے شعر سے مذکورہ بالا وجوہ سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔

===XXX===

فارسی چہ خوش می‌زید آخر بہ سینہ راحت ھا زہی کرم کہ بلا خوش کردہ مارا

اردو حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا سے کیا بلا ہم کو بہت ڈرا، ہم تو یہاں نوازش سمجھے ہوئے

دونوں اشعار میں یہی بات کہی گئی ہے کہ عشاق جفا پسند ہوتے ہیں - وہ دوست کی جفا کی شکایت نہیں کرتے بلکہ جفائے دوست سے خوش ہوتے ہیں - لیکن فارسی کے شعر میں یہ نکتہ خیال بڑی خوب صورتی سے ادا ہوا ہے - شاعر دوست سے خطاب کرتا ہے کہ اے دوست تیرے ظلم و ستم سہتے سہتے جفاؤں کا عادی ہوگیا ہوں اور اب تکلیف ہی میں مجھ کو راحت محسوس ہوتی -

پھر عیش اور خوش کا تضاد بھی بے تکلفی کے ساتھ پیدا ہوجانے کی وجہ سے لطف دے رہا ہے -

اس کے برخلاف اردو کے شعر میں شاعر آسمان سے خطاب کرتا ہے کہ آسمان تیرے ظلم و ستم اور حوادث سے ہم ڈرنے والے نہیں ہیں - اس لیے کہ ہم تو جفاؤں کے خوگر ہیں ہمارے لیے عیش بھی خوش کا کام دیتا ہے -

ظاہر ہے فارسی کے شعر میں بلاؤں کے راحت بن جانے کی وجہ بھی بتلاتی ہے یہ کہہ کر کہ

ع زہے کرم کہ بلا خوش کردہ مارا

اور ظاہر ہے اردو کا شعر اس خوبی سے خالی ہے -

===XXX===

فارسی ہیچکس من کس در غم سوز و گداز خود مباد   شمع ساں تا چشم دارم اشکبارم کردہ اند

اردو شمع کے مانند ہم اس بزم میں   چشم نم آئے تھے دامن تر چلے

دونوں اشعار میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ عشق کے ساتھ چشم نم لازم و ملزوم ہیں۔ عشاق کی آنکھمیں سے زیادہ تر اشک رواں رہتے ہیں اور وہ فراق یار میں روتے ہی رہتے ہیں ۔ لیکن خواجہ میر دردؔ نے اردو کے شعر میں وہ بات پیدا کی ہے کہ اس کا جواب نہیں ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس بزم ہستی میں روتے ہوئے آئے تھے لیکن افسوس کہ جب یہاں سے گیے تو دامن تر لے کر ہی رخصت ہوئے ۔ تر دامنی کے معنی گناہ کے ہیں ۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جب روتے ہوئے آئے تھے تو یہاں سے پاک دامن جانا چاہئے تھا کیوں کہ رونا ہنسنے کا متقاضی تھا۔ اور رونے سے گناہ دھلتے ہیں اس اعتبار سے بھی ہم کو یہاں سے خوش خوش اور پاک دامن جانا چاہیے تھا لیکن افسوس کہ ہم یہاں سے تر دامن گیے ۔

فارسی کے شعر میں ایسا کوئی نکتہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ شاعر کہتا ہے کہ جب تک میں آنکھیں رکھتا ہوں شمع کی طرح روتا ہی رہوں گا ۔ خدا میری طرح کسی کو سوز و گداز غم میں مبتلا نہ کرے ۔

دیگر چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی سرگرم نالہ ایم شب و روز مثل درد   اشک سرد مہوش آتش بجان ما

اردو یہ کون برق تجلی ہوا ہے آفت جاں   کہ ایک دم نہیں جوں شعلہ اب قرار مجھے

===XXX===

فارسی عبث بہ حیلہ مکن ترک آشنائی را   بہانہ ہا چہ ضرور است بے وفائی را

اردو غیر بکتے ہیں عبث ، میری بجائے تیری   بے وفائی نہیں محتاج بد آموزی کی

====XXX====

فارسی نیستند این مردمان آگہ ز رسوایان عشق   در خیال وہم ایشان ننگ و ناموس ست و بس

اردو تردامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو   دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

====XXXX====

فارسی
اتفاقاً آمدی امروز وما از مدتے   گوش بر آواز و چشم انتظارے داشتیم

اردو   دیدۂ دید خوشی دور سے معنی اس کی   پرجو میں چاہتا تھا سو بات نہ ہونے پائی

===xxx===

فارسی   مانند آئینہ همہ تن غرق حیرتم   هنگام دیدنش کہ مرا روبکار شد (۱)

اردو   حیرت زدہ نہیں ہے فقط توہی آئینہ   یاں تک بھی جس کی آنکھ کھلی ہے سو دنگ ہے

===xxx====

فارسی   عالم تمام جلوہ گہہ دلبر من ست   هرجا کہ دل کشود نظر او دوچار شد

اردو   دونوں جہاں کو روشن کرتا ہے نور تیرا   اعیاں ہیں مظاہر، ظاہر ظہور تیرا

===xxx===

فارسی   مراہم وعدہ وصل تو باری زندہ می دارد   کہ ہرکس می نماید زندگانی برامید این جا

اردو   ہم کب کے چل بسے تھے پر اے مژدہ وصال   کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہ گیا

فارسی   جز نام نامی تو کہ آں نقش خاطر ست   مرقوم نیست حرف دگر در کتاب ما

اردو   کیا فرق داغ و گل میں کہ جس گل میں بو نہو   کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہو

===xxx====

فارسی   شام بے تو بخون همی غلطم   صبح دارم نفس شماری ها

اردو   تجھ بن کہوں کیا تجھ سے میں، کس طرح کٹتے ہے
نے دن ہی بھرتا ہے ، نہ یاں رات کٹتے ہے

اردو   ہر شام مثل شام ہوں میں تیرہ روزگار   ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

===xxx===

فارسی   نہ شنیدی کہیے فسانۂ ما   ولے برحال بیکسانۂ ما

اردو   حال سن سن مرا لگا کہنے   میں سنا کچھ نہ، کیا کہا تو نے

====xxxx===

فارسی   اے دور دمید صبح بھی   برخیز کہ این سراوطن نیست

اردو   دوستو دیکھا تماشایاں کا بس   تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

===xxx====

(۱) اصل نسخہ کے پہلے مصرع میں غرق حیرتم کی جگہ "غرق حیرانم" اور مصرع ثانی میں ہنگام دیدنش کی جگہ "ہنگام دیدن" ہے

فارسی   یقین دارم که در بیت خانه هم هو خدا بینی

فدای درد گردا نجا نگاه چشم بینا بت

اردو   گر معرفت کا چشم بصیرت میں نور ہے   تو جس طرف کو دیکھئے اس کا ظہور ہے

===XXX===

فارسی   بوسہ کوشی تو ام یکبار می باید گریست   ابرہا داند که این مقدار باید گریست

اردو   ابر مژہ، بہ چشم تو کیا ہے کہ عمر کے گھر   تونے بوس بوس کے ہزاروں بہا دیئے

====XXX====

فارسی   نے دوای راست می آید ، نه جان هم می رود

درد بر حال من بیمار می باید گریست

اردو   عشوہ و ناز و کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک

درد مرنا ہے کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

===XXX====

فارسی   جوش زد بادۂ توحید به میخانهٔ ما   بحر دارد به گره قطرهٔ پیمانهٔ ما

اردو   جانیے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ   اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

===XXX===

فارسی   بیخودی بود به کشائی حرم دل باشد   بسته احرام رهش لغزش مستانهٔ ما

اردو   ایک ہی جست میں لی منزل مقصود اس نے   رہرو! رشک کی جا ہے ، سفر پروانہ

===XXX====

فارسی   از دلبر دل آزار، ما دل زدست داده   یارب چه پیش آید آمادهٔ بلائیم

اردو   دل دے چکا ہوں اس بت کافر کے ہاتھ میں   اب میرے حق میں دیکھئے اللہ کیا کرے

====XXX===

فارسی   ما از وفا نه پرسیم تو از جفا نگوئی   تا چند آزمائی تا چند آزمائیم

اردو   جفا سے غرض امتحان وفا ہے   تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

===XXX===

فارسی حال تباہ من بدلش ہیچ اثر نکرد — افتادہ دید بر سر راہ و نظر نکرد

اردو ان لبوں نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

===xxx===

فارسی اے وای از کہ پرسم و جویم کجا سراغ — دل رفت آن چنان کہ مرا ہم خبر نکرد

اردو پہلو میں دل تپاں نہیں ہے — ہر چند کہ جان ہے جان نہیں ہے

===xxx===

فارسی دشنام می دہی و دعا می کنم ترا — درد دل چہ گویمت کہ چہا می کنم ترا

اردو دشنام دے ہے غیر کو تو جان کر مجھے — بارے یہ لطف کیجیے پہچان کر مجھے

===xxx===

فارسی ہیچ کار کتب خواہیت نمی آید — ز جمع خاطر خود نسخہ فراہم کن

اردو اگر جمعیت دل ہے تجھے منظور قائم ہو — کہ اہل حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں

===xxx===

فارسی جراحتی کہ بدلت گر رسیدہ است اے درد — تو از گداختن خویش فکر مرہم کن

اردو:- انداز وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا — زخمی جو ہو چکا ہو کسی کی نگاہ کا

===xxx===

فارسی عالم ہمہ از بادۂ دیدار تو مست است — ہر دیدہ چو نرگس بہ جہان جام بدست است

اردو کھو نہ سکے کبھو خمار، میرے نشے کی آبرو — دیدۂ آئینہ کی طرح تجھ سے بھرا ایاغ ہے

===xxx===

فارسی گل جز گل روی یار نبود — غنچہ جز غنچہ دہن نیست

اردو گر باغ میں خنداں وہ مرا لب شکر آئے — گل سامنے داماں سے منہ ڈھانپ کر آئے

===xxx===

قائم، قیام الدین :

قائم کا شمار اردو ادب کے ان مشہور شعرا میں ہوتا ہے جن سے ہر شخص بخوبی واقف

ہے ۔ آپ کا نام قیام الدین اور قائم تخلص تھا ، ۱۱۳۸ھ/ ۲۶-۱۷۲۵ء (۱) میں چاند پور ، ضلع بجنور میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی ۔ فارسی میں اتنی صلاحیت و استعداد بہم پہنچائی تھی کہ فارسی تراکیب بڑی خوبی سے استعمال کرتے تھے ۔ ملازمت کی غرض سے دہلی تشریف لائے ، شعر گوئی سے فطری لگاؤ تھا ۔ پھر دہلی کے گلی کوچوں میں شعر و سخن کے چرچوں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ۔ اول ہدایت اللہ خاں ہدایت سے اصلاح لی ، پھر خواجہ میر درد کی شاگردی اختیار کی ۔ اس کے بعد سودا سے اکتساب فیض کیا ۔ طبیعت میں انتہا درجہ خود داری تھی ۔ معمولی بات بھی طبع نازک پر گراں گزرجاتی تھی ، حتی کہ اساتذہ تک سے کبھی کبھی بگاڑ ہوجاتا تھا ۔ غرضکہ قائم غیر معمولی صلاحیت کے مالک تھے کچھ ہی مدت میں ایسی مشق سخن بہم پہنچائی کہ اساتذہ میں شمار ہونے لگے ۔ خود قائم فرماتے ہیں :

قائم تری سخن کو مدت سے مانتا ہے

ظاہر میں تجھ سے ناخوش گو ہے ہزار سودا

قائم اپنا شمار زمرۂ اساتذہ میں کرتے ہیں ۔ ان کے اس خیال کو احساس برتری نہیں بلکہ خود اعتمادی کی دلیل سمجھنا چاہئے ۔

آپ نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے ۔ غزل میں آپ کا صف اول کے شعرا میں شمار ہوتا ہے ۔ حج بیت اللہ کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے ۔ قائم نے ۱۲۰۸ھ/ ۹۴-۱۷۹۳ء میں وفات پائی ۔ وفات کے وقت ان کی عمر ستر (۷۰) سال بتائی جاتی ہے ۔

قائم اردو زبان کے باکمال شاعر تھے ، مگر ان کا فارسی کلام بھی خاصہ اچھا ہے ۔ فارسی کلام کے متعلق ان کی اپنی رائے ملاحظہ ہو :

قائم جو کہے ہے فارسی یار

اس سے تو یہ ریختہ ہے بہتر

---

(۱) اقتدا حسن (" کلیات قائم " لاہور : مجلس ترقی ادب ، ۱۹۶۵ء ، جلد اول ، ص ۸
(اقتدا حسن کی تحقیق ہے کہ وفات کے وقت قائم کی عمر ستر سال تھی
اور وفات ۱۲۰۸ھ میں ہوئی ۔)
اقتدا حسن ، محولہ بالا ، ص ۸
(۲)

فارسی میں حافظ شیرازی سے استفادہ کیا ہے خود فرماتے ہیں :

چاہئے قائم جام تو حافظ کی طرح
کہہ "الا یا ایہاالساقی ادر"

خصوصیات کلام قائم :

قائم چاند پور کے رہنے والے تھے مگر فن شعر میں کامل تھے ، ان ۲ دیوان ہرگز میر اور سودا کے دیوان سے کم نہیں ہے مگر کیا کیجئے کہ قبول عام اور ہی کچھ شے ہے - قائم اس شہرت کو نہ پہنچ سکے -

محمد یحیی تنہا آزاد پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "حضرت آزاد شہرت کے پیچھے پہچھے ہیں جس کے کلام نے شہرت نہ پائی آپ نے بھی اس کو زمرہ شعراء سے خارج کردیا کیا سخن فہمی اسی کا نام ہے ؟ سبحان اللہ! نیز یہ بھی خیال خام ہے کہ کلام قائم کو شہرت نصیب نہ ہوئی -" (۱)

سچ تو یہ ہے کہ سودا کے کلام کی طرح آپ کے کلام میں بھی وہی پختگی روانی اور شگفتگی بدرجہ اتم موجود ہے جس سے پڑھنے والے کو مزا آنے لگتا ہے - آپ نے طرز ادا کے ساتھ مضامین نو کی جلوہ گری اور فارسی تراکیب کے استعمال میں ایسی دل کشی پیدا کی ہے کہ آپ کا کلام اساتذہ سے پیچھے نہیں رکھا جاسکتا -

بہرحال قائم کے کلام سے بھی مترشح ہے کہ آپ یقیناً استاد سخن ہیں اور ان کے کلام میں ایسی کشش ہے کہ خود بخود دل کھنچا چلا جاتا ہے سلاست روانی اور تراکیب کی چستی اور مضامین کی بلندی ہر ایک اپنی جگہ لطف دے رہی ہیں -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی چہ جائے بوسہ کہ گاہے دریں تمامی عمر ندیدہ ام کہ بدشنام ہم نواخت مرا
اردو سوال بوسہ جوقائم کیا میں شب تو کہا کہ کیجے بات کہیں اور جاکے اس ڈھب کی

فارسی اور اردو کے اشعار کی بنیاد دوست کے بوسے پر رکھی گئی ہے - جو اگرچہ

---

(۱) محمد یحیی تنہا "مرآۃ الشعراء" مطبوعہ عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور ص ۱۸۴

تہذیب سے گری ہوئی بات ہے مگر اس زمانے میں یہ باتیں شاعری کے موضوعات میں داخل تھیں اس لیے ہر شاعر نے اس قسم کے موضوع پر بھی طبع آزمائی کی ہے -

بہرحال ہمیں یہاں ان دونوں اشعار کو تقابلی انداز سے دیکھنا ہے - فارسی کے شعر میں زبان کی صفائی روانی اور اسلوب بیان خوب ہے پھر یہ کہنا کہ بوسے کا کیا ذکر ہے مجھے تو ابھی تمام عمر میں دوست نے گالی سے بھی نہیں نوازا - اس طرح شاعر نے دشنام یار کی بھی تعریف کردی ہے اردو کے شعر میں ایک عامیانہ انداز ہے کہ جب میں نے رات دوست سے بوسہ طلب کیا تو اس نے مجھے نہایت حقارت آمیز انداز میں جھڑک دیا اور یہ کہا کہ اس قسم کی باتیں کسی اور سے جاکر کہیئے -

===XXX===

فارسی　به هیچ گونه نه گزارد چوسایه دنبالم　　نه دانم این که غمت از کجا شناخت مرا

اردو　مشکل ہے تپ عشق ، ہی جائے بدن سے　　کب جرم سے ہو آگ کے گرمی کا ازالہ

دونوں اشعار میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ عاشق غم سے کبھی خالی نہیں رہ سکتا- لیکن فارسی کا شعر زبان کی خوبیوں اور انداز بیان کی دل کشی کے علاوہ جدت بھی رکھتا ہے اور تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے - یہ کہنا کہ غم میرا پیچھا نہیں چھوڑتا سائے کی طرح میرے ساتھ رہتا ہے معلوم نہیں اس نے مجھے کہاں اور کیوں کر پہچان لیا-

دوسرے مصرع میں یہ لطافت بھی ہے کہ اصل میں غم عشق کے لائق میں ہی ہوں اور عشق نے بالاخر میرا پتا لگا ہی لیا ، اور اب وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتا ہے - اردو کے شعر میں تاثیر نہیں ، پہلی بات کو کہ عشق میرا پیچھا نہیں چھوڑتا ہے ایک عمدہ تمثیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور وہ تمثیل یہ ہے کہ آگ کا کیڑا آگ ہی میں رہتا ہے - آگ سے جدا نہیں ہوسکتا - اسی طرح عاشق بھی عشق کے بغیر نہیں رہ سکتا -

===XXX====

فارسی　بالائے هم به سینه برافروز داغ را　　جمع فتیلهٔ نور فزاید چراغ را

اردو　دل ہے قائم رشک صد سرو چراغ　　ہجر میں اس گل کے از بس کھائے داغ

فارسی اور اردو دونوں اشعار میں داغ عشق کی تعریف کی ہے- دونوں اشعار کا انداز

بیان نہایت پر لطف اور دل کش ہے - فارسی کے شعر میں عاشق اپنے دوست سے کہتا ہے کہ اے دوست میرے سینے پر داغ پر داغ اس لیے لگا کہ جس قدر بتیاں زیادہ جلائی جاتی ہیں اسی قدر چراغ کی روشنی زیادہ ہوتی ہے یعنی داغہائے عشق سینے میں روشنی پیدا کرتے ہیں -

اردو کے شعر میں دل کے داغوں کی کثرت کو چراغاں سے تشبیہ دی ہے اور دل کو کثرت داغ کے سبب سروچراغاں کہا ہے - یعنی دوست کی جدائی میں ہم نے اپنے دل پر اس قدر داغ کھائے ہیں کہ دل رشک صد سرو چراغ ہوگیا ہے -

====XXX====

فارسی   تاکے دل صد پارہ کم جمع و بدوزم   تا چند بہم بخیہ زنم لخت جگر را

اردو   کس رات میں جوں گل نہوا غرق لہو میں   کس دن نہ بھری گود مری لخت جگر سے

شاعر نے ہر وقت اور ہر حال میں مصیبت میں مبتلا رہنے کا دونوں اشعار میں الگ الگ انداز کے ساتھ بیان کیا ہے - دونوں شعر اپنی اپنی خوبیوں میں انتخاب ہیں-

فارسی کے شعر میں اسی بات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ میں دل صد پارہ کو جمع کر کے کب تک سیتا رہوں گا اور جگر کے ٹکڑوں کو کب تک رفو کرتا رہوں گا؟ - یعنی مصیبتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم ہے ان میں سے کس مصیبت کی تدبیر کروں -

اردو کے شعر میں اسی بات کو اس پیرائے میں بیان کیا ہے کہ کونسی رات ایسی گذری ہے کہ جب میں گل کی طرح غرق خون نہ ہوا ہوں اور کونسا دن ایسا ہے کہ جب میری گود جگر کے ٹکڑوں سے نہ بھر گئی ہو - یعنی رات اور دن خون کے آنسو روتا رہتا ہوں-

====XXX====

فارسی   قائم امشب چو سخن سنج بہم جمع شوند   می سزد بر سر این تازہ غزل نازمرا

اردو   ایک سودا کی تو قائم نہ کہوں میں برتر   ہے ترا طور سخن حد بشر سے باہر

دونوں اشعار کی بنیاد تعلی پر ہے یعنی شاعر اپنی سخن سنجی کی تعریف میں مبالغہ کرتا ہے لیکن مبالغے کی خوبی کے اعتبار سے اور ساتھ ہی انداز بیان کی ندرت دیکھتے ہوئے اردو کا شعر فارسی کے شعر سے کہیں بہتر ہے - کیوں کہ فارسی کے شعر میں ایک عام

اور سودا ہی سی بات کہی گئی ہے کہ آج رات جب شعراء جمع ہوں گے تو میں اپنا کلام پیش کروں گا اور یہ تازہ غزل خاص طور پر میرے لیے باعث فخر ہوگی -

اردو کے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ سودا کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہتا میرا کلام ایسا ہے کہ اس کے آگے ہر شاعر کو عجز (کا اعتراف ہے) کرنا پڑے گا - کیوں کہ اس قسم کا کلام کہنا حد بشر سے باہر ہے -

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی　زبس کہ آتش دل سوزنہ سر گداخت مرا　　ہمان آبلہ لبریز درد مرا (سوخت)

اردو　سیل آتش میں غرق ہوں دو جہان　　جائے گر پھوٹ آبلہ دل کا

=====XXXX====

فارسی　بالفعل داوگون رہ عشقت سپردہ ام　　تا ہیچ کس بہ من نہ رساند سراغ را

اردو　آہ اے عشق(1) ، کیا راز مرا تو نے فاش　　جز تیرے اور کوئی محرم اسرار نہ تھا

====XXXX====

فارسی　غمت از تار نفس نشتر جان می گردد　　ہر سرمو بہ تنم نوک سناں می گردد

اردو　ہنوز شوق دل بے قرار باقی ہے　　بجھی ہے آگ تو ، لیکن شرار باقی ہے

====XXXX====

بادروں شہرہ

فارسی　اے قائم بودرت گوید مدام　　کائے شہانے آفتاب اوج عرفان السلام

اردو　فائدہ قائم یہی ہے خلق کا عالم کے بیچ　　کہیے ہر شام و سحر اس دہن کے سرور کو سلام

====XXXX====

فارسی　اے فضائے سجدہ ات فرحت گہہ راز دہاں　　ہے دلت گنجینۂ اسرار پنہان السلام

اردو　ہوئی اُس خاک در موت یہ جب تیرا گذر　　کہیو اس ذرے سے ، اُس خورشید انور کو سلام

====XXX====

---

(1)　اصل نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے :

" آہ اے عشق ، کیا ہوگا مرا راز تو فاش "

فارسی اے چمن پیرائے باغ خرد و عالم الصلوٰۃ — اے بہار تازۂ گلزار امکان السلام

اردو اے صبا! کہیو مرا اس پیمبر کو سلام — داور دنیا و دین، شہر و شہیر کو سلام

===XXX====

فارسی فلک به بوتهٔ خود بارها گداخت مرا — به صورتی که شود کارمن نه ساخت مرا

اردو سنگ باران شیشۂ عشرت پہ کیجو اے سپہر — لیک دے اتنی تو فرصت بھرے میرا بھی ایاغ

===XXX====

فارسی قائم امروز به مصطفیٰ من باش که شب — ماتم قیس و غم مردن فرهاد کنم

اردو ہم نشیں! کہہ لے قصۂ مجنوں — ہم کو بھی دل کی داستاں ہے یاد

===XXX====

فارسی آرزو هاست که در دام کشیده ست مرا — از چه رو (۱) شکوه ز بی رحمی صیاد کنم

اردو کچھ آج دل پہ یہ وحشت کا رنگ ہے صیاد — تری قفس سے چمن مجھ پہ تنگ ہے صیاد

=====XXX===

فارسی از ما سخن زدام و قفس می‌توان شنید — ما گل نه دیده ایم و ندیدیم باغ را

اردو میں گرفتار بلا قصد چمن کیوں کہ کروں — یاں تو قسمت میں ہے یک چندیہ زندان میں (۲)

====XXX====

فارسی قائم رحیق دل به تلاوت بکش، که من — پر کرده ام بخون جگر این ایاغ را

اردو اب گرچہ تعجب ہے تجھے لخت جگر کا — اک وقت تو، یاں کاں عقیق بھی تھی

====XXX===

فارسی نه ناز دانی و نی عشوه، نیست معلومم — چه شیوه بود که بی اختیار کرد مرا

اردو ناز و کرشمہ، عشوہ و انداز اور ادا — میں اک طرف ہوں اتنے ستم گار اک طرف

---

(۱) اصل نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے:

"چہ رہ شکوہ ز بی رحمی صیاد کنم"

(۲) آج کل "میں" کی بجائے "میں" مستعمل ہے۔

فارسی قائم امشب چو سخن سنج بهم جمع شوند می‌سزد بوسراین تازه غزل ناز مرا

اردو ایک سوداکی تو قائم نہ کہوں میں ورنہ ہے ترا طور سخن حد بشر سے باہر

====XXX===

فارسی قائم از فکر سخن (۱) چه رنجش ها کشی قدردانی اهل فن در روزگار من کجاست ؟

اردو (۲) کہاں

قائم وطن کے بیچ تو آسودگی نہ ڈھونڈھو ہر خار گلستاں میں ہمیشہ ہیں پائے گل

===XXX===

فارسی غمت از تار نفس نشتر جان می گردد هر سر مو به تنم نوک سنان می گردد

اردو زخم سے اس نوک مژگاں کے، جیسے عاشق کو کیا ہیں کسی زہر آب میں یہ نشتر بھگے ہوئے

====XXX====

قطعہ فارسی عارف از دام وهم از ننگ ترا می بیند آنکه بینا ست به هر رنگ ترا می بیند

اردو پوشیدہ ہے جوں بو، وہ ہر اک رنگ میں قائم دیکھے تو اگر غور سے گلزار ، جہاں کا

====XXX====

فارسی مهرو کین در نظرش هست تماشا گاهے هرکه در آشتی و جنگ ترا می بیند

اردو اس دشت پرسراب میں بھٹکے بہت یہ جہاں دیکھا تو دو قدم یہ تماشا تھا آپ کا

====XXXX====

فارسی قائم امروز زهجر تو بجان آمده است گر قدم رنجه کنی سخت عنایت باشد

اردو کہیے ہے کل کے تو آنے کو آج جان شب تک کب اعتبار کسی کو ہے زندگانی کا

=====XXX===

فارسی به صرف عمر گرامی غمی دهی امروز تو خود به بین که به خاطر چه مدعا دارد

اردو

---

(۱) اصل نسخہ میں پہلا مصرع اس طرح ہے :

" قائم از فکر بہرچہ رنجش ها کشی "

(۲) اصل میں یہ مصرع اس طرح ہے :

" کوئی ہندوستان میں قدردان نہیں ہے "

اردو   ساقی نگہ ، د رنگ ، کہ ہاں ایک پل کے بیچ   جاتے رہے[(۱)] ہیں موسم نشو و نمائے گل

====XXX====

فارسی   نشستہ ماہسر کوئے عاشقی ، قائم   نہ میل کعبہ و نے قصد بت کدہ[(۲)] دارد

اردو   بتاں! نہ سمجھو کہ قائم ہے دیر کا پابند   تماشا ہیں ہے یہ رند اک خرابے کا

ooooooooo

<u>بیدار، میر محمدی :</u>

محمد علی عرف میر محمدی نام اور بیدار تخلص کرتے تھے ، ۱۱۳۰ھ اور ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۷ء اور ۱۷۳۳ء کے درمیان دہلی کے نواح میں " عرب سرائے " ایک قریہ ہے وہیں پیدا ہوئے اور تربیت پائی ، قدیم روایات کے مطابق اردو، فارسی اور عربی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہوگی جس کا ان کے کلام سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے ، اساتذہ کا نام گوشۂ گمنامی میں ہے -

بقول محمد حسین محوی" بیدار ۱۱۳۰ھ تا ۱۲۰۹ھ کے نامور شاعر ہیں - ان کی ہستی شاعرانہ حیثیت سے اس دور کے شعراء میں ایک ممتاز اور نمایاں ہستی تھی اور ان کا کلام اس عہد کی شاعرانہ خصوصیات کا عمدہ اور بہترین نمونہ ہے -" (۳)

مولف مراۃ الشعراء کے قول کے بموجب وہ میر درد کے شاگرد رشید ہیں - اور محمد حسین محوی نے انہیں مرتضی قلی بیگ فراق کا شاگرد لکھا ہے جب کہ میر تقی میر نے (نکات الشعراء) میں " از یاران مرتضی قلی بیگ فراق " لکھا - میر تقی میر اور قائم سے

---

(۱) کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ، " جاتا رہے ہے " ہونے تھے -

(۲) اصل نسخہ میں بتکدہ کی جگہ" گلستاں " ہے حالاں کہ کعبہ کی نسبت سے " بتکدہ " ہونا چاہئے -

(۳) محمد حسین محوی، (مرتب) " دیوان بیدار"، مدراس : شاہی پریس ٹریلیکین، ۱۹۳۵ء ، ص ۳

ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے اور میر نے نکات الشعرا (۱۱۶۵ھ) میں انھیں بڑے اچھے الفاظ سے یاد کیا ہے -

بیدار کی زندگی بڑی پاکیزہ گزری ، وہ اوائل عمر ہی سے تصوف کی طرف مائل تھے، چنانچہ حضرت مولانا فخرالدین دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اس طرح مسلک چشتیہ فخریہ سے منسلک ہوگئے اور تمام عمر پاکباز اور متقی پرہیزگار رہے - وہ نہایت خوش اخلاق، شریف النفس ، منکسر المزاج ، باحیا اور بامروت انسان تھے، اسی لیے ان کے معاصرین اور ملنے جلنے والے ان سے خوش تھے - انھوں نے اپنے زبان و قلم سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی - اسی لیے ان کے معاصر تذکرہ نگار ان کے بڑے مداح نظر آتے ہیں -

دلی سے بیدار کو دلی لگاؤ تھا اسی لیے وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتے تھے، لیکن نامساعد حالات نے انھیں بھی ترک سکونت پر مجبور کردیا - وہ دلی سے اکبر آباد پہنچے اور بقول شیفتہ محلہ "گزر دھان فیل" میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی اور آخر کار ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۳ء میں اس دنیائے فانی کو خیرباد کہا اور واصل بحق ہوگئے اور وہیں مدفون ہیں-

<u>چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :</u>

فارسی   آن فرنگی زادۂ کافر ادا را دیدہ ام   بشکنم تسبیح وگر زنار بندم می سزد

اردو   اے شیخ تو اس بت کے کوچے میں تو جاتا ہے
ہوجائے نہ سبحے کا زنار خدا حافظ

فارسی اور اردو دونوں اشعار میں محبوب کے حسن کی بے پناہ کشش اور اس کی اداؤں کی جاذبیت اور تاثیر بیان کی ہے - فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ میرا فرنگی زادہ محبوب اتنا حسین اور خوش ادا ہے کہ اس کو دیکھ لینے کے بعد میں تسبیح کو توڑدوں اور اپنے گلے میں زنار ڈال لوں تو یہ بات میرے لیے سزاوار ہوگی کیوں کہ میرا محبوب ایسا ہی حسین و جمیل ہے کہ اس کو دیکھ لینے کے بعد آدمی بے اختیار ہوجاتا ہے - شعر میں تسبیح

---

(۱) اصل نسخہ میں <u>سبحے</u> کی جگہ "سجدے" لکھا ہے -

اور زنار کا تلازمہ بھی اپنے اندر بے ساختگی رکھتا ہے اور اس لیے اس نے شعر میں لطف پیدا کیا ہے - پھر فرنگی زدہ کافر ادا کی ترکیب بھی بہت خوب ہے - اس سے جو بات پہلے مصرع میں کہی گئی ہے اس کا جواب بہم پہنچتا ہے -

اردو کے شعر میں بھی یہی مضمون تقریباً بیان کیا ہے - مگر یہاں شیخ کو مخاطب بنایا گیا ہے جس سے شعر میں شوخی کی چاشنی پیدا ہوگئی ہے - پھر خدا حافظ کا استعمال بھی لطف سے خالی نہیں ہے یعنی فرماتے ہیں کہ اے شیخ ہمارے دوست کے کوچے میں جاتے تو ہو مگر دیکھنا تسبیح چھوڑ کر زنار نہ پہن لینا - تاہم ابھی سے آپ کو خدا حافظ کہہ کر رخصت کرتے ہیں -

دونوں اشعار خوب ہیں لیکن ہمارے نزدیک فارسی کا شعر اردو سے بہتر ہے -

====XXX ===

فارسی نگر باین قد و رخسار در چمن گزری ز سرو قمری و از گل ہزار برخیزد

اردو گل بدن غنچہ دہن سرو قد و نرگس چشم یعنی سرتا بقدم باغ و بہار رنگین

فارسی کے شعر میں لف و نشر مرتب کے ساتھ ایک صنعت کا اور بھی اضافہ کیا ہے وہ یہ کہ سرو کی مناسبت سے قمری اور گل کی مناسبت سے بلبل کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ صنعت در صنعت بھی پرتکلف ہے - اسی لیے لطف سے خالی نہیں ہے - پہلے مصرع میں قد و رخسار کا ذکر ہے اور اسی مناسبت سے دوسرے مصرع میں اسی ترتیب سے سرو اور گل لائے ہیں - پھر سرو کی مناسبت سے قمری اور گل کی مناسبت سے ہزار کا استعمال کیا ہے - پھر قد و رخسار کو سرو گل کے برابر قرار نہیں دیا بلکہ ان سے بدرجہا بہتر ثابت کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ اے دوست تو اس قد و رخسار کے ساتھ باغ میں پہنچ جائے تو قمری سرو کو اور بلبل گل کو چھوڑ کر دونوں تیرے عاشق ہوجائیں -

ان صنعتوں اور مناسبتوں کے ساتھ ساتھ شعر میں زبان کی خوبی اور بندش الفاظ کی شگفتگی اور مضبوطی بھی موجود ہے -

اردو کے شعر میں دوست کو گلبدن غنچہ دہن سرو قد اور نرگس چشم کہہ کر فرماتے ہیں کہ دوست سرتا پا باغ و بہار معلوم ہوتا ہے -

اردو کا شعر بھی تشبیہات اور زبان کے اعتبار سے خوب ہے مگر دونوں اشعار میں نسبتاً فارسی کا شعر بہتر ہے -

مزید چند اشعار و ملاحظہ ہوں :

فارسی رسول اکرم نبی اعظم ، شہ سریر دنوت آمد برای عالم ز حضرت حق بشارت است اینکہ رحمت آمد

اردو شاہ دوجہان ، فخر زمان ، سرور پاکان ہے کحل بصر ذرہ خاک اس کے قدم کا

====XX====

فارسی الفتم باگل رخان بعد از این امروز نیست از ازل چون لالہ با داغ محبت زادہ ام

اردو رشتہ دوستی اوروں سے جو چاہوں ٹوٹے پرکونسی بات ہے تجھسے مری الفت چھوٹے

===XXX===

اردو کھودیا نور بصورت تونے مادرس کے بیچ جلوہ گرتھا ورنہ وہ خورشید تیری من کے بیچ

فارسی دیدۂ کو کہ تماشائے رخ یار کند جلوہ اوست بہر جا کہ نظر کار کند

==========

اثر، خواجہ ظہورالناصر سید میر :

خواجہ ظہورالناصر سید میر نام اور اثر تخلص تھا ، خواجہ ناصر عندلیب کے چھوٹے بیٹے اور خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی تھے - آپ نے علوم منقول و معقول فاضل عصر جناب مولوی خواجہ احمد سے حاصل کیے- ان کے والد خواجہ ناصر عندلیب اور بڑے بھائی خواجہ میر درد ، صوفی کامل اور بلند مرتبہ شاعر تھے - درد کا اردو شاعری میں بہت بلند مقام ہے انھوں نے اردو شاعری کو تصوف کی چاشنی بخشی اور اثر بھی تصوف اور شاعری میں اپنے بڑے بھائی کے متبع رہے - والد کے انتقال کے بعد سے لے کر سن بلوغ پر پہنچنے تک آپ ہی کی زیر تربیت رہے اور انھیں کے ہاتھ پر بیعت کی ، خواجہ میر درد کے انتقال کے بعد آپ کو ان کا جانشین بنادیا گیا تھا -

اثر کو اپنے بڑے بھائی سے جو والہانہ عقیدت تھی اس کا اندازہ آپ کے کلام سے بخوبی ہوسکتا ہے - ہر مہینے کی ۲۴ تاریخ کو خواجہ میر درد کے آستانے پر محفل سماع منعقد ہوتی جس میں دارالخلافہ کے علاوہ اطراف و اکناف کے قوال اس محفل میں شریک ہوتے - اثر خود صوفی تھے - اور اولیا اللہ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ یاد الٰہی میں صرف کرتے تھے -

ماہ صفر ۱۲۰۹ھ/۹۵-۱۷۹۴ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا -(۱) خواجہ میر درد کے پہلو میں ایک قبر اپنی زندگی ہی میں بنوالی تھی اسی میں دفن کیے گیے - مندرجہ ذیل رباعی لوح مزار پر کندہ ہے - جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں خواجہ میر درد سے ایسی ہی عقیدت تھی جیسی کہ ایک مرید کو اپنے مرشد سے ہونی چاہیے:

از بس کہ غلام خواجہ میر ہم اثر   زیر اقدام خواجہ میرم اثر

از رحمت حق زندۂ جاوید شدیم   ہرگاہ بنام خواجہ میرم اثر

خصوصیات کلام :
===========

حضرت اثر، صاحب علم وفضل و باکمال انسان تھے - وہ خود اہل دل اور پاک باطن حضرات میں اپنا شمار کرتے تھے - وہ شعر و سخن کی لطیف کیفیات اور باریکیوں سے آگاہ تھے - ان کا کلام شوخی بیان اور صفائی زبان کی خوبیوں سے مالا مال ہے ، شوخی اور ظرافت میں بعض اشعار خواجہ میر درد کے مقابلہ میں زیادہ لطف دے جاتے ہیں - چوں کہ اس زمانے کے بیشتر شعرا کے یہاں سادگی پائی جاتی تھی اس لیے آپ کے یہاں بھی زبان بالکل سادہ بامحاورہ اور روزمرہ کے عین مطابق ہے - مضامین اگرچہ میر درد کی طرح عالی نہیں ہیں تاہم طرز بیان کی دل کشی کمال فن کا اظہار کرتی ہے - تشبیہات و استعارات اور فارسی تراکیب بہت کم استعمال کی ہیں لیکن تصوف کی چاشنی سے کلام کسی حد تک لطیف ہو گیا ہے ، صفائی زبان کے نتیجہ میں کلام میں دل کشی اور اثر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے -

آپ کا کلام پر اثر ہے لیکن یہ دعویٰ کہ آپ کا کلام سراپا درد ہے اور کوئی شعر بھی اثر سے خالی نہیں ہے کسی حد تک درست نہیں ہے - جیسا کہ خود فرماتے ہیں -

---

(۱) عبدالرؤف عروج "تذکرۂ فارسی گو شعرائے اردو" مطبوعہ انجمن پریس کراچی سنہ ۱۹۷۱ء ص ۸۳

سخن درد ہر زبان دارم

شمع ساں گرمئ بیاں دارم

حقیقت حال یہ ہے کہ جس زمانے میں میر جیسا شاعر زندہ ہو کس کا حوصلہ ہوسکتا ہے کہ اپنے کلام کے با اثر ہونے کا دعوی کرے اسی لیے معاصرین نے اپنے کلام کو عوام کی توجہ کا مرکز بنانے کے لیے میر سے ہٹ کر راہ نکالی۔ سودا نے قصیدہ اور ہجوگوئی میں کمال دکھایا میر درد نے تغزل میں تصوف کی آمیزش کی اور سوز و اثر نے سادگی اختیار کر کے کلام کو قابل قدر بنایا پھر عرصۂ دراز کے بعد داغ اثر کے مدمقابل ٹھہرتے ہیں -

خیالات معمولی اور بحریں مختصر ہونے کے باوجود اشعار میں بلاکی دل کشی اور لطف پایا جاتا ہے - اشعار اپنی نازک خیالی اور مضمون آفرینی میں لاثانی ہیں - خیالات تو نئے نہیں ہوتے مگر اپنے طرز ادا سے ان میں درد اور عذوبیت پیدا کردیتے ہیں شعر ملاحظہ ہوں:

دل اپنا پڑا اس بت بے مہر کے پالے

دشمن کو بھی جس سے کہ خدا کام نہ ڈالے

آپ کا تمام کلام چھوٹی چھوٹی بحروں پر مشتمل ہے - دوچار غزلیں بہ مشکل ایسی نکلیں گی جو بڑی بحروں میں کہی گئی ہوں - اگرچہ چھوٹی بحروں میں سادگی کے ساتھ معانی مفہوم ادا کرنا کارے دارد کا مصداق ہوتا ہے - لیکن آپ نے نہایت خوب صورتی اور صفائی سے یہ کام انجام دیا ہے اور اس اختصار میں فصاحت و بلاغت کے وہ کمالات دکھائے ہیں کہ پڑھنے والے عش عش کر اٹھتے ہیں - مندرجہ ذیل بحر میں غالب کی غزل اپنا جواب نہیں رکھتی مگر اس مختصر بحر میں اثر بھی کسی حد تک تعریف کے مستحق قرار پاتے ہیں - اثر کے تین شعر ملاحظہ ہوں :

کیا کہوں آہ میں کسو کے حضور   ہیچ کس بات پر نہیں آتی

نہیں معلوم دل پہ کیا گزری   ان دنوں کچھ خبر نہیں آتی

دن کٹا جس طرح کٹا لیکن   رات کٹتی نظر نہیں آتی

اثر کے کلام میں منتخب اشعار میں اکثر غزلیں پانچ یا سات اشعار کی ہیں ، چند غزلیں

گیارہ اور چودہ اشعار تک کی بھی دیوان میں موجود ہیں - ایک طرحی غزل جو کہی ہے جس کے تمام اشعار کی تعداد اکتالیس ہے -

معلوم ہوتا ہے کہ اثر نے لغو اور مہمل اشعار سے اپنے دیوان کو قصداً پاک کیا ہے ورنہ بڑے بڑے شعرا کا کلام بھی لغویات سے خالی نہیں ہوتا-

آپ کے یہاں نازک خیالی کے ساتھ الفاظ کی بندش کی جو خوبی ہے اس کی مثال بہت کم شاعروں کے کلام میں ملتی ہے کلام کی سادگی آپ کا طرۂ امتیاز ہے - اگرچہ آپ کے کلام میں قدیم متروک الفاظ بھی کسی حد تک پائے جاتے ہیں لیکن آپ نے انہیں بھی اس خوبی سے اشعار میں سمویا ہے کہ پڑھنے والے کی طبع نازک پر بار نہیں گزرتے - چوں کہ وہ الفاظ اس وقت رائج تھے اس لیے ان کا استعمال بھی ناگزیر تھا- چند اشعار بطور تمثیل ملاحظہ ہوں:-

کتنی روز کی زندگانی ہے یاں
بنے جس طرح زیست کرجائیے

کتنی روز کی جگہ آج کل چند روز یا چار دن کہیں گے، لیکن یہاں کتنی روز بھی لطف دے رہا ہے -

اللہ جانے آن پھنسا کیوں کہ دام میں
میں تو نہ تھا فریفتہ کچھ خط و خال کا

آج کل کیوں کہ کی بجائے کیوں کر اور خط و خال کی جگہ خد و خال مستعمل ہیں-

تصویر تیری آنکھوں میں آکر پھرے ہے آہ
مذکور جب چلے ہے کسو کے جمال کا

اب کسو کا استعمال متروک ہے -

نشۂ عشق سہج ہے پیدا   لیکن اس کا سنبھال مشکل ہے

آج کل سہج کی جگہ سہل مستعمل ہے -

<u>چند اردو و فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :</u>

فارسی   سر ندارم بزیر افسر و تاج   ظل بال ہمائی من درد است

اردو — درد کا میرے سر پہ سایہ ہے — درد ہی میرے جی میں چھایا ہے

خواجہ محمد میر اثر نے خواجہ میر درد کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کی تعریف میں جذبۂ عقیدت نمایاں نظر آتا ہے - ان دونوں اشعار میں بھی اسی عقیدت کا اظہار ہے - فارسی کا شعر چھوٹی بحر میں زبان کی خوبی کے ساتھ ساتھ بہت رواں اور شگفتہ ہے - مطلب یہ ہے کہ جب میرے سر پر خواجہ میر درد کا سایہ ہے جو سایۂ ھما سے کسی طرح کم نہیں ہے تو پھر مجھے تاج و کلاہ کی کیا ضرورت ہے بلکہ تاج و کلاہ کو سر پر رکھنا میں اپنے سرکی توہین سمجھتا ہوں -

اردو کے شعر میں بھی یہی جذبۂ عقیدت کار فرما نظر آتا ہے - فرماتے ہیں کہ میرے دل میں بھی درد ہی سمایا ہوا ہے اور درد ہی کا میرے سر پر سایہ ہے - دونوں اشعار زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے نہایت شگفتہ رواں اور دلنشین ہیں - دونوں میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل معلوم ہوتا ہے -

====XXX====

فارسی — درد مندم سخن ز درد کنم — حاصل مدعائے من درد است

اردو — ہے غلامی اثر کو حضرت درد — بدل و جان تری جناب کے بیچ

میر اثر نے میر درد کی تعریف میں ایک اور نادر اسلوب اختیار کیا ہے جو بہت خوب ہے - فرماتے ہیں کہ میں درد کی بات اس لیے کرتا ہوں کہ درد مند ہوں - اور ظاہر ہے کہ درد مند ہی درد کو سمجھ سکتا ہے اور چوں کہ میر درد نے تصوف کے مضامین لکھے ہیں - ان مضامین کو بھی اہل درد ہی سمجھ سکتے ہیں - دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں کہ میرا حاصل مدعا درد ہے یہاں خواجہ میر درد کی تعریف بھی ہوگئی اور یہ بات بھی کہہ دی کہ ایک انسان کا اور بالخصوص صوفی کا سب سے بڑا سرمایہ زندگی درد دل ہی ہوتا ہے - بہرحال فارسی کا شعر چھوٹی بحر میں ہوتے ہوئے نہایت شگفتہ ، رواں اور بلیغ ہے - یہ زبان ، ترکیب الفاظ ، معنوی لطافت اور نازک خیالی بھی رکھتا ہے -

اردو کے شعر میں بھی خواجہ میر درد کے ساتھ عقیدت مندی کا اظہار کیا ہے لیکن شعر میں اظہار عقیدت کے سوا اور کوئی خاص بات نہیں ہے بلکہ ترکیب الفاظ میں کسی قدر تعقید بھی پیدا

تضاد بھی پیدا ہوگئی ہے لہٰذا دونوں اشعار میں فارسی کا شعر بہت بہتر ہے -

مزید چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی　کردہ وضع محب ز پیش نظر　　مرشد رہنمائی من درد است

اردو　تونے ایسی ہی دستگیری کی　　پدری ، مادری و بھی کی

===XX===

فارسی　نالۂ درد و آہ سرد کشم　　ہادی و پیشوائی من درد است

اردو　آسودگی ہماری قسمت میں یاں نہ واں ہے　　مرکے بھی چکیدہ وہی نالہ وہی فغاں ہے (۱)

===XX===

فارسی　دل دہ و دل نواز و مونس دل　　دلبر و دل ربائی من درد است

اردو　تونے اس مہر و غور سے پالا　　نہ پلا مجھ کو اپر سے پالا

====XX====

فارسی　سخن درد بر زبان دارم　　شمع سان گرمی بیان دارم

اردو　درد کی ذات پاک کا ہے　　گو میں نہیں ولے اثر ہوں

===XX===

فارسی　سربسر در گرفت آتش دل　　دل بے تاب شعلہ سان دارم

اردو　حال دل مثل شمع روشن ہے　　گو مجھے بات کر نہیں آتی

===XX===

فارسی　نالہ ہائے رسا بہ دولت درد　　دل سزا وار امتحان دارم

اردو　نالہ کر تاکہ آہ کرنا　　دل میں اثر اس کے راہ کرنا

====XXX====

فارسی　ہم دواہم شفائی من درد است　　ہرچہ ہست از برائے من درد است

---

(۱) محمد یحییٰ تنہا نے مراۃ الشعرا میں ایک شعر اس طرح بھی نقل کیا ہے:

آسودگی کہاں جو دل زار ساتھ ہے

مرنے کے بعد بھی یہی آزار ساتھ ہے

اردو　یا حضرت عندلیب بخشش　　یہ تیری ہی درد کا اثر ہے

===XXX====

فارسی　غم دنیا میان دل نہ گذاشت　　موحش و غم زدائی من درد است

اردو　کتنی روز کی زندگانی ہے یہاں (۱)　　بیئے جس طرح زیست کر جائیے

===XXX===

فارسی　بس کہ خو گر شدہ بہ لذت درد　　روشن هشت آسمان دارم

اردو　بے درد تو کیوں کہ رہ سکے گا　　یہ حضرت درد کا اثر ہے

====XXX===

فارسی　هست اشک هزار فصل بہار　　تو بہاری کہ در خزان دارم

اردو　گلزار سب یہ اپنے تو ورد یک خار ہے　　نظروں میں ہیں، کہ اورھی باغ و بہار ہے

=====XXX====

فارسی　بے قرارم نمودہ شورش عشق　　برق آسا دل تپان دارم

اردو　آتش عشق کے ہاتھوں میں جلا جاتا ہوں　　آہ شعلہ کی طرح آپ جلا جاتا ہوں

===XXX====

فارسی　مرغ روحم بلند پرواز است　　بر در درد آشیان دارم

اردو　لاکر تجھے بٹھائے شیشوں بغل کے بیچ　　میں معتقد ہوں جب سے آپ اپنے خیال کا

===XXX====

فارسی　اثر درد و عندلیب خودم　　من کم نام این نشان دارم

اردو)　یا درد یا اثر، اثر تیرا ہے　　اے سرِ کبریا یہ بے پدر تیرا ہے
ریاعی)　اللہ کریم اور تو کریم ابن کریم　　یہ کو کہ گنہگار ہے پر تیرا ہے

---

(۱)　اصل نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے :
" کتنی روز کی زندگانی ہے یہاں "
اگر زندگانی رکھیں تو "یہاں" ہونا چاہئے اور اگر زندگی رکھیں تو یہاں رکھنا مناسب ہوگا ـ

فارسی　　دو فقد فقرۂ بکار دلم　　　　همه مشکل کشائی می درد است

اردو }　اے مرشد دستگیر قربان تیرے　　　　اے میری زندہ پیر قربان تیرے

رباعی}　تیری ہر بات پر دل و جان ہے فدا　　　　یا حضرت خواجہ میر قربان تیرے

ooooooooo

بیان، احسن الدین خاں :
====================

احسن الدین خاں نام اور بیان تخلص تھا ۔ (۱) ان کے نام سے متعلق لچھمی نرائن شفیق و صاحب کی یہ رباعی ملاحظہ ہو :

جب کہ یہ مذکور ہوتا ہے جہاں　　　　احسن الدین خاں کا اب ثانی کہاں

یوں ہی آتی ہے سروش غیب سے　　　　یہ صدا صاحب کے تئیں احسن بیان (۲)

آپ کے آبا و اجداد کشمیر جنت نظیر کے رہنے والے تھے ۔ شعر و سخن (کی طرف) بچپن ہی سے لگاؤ تھا ۔ مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد ہوئے ۔ مجموعۂ نغز کے مولف حکیم قدرت اللہ قاسم سے علم صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی اور مولانا محمد فخرالدین کے دست مبارک پر بیعت ہوئے ۔ نہایت خلیق ، نیک ، بامروت اور ہمدرد انسان تھے ۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں شاہجہاں آباد کو آپ کی جائے پیدائش لکھا ہے ۔ ۱۱۸۳ھ میں نواب وزیر غازی الدین خاں کے ہمراہ مارہرہ تشریف لے گئے تھے ۔ عالمگیر ثانی کے عہد تک شاہجہاں آباد میں مقیم رہے۔ ۱۲۰۸ھ میں دہلی سے حیدرآباد تشریف لے گئے اور آصف جاہ ثانی میر نظام علی خاں کی سرکار سے وابستہ ہوگئے تھے ۔ اور وہیں ۱۲۱۳ھ / ۱۷۰۱-۲ء میں وفات پائی ۔ ان کے ایک شاگرد گلاب چند ہمدم حیدرآبادی نے ان کی وفات سے متاثر ہوکر قطع تاریخ اس طرح لکھا ہے:

ماہ صفر بہ جمعہ از دہر چوں بیاں رفت　　صد نالہ از تہہ دل تا اوج آسماں رفت

تاریخ رحلت او ہمدم چو جستم از دل　　　نالید و گفت هاتف ، استاد از جہاں رفت

---

(۱) اکثر تذکروں نے آپ کا نام خواجہ احسان اللہ خاں بیان لکھا ہے جو درست نہیں ہے لچھمی نرائن شفیق و صاحب کا ان کے معاصرین میں شمار ہوتا ہے ۔ اس لیے نام کے سلسلے میں اُن کی کہی ہوئی رباعی معتبر ہے ۔ یہ رباعی ”کلیات صاحب“ قلمی (کتب خانۂ ص

(۲) انجمن ترقی اردو) سے نقل کی گئی ہے ۔ ۳/۱۱۸ ص ۹۲

خصوصیات کلام :

خواجہ صاحب نہایت خوش گو تیز طبع اور مشاق سخنور تھے - ان کے کلام میں شگفتگی اور رنگینی ایسے غضب کی ہے کہ شعر کو پڑھ کر دل تڑپ اٹھتا ہے - تذکرہ میر حسن میں آپ کو "شاعر عذب البیان از خوشگویان زمان" لکھا ہے - آپ کا کلام تشبیہہ و استعارات اور الفاظ کی ہر بیچ بندشوں سے پاک ہے ان کے کلام کی سادگی پر ہزاروں بناوٹیں قربان ہیں-

بہرحال یہ بات بیان کے کلام سے واضح ہوتی ہے کہ آپ اپنے وقت کے بلند پایہ اور مسلم الثبوت استاد تسلیم کیے جاتے تھے -

اردو فارسی کے ایک شعر کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   آدمی تو کہ بے تو زیستن تو ام   دادی تو کہ بے تو زیستن توام

اردو   کافر ہوں گر زیادہ کچھ اس سے آرزو ہو (۱)   اک بےخلل مکان ہو پھر میں ہوں اور تو ہو

فارسی کا شعر بالکل صاف ہے کہ عاشق معشوق کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا- اور اس بات کو معشوق بھی اچھی طرح جانتا ہے تاہم زبان اور انداز بیان شگفتہ اور دل نشین ہے - اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ میری صرف یہ آرزو ہے کہ میں ہوں اور میرا دوست ہو اور ایک بے خلل مکان ہو اس کے سوا اگر میری کوئی آرزو ہو تو میں کافر ہوں - مکان کے لیے لفظ بےخلل کا اضافہ خاص طور پر قابل توجہ ہے یعنی اس مکان میں نہ کسی کا دخل ہو اور نہ کسی قسم کا اندیشہ ہو تاکہ عاشق اپنے دوست کے ساتھ پورے اطمینان خاطر کے ساتھ رہ سکے مگر یہ شعر حضرت جامی کے درج ذیل شعر سے استفادہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے - جامی صاحب فرماتے ہیں :

جہانی مختصر خواہم کہ دروے

ہمین جائے من و جائے تو باشد

---

(۱)   محمد یحییٰ تنہا "گل رعنا" کے حوالے سے اس شعر کو اس طرح نقل کرتے ہیں :

کافر ہو جس کے دل میں کچھ اور آرزو ہو

اک مختصر سی جا ہو، میں ہوں اور تو ہو

اس میں مصرع ثانی یوں ہونا چاہئے :

م" اک مختصر سی جا ہو، بس میں ہوں اور تو ہو"

یہ شعر حضرت جامی کے مذکورہ شعر سے بلحاظ مفہوم زیادہ قریب ہے کیونکہ جامی "جہان مختصر" کے خواہاں ہیں اور یہاں بھی "ایک مختصر سی جا" کی خواہش کرتے ہیں -

مولانا جامی کا شعر اس مضمون کے بیان میں اپنا جواب نہیں رکھتا ۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا مختصر جہان ہو جہاں میں اور دوست کے سوا کسی اور کی گنجائش ہی نہ ہو ۔ اس مفہوم کو سامنے رکھ کر فارسی کے بہت سے شعرائے طبع آزمائی کی مگر کسی سے بھی مولانا جامی کے شعر کا جواب نہ بن پڑا ۔

بہرحال بیان صاحب کے فارسی اور اردو دونوں اشعار میں ہم فارسی کے شعر ہی کو ترجیح دے سکتے ہیں اس لیے کہ وہ کسی دوسرے شاعر کے شعر کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ شاعر کی اپنی فکر کا نتیجہ ہے ۔

====xx====

مزید چند اشعار پیش خدمت ہیں :

فارسی   چو پرسیدم بیان را دیدۂ تو   تامل کرد و گفتہ دیدہ باشم

اردو   کوئی کسی کا بیان آشنا نہیں دیکھا   سوائے اس کے ان آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا

====xxx====

فارسی   گفتم کہ بازدہ دل ما را کہ بردہ ای   چین برجبین فگند و بہ گفتا سپردہ ای

اردو   کہا دیکھتے ہو دل کو مرے تم الٹ پلٹ   آیا ہے کر پسند تو اے مہربان رکھے

===xxx====

فارسی   این قدر فکر هلاک عاشق مسکین چرا   وعدۂ امروز کردن آمدن فردا بس است

اردو   جا کہو کوئے یار میں کوئی   مرگیا انتظار میں کوئی

====xx====

فارسی   بہ خون آلودہ مژگانم چہ نسبت شاخ مرجان را

که دل خون کرد اشک سرخ من لعل بدخشان را

اردو   ہمارا اشک خونیں یاد میں گل رنگ بہ بہ کر

مژہ کو رشتۂ تسبیح یاقوتی بناتا ہے

===xxx====

فارسی   زضعف ناتوانی رفت داماش ز دست من   پئے دفع خیالات چاک می سازم گریبان را

اردو   ہمارا ضعف بصارت ہے مانع دیدار   وگرنہ سامنے آنکھوں کے یار ہے موجود

===XX====

فارسی   اگرچہ کوہ شکیبم چو بہ نشینم بہ راہ او   بہ کاہی اگر جنبد بہ استقبال برخیزم

اردو   آبیٹھوں اس کی گلی سے ابھی دم بھی نہ لیا   پھر لے چلا ہے یہ دل وحشی ادھر مجھے

•••••••

حسرت ، مرزا جعفر علی :
==================

مرزا جعفر علی خلف رشید مرزا ابوالخیر دہلی کے باشندے تھے اور حسرت تخلص تھا خاندانی پیشہ عطاری تھا ۔ ترک سکونت کر کے لکھنو چلے گیے تھے ۔ ابتدائی تعلیم کا حال معلوم نہ ہوسکا تاہم ان کے کلام سے ان کی ہمہ گیر صلاحیت کا پتا چلتا ہے ۔ بلا شبہ وہ عربی فارسی میں کافی دستگاہ رکھتے تھے ۔ شعر گوئی سے فطری لگاؤ تھا جبھی میں رائے سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد ہوئے، رائے صاحب فارسی کے بڑے باکمال شعرا میں شمار ہوتے تھے ، اردو میں برائے نام شعر کہتے تھے یقیناً رائے صاحب ہی کی صحبت نے انھیں فارسی میں قابل قدر صلاحیت کا مالک بنادیا تھا رائے صاحب نے فارسی ادب کی بڑی خدمت کی چار دیوان یادگار چھوڑے جواب کم یاب ہیں ۔ شعرائے لکھنو اکثر انھیں سے فیضیاب ہیں ۔

حسرت نے استاد کے میدان سے نکل کر اردو شاعری کے بسیط اور پر فضا ماحول میں بھی قدم رکھا ، اوراپنی خدا داد صلاحیت کے ایسے جوہر دکھائے کہ طرز نو کے موجود بنے ۔ جناب حسرت موہانی فرماتے ہیں :" حسرت دیوانہ کے شاگرد تھے لیکن چوں کہ رائے سرب سنگھ زیادہ تر شعر فارسی میں کہتے تھے اس لیے فارسی میں ان کا کوئی خاص اندازقائم نہ ہوسکا اور طرز نو کے ایجاد کا فخر ان کے شاگرد رشید کو حاصل ہوا ۔" (۱)

دیوانہ کے بعد مرزا فاخر مکین سے اصلاح لینے کا سلسلہ جاری رہا جناں چہ حسرت موہانی فرماتے ہیں : " مرزا جعفر علی حسرت اردو شاعری کے علاوہ فارسی زبان میں بھی

(۱) حسرت موہانی ، سلسلہ اردوئے معلیٰ " دیوان حسرت " مرزا جعفر علی مطبع احمدی علیگڑھ ص ۱۸

کامل دستگاہ رکھتے تھے اور مرزا فاخر مکین سے اصلاح لیتے تھے ۔" (۱)

انھوں نے میر تقی میر کے کلام سے مکمل استفادہ کیا ہے ۔ وہی درد فرقت ، وہی مہجوری ، وہی سادگی ، وہی روانی ، وہی بے ساختگی غرض ایک حد تک میر کی روش کا ایک حسین عکس آپ کے کلام میں دیکھا جاسکتا ہے ۔ لیکن خیال کی رفعت اور الفاظ پر قدرت جو میر کو حاصل تھی اس میں میر کا کوئی ثانی نہیں ۔ حسرت کا کلام رعایت لفظی اور تصنع سے پاک ہے وہ غزل میں مسلسل مضمون کے اس قدر دلدادہ نظر آتے ہیں کہ بعض جگہ تو مطلع سے مقطع تک مسلسل مضمون بیان کرجاتے ہیں یہ خصوصیت بنظر احسن دیکھے جانے کے قابل ہے اور بلا شبہ قابل تقلید بھی ہے ۔ حسرت اس انداز کے موجد ہیں ، ان کے شاگردوں میں قدرت ، محبت ، حسن اور جرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنھوں نے استاد کے انداز کو سراہا اور برقرار رکھا پھر ان کے شاگردوں نے بھی ان کی تقلید کی لیکن متاخرین نے نہ معلوم کیوں اس انداز کو ترک کردیا ۔

حسرت لکھنو میں کچھ دن عطاری کا پیشہ کرتے رہے پھر مرزا جہاں دار شاہ کی رفاقت میں رہے ۔ بعد ازاں عزلت گزیں ہوگیے ۔ ۱۲۱۷ھ/۳-۱۸۰۲ء (۲) میں انتقال فرمایا ۔

خصوصیات :

حسرت نے اکثر فارسی تراکیب کے اردو تراجم سے بہت اعلی مفاہیم پیدا کیے ہیں ۔ ان کے کلام میں فارسی تراکیب بھی قابل داد ہیں ۔ اگرچہ بعض ایسے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جو اس وقت کے روزمرہ کے مطابق تھے ۔ لیکن آج کل متروک ہیں تو یہ کوئی عیب نہیں ۔ انھوں نے بیشتر اصناف سخن میں طبع آزمائی کر کے طبیعت کی روانی ، خیالات کی فراوانی اور جذبات کی جولانی نیز قادرالکلامی کا بین ثبوت دیا ۔

محمد یحیحی تنہا صاحب کی رائے میں ان کا شمار اول درجہ کے شعرا میں نہیں بلکہ دوسرے درجہ کے شعرا میں ہونا چاہئیے ۔ فرماتے ہیں :

---

(۲) حسرت موہانی ، مولانا فضل الحسن ، " دیوان حسرت " علی گڑھ : مطبع احمدی ، ص ۷ (مملوکہ کتب خانہ خاص ، انجمن ترقی اردو پاکستان ، کراچی)

(۱) حسرت موہانی محولہ بالا ص ۱۰۸

"ہمارے نزدیک مرزا جعفر علی حسرت کا کلام بے شبہ صاف اور سلیس ہے، تشبیہات و استعارات کم ہیں سادگی بہت ہے، درد سے بھی خالی نہیں لیکن بلند مرتبہ نہیں ۔ معمولی خیالات کا اظہار جا بجا کیا ہے، البتہ آپ کا کلام دل چسپی اور دلفریبی کی شان لیے ہوئے ہے ۔ چوں کہ آپ نے جمیع اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اس لیے آپ کی قادر الکلامی کو مسلم جاننا چاہئے ۔ لیکن آپ کو اول درجہ کے شعراء میں شمار نہیں کیا جاسکتا ، کلام میں وہ عذوبت اور عمق نہیں ہے جس کے نظارے شعراء بالغ نظر کے یہاں دیکھنے میں آتے ہیں ۔ دوسرے درجہ کے شعراء میں بھی بہت سے ایسے ہیں جن کا کلام حسرت سے بہتر ہے ۔"(1)

ہمیں افسوس ہے کہ "دیوان حسرت" مرتبہ حسرت موہانی اور "کلیات حسرت" کا جو قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہیں ان میں بھی فارسی غزلیں نہیں مل سکیں ۔ حسرت کے کلام میں ترجیع بند بہت خوب ہیں ۔ بند کے سات شعر اردو میں اور ایک شعر آخر کا فارسی میں ہے ہم نے ہر بند سے فارسی شعر لے لیا ہے ۔

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی — اوس رود و عاشق مسکین فراقش — چوں مردہ کہ درسینہ بود حسرت جانش

اردو — تو کچھ نہیں عاشق کے احوال سے محرم — نکلے ہے یہاں جان، جو جاتا ہے تو اکدم

دونوں اشعار کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ محبوب کے جانے سے عاشق کا کیا حال ہوتا ہے۔

فارسی کے شعر میں عاشق کہتا ہے کہ دوست جاتا ہے اور میں اس کو ایسی حسرت سے دیکھتا ہوں جیسے مرنے والے کی جان جاتی ہے اور اس وقت اس کو یہ حسرت ہوتی ہے کہ کاش میں اور زندہ رہ جاؤں ۔ لیکن اس کی یہ حسرت اس کے سینے ہی میں رہ جاتی ہے اور اس کی جان رخصت ہوجاتی ہے اس شعر میں عاشق مسکین کی ترکیب نے جو درد انگیز کیفیت پیدا کی ہے وہ شعر کی جان ہے اور دوسرے مصرع میں دوست کے جانے پر جو عاشق کے دل میں حسرت

---

(1) تنہا ، محمد یحیی ، "مرآۃ الشعراء" لاہور : عالمگیر الیکٹرک پریس ، ۱۹۳۵ء ، جلد اول ، ص

رہ گئی اس کو مرنے والے کی اس حسرت سے تشبیہہ دی جو اس کے مرتے وقت اور زندہ رہنے کی ہوتی ہے - ایک نادر تشبیہہ بھی ہے اور اس نے شعر میں تاثیر بھی بلاکی پیدا کردی ہے-

اردو کے شعر میں دوست کے جانے کو عاشق نے اپنی جان کے جانے کے ساتھ لازم و ملزوم کردیا ہے یعنی دوست کیا جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جان نکلی جاتی ہے - اور اس پر عاشق نے اس بات کی شکایت کی ہے کہ محبوب اس کے اس حال سے واقف بھی نہیں کہ اس کے جانے پر میرا کیا حال ہوتا ہے -

ان دونوں اشعار میں مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر فارسی کے شعر کو اردو کے شعر پر ترجیح حاصل ہے -

===xxx====

فارسی　درچشم کسان گردی و گوئی بتو یارم　　　من چون نہ کنم گریہ، مگر چشم ندارم

اردو　　الله سے ڈر اتنا بھی آنکھوں میں نہ گھر کر

جب تجھ سے میں کہتا ہوں تو کرتا ہے تو انکار

دونوں اشعار کی بنیاد اس رشک پر ہے کہ محبوب دوسروں کی چشم تصور میں کھپ جاتا ہے - مگر فارسی کے شعر میں شاعر نے بڑی خوبیاں پیدا کی ہیں - پہلی بات تو وہ یہ کہتا ہے کہ اے دوست تو مجھ سے یہ کہتا ہے کہ میں تیرا دوست ہوں لیکن تو دوسروں کی آنکھوں میں پھرتا ہے - کیا یہ بات عشق و محبت کے شایان شان ہے - دوسری خوبی شاعر نے اس شعر میں اور بھی لطافت پیدا کی ہے - وہ کہتا ہے کہ اے دوست میں تیری اس بات پر گریا کیوں نہ کروں کیا میں آنکھ نہیں رکھتا - اس میں یہ خوبی بھی ہے کہ آنکھ اور گریہ لازم و ملزوم ہیں - آنکھ رکھتا ہوں، تو آنکھوں سے اشک بھی جاری ہوں گے اور لطافت یہ ہے کہ " مگر چشم ندارم " سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ میں آنکھ ہوتے ہوئے تو غیر کی آنکھوں میں کیوں پھرتا ہے -

اردو کے شعر میں سادگی، صفائی اور بے تکلفی کے ساتھ ساتھ تاثیر بھی پائی جاتی ہے- اور دوست کے دوسروں کی آنکھوں میں گھر کرنے پر عاشق کی شکایت کے جواب میں انکار کرنا اور

اس پر عاشق کا یہ کہنا کہ اے دوست اللہ سے ڈر - یہ بے ساختگی اور بے تکلفی فارسی کے شعر میں نہیں پائی جاتی - مگر دونوں اشعار اپنی اپنی منفرد خوبیوں کی بنا پر اس قابل ہیں کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی -

====XXX====

فارسی   این است کہ دل بردہ و خون کردہ بسی را

بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسی را

اردو   کیا سحر ہے آنکھوں میں تری اے بت بدمست   ہر شخص نگہ سے تری مدہوش پڑا ہے

دوست کے حسن و جمال کو دیکھ کر جو لوگوں کا حال ہوتا ہے دونوں اشعار میں اسی کیفیت کو مختلف پیرائے میں ادا کیا ہے - فارسی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ میرے محبوب کے حسن و جمال کے قائل نہیں ہیں یا اس کے حسن و جمال کو جن لوگوں نے دیکھا وہ اس پر فریفتہ ہونے اور حاصل کرنے کی تمنا میں مرمٹے ہیں - وہ آئیں کہ اگر تاب نظر رکھتے ہیں تو ہمارے دوست کو دیکھیں کیوں کہ اتفاق سے دوست آگیا ہے -

اردو کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ معلوم نہیں دوست کی آنکھوں میں کیا جادو ہے کہ جس کی طرف وہ دیکھتا ہے وہی مبہوت ہوکر رہ جاتا ہے - ان دونوں اشعار میں فارسی کا شعر اپنا جواب نہیں رکھتا -

فارسی   صبح ، از نظرم رفتہ و پیدا شدنی نیست   آہ ، این شب ہجر است کہ فرداشدنی نیست

اردو   سب کہتے ہیں دن وصل کا آتا ہے نہ مر تو

کہتا ہوں میں کس طرح کٹے شام جدائی

فارسی اور اردو دونوں اشعار کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ دوست کا وصل کسی طرح ممکن نظر نہیں آتا - فارسی کے شعر میں شاعر دوست کے نہ ملنے کو اس انداز میں بیان کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ شب ہجر کی صبح نہیں ہوتی - اردو میں اسی خیال کو اس طرح ادا کیا ہے کہ عاشق کا دوست کی جدائی میں بہت برا حال ہوتا ہے جب لوگ اس کو تسلی دیتے ہیں کہ کیوں جان دیتا ہے وصل کا دن بھی ضرور آئے گا - اس پر عاشق کہتا ہے کہ وصل کا دن تو جب آئے گا کہ یہ شام جدائی ختم ہوگی اور یہ شام فراق ختم ہوتی نظر آتی نہیں -

اس لیے روز وصل کی کیوں کر امید ہوسکتی ہے ۔

دونوں اشعار کا ایک ہی مفہوم ہے تھوڑے سے فرق سے مختلف اندازِ بیان میں کہا ہے لیکن اردو کے شعر میں زیادہ بے ساختگی اور سادگی پائی جاتی ہے اور انداز تغزل بھی زیادہ نمایاں ہے۔

=====XXXX=====

فارسی   پاس سخن از فرقت دلدار مگوئید   از مرگ سخن برسر بیمار مگوئید

اردو   جب نام سنے یار کی فرقت کا تو مرجائے   واللہ (۱) کبھی جیتی وہ بیمار محبت

فارسی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ عاشق کے نزدیک فرقت دلدار کی گفتگو سخن مرگ سے کم نہیں ہے اور بیمار کے سرہانے موت کی گفتگو کرنا اچھا نہیں ہوتا ۔ اس لیے عاشق کہتا ہے کہ میں بیمار عشق ہوں اور تم لوگ میرے سرہانے فراق یار کی گفتگو کر رہے ہو تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بیمار کے روبرو موت کا ذکر کر رہے ہو۔

اردو کے شعر میں فراق یار کی گفتگو کو عاشق کے لیے موت کا پیغام قرار دیا ہے کہ جب بیمار محبت اپنے دوست کی جدائی کا ذکر سنتا ہے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا ۔

فارسی کے شعر میں جدت ہے کہ فراق یار کی گفتگو کو سخن مرگ سے تعبیر کیا ہے ۔ اور بیمار کے سرہانے موت کی گفتگو کرنے کو بیمار کے لیے اچھا نہیں بتلایا ہے ۔ اس لیے اس شعر میں جدت کے ساتھ اصلیت بھی پائی جاتی ہے ۔ اس کے برخلاف اردو کے شعر میں کوئی جدت نہیں ہے اور واقعے کے خلاف بات بھی پائی جاتی ہے ۔ کیوں کہ ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ جدائی کا نام سنتے ہی عاشق مرگیا ہو ۔

===XXX===

چند مزید اشعار ملاحظہ ہوں:

فارسی   اے از دلوم رفتہ نظر سوی کہ دارم   دل کو تو بستادم بہ خم موئی کہ دارم

اردو   تو ہی مجھے کہہ ، جاؤں تجھے چھوڑ ، کہاں میں
رکھتا ہوں کہاں ، اس قدر تاب و تواں میں

---

(۱) اصل نسخہ میں " واللہ" کی بجائے " باللہ" لکھا ہوا ہے ۔ جو معنوی اعتبار سے تو درست ہے لیکن اس طرح بولا نہیں جاتا ۔

فارسی   سرشتهٔ صبری که ز دل رفت و نهان شد   مارا رگ جان گشت و تراوش عیان شد

اردو   گل حسن جو شیواھے تو جان مثل صباھے   کیا پوچھتے ھے کیا عشق ھے اور حسن یہ کیاھے

====XXX====

فارسی   شادم من غم دیده بجور وستم او   خوکرده ظلم اویم و من بغم او

اردو   ھرتلخ سخن اس کا بہ از قند و شکرھے   عاشق کو دعا یارکی دشنام ھے ناصح

===XXX====

فارسی   تا غمزهٔ خون ریز تو، غارت گر جان است   چشم اجل از دور، بہ حسرت نگران است

اردو   مجھ کو تو کیا قتل تری ناز و ادا نے   بدنام کروں کیوں میں اجل کے تئیں جاناں

===XXX====

فارسی   رفتی و کنار از من دیوانه گرفتی   کردی سفر از چشم و بدل خانه گرفتی

اردو   دل بیچ جو ھے، اوس میں تُو دن رات بسے ھے

لیکن نظر آتا نہیں غائب ھے نظر سے

====XXX===

فارسی   ھر ھر که نگهہ می کنی مست و خراب است

در ساغر چشم تو ندانم چہ شراب است

اردو   عالم میں ھر اک مست ھوا تیری نگہہ سے

میں ھی نہ تیری چشم کا سرشار ھوں ساقی

====XXX====

فارسی   عمریست که جز گوشهٔ بلا مسکن من نیست   دستی که ستمی نیست که در گردن من نیست

اردو   جب سے میں کیا عشق عجب مجھ پہ الم ھے   کچھ یار کا جور اور کچھ غیروں کا ستم ھے

===XXXX====

فارسی   ترسم که دل از شوق دل آرام بہ بیرون   کامی نکند حاصل و ناکام بہ میرد

اردو   کون اس سے کہے جاکے میرا حال پریشاں   کون اس کو سنائے میں محرومی و حرماں

====XXXX====

فارسی عاشق شدم و محرم این کار ندارم — فریاد که غم دارم و غم خوار ندارم

اردو کھانے کا تو کیا ذکر حرام اب تو ہوا خواب

آنکھوں سے رواں ہے ، ساتھ اشک کے خون ناب

===xxx====

فارسی گویند دعا ہای سحر را اثری ہست — او شاد نشیند که شبش را سحری ہست

اردو یعنی تو سحر و شام جدائی کے نہ دیکھے — مانگوں میں دعا پہلے ، جو اس شب کو سحر ہو

===xxx====

فارسی از رفتن جانان زہرم ، رفتن جان بہ — عمری کہ بہ تلخی گذرد مردن ازان بہ

اردو راضی ہوں ، اگر مرگ کا دن مجھ کو دکھا دے

پر ہجر کا غم مجھ کو نہ دکھلائیو یارب

====xxx====

فارسی آہی کہ برآید دم مرگ از دل چاکم — ابری شود و گریہ کند بر سر خاکم

اردو ڈرتا ہوں میں اس دیدۂ گریاں سے کہ اس نے

مجھ کو تو ڈبویا ہے ، نہ اوروں کو ڈبو دے

===xxx===

فارسی زہر غم ہجر تو بجان کار گر افتاد — امید وصال تو بعمری دگر افتاد

اردو اے جان! یہاں وصل کی امید کسے ہے — اس ہجر کے ہاتھوں سے بچے جان سو معلوم

===xxx====

فارسی چون نقش قدم ہر قدمی بر سر راہی — بر خاک نشینم بامید نگاہی

اردو آیا بھی تو جاتا رہا آگے سے شتابی — دیکھا نہ ادھر اور نہ جمال اپنا دکھایا

====xxx====

فارسی قائم بخیالی شدم از دیدن رویت — بی منت پا میگذرم از سر کویت

اردو گریاں ہوں تری واسطے مہ صورت یعقوب — ہر دل میں تو یوسف صفتی کدھر ہے تو خوب

====xxx====

فارسی　پرتو نفسی خوش نزدم، خوش نه نشستم　　جز نه نشستم که بر آتش نه نشستم

اردو　جس دن سے گیا تو، مجھے آرام نہیں ہے　　بیتابی سوا اور مرا کام نہیں ہے

====XXX====

فارسی　نه مهر بهی دادی و نه ناز و عتابی　　فریاد که فریاد مرا نیست جوابی

اردو　دل کیوں لیا تونے جو تھا کچھ نہ تجھے منظور　　اتنا بھی نہ ہو حسن پہ دو دن کے تو مغرور

===XXX====

فارسی　خون شد دل من، خوب شد، این خون شدنی بود　　آن به که زبیداد تو شد چون شدنی بود

اردو　انصاف کر آپ ہی کہ نہیں کچھ مری تقصیر　　تونے ہی مرا توڑ کے دل پھر نہ کی تعمیر

====XXX====

فارسی　پید است دورنگی ز قماش سخن تو　　برگ گل رعناست زبان در دهن تو

اردو　واللہ سراپا ہے دغا باز تو واللہ![1]　　کیوں کر میں تری بات کا باور کروں اے ماہ

====XXX====

فارسی　هرگز بوفا خوی تو دمساز نباشد　　عاشق کُشی است این صنما ناز نباشد

اردو　برباد گئی غم میں تری میری جوانی　　کچھ تونے مری قدر نجانی یہ نجانی!

====XXX====

فارسی　نازک دلم ای شوخ ملاحم چه توان کرد　　من عاشق معشوق مزاجم چه توان کرد

اردو　خاطر میں میاں میری بھی رنجیدگی آئی　　جب تک کہ جتائیں اونچائی میں اونچائی

****

ذکرِ میر تقی:

میر محمد تقی نام اور میر تخلص تھا وطن مالوف اکبرآباد تھا (آگرہ) ترک سکونت کر کے شاہجہان آباد (دہلی) میں رہائش پذیر ہوگئے تھے - میر کے والد میر محمد علی عرف علی متقی اپنے وقت کے بڑے اہل اللہ میں شمار ہوتے تھے - لوگ دور و دراز کا سفر طے کر کے ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتے تھے - میر کے بزرگ سر زمین حجاز سے ہندوستان تشریف لائے تھے -

---

(۱)　اصل نسخہ میں یہاں بھی "واللہ" کی جگہ "باللہ" لکھا ہے -

میر کی تاریخ ولادت میں زبردست اختلاف ہے - میر نے اپنی سر نوشت "ذکر میر" تک میں ولادت کا ذکر نہیں کیا - ہاں وفات ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء میں ہوئی۔(۱) مولوی عبدالحق مرحوم نے ۱۹۲۸ء میں میر کی خود نوشت سرگزشت "ذکر میر" کے مقدمہ میں تحقیق کر کے لکھا ہے کہ میر ۸۹ سال زندہ رہے اس طرح ان کا سنہ ولادت ۱۱۳۷ھ/ ۲۵-۱۷۲۴ء ہوتا ہے -

میر نے قرآن مجید کی تعلیم اپنے والد کے مرید میر امان اللہ سے حاصل کی - میر امان اللہ سے میرتقی میر کو بہت فیض پہنچا - میر جعفر عظیم آبادی سے بھی کچھ تعلیم حاصل کی ہے جیسا کہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں "دماغ خود می سوخت و مرا چیزی می آموخت -" (۲)

والد کے انتقال کے بعد میر دہلی تشریف لے آئے اور نواب قاسم (امیرالامراء) سے ملاقات کی - نواب صاحب میر کے والد کے معتقد تھے انہوں نے میر کا وظیفہ ایک روپیہ روز مقرر کردیا کچھ ہی عرصہ بعد نواب صاحب نادرشاہ سے جنگ کرتے ہوئے زخمی ہوئے اور کچھ دن بعد انتقال کرگئے ان کے انتقال کے بعد میر اپنے رشتہ کے ماموں سراج الدین علی خان آرزو کی خدمت میں پہنچے - وہ اپنے وقت کے بے مثال شاعر اور فاضل انسان تھے چنانچہ خود فرماتے ہیں :

"سراج الدین علی خان آرزو سلمہ اللہ تعالی - ابدا شاعر زبردست،
قادر سخن، عالم، فاضل، تاحال ہمچو ایشان بہندوستان جنت نشان بہم نہ رسیدہ
بلکہ بحث در ایران می رود، شہر آفاق، در سخن فہمی طاق -" (۳)
پھر فرماتے ہیں :

"ہمہ استادان مضبوط فن ریختہ ہم شاگردان آن بزرگوار اند -"

جب کہ میر خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ تمام باکمال ریختہ گو شعرا آرزو کے شاگرد ہیں تو یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ میر نے بھی آرزو سے ابتدائی فیض حاصل کیا ہوگا۔

---

(۱) غلام مصطفے خان، ڈاکٹر "تحقیقی جائزہ" ، سکھر : بزم غالب ، ۱۹۶۸ء ، ص ۹۰

(۲) عبدالحق ، بابائے اردو ڈاکٹر مولوی، (مرتبہ "ذکر میر" ، حیدرآباد دکن: انجمن ترقی اردو، ۱۹۲۸ء ، ص ۶۲

(۳) عبدالحق ، بابائے اردو ڈاکٹر مولوی، (مرتبہ "نکات الشعرا" ۱۹۳۵ء ، صص ۳-۳

اول میر فارسی زبان میں شعر کہتے تھے ۔ سید سعادت علی نے ان کی توجہ مبذول کرائی جناں چہ فرماتے ہیں :

" بعد از چندے باسعادت علی نام، سیدے کہ از امروہہ بود برخوردم ، آن عزیز مرا تکلیف موزون کردن ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اردوئے معلی بادشاہ ہندوستان و دوران وقت رواج داشت کرد ۔ خود کشی (جہد بلیغ) کردم و مشق خود مرتبہ رساندم کہ موزونان شہر را مستند شدم ۔ شعر من در تمام شہر دوید و بگوش خرد و بزرگ رسید ۔" (۱)

ذکر میر کے مقدمہ میں مولوی عبدالحق صاحب نے مذکورہ بالا عبارت پر " ریختے میں سید سعادت علی کی شاگردی " عنوان دیا ہے غالباً مولوی صاحب کو " برخوردم " کے لفظ سے مغالطہ ہوا ۔ حالاں کہ برخوردم میں نے ملاقات کی کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے ۔ عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ میر اس وقت تک فارسی میں شعر کہتے تھے ، ریختہ کی مقبولیت کے پیش نظر سید صاحب نے مشورہ دیا ، میر نے کوشش کی اور کمال حاصل کیا ۔ کیوں کہ نکات الشعراء میں میر لکھتے ہیں :

" سعادت تخلص می کرد ۔ فی الجملہ چاشنی درویش داشت ، ۔ شعر او خالی از لطف نیست ۔" (۲)

آخری جملہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کیا کوئی شاگرد اپنے استاد کی شان میں ایسے بے باکانہ کلمات کیسے کہہ سکتا ہے میر نے اپنے تذکرہ میں جو فوقیت اور برتری سراج الدین علی خاں آرزو کو دی ہے وہ اور دوسرے شاعر کو نہیں دی یہ خود واضح الفاظ میں اپنی شاگردی کا اعتراف ہے ، اگرچہ میر ایک فطری شاعر تھے انھوں نے اپنی فطری صلاحیت سے وہ مقام حاصل کیا کہ معاصرین کو پیچھے چھوڑ دیا ۔

---

(۱) عبدالحق ، محولہ بالا ، ص ۹۷

(۲) عبدالحق (مرتبہ) میرتقی میر (مصنف) محولہ بالا ، ص ۲۸-۲۷

میر کے ذوق کا خان آرزو سے مختلف ہونا کوئی عجیب بات نہیں کیوں کہ ہر ایک کا ذوق اس کے ماحول کے زیر اثر ہوتا ہے ۔ ان کے والد کے استغنا ، فقر و مستی ، دنیا سے بےتعلقی تصوف ، اور عشق حقیقی کی تلقین نے میر کو ابتدا ہی میں دنیا سے متنفر کردیا تھا ۔ پھر کم عمر میں یتیمی اور محرومی کا داغ لگا ، اپنے پرائے نے منہ موڑا ، ان پر مصائب و آلام کا پہاڑ ٹوٹا ، اس طرح انھیں انتہائی سنگین حالات سے گزرنا پڑا ۔ ان تمام باتوں نے ان کی طبیعت پر دنیا کی بے ثباتی اور رنج و الم کا ایسا گہرا نقش جمایا کہ مرتے دم تک قائم رہا ۔ ان کے مزاج میں ایسا غیر معمولی استغنا تھا کہ وہ کسی کے آگے جھکنا یا کسی کی بیجا تعریف کرنا انسانیت کی توہین تصور کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کے دربار سے وابستہ نہیں رہے اور اسی لیے تمام زندگی مصائب کا شکار رہے ۔

خصوصیات کلام :

میر صاحب کی شہرت ان کی غزلوں اور مثنویوں پر مبنی ناقدین کے خیال میں سودا کو غزل گوئی میں میر سے کوئی نسبت نہیں ۔ میر صاحب فطرتاً غمگین واقع ہوئے تھے ان کی زندگی یاس و حرمان کا نمونہ تھی اس پر طرہ یہ کہ خودداری اور عزت کا ان کو بے حد احساس تھا ۔ اسی لیے انھوں نے عزلت اور تلخ کامی کی زندگی پسند کی اور ساری عمر مصائب و آلام میں بسر کی بزم طرب اور محفل سرور کے وہ فطرتاً اہل نہ تھے ۔ خوشی اور مسرت کا حصہ قسام ازل سے انھیں ملا ہی نہ تھا ۔ اور یہی وہ باتیں ہیں جن سے روح غزل تشکیل پاتی ہے ۔

چھوٹی چھوٹی بحروں میں میر صاحب کی شاعری اپنا کمال دکھاتی ہے۔ عاشقانہ خیالات مثلاً منازل ہجر و فراق کے المیہ افکار میر صاحب نے جس بےتکلف اور سیدھے سادے الفاظ میں باندھے ہیں وہ انھیں کا حصہ ہے ۔

میر صاحب اردو میں واسوخت کے موجد تسلیم کیے جاتے ہیں ۔ اسی طرح اردو میں مثلث اور مربع بھی انھیں کی ایجاد ہیں ۔ انھوں نے بعض فارسی کے شعروں کو تضمین کر کے

کبھی مثلث کہا ہے کبھی مربع اور کبھی مخمس ۔ میر صاحب نے اکثر فارسی ترکیبیں یا ان کے ترجمے کو اردو میں شامل کر کے اسے وسعت بخشی ہے۔

میر صاحب غزل گوئی کے مسلم الثبوت استاد اور ریختہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ۔ اپنے زور بیان کے متعلق خود فرماتے ہیں :

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی

اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی

میر صاحب کو حقیقت اور اصلیت بیان کرنے میں بھی کمال حاصل تھا وہ واقعات کی ایسی مکمل تصویر کھینچتے ہیں کہ ان کے لفظی مرقع ہماری آنکھوں کے سامنے جیتی جاگتی تصویریں معلوم ہوتے ہیں ۔

میر صاحب نے اکثر فارسی ترکیبیں یا ان کے ترجموں کو اردو کی بنیاد میں ڈال کر ایک کر دیا اور اکثر کو جوں کا توں رکھا اس کے علاوہ فارسی کے بعض محاوروں اور اس کی خاص خاص رشوں کی طرف اشارہ بھی کرجاتے ہیں اور بعض جگہ قادرالکلامی کا تصرف کر کے اپنے زور بیان کے جوہر دکھا جاتے ہیں ۔

ایک رباعی ملاحظہ ہو جس سے میر کے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے :

گرچہ سردار مزوں کا ہے امیری کا مزا	چھوڑ لذات کو اور لے تو فقیری کا مزا
اے کہ آزاد ہے تگ چکھ نمک مرغ کباب	تا توجانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا

غزلیات کا میدان ان کے افکار و خیالات کی جولاں گاہ تھا جو ان کی طبیعت کے عین مطابق رہا ۔ غزل گوئی میں انھوں نے ایک منفرد اور نہایت ممتاز مقام حاصل کیا۔ ان کا کلام قلبی واردات کا آئینہ دار اور مرقع رنج و الم ہے ۔ جس میں سوز و گداز اور درد و کرب میں ڈوبی ہوئی پر درد آہوں کی قسمیں سنائی دیتی ہیں ۔ ان کا کلام عشق و محبت اور پند و موعظت سے لے کر کائنات کی ہر دل کش اور حسین چیز کا بیان ہے لیکن کوئی موضوع یاس و حرمان سے خالی نہیں ، یہی ان کی زندگی کا ماحصل تھا اور اسی خصوصیت نے ان کے کلام

کو زیادہ پرکشش اور موثر بنادیا جو دل کی گہرائیوں میں اترجاتا ہے -

ان کا بیان میں سحر بھی ہے اور اعجاز بھی- زبان میں فصاحت و بلاغت ، سادگی ، روانی اور برجستگی جیسے اعلیٰ درجے کی صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں - خیالات میں ندرت اور تخیل میں بلا کا زور ہے - جس کو کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا یہی وجہ ہے کہ آج تک میر کی برتری مسلم ہے -

میر کی ریختہ گوئی نے اردو شاعری کو چار چاند لگادیے اور بقول مصحفی فارسی گو شعراء کی نظروں میں اردو کی اتنی وقعت پیدا کردی کہ وہ اردو کہنے پر مجبور ہوگئے اور اس طرح اردو فارسی کے معرکۂ سخن میں اردو کی لاج رکھ لی -

میر کے انتقال کے ایک سال بعد فورٹ ولیم کالج نے میر کا کلیات ۱۲۲۶ھ میں بارگاہ انگلستانی لارڈ منٹو گورنرجنرل بہادر کے حکم سے طبع کرایا- یہ کلیات چھ دواوین پر مشتمل ہے- جس میں (۲۱۰۹) دو ہزار ایک سو نو غزلیات کے علاوہ قصائد ، قطعات ، رباعیات ، مسدس اور مخمس وغیرہ تمام ہی یکجا کردیئے گئے ہیں - اس کلیات میں دس سو پچاسی صفحات ہیں (۱۰۸۵)۔[1]

اگرچہ میر فارسی زبان کے بھی قادرالکلام اور صاحب دیوان[2] شاعر تھے لیکن اردو میں ان کے کلام کو جو مقام حاصل ہوا اس کے مقابلے میں ان کی فارسی شاعری ماند پڑگئی - ہم اپنے بیان کی تائید میں مصحفی کا قول نقل کرتے ہیں :

[illegible] دیوان فارسی (۳) [illegible][2] [illegible]

ہمہ ریختہ گوئی [illegible] از کلامش می آید [illegible] در ہندوستان مستثنی . (مصحفی)

---

(۱) یہ کلیات لیاقت میموریل لائبریری کے نوادرات میں موجود ہے -

(۲) ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ایم - اے اپنی تصنیف " میرتقی میر" میں لکھتے ہیں کہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں میر کا فارسی قلمی دیوان موجود ہے جس کا سلسلہ نمبر ۱۱۲۳ ہے - انہوں نے میر کے اس دیوان سے چند اشعار بھی بطور نمونہ پیش کیے ہیں -

پھر فرماتے ہیں :

" واز بس کہ ابتدائے سخن گفتن نام بہ ریختہ گوئی برآوردہ و دعوی شعر فارسی چنداں ندارد ، اگرچہ فارسی کم از ریختہ نمی گوید ، دو ہزار شعر فارسی صورت تدوین یافتہ -" (۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ میر کا فارسی کلام بھی خاصہ اچھا ہے لیکن اردو کلام بہت اعلی صفات کا حامل ہے -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی مراد لیست بہ ہرچاک چاک چوں شانہ   ز اختلاط پریشان زلف جانانہ

اردو پیچ سا کچھ ہے کہ زلف و خط سے ایساھے بناؤ

ہے دل صد چاک میں بھی ورنہ سب شانے کی طرح

زلف یار کو پریشان باندھتے ہیں اور دل عاشق بھی پریشان ہوتا ہے اس لیے لفظ پریشان کے اعتبار سے دونوں میں مناسبت ہے -

شاعر نے فارسی اور اردو دونوں شعروں میں اسی مناسبت کو دو مختلف اسلوبوں کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن اردو کے شعر میں جو لطف ہے کہ اختلاط زلف یار کی وجہ سے کنگھے کی طرح میرا دل چاک چاک ہوگیاھے - زلف اور شانہ میں لفظی مناسبت بھی پائی جاتی ہے-

لیکن اردو کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ میرے دل صد چاک میں بھی اگرچہ شانے کا پورا انداز موجود ہے اس اعتبار سے میرے دل صد چاک اور زلف پریشان یار میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے لیکن زلف یار اور خط و رخسار دونوں نے مل کر جوبات پیدا کردی ہے وہ میرے دل صد چاک کو میسر نہیں ہوسکتی -

---

(۱) مصحفی ، محولہ بالا ، ص

ظاہر ہے اردو کے شعر میں مضمون کی ندرت اور لطافت کے ساتھ ساتھ تغزل کی شان بھی موجود ہے - اور یہ بات فارسی کے شعر میں اس درجہ کی نہیں -

====XXXX====

فارسی   از ما حکایت غم دل می تواں شنید   ما خوب می‌کنیم بیان این مقالہ را

اردو   ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر

پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

عاشق جب دوست کو خط لکھتا ہے تو فرط شوق میں لکھتا ہی چلا جاتا ہے - اس کو خیال بھی نہیں ہوتا کہ میں کیا کچھ اور کتنا کچھ لکھ چکا ہوں - اسی بات کو میر صاحب نے اپنے فارسی اور اردو دونوں شعروں میں دو مختلف انداز میں بڑی خوب صورتی سے بیان کیا ہے - دونوں شعر اپنی اپنی جگہ اتنے خوب ہیں کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی -

فارسی کے شعر میں روانی صفائی اور جوش کے ساتھ عاشقانہ ادعا بھی بڑا پر لطف ہے - فرماتے ہیں کہ حکایت غم دل ہم سے سننی چاہیے کیوں کہ اس مقالے کو ہم خوب بیان کرسکتے ہیں کیوں کہ یہ عشق کی واردات ہم پر گزری ہیں اس لیے ہم ہی ان کو خوب جانتے ہیں -

حکایت غم دل پہلے مصرع میں اور دوسرے مصرع میں اسی حکایت غم دل کو مقالہ کہا ہے یہ بھی لطف سے خالی نہیں - اردو کے شعر میں ایک تجاہل عارفانہ کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اے میر تو جو دوست کو خط لکھنے بیٹھا تو ہم یہ سمجھے تھے کہ تو ایک آدھ بات لکھے گا ، مگر اب جو تیرے خط کو دیکھتے ہیں تو وہ شوق کا ایک دفتر ہے یعنی بے خودی شوق میں تونے خط کیا لکھا ایک دفتر لکھ ڈالا ہے -

===XXX====

فارسی   از راہ طلب خبر ندارم   مائیم و ہمیں شکستہ پائی

اردو   رہ طلب میں گرے ہوتے سر کے بل ہم بھی   شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا

معرفت خداوندی کا راستہ بہت دشوار ہے اور اس کی کوئی انتہا بھی نہیں جو اس راستے میں پڑ جاتا ہے پھر اس کا دنیا و مافیہا سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

میر صاحب نے اپنے دونوں اشعار میں اس خیال کو کہ ہم بھی راہ طلب میں پڑ کر کھوگئے ہوتے لیکن ہماری شکستہ پائی نے نہیں پڑنے دیا۔ شکستہ پائی سے مراد توفیق کے فقدان سے ہے ۔ یعنی اگر ہم کو توفیق کا سہارا مل جاتا ہےتو ہم بھی راہ طلب میں چل پڑتے، لیکن اس سہارے کے بغیر ہم اس راستے میں قدم بھی نہ رکھ سکے ۔

اس بات کو فارسی کے شعر میں اس طرح بیان کیا ہے کہ شکستہ پائی نے ہمارا ساتھ نہ چھوڑا ۔ تو ہم راہ طلب میں کیسے چل سکتے تھے ۔

اردو کے شعر میں گرے ہوتے سر کے بل اور سنبھال لیا یہ دونوں با تیں طنز یہ انداز رکھتی ہیں ۔ اس لیے حدود شعر میں بڑی کیفیت پیدا ہوگئی ہے یعنی شاعر کہتا ہے کہ ہم بھی راہ طلب میں سرکے بل گرے ہوتے لیکن ہماری شکستہ پائی نے ہم کو سنبھال لیا۔ یعنی شکستہ پائی کی وجہ سے راہ طلب میں قدم نہیں رکھ سکے ۔ اگر شکستہ پائی نہوتی تو ہم بھی اس راستے میں چل پڑتے اور چوں کہ یہ راستہ بہت دشوار ہے یا ہماؐ دشوار کہ اس میں اچھے اچھے لوگ سرکے بل گرے ہیں ۔ تو ہم بھی اس راستے کو کام یابی کے ساتھ کیسے طے کرلیتے ، ہم بھی سر کے بل گرتے ۔

=====XXX=====

فارسی مہرشد مفقود باایں جا صحبت ، رسم نیست یا مزاج مادگر شد یاجہانے دیگر است

اردو وہ لوگ آپس میں کرتے تھے آگے یہ رسم کہیں آہ تم نے اٹھادی

دونوں شعروں میں دنیا سے مہر و وفا کے اٹھ جانے کا ماتم کیا ہے دونوں شعر اپنے اپنے انداز بیان میں بہت خوب ہیں ۔ لیکن اردو کےشعر میں شاعر نے جو دوست سے خطاب کیا ہے اور نہایت درد انگیز انداز میں کہا ہے اس بات نے اردو کے شعر میں بڑی کیفیت پیدا کردی ہے اور تغزل کا لطف آگیا ہے ۔ اگرچہ فارسی شعر کے دوسرے مصرع میں عاشقانہ تجاہل کے ساتھ یہ کہنا کہ " یا مزاج مادگر شد یا جہاں دیگر است " اس بات نے بھی اپنی جگہ بڑا لطف پیدا کردیا ہے ۔

مزید کچھ اشعار پیش خدمت ہیں :

فارسی   روزی بشب کنم بصد اندوہ سوختہ سوز   شب را سحر کنم، بہ امید کدام روز

اردو   یاں کے سفید و سیہ میں ہم کو دخل ہے سو اتنا ہے

رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

===XXX===

فارسی   دہ شوی غنوہ بر این ہستی اما می چہ   کہ عزیزان ہیست بہ جز دمی چہ

اردو   غافل ہیں ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ

حالاں کہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ

====XXXX====

فارسی   میر جامی کہ بر میر آں محبت می‌سوخت   صبح دیدیم بہ جاما ہدہ یک خاک آں جا

اردو   ایک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میر پر

برسوں سے جلتا تھا شاید رات جل کر راکھ ہوا

===XXX====

فارسی   عشق دردے بے دوائے بودہ است   بہرجان و دل بلائے بودہ است

اردو   دیا عشق کی سخت ڈہاب ہے   سر عاشقاں سنگ کا باب ہے

====XXXX====

فارسی   روزگاری شد کہ از دین قدیم خویشتن   میر در عشق بتاں برگشتہ و زنار بست

اردو   میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو

قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

====XXX====

فارسی   از ما حکایت دل می توان شنید   ما خوب می کنیم بیان این مقالہ را

اردو   اس پردہ میں غم دل کہتا ہے میر اپنا   کیا شعر و شاعری ہے یارو شعار عاشق

====XXXX=====

فارسی   بدیر و کعبہ می گردیم گاہ این جا و گاہ آن جا

کہ مطلب جستجوی اوست خواہ این جا و خواہ انجا

اردو   مسلمان ہوئے عشق میں برہمن ہوئے   گئے کعبہ کو چھوڑ دیر کہیں

===XXX====

فارسی   ہر کرا دیدم چوں گم گشتہ تحقیق بود   کعبہ را ہم بے تکلف دربیابان یافتم

اردو   نہ سبحہ نہ زنار نہ کفر و دیں   جہاں سب ہے عشق اور کچھ بھی نہیں

===XXX====

فارسی   ز ضعف مو بہ چشم کسے نمی آیم   لطافتے ست چو جان جسم ناتوان مرا

اردو   تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا   بے طاقتی دل کو بھی مقدور ہوا ہے

====XXXX====

فارسی   یک رہ تو ہم بپرس از وائے شمیم صبح   من خود نیافتم سبب داغ لالہ را

اردو   بہا تو خون ہوا آنکھوں کی راہ بہہ نکلا

رہا جو سینۂ سوزاں میں داغ دار رہا

===XXX====

فارسی   بے عشق نشاید بود ، بے عشق نباید زیست   پیغمبر کنعانی عشق پسری دارد

اردو   محبت ہی اس جادہ آیا کوئی   محبت سے خالی نہ پایا کوئی

====XXX====

فارسی   من چہ دانم راہ و رسم خانقہ   عمر من در خدمت میخانہ رفت

اردو   سرخشیں رہ میخانہ ہوں میں کیا جانوں   رسم مسجد کے تئیں شیخ کے آیا نہ گیا

===XXX===

فارسی   چہ شد آں وفا و عہد یکہ تو وعدہا نمودی

بتوبمن چہ گفتہ بودم ، تو بمن چہ گفتہ بودی !

اردو   کبھی دل کو اپنے دکھادے مجھے   میں بے وفائی جتادے مجھے

فارسی ازهرکه سخن کردم گفتند که اینجا نیست ازهرکه نشان جستم گفتند که پیدا نیست

اردو کیا تھا شعر کو پردہ سخن کا یہی آخر کو ٹھہرا فن ہمارا

====xxx====

فارسی دل از پئے او غرق به دریائے بلا بود و آن گوهر تر سر بکنار دگری[1] داشت

اردو اس دام گاہ میں ہم جوں صید نیم بسمل تڑپے بہت پہ تو نے کب دل لیا ہمارے

===xxx===

فارسی دل می‌کشد به صحرا هنگام کارآمد شوری است در سرمن شاید بهار آمد

اردو فصل خزاں تلک تو میں اتنا نہ تھا خراب گرد

مجھ کو جنوں یہ ہوگیا موسم گل میں کیا بلا

====xxx====

فارسی ولی درسینهٔ من قطرهٔ خونی بوده است چون بچشم آمد از شیوه طوفان دیدم

اردو جگر ہی میں یک قطرہ خوں ہے سرشک پلک تک گیا تو تلاطم کیا

====xxx====

فارسی این نه بیداری که مردن موجب آسودن است

مرگ هم یک منزل است از راه بی پایان ما

اردو موت اک ماندگی کا وقفہ ہے یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

===xxx====

فارسی عشق یارب چه بلا است که بیشش بی جرم می رود مهر بحالی که گناه کار رود

اردو رسم قلمروعشق مت پوچھ کچھ کہ ناحق ایکوں[2] کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا

===xxx====

---

(۱) اصل نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے :

" و آن گوهر تر سربکناری دگری "

(۲) " ایکوں " ایک کی جگہ استعمال ہوا ہے ، اب متروک ہے -

فارسی   از دل چه حکایت کنم اکنون که بجا نیست   زین بیشتر این قطره هم جگری داشت

اردو   دل نه پہنچا گوشۂ داماں تلک   قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا

=====XXXX====

فارسی   خیال دیر و حرم را ز سر بدر کردم   بسجده عمر درایں خانه سربسر کردم

اردو   طوف حرم میں بھی میں بھولا نہ تجھ کو اے بت

آتا ہے یاد تو ہی میرا خدا ہے شاید

====XXXX====

[illegible] :

فارسی   اے ز انعام تو واشد غنچۂ امکان ما   آب در جو آرد از لطف تو باغ جان ما

اردو   چاہتا ہے جی کہ ہم تم ایک جا، تنہا ملیں   تو بیجا بھی نہ ہووے، کم نگاہی بھی نہ ہو

=====XXXX====

فارسی   باری یک کونه ازیں دیدۂ خونبا به فشاں   بروخ زرد من خوده رنگ آمده است

اردو   ہر اک مژگاں پہ میرے اشک کے قطرے چمکتے ہیں

تماشا مفت خوباں ہے لب دریا چراغاں ہے

====XXX====

فارسی   ندا زارم ز خود هرگز ولے را   که می ترسم درو جائے تو باشد

اردو   آئینہ وار سی کے ہاتھ ہوں شش جہت کو   دیکھیں تو منہ دکھائے وہ کام جاں کہ ہو ہے

====XXXX====

فارسی   مرا ز دیر و حرم مطلبے نبود اے شوخ   ز فرط شوق تلاش تو دیر بدر کردم

اردو   کس کا کعبہ کیسا قبلہ کون حرم ہے، کیا احرام

کوچہ کے اس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

====XXXX====

فارسی مستمند عشق میداند که سودا می کند   دیدن طفلان سربازار(۱) رسوائی کند

اردو   عشق میں ذلت ہوئی خفت ہوئی تہمت ہوئی

آخر آخر جان دی یاروں نے یہ صحبت ہوئی

====xxx====

فارسی   هرکه بوحق دلیل می گوید   به چراغ آفتاب می جوید

اردو   ظہور اس کی نظر آتی نہ سیاحان عالم کو

سیاحت دور تک کی ، ایک ہے وہ بے نظیری میں

====xxx====

فارسی   فلک زمین گونه خون بسیار کرد است   جوانان را بسے آزار کردست

اردو   گل گئے بوٹے گئے گلشن ہوئے برہم گئے   کیسے کیسے ہائے اپنے دیکھتے موسم گئے

====xxxx====

فارسی   مهر اگر این است جوش گریه در هجران یار

ابر خواهد برد آب از دیدهٔ گریان ما

اردو   جاتی نہیں ہے دل سے تری یاد زلف ورد   روتےہی مجھ کو گذرے ہے کیا شام کیاسحر

====xxx====

فارسی   من اے همدم مصیبت دیده چون میرکم دیده م

سخن از صحبت خود تا بگوید چشم تر دارد

اردو   ہر اشک مرا ہے درشہوار سے بہتر   ہر لخت جگر رشک عقیق یمنی ہے

====xxx====

فارسی   جلوه یاداریم و از هرجلوه بے خود گشته ایم   خود تماشائیم و خود محوتماشاگشته ایم

اردو   جلوہ اسی کا سب ہے گلشن میں زمانے کے   گل پھول کو ہے اُن نے پردہ بنا رکھا

---

(۱)   اصل نسخہ میں " سربازار" کی جگہ " نہ بازار " ہے -

فارسی عنقا سرد برگیم مپرس از فقرا هیچ   عالم همه افسانهٔ ما دارد و ما هیچ

اردو مشہور ہیں عالم میں توکیا ہیں بھی کہیں ہم

القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

===XXX====

[illegible]

فارسی معشوق درحقیقت اگر بنگری یکی است   هرکس بہ جلوه دل خوشاد می کند

اردو تحقیق کرو دل کس سے حقیقت کے نشے کو   خضر آب اسے کہتا ہے آتش کے ہوس

===XXX===

(۱)

فارسی دوئی کجاست ز نیرنگ احولی بگذر   کہ یک نگاه میان دو چشم مشترک است

اردو ظلمت ہے دوئی کی تجھ سے احول   آخر ہے وہی وہی ہے اول

===XXX====

فارسی یکی را بین و یکی را بدان   یکی را بجو و یکی را بخوان

اردو کہیں ہے ہر کوئی اللہ میرا   عجب نسبت ہے بندے میں خدا میں

====XXX====

فارسی ز ضعف هر نفسم چشم بستہ می گردد   ترا خیال کہ مائل بخواب می گردد

اردو رہیں بند میری آنکھیں شب و روز ضعف ہی میں

نہ ہوا مجھے میسر کبھو چشم باز کرنا

====XXX====

فارسی دل کہ درسینہ می تپید مرا   این زمان (۲) از مژه چکید مرا

اردو لخت دل کب تک الہی چشم سے ٹپکا کریں

خاک میں تا چند ایسے لعل پارے دیکھئے

---

(۱) اصل نسخہ میں " زنیرنگ احولی" کی جگہ " زرنگ احولی " ہے -

(۲) اصل نسخہ میں " این زمان" کی جگہ " ایں زبان" لکھا ہوا ہے -

فارسی   دست هردم تیغ برون او   میر در خاک و خون کشید مرا

اردو   تمہارے ترکش مژگاں کی کیا کروں تعریف   جو تیر اس سے چلا سو جگر کے پار ہوا

=====xxx=====

فارسی   به مردن تسلی شدم ورنه میر   نهایت نبود آرزوی مرا

اردو   گر دل ہے یہی مضطرب الحال تو اے میر   ہم زیر زمیں بھی بہت آرام کریں گے

=====xxx=====

فارسی   غافل مشو ز رفتن کهن طاق چرخ نیلی   از گرد راه یاران برخاسته غباری

اردو   آتا نہ تھا فرو، سرِ جن کا کل آسماں سے   ہیں ٹھوکروں میں ان کے آج استخواں زمیں پر

=====xxx=====

فارسی   طور و طرز رفتن اهل جهانم داغ کرد   غافلی بگذشت ازین راه و نشان معلوم نیست

اردو   چمن پر نوحہ زاری سے کس گل کا یہ ماتم ہے

جو شبنم ہے تو گریاں ہے جو بلبل ہے تو نالاں ہے

=====xxxx=====

فارسی   هر روز اعتبار جهان پیش دیگر است   دولت مگر گداست که هر روز بر دریست

اردو   تھا ملک جن کے زیر نگیں صاف مٹ گئے   تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشاں رہے

=====xxx=====

فارسی   وقت رحیل آه بخواب گران گذشت   تا چشم واکنم ز نظر کاروان گذشت

اردو   اک قافلے سے گرد ہماری نہ تک اٹھا   حیرت ہے میر اپنے تئیں ہم کہاں رہے

=====xxxx=====

فارسی   دران جای که سوخی زد شبی از آه من شعله (۱)   نشد معلوم آن جا صبح دم غیر از کف خاکی

اردو   آہوں کے شعلے جس جا اٹھتے تھے میر سے شب   واں صبح جا کے دیکھا مشت غبار پایا

---

(۱) اصل نسخہ میں اس طرح ہے:

ع "دران جای که سر می زد شب از شعلۂ من آهی"

فارسی　　عمر من بر در کسے بگذشت　　　کہ نیامد یکے بخانۂ ما

اردو　　نامرادانہ زیست کرتا تھا　　　میر کا طور یاد ہے ہم کو

=== XXX======

فارسی　　سخت در کار خویش حیرانم　　　چہ بدل خورد میں می دانم

اردو　　کیا جانیے کہ چھاتی جلے ہے کہ داغ دل　　　ایک آگ سی لگی ہے کہیں کچھ دھواں سا ہے

====XXX====

فارسی　　دیدۂ چون محتاج عینک گشت فکر خویش کن　　　پر نظر دارند روز واپسین آئینہ را

اردو　　وہ رکھیے جو عینک وہ آوے نظر　　　کہیے تو کہ اصلی ہیں ہم بے بصر

===XXX====

رباعی }　　ہر کاسۂ سر کہ قیصری می گوید　　　ہر کہنہ خرابہ از دریے می گوید

فارسی }　　درجاست شادہ پارۂ ماکفتم　　　وان پارہ کہ ماند دیگری می گوید

====XXX====

اردو }　　اندیشۂ مرگ سے ہے سینہ سب ریش　　　ٹکڑے ہے جگر جیسے لباس درویش

رباعی }　　ہاتھوں (۱) سے جو آج ہو سکے کرلیجئے　　　پھر کل تو ہمیں ہے اک قیامت درپیش

===XXX===

فارسی }　　نے دل بہ خیال زلف و رو باید داد　　　نے جان بہ ہوائے رنگ و بو باید داد

رباعی }　　این جا دل را چہ قدر و جان را چہ محل　　　خود را ہمہ او کردہ باو باید داد

رباعی }　　دل غم سے ہوا گداز سارا اللہ　　　غیرت نے ہمیں عشق کی مارا اللہ

اردو }　　ہے نسبت خاص (۲) تجھ سے ہر اک کے تئیں (۳)　　　کہتے ہیں چناں چہ سب ہمارا اللہ

====XXX====

---

(۱)　اصل نسخہ میں " ہاتھوں سے " کی جگہ " ہاتھ سے " درج ہے -

(۲)　اصل نسخہ میں " نسبت خاص " کی جگہ " نسبت خاک " درج ہے -

(۳)　آج کل " تئیں " کی جگہ " لیے " اور " واسطے " مستعمل ہے -

نظیر اکبر آبادی، شیخ ولی محمد :

اردو کے بے مثال شاعر شیخ ولی محمد نظیر اکبر آبادی ۱۱۴۷ھ / ۱۷۳۵ء[1] میں دہلی میں پیدا ہوئے[1]۔ دہلی میں نظیر کا بچپن بڑی ہنسی خوشی گذرا، کھیلوں کے بہت دلدادہ تھے، یہی وجہ ہے کہ کھیلوں اور تہواروں سے متعلق نہایت ہی نظیر نظمیں کہی ہیں۔

نظیر کے والد محمد فاروق علم دوست انسان تھے ۔ انھوں نے اول قرآن مجید کی کی تعلیم دلائی اس کے بعد نظیر نے فارسی علم و ادب میں کمال حاصل کیا، وہ مجملہ ہندی سندھی، پنجابی اور مرہٹی زبانوں کے ہندوستان کی دیگر مروجہ زبانوں میں بھی خاصہ درک رکھتے تھے ۔ اپنی تعلیمی قابلیت کے متعلق کچھ کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں :

فہم نہ تھا علم سے عربی کے کچھ بھی اسے
فارسی میں حال مگر جانے تھا کچھ این و آن

اگرچہ ان کے اردو و فارسی کلام سے ان کی عربی دانی کے علاوہ دیگر زبانوں کے جاننے کا بھی ہمیں ثبوت بہم پہنچتا ہے ۔ انھوں نے معلمی کو اپنی روزی کا ذریعہ بنایا وہ آگرہ میں نواب محمد علی خاں اور بہاؤ قلعدار کے بچوں کے اتالیق بھی رہے ۔ وہ ایک زبردست خطاط اور رزم آزما پہلوان تھے انھیں پہلوانی کا اتنا شوق تھا کہ سو سال عمر ہوجانے کے باوجود ورزش کے معمول میں فرق نہ آنے دیا، فرماتے ہیں :

ابہار سو برس کی ہوئی اپنی عمر آکر   اور جھریاں پڑی ہیں ساری بدن کے اوپر
دکھلاتے بھی کھڑی ہیں، جدا انہیں زور جاکر   رستم کو بھی سمجھتے اپنے ہیں برابر
اب بھی ہمارے آگے یارو! جوان کیا ہے ؟

نظیر نے بڑے پُر آشوب دور میں دہلی میں آنکھ کھولی، محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے دہلی کو تاراج کیا ۔ ۱۷۴۸ء اور ۱۷۵۶ء کے دوران احمد شاہ ابدالی نے پے در پے تین حملے کیے جس کا دہلی کی معیشت پر بہت برا اثر پڑا چنانچہ مجبوراً ۲۲، ۲۳ سال کی عمر میں نظیر نے دہلی کو خیر باد کہا اور مع خانوادہ کے آگرہ میں اقامت پذیر ہوگئے۔

(۱) کلیات نظیر اکبرآبادی ، لکھنؤ : راج رام پریس 1951 مقدمہ ابوالخیر محمد اشرف لکھنوی ص ۲

خصوصیات کلام :

وہ ایک خوش گو اور قادرالکلام شاعر تھے اور شاعری سے انھیں فطری لگاؤ تھا اس لیے وہ اپنے شوق کی تسکین کے لیے شعر کہتے تھے - انھوں نے شاعری کو روزی کمانے اور عزت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا- وہ ہمیشہ علمی ماحول میں رہنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے معلمی کا پیشہ اختیار کیا -

نظیر غزل میں میرتقی میر کے بڑے معتقد تھے، ایک بار مشاعرہ میں میر تقی میر بھی تشریف فرما تھے نظیر نے ایک غزل پڑھی جس کا مطلع ہے :

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی، پہ قہر آفت غضب خدا کا

ایک شعر اور ملاحظہ ہو :

جتانے الفت ، چڑھانے ابرو، ادھر لگاوٹ ادھر تغافل
کرے تبسم ، جھڑک دے ہردم، روش نکالی چلن دغا کا

جب نظیر غزل سنا چکے تو میر صاحب نے پاس بلاکر پیٹھ ٹھونکی اور فرمایا " عمر دراز باد -"

کبھی کبھی نظیر نے غزل میں میرتقی میر کا تتبع بھی کیا ہے ایک شعر ملاحظہ ہو :

سمجھے تھے یوں ہم دل کو لگاکر پاوینگے ماں آرام بہت
حیف اسی فہمید نے ہم کو کیا کیا بے آرام کیا

(۱) ۱۲۳۶ھ / ۱۸۳۰-۳۱ء میں فالج کے مرض میں مبتلا ہوکر داعی اجل کو لبیک کہا -

نظیر انتہائی درویش منش تھے - تمام تذکرہ نگار ان کے اخلاق کے بارے میں بڑے مداح نظر آتے ہیں درحقیقت وہ ایک خوش خلق ، رنگین مزاج ، خوددار ، خداترس ، اور خدارسیدہ اور ہمدرد انسان تھے - وہ اپنی نظر میں دل آزادی کو سب سے بڑا گناہ اور خوشامد کو

---

(۱) " کلیات نظیر اکبرآبادی" ، لکھنو : راج رام پرشرہ ۱۹۵۱ء ، (مقدمہ) ، ص

سب سے بڑا گناہ اور خوشامد کو انسانیت کی توہین سمجھتے تھے اور اسی لیے ان دونوں معصیتوں سے انھوں نے اپنے دامن کو پاک رکھا ، وہ ہر کس و ناکس سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے - ظہیر کی شاعری ان کے تمام اخلاقی محاسن کی آئینہ دار ہے -

ظہیر کو اردو زبان پر جو قدرت حاصل ہے وہ فارسی پر نہیں، تاہم فارسی کلام نہایت دل چسپ ہے - وہ انتہائی سادگی و بے باکی سے اظہار مافی‌الضمیر کو شاعری کا کمال سمجھتے ہیں-
چند اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ:-

فارسی   مہرحسن از مطلع در شد پدید   پیش مشتاقان سحر اکنون دمید

اردو   سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا

جھلک وہ مکھڑے میں اس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اجالا

دونو اشعار میں ظہیر اکبر آبادی نے حسن یار کی تعریف کی ہے - فارسی شعر نہایت صاف اور رواں زبان میں کہا ہے - زبان میں وہی پختگی اور اہل زبان کا سا انداز پایا جاتا ہے- لیکن اردو کے شعر میں ظہیر کا رنگ صاف جھلک رہا ہے - وہ انفرادیت جو ظہیر کی شاعری کی نمایاں خصوصیت ہے صاف بتلا رہی ہے کہ یہ ظہیراکبرآبادی کا شعر ہے -

فارسی کے شعر میں یہ کہنا کہ جب ہمارا دوست ہمارے گھر میں داخل ہوا تو اس کے مہر حسن کی روشنی سے ہمارے گھر میں اجالا ہوگیا- اور صحیح معنی میں ہماری صبح اب ہوئی ہے - شعر میں غزل کا امتیازی رنگ بھی اثر آفرینی اور اظہار حقیقت کے ساتھ موجود ہے - اس لیے ہم اس شعر کو غزل کا بہترین شعر قرار دیتے ہیں -

یہی بات تقریباً اردو کے شعر میں ہے - صرف زبان کا فرق اور طویل بحر میں ہوتے ہوئے شعر میں بلاکی چاشنی عشق ، کیفیت اور دل کشی پائی جاتی ہے- اس لیے اردو کے شعر کو بھی کسی اعتبار سے کم درجہ کا نہیں کہہ سکتے -

====XXX====

فارسی   گفتم اے نازنین نکو گفتی   سحر حسنت فزوں تر از جادو است

اردو   تجھ سا تو کوئی حسن میں یاں نازنیں نہیں

یوں (۱) نازنیں بہت ہیں، پہ ناز آفریں نہیں

---

(۱) اصل نسخہ میں " یوں نازنیں" کی جگہ " یوں تو نازنیں" لکھا ہے -

فارسی کے شعر میں زبان کی صفائی ، خوبی اور اظہار بیان میں اختصار بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی اہل زبان کا شعر ہے ۔ دوست کا یہ کہنا کہ میرے حسن کے آگے جادو کیا چیز ہے ، شعر میں مذکور نہیں ہے ۔ لیکن عاشق کے اس کہنے سے کہ " گفتم اے نازنین نکو گفتی " سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ دوست نے یہ دعوی کیا ہے کہ میرا حسن جادو سے زیادہ موثر ہے ۔ یہ ایجاز بیان بڑے مشاق اور قادرالکلام شاعر ہی کے ہاں مل سکتا ہے ۔ اردو میں دوست کو نازنین کہا ہے اور صرف ایک لفظ کے ذریعہ سے دوست کی تمام حسینوں پر برتری ثابت کی ہے یہ بھی کمال بات ہے ۔ معمولی شعر گوایسے فن اور صنعت شعری کا ایسا کمال نہیں دکھاسکتے، فرماتے ہیں کہ اے دوست دنیا میں نازنین بہت ہیں لیکن تجھ سا کوئی نہیں ہے ۔ اس لیے کہ دوسرے صرف نازنین ہیں اور تو نازنین ہونے کے ساتھ ساتھ نازآفرین بھی ہے

اس اعتبار سے اردو اور فارسی دونوں اشعار کا انداز بیان ندرت لطافت اور کمال فن کا نمونہ ہے ۔

=====XXX=====

فارسی   ہر کہ حسن گل دہد راحت بجان عندلیب
بہر آن باشد بہ گلشن آشیان عندلیب

اردو   بہار آئی ہے کیا ہر شاخ گل پر لے مکاں اپنا
بنا اب تو بھی اے بلبل چمن میں آشیاں اپنا

فارسی کا شعر زبان کی روانی اور شگفتگی اور انداز بیان کی دلکشی کا حامل ہے اور بیان حقیقت کا نمونہ ہے ۔ بہار آئی ہے ، پھول کھل گیے ہیں اور عندلیب نے گلشن میں اپنا آشیانہ بنالیا ہے ۔ اس کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ بلبل کو حسن گل کے نظارہ ہی سے راحت حاصل ہوتی ہے ۔ اس لیے بلبل اپنا آشیانہ شاخ گل پر ہی بناتی ہے ۔

اردو کے شعر میں بھی اسی مضمون کو بہترین انداز میں بیان کیا ہے جو روانی اور شگفتگی فارسی کے شعر میں پائی جاتی ہے وہی روانی و شگفتگی اور زبان کی خوبی اردو کے شعر میں بھی اسی قدر موجود ہے ۔

مزید چند اشعار سلسلہ خط میں

فارسی　ز شربت تو اکنوں من بجد بیں لطف می نازم

که یار آمد ، دل آمد ، راحت آمد ، انبساط آمد

اردو　لطف شربت جو عشق اس کے نے آغاز کیا　ہمنے تعظیم کی اور جھپ (۱) دردل باز کیا

====XXX===

فارسی　یک طرف گل کرد شاخ خرمی ، وز جانبے　باہزاراں تازگی مثل نشاط آمد بہار

اردو　نکالے اس سے گل میوہ شاخ وبرگ وبار　سب اسکے لطف وکرم کے ہیں طرح یہ انعام

====XXX===

فارسی　ابتسام غنچۂ دل از نسیم انبساط　شد چناں ظاہرکہ خند و غنچۂ گل دربہار

اردو　شاید اس غنچہ دہن کو ہنستے دیکھا باغ میں

اب تک غنچہ بلائیں لیتا ہے چٹ چٹ چٹا

===XXX====

فارسی　کسے را کہ حسن کسے دل ربا بہ　ہیں چیست ، رشک پری می نماید

اردو　جو کچھ حسن ہیں اس کی خاطر ہے نازک　پری میں کہاں ایسی نازک مزاجی

====XXX===

فارسی　کی روا باشد کہ من ہرلحظہ باشم درخمار　دیگراں از چشم میگوں توہست ، اے نازنیں

اردو　پھر وہ چشم مست ادھرکو میل کرتی ہے دلا　یاد ہے اسکا نشہ کچھ ، یہ وہی مے خانہ ہے

====XXX====

فارسی　نقش مہرت در دل من خوش نشست اے نازنیں

دمبدم شوق ملاقات تو ہست ، اے نازنیں

اردو　اور ادھر سے چاہت بڑھی ، یوں ہنس کر بولی واہ جی واہ

اچھے چلیے یار سے ملیے اب تو بہت آرام کیا

---

(۱)　آج کل " جھپ " کی جگہ " جھٹ " مستعمل ہے ۔

فارسی نظیر از حسن خوئے نازنینان — بہ تلخی ہم بود از شہد شیرین

اردو (اٹھائے) ناز خوباں کے بہاروں حسن کی دیکھیں — مزا دشنام اور بوسے کا بھی اکثر لیا ہم نے

====XXX====

فارسی عرق آلودہ پیراھن نظیر از جسم محبوباں — دماغ دل معطر می کند ، خوش صحبت خوباں

اردو گلبرگ سے ناز کہ بدنوں سے رشک چمن — زریں و سبھی پیراھن دل کش مکانوں کے مکیں

====XXX====

فارسی حنائے دست نہاید در دوپٹہ(1) بخودی — چہ سود لعل دہقان بہ بود ؑ شہم

اردو ہاتھاس کے حنا بستہ ایسے ہیں کہ دیکھ ان کو

سینہ کئی عاشق کا ناخن سے چھلا ہوگا

====XXX====

فارسی نظیر لطف جمال است این کہ غنچۂ طبع — بوصف گلبدناں می شود شگفتہ چو گل

اردو وہ غنچہ دہن جس کو اک دم بھی ملا ہوگا

دل گل کی طرح اس کا پہلو میں کھلا ہوگا

====XXX====

فارسی ز انگشت تو خوبی ھا بخود انگشتی دارد — بگرد حلقہ اش گردم ، عجب زیبائی دارد

اردو ہےجو اس محبوب کے انگشتری در دست چپ

رکھتی ہے کیا کیا نزاکت پوری در دست چپ

====XXX====

فارسی این زلف گل عذاراں بہتر زدام یاراں — دردام یک دو طائر در حلقہ اش ہزاراں

اردو دل ، بخش کر اس کی زلفوں میں تدبیر رہائی کی مت کر

کب چھوٹا اس کے دام سے تو، وہ دانا ہے، نادان نہیں

====XXXX====

---

(1) فارسی شعر میں لفظ " دوپٹہ " اردو زبان کا استعمال کیا ہے -

فارسی   گر وفا را تو شناسی بی اقرار بکن   تا بگویم که من از راه وفا آمده ام

اردو   کوئی بولا ، تیرے مظہر کو وہ جھڑک دیا ، تو کہاں جاں

دل و جان سے مجھ پہ فدا ہے وہ، اسے کس طرح میں خفا کروں

===XXX====

فارسی   من مظہرم تو کنون خواه بکش خواه به بخش   بہر نظاره ات ای مہر لقا آمده ام

اردو   تو ہزار مجھ کو ستا ہی ، تری چاہ مجھ سے نہ چھوٹے گی

مرے دل کی ٹوٹے بہی خوشی ، تو جفا کر میں وفا کروں

===XXX===

فارسی   صیاد صید را بفریبی ربوده است   از دام رفته است چنین غمز بوده است

اردو

دام میں پھنس کر غلط فہمی ہے کہنا ، چھوڑ دو   پھر جو یہ کہیے نہ کہیے اب رہا ، یہ بھی غنیمت

====XXXX====

فارسی   از غریبت دلم آزرده نباشد چه حساب   خویش را از غلطی خوش گمان نتوان کرد

اردو   تفاوت کچھ نہیں گلچیں میں، اور بیدرد خوباں میں

جو اس کے ہاتھ گل ٹوٹے ، تو ان کے ہاتھ دل ٹوٹے

====XXX====

فارسی   حسن که یافت تنها از آن گل خوبی(۱)   دلم چو لاله و گلنار از سرور شگفت

اردو   سوچیں ، ایک فقط مکھڑے میں اس کے حسن ظاہر   جب یہ صورت ہو تو پھر کس کو چمن یاد رہے

====XXX===

فارسی   کج روی خوب نباشد ، و گرت خوش آید   تاهم ای غنچه دهان ، سرو روان نتوان کرد

اردو   ہزاروں کا لہان دیں ، پھر واعظ کر ادھر دیکھا   بھلا ، اتنی تنگی سے پھولے دل کے کب پھوٹے

====XXX===

---

(۱)   اصل نسخه میں شعر کا پہلا مصرع اس طرح ہے :

" ازین که تنها نم یافت آن گل خوبی "

فارسی   کہ چنیں پاشود از تو بوفا اندیشان   خود بفرما کہ شکایت بچسان نتوان کرد

اردو   دل دیا اور کیوفا اس کی جفاؤں پر نظیر   غور سے دیکھا تو یہ اپنی ہی تقصیریں ہیں دو

====xxxx====

فارسی   قوت طبع رسانی چونداری بہ کسے   این ہم از سود شناسی کہ زیان نتوان کرد

اردو   نقصان کرے نقصان ملے احسان کرے احسان ملے

جو جیسا جس کے ساتھ کرے پھر ویسا اس کو آن ملے

ooooooooo

نیاز ، شاہ نیاز احمد :

شاہ نیاز احمد (رحمتہ اللہ علیہ) نام اور نیاز تخلص تھا - آپ (۱) ۱۱۵۵ھ/ ۱۷۴۲ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد حاجی حرمین شریفین حضرت حکیم شاہ رحمت اللہ علوی (۲) نقشبندی سلسلہ کے بزرگ تھے - آپ کے اسلاف بخارا کے حاکم تھے - حضرت شاہ آیت اللہ علوی ترک سکونت کر کے ہندوستان تشریف لے آئے تھے - آپ کے والد ۱۱۲۰ھ مطابق ۱۷۴۷ء میں دہلی منتقل ہوگئے اور نیاز احمد کو مولانا فخرالدین محمد دہلوی کی تربیت میں رکھا گیا- آپ ایک وسیع النظر عالم دین تھے، دہلی میں آپ شغل درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ساتھ مرشد طریقت اور مرجع خواص و عوام تھے اور مخلوق خدا آپ کے فیض روحانی سے فیض یاب ہوتی تھی-

حضرت شاہ نیاز نے حضرت مولانا محمد فخرالدین دہلوی چشتی سے استفادہ کیا- علوم ظاہری سے فراغت حاصل کی اور حضرت فخر کے دست مبارک پر (۳) ۱۹ سال کی عمر میں بیعت فرمائی اور اس طرح چشتیہ سلسلہ سے منسلک ہوگئے -

---

(۱)   شفیق بریلوی ، (مرتبہ) " دیوان نیاز " ، کراچی : ملت پرنٹنگ پریس ، ۱۳۸۹ھ ، ناشر - تنظیم خدام سلسلہ نیازیہ کراچی ، ص ۱۲ ؟

(۲)   نیاز بریلوی ، " دیوان " ، مطبوعہ نول کشور ، ۱۸۸۲ء ، ص ۳۸

(۳)   ایضاً ص ۳۸

حضرت شاہ نیاز نے مولانا فخر کے مدرسہ میں دینی تعلیم دینے کا سلسلہ بھی شروع کردیا اسی درسگاہ میں مشہور شاعر غلام ہمدانی مصحفی کو بھی آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا اور علم صرف کی کتاب " میزان" پڑھی -

حضرت فخر نے آپ کو دستار خلافت عطا فرمائی - بانس بریلی کو مسکن بنانے کی ہدایت فرمائی -

نیاز صاحب ایک مقام پر سلسلہ نقشبندی کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہوتے ہیں:

نکتۂ تحقیق بشنو از نیاز بے نیاز

کیں ہمہ نقش دو عالم نیست الا نقشبند

شاہ نیاز صاحب نے ۶/ جمادی الثانی ۰ ۱۲۵۰ھ / اکتوبر، ۱۸۳۴ع وصال فرمایا-
نسخہ نول کشور میں لکھا ہے " وصال ایشان بعمر هفتاد و هفت سالہ بشهر بانس بریلی ، تاریخ ششم ماہ جمادی الثانی ، ۱۲۵۰ھ واقع شدہ شاعرے از ولایت ایران تاریخ وصال ایشان گفتہ فرستادہ بود " (۱) ہم بھی شعر درج کرتے ہیں :

شہ نیاز احمد امام اہل راز	کاشف رمز حقیقت هم مجاز
از جہاد دو میں بہ ششمیں	کوسو ئے خلد بریں آمد فراز

سال وصلش ہاتفی گفتا زغیب

قطب ابود خاص احمد شہ نیاز (۲)

ان کا مزار بانس بریلی میں ہے -

حضرت شاہ نیاز احمد نیاز کا مجموعہ کلام عشق حقیقی کی دولت سے مالا مال ہے- جا بجا رموز تصوف کو آشکارہ کیا ہے - جو کچھ کہا ہے عشق کی کیفیت سے سرشار ہوکر اور عشق الٰہی میں ڈوب کر کہا ہے - اس لیے کلام میں سوز و گداز ہے - کلام میں وحدت والوجود اور وحدت الشہود کے مسائل پر جا بجا اظہار خیال کیا ہے -

---

(۱) نیاز بریلوی ، " دیوان" مطبوعہ نول کشور، ۱۸۸۲ع ، ص ۳۸

(۲) نیاز بریلوی محولہ بالا ص ۳۸- شاہ نیاز ۱۱۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور قطعۂ تاریخ کے حساب سے ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا اس طرح وہ ۷۷ سال نہیں کل ۹۵ سال زندہ رہے ، اگر سال پیدائش غلط نہیں ہے - ورنہ سال پیدائش ۱۱۷۳ قرار پائے گا -

شاہ نیاز کوئی پیشہ ور شاعر نہ تھے، نہ مشاعروں میں غزل پڑھتے تھے اور نہ کسی کی تعریف میں قصیدہ، اپنے وقت کے اہل اللہ تھے لہٰذا عشق الٰہی اور معرفت کے جذبات اور احساسات سے جب کبھی بے اختیار ہوجاتے تو معرفت اور عشق الٰہی کے خیالات شعر کا جامہ پہن لیتے تھے - لہٰذا ان کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے تو اس دور کی تمام خصوصیات کا حامل ہے لیکن تصوف اور عرفان کے مضامین کے اعتبار سے سب سے ممتاز ہے اور کلام میں بڑی تاثیر اور سوز و گداز کی کیفیت پائی جاتی ہے- جس کی قدر شعراء اہل حال ہی جانتے ہیں - ویسے آپ کے کلام میں حمد، نعت، منقبت، اور تصوف کے تقریباً تمام ہی موضوعات آپ کے مختصر دیوان میں پائے جاتے ہیں -

کلام شاہ نیاز کے چند اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ:-

فارسی   شنید می ہمہ صدق و دیدمی ہمہ حق   کہ گوش من ہمہ اوست و چشم من ہمہ اوست

اردو   ازل سے ابد تک جو کثرت ہے پیدا   سو وحدت کا دریا رواں دیکھتا ہوں

فارسی کے شعر میں فنا کے مضمون کو بیان کیا ہے - فنا کی اسلامی تعلیم کی رو سے یہ تعریف ہے کہ انسان اپنے وجود کے کسی عضو اور کسی قوت کو اپنی خواہش اور ارادہ سے کام میں نہ لائے بلکہ اپنی ہرقوت کو خدا کے ارادے اور خواہش کے ماتحت استعمال کرے - جب آدمی اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو پھر خدا اس کی آنکھ، اس کے کان اور اس کے ہاتھ پیر بن جاتا ہے- اب گویا وہ اسی کی آنکھوں سے دیکھتا، اسی کے کانوں سے سنتا، اسی کے ہاتھوں سے چھوتا اور اسی کے پیروں سے چلتا پھرتا ہے اور جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کی شنید صدق اور اس کی دید حق ہوتی ہے - کیوں کہ اب وہ نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے نہ اپنے کانوں سے سن رہا ہے -

اردو کے شعر میں وحدت و کثرت کا تضاد و تقابل ضرور ہے مگر شعر میں ہمہ اوست یا وحدت الوجود کو نہایت خوب صورتی اور دل نشیں انداز سے بیان کیا ہے - فرماتے ہیں کہ اگرچہ بظاہر ازل سے ابد تک ایک کثرت بے پایاں نظر آتی ہے لیکن اگر حقیقت بیں نظر سے دیکھا جائے تو وحدت ہی کا دریا رواں دواں نظر آئے گا یعنی ایک ہی ذات ہے جو اپنے

جلوں کو مختلف شکلوں میں دکھارہی ہے کہیں کچھ نظر آرہی ہے اور کہیں کچھ - جس طرح قطرہ موج اور حباب کی کثرت سے دریاکی وحدت میں کوئی فرق نہیں آتا اسی طرح ہستی مطلق کے بحرنا پیدا کنار میں اس کثرت کی وجہ سے اس کی وحدت میں کوئی فرق نہیں آسکتا -

====xxx====

فارسی خود عاشق خود ہستم و مشتاق لقایم درشکل مجاز آمدہ ام تب و تابم (۱)

اردو پھنسائے دام الفت گھرگھر آتے ہم ہیں گرصید ہیں تو ہم ہیں صیاد ہیں تو ہم ہیں

دونوں اشعار میں وحدت الوجود کے مسئلہ کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے ۔گویا اس تمام عالم میں اسی ایک ذات کی جلوہ گری ہے - اور یہ تمام موجودات اسی کے شیون و صفات اور آثار کا مظہر ہے تو شاعر کا یہ کہنا کہ میں خود اپنا عاشق ہوں اور اپنے ہی دیدار کا مشتاق بن کر اس عالم مجاز میں عاشقانہ تب و تاب کی عاشقانہ شان کے ساتھ آیا ہوں -

اسی طرح اردو کے شعر میں ایک دوسرا ہی پیرایہ بیان اختیار کیا ہے وہ یہ کہ ہم نے دام الفت پھیلا یا ہے اور پھر ہم ہی گھر گھر کر دام الفت میں آ پھنسے ہیں- اور حقیقت دیکھئے تو صید اور صیاد ہم ہی ہیں فرق اتنا ہے کہ کہیں صیاد کا روپ دھارتے ہیں تو کہیں صید کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں -

دونوں شعر اپنے اپنے انداز میں خاص ندرت رکھتے ہیں اور دونوں کو مختلف پیرایہ بیان کے ساتھ بڑی عمدگی سے پیش کیا گیا ہے-

====xxx==== مزید چند اشعار مسلو خطہ ہوں

فارسی اگر تو دفتر اسلام و کفر پارہ کنی یقین شود بتوکین شیخ وبرہمن ہمہ اوست

اردو جو رب الحرم ہے صنم بھی وہی ہے حرم دیر میں ایکساں دیکھتا ہوں میں

====xxx====

---

(۱) اصل نسخہ میں " تب و تابم " کی بجائے " باعث و تابم " ہے-

فارسی   عین هستی خود توئی پس از تو چون منکر شویم

حجت هستی تست این هستی انکار ما

اردو   یہ تیری جلوہ گریاں آنکھوں میں چھا رہی ہیں

پیاری ادائیں تیری دل میں سما رہی ہیں

===XXX===

فارسی   چشم ما را یک نگہہ بر نرگس مستش فتاد   بیخود و دیوانہ شد فرزانہ و ہشیار ما

اردو   کام ہوجائے تمام اس کا پڑی جس پہ نگاہ   کشتۂ چشم کو پھر حاجت صمصام نہیں

===XXX===

فارسی   لنگ شد پائے خیالم بشمارہ خواہشت   سالہا داشتہ درکوئے شما آمد و رفت

اردو   ہائے رے ہائے یہ چلی جاتی ہے یوں فصل بہار

کیاکروں بس نہیں اپنا وہ صنم رام نہیں

====XXX====

فارسی   درون آئینہ خویش تا خدا دیدم   بسوئے خود نگرانم دگر نمی دانم

اردو   دریائے دل سے اٹھتی ہے موج الوہیت   رہتی ہے جی میں شور انا اللہ کی امنگ

====XXX====

فارسی   دارم بہ طبع میل سخن سنجی اے نیاز   خواہم کہ یک دو شعر دگر خوانم این چنین

اردو   بھلا اک غزل اور بھی ایسی کہیو   تجھے میں فصیح البیان دیکھتا ہوں

====XXX===

فارسی   نیسان شکستہ قدر و گہر مبتذل شود   از کان دیدہ گر گہر افشانم این چنین

اردو   رشک میں ہیں مرے آنسو سے تری در یتیم   مت گہر ریزی پہ ہو نازش نیسان نازاں

====XXX====

فارسی   رہ حق سر گردن آسان نیست جز رفتن زسر   اندرین رہ بایدای دل ہمت مشکل پسند

اردو   بے سروپائی سے عشاق کو خطرہ کیا ہے   اثر عشق ہے یہ گردش ایام نہیں

====XXX====

مومن، مومن خاں (حکیم) :

حکیم مومن خاں مومن ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰-۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے - آپ دہلی کے مشہور طبیب خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کے دادا حکیم نامدار خاں شاہ عالم کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور دہلی کو اپنے مسکن قرار دیا- مومن کے والد غلام نبی خاں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے - مومن خاں شاہ صاحب ہی کا تجویز کیا ہوا نام ہے ، اور شاہ صاحب ہی کی برکت سے یہ نام شہرت دوام کا مظہر ہوا-

مومن نے عربی ادب کی تعلیم شاہ عبدالعزیز صاحب ، شاہ عبدالقادر صاحب اور مولانا عبدالکریم صاحب سے ، اور فارسی ادب کی تعلیم عبداللہ خاں علوی سے حاصل کی- مومن علم نجوم میں درک اور شطرنج کے کھیل سے شغف رکھتے تھے ، طبابت کا کام موروثی تھا- غلام نبی اور ان کے خاندان کے دیگر دو اطبا کو ایسٹ انڈیا کمپنی سے وظیفہ ملتا تھا ، والد کے انتقال کے بعد مومن خاں کو بھی سو روپیہ (۱۰۰) ماہوار وظیفہ ملتا رہا ، مومن تادم حیات اپنے آبائی پیشے طبابت ہی سے منسلک رہے -

مومن کو بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق تھا- طبیعت کی رنگینی مزاج کی شوخی اور خیالات کی ندرت نے انھیں رنگ تغزل بخشا- وہ درد مند دل اور حساس طبیعت کے مالک تھے، پھر اس دور کے ناساعد اور پر آشوب حالات نے ان کے خیالات کو وسعت اور ان کی شاعری کو جلا بخشی -

مومن پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی نظموں کے ذریعہ قوم کو بیدار کیا- انھوں نے جا بجا اپنی نظموں میں قوم کو آزادی کی راہ پر گامزن ہونے کی تلقین کی - وہ سید احمد شہید بریلوی کی تحریک سے بہت متاثر تھے، اور انگریزوں کی غلامی سے ملک کو نجات دلانا چاہتے تھے -

مومن نے ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱-۵۲ء میں وفات پائی - مرزا غالب نے مومن کے مرنے پر

یہ رباعی کہی :(۱)

شرط است کہ روئے دل خراشم ہمہ عمر — خونابہ بہ رخ زدیدہ باشم ہمہ عمر
کافر باشم اگر بہ مرگ مومن — چون کعبہ سیہ پوش دہ باشم ہمہ عمر

خصوصیات کلام مومن :

مومن اور ذوق دونوں ابتداً میں شاہ نصیر کے شاگرد رہے لیکن دونوں نے ایسی راہ اختیار کی جو استاد کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی ۔ ذوق نے تو سنگلاخ زمینوں میں قصیدے و غزلیں لکھ کر استاد کی پیروی کا ثبوت دیا بھی ہے لیکن مومن کے یہاں تو استاد کے رنگ کی معمولی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی ۔

نازک خیالی :- مومن نے غزل میں نازک خیالی اور مضمون آفرینی کے کمالات دکھائے ہیں ان کا عشق، عشق مجازی ہے ان کا کلام تصوف کی چاشنی سے خالی ہے۔

فارسی زبان کے متاخرین شعراء کا امتیازی وصف نازک خیالی اور مضمون آفرینی ہے، جس میں انہیں یہ کمال حاصل تھا کہ معمولی خیال کی بنیاد پر فلک بوس عمارت کی تعمیر کر دیتے تھے ۔ فغانی نے اس کی بنیاد رکھی ۔ ہندوستان میں عرفی و نظیری نے اس کو ترقی دی اور بیدل نے اس کو عروج بخشا ۔ مبالغہ اور ایہام سے اشعار میں حسن اور استعارات و تشبیہات کی مدد سے بلند مفاہیم کو مختصر عبارت میں بیان کر کے کلام میں رنگینی پیدا کی جاتی تھی ۔ مومن بھی فارسی شاعر تھے لہٰذا وہ بھی اس طرز سے متاثر ہوئے اور اردو زبان کو بھی اس گراں قدر خوبی سے مالا مال کیا ۔ نازک خیالی میں مومن اور غالب مسلم الثبوت استاد سمجھے گیے ، دو تین شعر بطور تمثیل پیش ہیں :

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

---

(۱) فرخ، عبدالرحمان (مرتبہ)، "فارسی گو شعرای اردو"، کراچی: انجمن پریس، ۱۹۷۱ء، ص

خار بستر پر شب ہجر بچھاؤں کیوں کر
دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر پہلو نہیں

<u>تغزل</u> :- مومن اردو اور فارسی شاعری میں بلحاظ تغزل اس اعلی مرتبہ پر فائز ہیں کہ جہاں تک رسائی حاصل کرنا آسان نہیں ہے - فارسی شعرائے متاخرین کی غزلیات میں، فلسفہ، اخلاق اور تصوف بھی تغزل میں شامل سمجھے جاتے تھے لیکن مومن نے انھیں تغزل سے خارج سمجھ کر اپنی اردو اور فارسی غزلوں میں جگہ نہیں دی - حالاں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اردو و فارسی غزل گو شعرا کی غزلوں میں سب کچھ موجود ہے مگر تغزل ہی کا فقدان ہے- غزل کی بنیاد ان واردات قلبی پر رکھی جانی چاہئے جو عشق و محبت کے ذیل میں آسکیں اگر کہیں ضمناً دوسرے مضامین کا ذکر آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں - فلسفہ، اخلاقیات اور تصوف جیسے مضامین کے اظہار کے لیے دوسری اصناف سخن اختیار کرنا مناسب ہے اس کے برعکس روش یہ ہے کہ ہر خیال کو غزل کی زینت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے جو درست نہیں - مومن مجاز کو حقیقت کے رنگ میں پیش کرنا گناہ سمجھتے ہیں اسی لیے انھوں نے تغزل کے اصل مفہوم کو غزل کے لیے مختص کردیا ہے اور یہی ان کا خاص وصف ہے اسی کو وہ شاعری کا کمال اور طرہ امتیاز سمجھتے ہیں - اگرچہ اس طرح غزل کا دائرہ تنگ ہوگیا ہے مگر انھوں نے باوجود اس تنگ دامنی کے افکار و خیالات میں ایسا تنوع پیدا کیا اور ایسی جولانی طبع دکھائی کہ معاصرین سے سبقت لے گیے اور بہترین غزل گو کہلائے - غزل میں صرف مرزا ان کے ہمسر رہے - ان کا تمام کلام ان کی واردات قلبی کا مظہر ہے - انھوں نے کبھی خود کو صوفی پیش نہیں کیا- ان کی شاعری خاص دہلوی انداز میں داخلی کیفیات کا اظہار ہے - یہی وجہ ہے کہ اس میں حد درجہ حلاوت اور لگاوٹ موجود ہے -

مومن کا فارسی دیوان ۱۲۷۱ھ میں ان کے عزیز حکیم احمد احسن اللہ کی زیرنگرانی دہلی سے طبع ہوچکا ہے جو ان کے قادرالکلامی کی واضح دلیل ہے - اس میں کوئی شک نہیں کہ مومن کے فارسی کلام میں بھی تغزل اور جدت ہے جس کی بنا پر وہ صف اول کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں مگر فارسی شاعری میں غالب کا مرتبہ بہت بلند ہے -

جناب پروفیسر ضیاء احمد ضیاء صاحب مقدمۂ دیوان مومن میں بڑی تحقیق و تدقیق کے

بعد مومن کے متعلق اظہار خیال فرماتے ہیں ۔ " وہ شاعری کے داخلی پہلو اور حسن تغزل کے اعتبار سے ایک بلند پایہ شاعراور فارسی ادبیت کے لحاظ سے بھی ایک ممتاز استاد ہیں، ان کے معاصرین میں صرف مرزا غالب ہی ایک شاعرہیں جو فارسی غزل گوئی میں ان کے ہمسر بلکہ بعض اعتبار سے ان سے بہتر ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مرزا کو فارسی سے فطری ذوق تھا اور مشق کامل تھی رہے مومن انھوں نے فارسی و اردو شاعری کو دل کی امنگ سے اختیار کیا اور کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا۔" (۱)

" غزلیات فارسی کا وہی انداز ہے جو اردو غزل کا نازک خیالی اور بدیع الاسلوبی واردات عشق کا بیان اور طرز ادا کی لطافت اس قدر ہے کہ ان کی غزل تغزل کی پوری ترجمانی کی جاسکتی ہے ۔ رہے فلسفہ و تصوف ، ان کو کوئی غزل کے حدود میں شامل جانے یا نہ جانے مومن حدود غزل سے خارج مانتے ہیں ۔" (۲)

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی صبح شب فراق ز قتل عدو مگو یک عمر آرزوی قضا کردہ ایم ما

اردو قتل دشمن کا ہے ارادہ اسے یہ سزا اپنی جاں نثاری کی

عشاق اپنے صبر و تحمل اور جفا پسندی کی تصریح کیا کرتے ہیں اور رقیب کے عشق اور وفا کو تصنع اور ریا پر محمول کرتے ہیں ۔

مومن خاں نے اپنے دونوں شعروں میں کچھ اسی قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے لیکن ساتھ ہی رشک کا مضمون بھی پیدا ہوگیا ہے جس میں مومن خاں کو امتیاز حاصل ہے ۔

فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ اے دوست شب فراق کی صبح جو تونے قتل عدو کے بارے میں اپنا ارادہ ظاہر کیا ہے تو یہ بات ہمارے لیے شب فراق سے بھی زیادہ شاق ہے۔ ہم تو اس امید میں اپنی زندگی قربان کرچکے ہیں کہ کب وہ دن آئے گا کہ محبوب اپنی ادائیں دکھاکر ہمیں قتل کرے گا۔ ہماری غیرت عشق کب یہ گوارہ کرسکتی ہے کہ یہ سعادت دشمن کو

---

(۱) ضیاء احمد ، (مرتب) " دیوان مومن"، الہ آباد : شانتی پریس ، ۱۹۳۴ء ، (مقدمہ) ، ص ۶۵

(۲) ضیاء ضیاء احمد (مرتب) مقدمہ محولہ بالا ص ۶۴

صبب ہوجاتے ۔

اردو کا شعر بالکل فارسی شعر کی تفسیر معلوم ہو رہا ہے اور بڑا حسین طنز لیے ہوئے کہ ہم تو اپنی جان نثاری کے صلہ میں وفا کی آرزو رکھتے تھے محبوب نے ہمیں خوب سزاوار ٹھہرایا ہے ۔ اردو کے شعر میں بڑی ندرت صفائی اور بے باکی ہے ۔ اس شعر میں قلبی کیفیت کا عکس نظر آرہا ہے ۔ عاشق کو اپنے ارمانوں کا خون ہوتا ہوا نظر آرہاہے جس کی وجہ سے بے ساختہ یہ شعر اس کی زبان سے ادا ہوگیا ہے جو نازک خیالی اور تغزل کا حسین مرقع ہے اس لیے فارسی کے شعر سے بہتر ہے ۔

====XXX====

فارسی بیکسی بگر کہ بر تابوت من چشم گریانست خاص و عام را

اردو آتا ہے بیکسو پہ تو جلاد کو بھی رحم روتی ہے شمع آپ سرکشتگاں شمع

فارسی کے شعر میں دوست سے خطاب کرتا ہے کہ اے دوست کم سے کم میرے تابوت پر آکر میری بیکسی تو دیکھ لے کہ ہرشخص میری بے کسی پر رو رہا ہے ۔ اس شعر میں جہاں بے کسی کا بیان ہے وہاں ایک لطیف حسن طلب بھی ہے کہ دوست کو بیکسی کا تماشا دیکھنے کے بہانے سے اپنے تابوت پر بلاتا ہے ۔

اردو کے شعر میں دوست سے مخاطب ہیں کہ اے دوست ، بے کسی پر تو جلاد کو بھی رحم آجاتا ہے مگر تجھ کو میری بے کسی پر بھی رحم نہیں آتا ۔ جلاد کے رحم آنے کی مثال شاعرانہ انداز میں اس طرح دی ہے کہ پروانے جو شمع پر قربان ہوکر جان دیتے ہیں، ظاہر میں ان کی ہلاکت کا باعث شمع ہے اسی لیے کہ شمع پروانوں کے حق میں جلاد ہے مگر دیکھیے کہ پروانوں کی ہلاکت کے بعد شمع ان کے سرہانے کھڑی روتی ہی رہتی ہے کہ ظالم تجھے مجھ بے کس پر رحم نہیں آتا ۔

====XXX====

فارسی ز عشق و عقل تفاوت نہیں قدردانم کہ رفتہ ناصح من باشد امتیاز خجل

اردو

اردو   نہ مانوں گو(۱) نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا

کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا

ناصح کی نصیحت کے غیر مؤثر ہونے کو ہر شاعر نے بیان کیا ہے۔ مومن خان نے بھی اس خیال کو اپنے خاص انداز میں ادا کیا ہے ۔ لیکن اردو کے شعر میں جو لطافت اور ندرت پائی جاتی ہے فارسی کا شعر اس خوبی سے خالی ہے۔

فارسی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ شاعر نے عشق کو عقل پر ایک نئے انداز سے ترجیح دی ہے وہ یہ کہ ناصح باوجود امتیازی شان کے ہم سے شرمندہ ہوکر گیا ۔ اس لیے کہ باوجود عقلی دلائل کے عشق کے مقابلہ میں اسے اپنی ناکامی کا اعتراف کرنا پڑا اور وہ شرمندہ ہوکر گیا کیوں کہ عشق کی باتوں کے مقابلہ میں اس کی پھسپھسی باتوں کی کچھ پیش نہ گئی ۔

اردو کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میں ناصح کی نصیحت نہیں مانوں گا لیکن اس کی نصیحت سننے پر اس لیے مجبور ہوگیا کہ وہ ہر ایک بات میں دوست کا نام لیتا تھا ۔ اور ایک عاشق دوست کا نام سننے کا کس قدر مشتاق ہوتا ہے ۔

اردو کا شعر اسی خاص پرلطف اور نادر انداز بیان کی وجہ سے فارسی کے شعر سے بہتر ہے ۔

===XXXX====

فارسی   دل را فریب وعدہ بدہ گو وفا مکن   باشد تسلی شود این ناشکیب را

اردو   خلاف وعدہ فرداکی ہم کو تاب کہاں   امید یک شبہ ہے یاس جاوداں کے لیے

دوست کو شعراء نے بے وفا اور وعدہ خلافی کرنے والا باندھا ہے کہ دوست جو وعدے کرتا ہے وہ وعدے ہی ہوتے ہیں مگر وفا نہیں ہوتے ۔ مومن خان نے اردو اور فارسی دونوں شعروں میں اس مضمون کو نئے اسلوب سے باندھا ہے اور پھر دونوں اشعار کا پیرایہ بیان بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے ۔ فارسی کے شعر میں کہتا ہے کہ اے دوست تو خداراہ وعدہ وفا نکر مگر

---

(۱)   اصل نسخہ میں نہ مانوں گو نصیحت کی جگہ " نمانوںگا نصیحت " درج ہے ۔

وعدہ تو کر - شاید اس فریب وعدہ ہی سے ہمارے دل کو تسلی ہوجائے - فارسی کے شعر میں لفظ باشد سے بڑی خوبی پیدا ہوگئی ہے -

شاعر اردو کے شعر میں بالکل نئی بات کہتا ہے کہ دوست نے وعدہ فردا کیا ہے لیکن ہم اس کے اس وعدۂ فردا کی مخالفت کیسے کرسکتے ہیں - کہ یہ ایک رات کی امید تو ہم کو یاس جاوداں کے بدلے میں حاصل ہوتی ہے -

اردو کا شعر اپنی جدت بیان اور تاثیر کے اعتبار سے فارسی سے بہتر ہے -

====XXX====

ذیل میں مزید چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی   اگر بدست من افتد فلک زنم بر خاک   چناں کہ شیشۂ من محتسب زند بر سنگ

اردو   اے محتسب نہ توڑیو شیشے کو دیکھنا   آتی ہے مجھ کو سنگ دل دل شکن کی یاد

===XXXX====

فارسی   دلم ربود بت شکنہ داں بیا ناصح   فتادہ کار محبت بدانش و فرہنگ

اردو   کیا کروں کیوں کر رکوں ناصح لگا جاتا ہے دل

بس کیا چلتی ہے اس سے جس پر آجاتا ہے دل

====XXX====

فارسی   ہنگام بہار [خزاں] گلستاں جہاں را   روزے کہ خیال رخ گلگوں رود از دل

اردو   خوش گل سے یاد آتی ہیں تری رنگینیاں   رنگ رفتہ سے یہی کیا رنگ لاتی ہے بہار

====XXXX====

فارسی   کارم فتادہ با صنمی سنگدل کجاست   آں شعلہ آتشی کہ جگر سوز طور بود

اردو   دل کی بیتابی سے ہر تپش زمیں فرسا   بہر خرمن گردوں ، شعلہ خونفشاں اپنا

====XXXX====

فارسی   ہم تاب وصل نیست من بے نصیب را   خود دشمن خودم نہ شناسم رقیب را

اردو   دشمن سے ہے چشم مہربانی   محروم نگاہ آشنا ہوں

====XXX====

فارسی دارم هنوز یک دو نفس جان من بیا   در پای درد مند بمردن قریب را

اردو جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گزرے   جو تجھ بہ بس وہ چلا اپنے جی سے بس گزرے

====XXX====

فارسی در رنج زندگی بخیال عدم خوشم   یاد وطن ز درد فزاید غریب را

اردو خود رفتگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں غربت جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سے ہے

===XXX====

فارسی یارب وفای وعده کجا ، بر اثر چه رفت   صد ره باضطراب دعا کرده ایم ما

اردو ہے دعا بھی بے اثر گیا کہیں   عرض عاشق کی پذیرائی نہیں

====XXX====

فارسی صیاد بر اسیری دل ناز، دام چیست   صید گرفته که رها کرده ایم ما

اردو چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی   ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

====XXX====

فارسی چسان بر ناله ام گوشی نهد بیدرد می داند   محبت های پنهان را شکایت هائی بیجا را

اردو گر کر زخمی مجھے نادم ہوں یہ ممکن ہی نہیں   گر وہ ہوں گے بھی تو بے وقت پشیماں ہوں گے

===XXXX====

فارسی از کف دشمن گرفتم جام را   می شناسم گردش ایام را

اردو لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو   بندے کا بھی سلام ہے ایسے سلام کو

====XXX====

فارسی چو دل بر دلبر شد و دلبر بر دشمن   افسانهٔ خود پیش که سر میکنم امشب

اردو ہر نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جانے ہے   یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے

====XXX====

فارسی هجوم رنج پریشان شد از امید وصال   ستم بجان غم اندوز کرده ام امشب

اردو ہے شام انتظار تماشائے سوختن   جلتے ہیں تا بہ صبح ادھر ہم ، ادھر چراغ

===XXX====

فارسی　رازدان هست عربده ناز تراس دانی　　مردم از رشک بدارای بجهان دریاب

اردو　غیر سے سرگوشیاں کرلیجئے بہرحرم بھی کچھ　آرزوھائے دل رشک آشنا کہنے کو ھیں

====XXX====

فارسی　تازچشم توچه دیدم که پشیمان رفتم　　به نگاهی که نه دریافتهٔ هاں (۱) در باب

اردو　دیکھ اشک لالہ گوں رقیب،اس نے ھنس دیا

دیکھا نہ میری دیدۂ خوں بار کی طرف

====XXXX====

فارسی　باغبان از من بگذر و بگذار که من　　گل پژمرده ام وگرمی بازارم هست

اردو　یہ گل ھیں داغ جگرکے انھیں سمجھ کر چھیڑ

یہ باغ سینۂ عاشق ھے گلستاں نہیں

ف

====XX====

فارسی　نازم به بے وفائی و بیدردیت که من　　حال تباه دارم و گوشی تباه هست

XXXXXXX=

اردو　پامال کیجیے شوق سے ہر بزم خاص میں　　اٹھائیجو کہ خاک مری در بدر نہو

====XXX====

فارسی صیاد مرا با قفس (۲) دوام چه حاجت　　پروانه صفت شمع رخت بال و پرم سوخت

اردو　داغ سینہ سے دل وجان و جگر سب پھک گیے

تھا چراغ خانہ ، ھم کو برق خرمن ھوگیا

====XXXX====

فارسی　شاخم شود سحر درد دلم کند اثر　　لیک یار بمن رسد مگر طاقت انتظار کو

اردو　تاثیر سوز دل کرۂ دار ھے مگر　　اس شعلہ رو کو سینے سے میں لگادیا

====XXX====

---

(۱)　فارسی شعر میں " هاں" اردو کا لفظ استعمال کیا ھے ۔

(۲)　اصل نسخہ میں"قفس و دام "کی جگہ " قفس بدادم درج ھے ۔

فارسی   دل ربودی و دادم چه مشکل افتاد است   مرا معامله صرف با همین دل افتاد است

اردو   دل لے کے وفا کسی پر قول تو دیا تھا   اے ستم تن آفت ہے تو مفت ہی اتنی

====XXX====

فارسی   خواهم زدرد بجهان اورا خبر نه باشد   ترسم فریب راهد عشق این قدر باشد

اردو   ایسے سے قدر مهر وفا کی امید کیا   جس کو هنوز اپنے ستم کی خبر نهو

====XXX===

فارسی   گل خار شد به بستر و می خون بجام شوق

یاد زمانه که تو بودی بکام شوق

اردو   دیکھتے هی گل نظر میں تیرا حسد بھڑکیا

آتش گل نے لگائی آگ اے گل رو همیں

====XXX====

فارسی   شب های وصل هنوز بحرمان گذشته است   بیهوده درد رشک کشید انتقام شوق

اردو   ازبس کہ تھی وصال میں غیروں سے هم سری   عیش و سرور باعث رنج و تعب هوا

===XXX===

فارسی   بس که نوید مرگ از آزار عشق   بشکفد جان دیر تر بیمار عشق

اردو   مرد عشق تجربہ کار هے دل   ملک الموت سے دوچار هے دل

===XXX===

فارسی   محتسب بردوش خویشم می کشد   بیخودم از ساغر سرشار عشق

اردو   اے ستم پیشہ مرے بعد کہاں نشۂ عشق   دیکھ خمیازہ حسرت ہے یہ شمشیر نہ کھینچ

===XXX===

فارسی   تا کجا ناشاد باید زیستن   برخود آسان می کنم دشوار عشق

اردو   زندگی هجر میں بھی اک موت تھی   مرگ نے کیا کار مسیحا کیا

====XXX====

فارسی   چیست (یوں) بسته در طاعت کمر   کهنه گبری بر میان زنار عشق

اردو   عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن   آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

====XXX=====

فارسی
یار است همره نعش که تاگور مردن من   بر دشمنان زمین شد بردوستان مبارک

اردو   جیتے جی غیر کو ہو آتش دوزخ کا عذاب   گرمی نعش پہ وہ شعلہ عذار آجائے

====XXX====

فارسی   ذوق مردن اگر اینست وادای کشتن   خون بها چیست که میراث بجلاد رسد

اردو   گر بہائے خون عاشق ہے وصال   انتقام زحمت جلاد کیا

====XXX====

فارسی   مژدهٔ قتل بمن از لب دشمن مرسان   قاصد از کوی تو خواهم بدل شاد رسد

اردو   فریاد ہے گلہ کشی جابجا کروں   گروہم جان نثاری پیغامبر دیو

====XXX====

فارسی   بخواهش از کف (۱) پایت بسجده بگزارم   که از حسد دل و جان عدو شود پامال

اردو   ظالم وہ بیوفا ہے عدو جس کے رشک سے   اتنا کچھ آگیا خلل اپنے نباہ میں

====XXX====

فارسی   چه می پرسی زحال کوهکن، گوشه براحوالم   که شیرین ترازین افسانه می افسانهٔ دارم

اردو   کیونکر پوچھے حال شخص، عاشق دلگیر سے   ہوگئے ہیں بند لب شیریں تقریر سے

===XXX===

(۲)
فارسی   پی تسکین دل قاصد نوید وصل گفت ومن   نگاه از سادگی هر سوئے بیتابانه می دارم

---

(۱)   اصل نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے : ع

" بخواهش کف پایت به سجده بگزارم "

(۲)   اصل نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے : ع

" نگاه از سادگی هر سو بیتابانه دارم "

اردو   جاں بہ لب ہوں خبر وصل سنادے قاصد   لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے

~~فارسی~~

===xxx===

فارسی   صبورا عجز جزای است چہ می باید کرد   نالہ خو کردم و محنت کش تاثیر شدم

اردو   چارۂ دل سوائے صبر نہیں   سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

====xxx====

فارسی   چہ شب بے تو سرآمد کہ زجاں سیر شدم   عشق دریوزہ کہن گشتہ و من پیر شدم

اردو   حال دل کیوں کر کہوں میں کس سے بولا جائے ہے

سر اٹھے بالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جائے ہے

====xxx====

فارسی   خاکم ز آستان تو جنبش نمی کند   دارم عجز حوصلہ زمیں بیش ناز کن

اردو   پامال کیجئے شوق سے بزم خاص میں   اتنا تو ہو کہ خاک مری در بدر نہ ہو

====xxx====

فارسی   چرخ و رقیب و ناصح و بخت آزمودہ ام   خود دوستی کہ هیچ نباشد عدوی من

اردو   وہی ہے کی جو ساعت دم کشتن نے ہمارا   جو دوست ہمارا ہے وہ دشمن ہے ہمارا

====xxx====

فارسی   چہ لذت است اے خار شوق تراست   ہزار غنزہ بگرد سر خلیدن تو

اردو   کانٹا سا کھٹکتا ہے کلیجے میں غم ہجر   یہ خار نہیں دل سے کل اندام نکلتا

===xxx====

فارسی   در بزم او رسیدم و برخاستم زرشک   دادی کہ راحتی طلبد بیقرار بہ

اردو   اے دل وہ جو یاں آیا کیا کیا ہمیں ترسایا   تونے ہمیں سکھلایا قابو سے نکل جانا

===xxxx====

فارسی   عاشق بر آن بری رخم ای چارہ گر برد   دیوانہ کیست بہرچہ زنجیر می کنی

اردو   تونہ جانے عشق بازی اور ہم نادان ہوں   یہ سمجھ کہتا ہے ناصح تونے کیا سمجھا ہمیں

===xxx====

فارسی خوش آن که در هوس و عشق امتیاز کنی عارض بنمائی بغیر و ناز کنی

اردو ہے ہے تمیز عشق و ہوس آج تک نہیں وہ چھپتے پھرتے ہیں مجھے بیتاب دیکھ کر

====XXX===

فارسی بوسهٔ اغیار چه دل سوخته باشد آن آتش رخسار که تاب نظرم سوخت

اردو جل گیے اختر یہ کس کے حسن کی تنویر سے ہیے منور تو شب غم،ہو ظالم کہد سے

===XXXX====

فارسی خانه زاد عشقم و اندوه هم زاد منست یاس ومحرومی سرشت طبع ناشاد من است

اردو ہم کبھی تجھے پرست اور گاہ تھے شاهد پرست

که حزین و مضطرب گہہ بے خود و بے ہوش و مست

====XXX====

فارسی من ز پیش آمد اغیار چو رفتم رفتم مرد از راه که بیزار چو رفتم رفتم

اردو اور ہیں جوکیے آتے ہیں، گیے جاتے ہیں ہم نہیں آنے کے ہربار کیے جاتے ہیں

====XXX====

فارسی دور ایام دگرشرم و حجابی دارد فلک از ابر به رخسار نقابی دارد

اردو جو نقاب اٹھی مری نظروں پہ پردہ پڑگیا کچھ نہ سوجھا ظالم اس پردہ نشیں کا دیکھ کر

====XXXX=====

فارسی عنادل گل روی تو گل عذار اند اسیر دام بلائے تو دل شکار اند

اردو یاد اس کی گرمی صحبت دلاتی ہے بہار آتش گل سے مرا سینہ جلاتی ہے بہار

====XXX====

فارسی کسی به غم گره ناکے به صد محن باشد زداغ رشک عدو گرم سوختن باشد

اردو کہاں تک رہے خاطر میں حزن و رنج وملال کہاں تک ستم رشک سے ہو جان پامال

===XXX===

فارسی خندہ زن چاک گریبان تو بے چین هست بےشکن زلف پریشان توبے چین هست

اردو پھر پردہ دوھے کس کی وہ انگلی هلال سی

جو مثل صبح چاک گریبان شام هے

======XXXXX====

فارسی من کہ بابخت خویش در جنگم دارم از بوالھوس چہ بیم مصاف

اردو طنز کامی پر مجھے تجھ کو لب شیریں پہ ناز

آ میں جادو سے اعجاز مسیحائی ملا

====XX===

فارسی فتنہ کوشی او چو یاد کنم باز گردم بہ دوزخ از اعراف

اردو مرگیا جس پہ نہیں گھر میں رسائی اس کے

تھا تو مومن میں ولے خلد میں داخل نہ ہوا

====XXXX====

فارسی چنان برنالہ ام گوشی نہد بیدردمی دانم

محبت هائی پنہان را شکایت هائی پیدارا

اردو هائے کیا بیتاب ہوکر دھر لیا سینے پہ ہاتھ

کھل گئی مہد وش کہیں سے دل لگانی آپ کی

====XXX====

فارسی ~~سوی بنگر~~ در بزم یار هم‌رہ دشمن گزر کنم سویم چو بنگرد سوئی دیگر نظر کنم

اردو مومن کی طرح شوق میں پھرتا ہوں کوبکو شوق نظارہ سے هوش برباد آبرو

===XX===

فارسی برو برو طرف کوی مدعی کہیں را هزار بار غلط‌کردۂ و باز کنی

اردو کہنا پڑا دوست کہ اتنا رہے لحاظ هر چند وصل غیر کا انکار هے غلط

=====XXX=====

فارسی   چه بتی گر رسد به مسئله عشقت   جرم مومن خدائی کرده معاف

اردو   اے شب هجر ، دیکھ مومن هین   هے حرام آگ کا عذاب هین

====xx=====

فارسی   ناصحا ترک محبت نه توان کرد آخر   من همانم که بدم ، یار همانست که بود

اردو   یه کون کہے اس سے کہ ترک وفا نہیں ہے   کر تو بھی ذرا ناصح پہچانیں اتنی

====xxxx=====

فارسی   غیرچون کام گرفت از تو نداد م که چرا   آرزو هائے د ل زار همانست که بود

اردو   روٹھے سو روٹھے هم سے مجھے نہیں هو کیوں کر

غیروں سے جب لڑتے هو لڑتے هی من گئے هو

====xxxx=====

فارسی   جلوه صد بار فزون کرد زعرشگی او   د ر د لم حسرت د یدار همانست که بود

اردو   سارے هیں مگر نہیں توبه هو جلے   که بن گیا هے طلسم بہار آئینه

===xxxx=====

فارسی   شرمت اے ناز بتان باد که بد رحید تو هنز   مذهب مومن دیدار همانست که بود

اردو   مومن اور عشق بتاں ، اے پیر و مرشد خیر هے

یه ذکر اور مجھ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

=====xxx=====

فارسی   آخر نمی رسد به صفا و قفائے دیر   مومن به کعبه چند گرائی بیا بیا

اردو   الله رے گمرهی بت و بت خانه چھوڑ کر   مومن چلا هے کعبه کو اک پارسا کے ساتھ

===xxx=====

فارسی   گرمی صحبت اغیار همانست که بود   اثر آه شرر بار همانست که بود

اردو   بے پرده غیر پاس اسے بیٹھا نه دیکھتے   اٹھ جاتے کاش هم بھی جہان سے حیاکے ساتھ

===xxx=====

فارسی   خوان کرد تسلی دل از خواب وصال   شکوهٔ دیدهٔ بیدار خفاست که بود

اردو   رہتا ہے دھیان دیکھتے ہو جب سمجھے نہیں   کیوں چونک پڑتے ہو گھبراکے خواب میں

===XXXX=====

فارسی   وحشتی خوردم ھراستم که مرگ   در لباس شام ہجران آمده

اردو   اے اجل کاش الٹ جائیں شب ہجراں میں

وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

===XXX===

فارسی   جان و دل، دین و خرد صرف نگہبان گردید

ہرچہ دادند برای دگرام دادند

اردو   تاب و طاقت صبر وراحت جان و ایمان عقل و ہوش

ہائے کیا کہیے کہ دل کے ساتھ کیا کیا جائے ہے

====XXX===

فارسی   تو فریبندہ و من سادہ و مہرم بدلت   رہ ندادند، و خوشم چون بہ گمانم دادند

اردو   غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا   میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا

=====XXX====

فارسی   روز فراق طرز خرامت بیاد داد   دیگر نماند تاب جدائی بیا بیا

اردو   ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہوچکا   بس اے خرام ناز کہ تاب و تواں نہیں

====XXX====

فارسی   اکنون ستیزه چیست که انداختم سپر   دادم ز جور باز نیائی بیا بیا

اردو   طاقت تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم

پر کیا کریں کہ ہوگئے ناچار جی سے ہم

====XXXX=====

فارسی   جانم بہ لب رسید ، کجائی؟ بیا بیا   وقت است گر، بہ پرسشم آئی بیا بیا

اردو   کیا موتے دم کے لطف میں پنہاں ستم دہ تھا

وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم دہ تھا

=====XXX====

فارسی   دیگر من و ستائش هم بزمی رقیب   باز آمدم ز شکوہ سرائی بیا بیا

اردو   جانے جوتھی تری بی دل میں سوجھے   غیر سے کیوں شکوۂ بیجا کیا

===XXX====

فارسی   شوقت می آئی آن زمان کہ بدین نالہ بگذرم   ای در لب تو روح فزائی بیا بیا

اردو   دل مضطر کی بے تابی نے مارا   کہاں سے لاؤں اس آرام جان کو

====XXXX=====

فارسی   خوش هست دور چرخ ومہ و آفتاب را   از سر بخاستید جہان خراب را

اردو   خرام نازنے کس کے جہاں کو کردیا برهم   زمین گرتی فلک پر ہے فلک گرتا زمین پر ہے

====XXXX=.=

فارسی   جائے رحم است برآن بسمل مسکین کہ هنوز   هم جائے بہ تپش باشد ، و قاتل برود

اردو   دم بسمل خیال شکوۂ قاتل گر آجائے   لب زخم جگرمیں دشنۂ انگشت ندامت ہو

====XXXX=====

فارسی   زتاب رشک ، ملائک بہ دوزخ اندازند   تو برجنازۂ مومن اگر نماز کنی

اردو   یہی لوٹے ہے رفتاروں پہ ، دوزخ میں پڑیں حوریں

تمہارا حسن عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے

===XXXX=====

فارسی   مردم و مشکلش آسان کردم   رحم بر بازوی جانان کردم

اردو   سن کے میری مرگ بولے مرگیا اچھا ہوا   کیا برا لگتا تھا جس دم سامنے آجاتے تھا

====XXX====

فارسی   من دردمند شوق و مرا چاره می کند   یعنی زمرگ نیست علاج طبیب را

اردو   چاره گر کھینچ ہیں اس کے آستاں سے لے گئے   ایک بھی میری دوا نہ کی لاکھ سر پٹکا کیا

=====XXX=====

فارسی   به ناز می گذرد تا حکایتی نه کنم   که زمن گلهٔ ، نامی شکایتی نه کنم

اردو   گلہ کیا کیجئے اس بدگمان عیار پر فن کا   کہ عرض حال سے جس کو شکایت ہو شکایت کی

===XXX====

فارسی   صیاد بر اسیری دل ناز دام چیست   صیدی گرفته که رها کرده ایم ما

اردو   چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی   ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

===XXX====

فارسی   شادم بعد امید ندادم که می شود   وصلت کجا نصیب من بے نصیب را

اردو   وصل کی شب شام سے میں سو گیا   جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

===XXX====

فارسی   دلم ربودی و دادم چه مشکل افتادست   مرا معامله صبر به این دل افتادست

اردو   اگر نه ہاتھ میں اس دلربا کے دل دیتے   تو دل پہ ہاتھ سدا دھر لیا نہ کرتے ہم

====XXX====

فارسی   بے کسی بنگر که بر نا بود من   چشم گریا نست خاک روبام را

اردو   خاک میں مل جائے یارب بے کسی کی آبرو   غیر بھی نعش کے ہمراہ روتا جائے ہے

===XXXX====

فارسی   گریا چنین کسے سرد کار فتد ترا   ناصح بمرگ من که چه تند بر میکنی

اردو   کچھ نہیں نظر آتا آنکھ لگتے ہی ناصح   گر دہیں یقین حضرت آپ بھی لگا دیکھیں

====XXX===

فارسی   رشک بخون تپیدن غیرم می کشد   کین هم کشته بسمل تیغ نگاه نیست

اردو   گلا ہم کاٹ لیں گے آپ تیغ رشک سے اپنا   عدو کو قتل کیجے پھر ہمارا امتحان کیجے

===XXX===

فارسی   در رہ عشق تو خود از ہمہ کس خوارترم   باورت گر از من زرقیبان دریاب

اردو   بزم دشمن سے وہ اٹھے نہ کسی طور سے   مل گئے ہم خاک میں محشر تک اس ٹھور سے

ذوق، شیخ محمد ابراہیم :

شیخ محمد ابراہیم ذوق ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۹-۹۰ء میں پیدا ہوئے - آپ کے والد محمد رمضان ایک معمولی درجہ کے سپاہی تھے - آپ کی تعلیم کی ابتدا قرآن مجید سے ہوئی - حافظ غلام رسول سے قرآن حکیم کا درس لینے لگے - حافظ صاحب خود شاعر تھے - اور شوق تخلص کرتے تھے اس لیے مکتب میں بھی شعر و سخن کا چرچا رہتا تھا، ذوق کو شعر گوئی کا وہیں سے شوق پیدا ہوا - ذوق تخلص حافظ صاحب ہی نے تجویز کیا ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حافظ صاحب کے خلوص کی برکت تھی کہ ذوق کا ستارہ آسمان ادب پر آفتاب بن کر چمکا- کچھ دن تک حافظ صاحب ہی سے اصلاح کا سلسلہ بھی جاری رہا -

اس وقت شاہ نصیر کا طوطی بول رہا تھا- ذوق نے بھی شاہ نصیر سے اصلاح لینی شروع کی، اور ایسی مشق بہم پہنچائی کہ کچھ ہی عرصہ میں ان کی غزلیں استاد کی غزلوں کا چربہ معلوم ہونے لگیں- اس دور میں سنگلاخ زمینوں میں شعر کہنا اور ردیف کے ساتھ قافیہ کو بہ طریق احسن چسپاں کردینا ہی کمال شاعری اور قابلیت کی دلیل سمجھا جاتا تھا - اس نوخیز شاعر کے دل میں بھی یہی جذبہ کارفرما تھا کہ وہ اپنے ہمعصروں کے مقابلہ میں اسی مخصوص انداز میں ایسی غزلیں کہے کہ وہ اس کی صلاحیت اور قابلیت کے معترف ہوجائیں - یہاں ہم ذوق کی تعریف کریں گے کہ اس نے مشکل کام بھی آسان کر دکھایا - استاد کے رنگ میں ذوق کی غزل کے دو شعر درج ہیں - یہ غزل انہوں نے شاہ نصیر ہی کی غزل کو سامنے رکھ کر کہی تھی :

ذوق	شاہ نصیر
لکھئے اسے خط میں کہ ستم اٹھ نہیں سکتا	اے اشک رواں ساتھ لے آہ جگری کو
پر ضعف کے ہاتھوں یہ قلم اٹھ نہیں سکتا	عاشق کہیں بے فوج و علم اٹھ نہیں سکتا

شاہ نصیر	ذوق
سر معرکۂ عشق میں آسان نہیں دینا	جوں دانۂ روئیدہ تہہ خاک ہمارا
کانٹے ہے جہاں شمع قدم اٹھ نہیں سکتا	سر زیر گران بار الم اٹھ نہیں سکتا

شاہ نصیر سے اصلاح کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ ایک دن قدیم روایت کے مطابق سودا کی غزل سامنے رکھ کر ایک غزل کہی اور شاہ نصیر کے پاس اصلاح کے لیے لے گیے ۔ سودا کے رنگ میں ذوق کے دو شعر ملاحظہ ہوں :

سودا	ذوق
کیا جانے کس کی خاک ہے رکھ ہوش نقش پا	رکھتا پھر قدم ہے وہ یہ ہوش نقش پا
یوں رکھ قدم کہ تا نہ کرے دوش نقش پا	ہو خاک عاشقاں نہ ہم آغوش نقش پا
اعمال رفتگان کے مکافات کو نظر	اعجاز پا سے تیرے عجب کیا کہ راہ میں
حیران رہے ہیں صورت خموش نقش پا	بول اٹھے منہہ سے ہر لب خاموش نقش پا

شاہ نصیر غزل دیکھ کر اچنبھے میں رہ گیے، بعض استادوں میں یہ عیب ہے کہ وہ شاگرد کو ترقی کرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، حالاں کہ شاگرد کا فروغ استاد کے لیے باعث افتخار و نیک نامی ہوتا ہے ۔ آج ذوق کے شاعرانہ کمالات کی جو شہرت ہے اس کا سہرہ شاہ نصیر کے سر ہوتا مگر انھوں نے خود کو ایک مشفق استاد کے پروقار مرتبہ سے گرا دیا۔ غزل اٹھاکر پھینک دی اور حد درجہ ترش رو ہوکر کہا، چھوٹا منہہ بڑی بات ، ابھی سے استادوں کے منہہ آنے لگا۔ حالاں کہ یہ عام دستور ہے اس میں ذوق بے قصور تھے ، بہرحال استاد کے اس طرز عمل سے ذوق دل برداشتہ ہوگیے اور اسی وقت سے شاگردی کا رشتہ منقطع ہوگیا۔

اسی زمانے میں شاہ نصیر دکن چلے گیے تو ذوق کو بہادر شاہ ظفر کی استادی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ تو پتا نہ چل سکا کہ ذوق کی تعلیم کہاں تک تھی ، البتہ یہ معلوم ہوگیا کہ مولانا عبدالرزاق صاحب سے درسی کتب پڑھی ہیں ۔ ہمارے خیال میں ان کی علمی استعداد کو زیادہ تر مطالعہ پر مبنی سمجھنا چاہئے ۔ انھوں نے اساتذہ کے ساڑھے تین سو دواوین کا مطالعہ کیا تھا ۔ خان آرزو اور ٹیک چند بہار کی عبارتیں ازبریاد تھیں ۔ قوت حافظہ بہت تیز تھی تاریخ کا ذکر ہوتا تو ایک مورخ ، تفسیر کی گفتگو ہوتی تو ایک مفسر،

حدیث کی نوبت آتی تو ایک محدث ، نظر آتے تھے - یہ دراصل فطری صلاحیت کا کرشمہ تھا۔ تصوف میں بھی خاصی معلومات رکھتے تھے ، نجوم، رمل ، اور طب بھی خوب جانتے تھے - موسیقی سے بھی لگاؤ تھا اور اپنا کلام سناتے وقت موسیقیت کا بڑا لحاظ رکھتے تھے -

ذوق نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ، مگر مالی منفعت کی بنا پر قصیدہ ان کی توجہ کا مرکز زیادہ رہا - انھیں[۱۹] سال کی عمر میں بادشاہ نے خاقانی ہند کے عظیم خطاب سے سرفراز فرمایا۔

بہادر شاہ ظفر کی رسم تاج پوشی کی ابتدا ذوق کے قصیدے سے ہوئی - ذوق نے بڑے پرجوش ، بارعب اور موثر لہجہ میں قصیدہ سناکر اہل دربار کو محظوظ کیا:

روکش ہو تیرے رخ سے کیا نور سحر رنگ شفق
ذرہ ہے تیرے فیض کا نور سحر رنگ شفق

۲۲/ صفر ، ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۳ءمیں انتقال کیا - مرزا غالب نے قطعہ تاریخ لکھا:(۱)

تاریخ وفات ذوق ، غالب   با خاطر درد مند و مایوس
خوں شد دل زار تا نوشتم   خاقانی ہند مرد افسوس

ذوق کو بارہا خلعت فاخرہ سے نوازا گیا۔ ایک بار ہاتھی اور خلعت فاخرہ ، ایک بار ایک گاؤں جاگیر میں اور خلعت گرانقدر انعام میں دیا گیا۔گویاان کی تمام زندگی بڑی پرد تار گزری۔

خصوصیات کلام ذوق :
==============

ذوق بچپن ہی سے ملکۂ شاعری رکھتے تھے ، لیکن گرد و پیش کے حالات نے ان کی شاعری کو جادۂ مستقیم سے ہٹادیا۔ اس وجہ سے ان کی بعض صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع نہ مل سکا۔

۱- ذوق کی شاعری نے اس زمانے میں نشو و نما پائی جب دہلی کے قدیم اساتذہ میں سے کوئی باقی نہ رہا اور صرف شاہ نصیر نام شہرت پر تھے اور شاہ نصیر شکوہ الفاظ کے ساتھ سنگ لاخ زمینوں میں کلفۃ شعر کہنا شاعری سمجھتے تھے لہذا ذوق شاہ نصیر کی اس خصوصیت

---

(۱) عروج ، محولہ بالا ، ص: ۱۵۳

سے متاثر ہوکر شاگرد ہوگیے چنانچہ وہ بھی شاعری کا مفہوم اپنے استاد کی طرح سنگلاخ زمینوں میں شعر کہہ کر اپنی شاعری کو "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کا مصداق بنائے رہے -

۲- اتفاق سے ذہین اور تیز طبیعت تھے سودا کی سنگلاخ زمین پر طبع آزمائی کرنے لگے تو استاد شاگرد کی اس خداداد قابلیت کو دیکھ کر جل گیے اور کہنے لگے اب تو مرزا رفیع سے بھی اونچا اڑنے لگا - یہ بات ذوق کی طبع نازک پر گراں گزری حالانکہ حقیقت بھی یہی تھی - ذوق کی غزل کا پلہ سودا کی غزل سے بھاری تھا دوسرے یہ کوئی عیب کی بات بھی نہیں کہ ایک شاگرد استاد کی غزل پرغزل کہے -

۳- شاہ نصیر دہلی سے حیدرآباد دکن چلے گیے تو بہادر شاہ ظفر کی غزلیں درست کرنے کی خدمت ذوق کے سپرد ہوگئی - ظفر کو ہندی الفاظ و محاورات کا استعمال بہت پسند تھا - چنانچہ ہندی الفاظ اور محاورات اور سیدھے سادے الفاظ ظفر کے کلام میں داخل ہوئے - اور اس استادی شاگردی کے اثرات بھی ذوق کی شاعری پر پڑے - چنانچہ ذوق کا کلام اٹھاکر دیکھو تو اس میں اسی قسم کے ہندی الفاظ و محاورات کی آمیزش ملےگی-

۴- جب ناسخ کا دیوان دہلی میں پہنچا تو ذوق کو ناسخ کی تقلید کا شوق پیدا ہوا- ذوق نے بھی ناسخ کی تقلید میں شعر کہنا شروع کیے چنانچہ تلازمہ جو ناسخ کی خصوصیت ہے ذوق کے کلام میں بھی اس کی جھلک موجود ہے -

غرض کہ ذوق کی شاعری مذکورہ بالا مختلف رنگوں کا امتزاج ہے اور آخر میں انھوں نے غالب اورمومن کا اثر بھی قبول کیا کہیں کہیں واردات قلبی کو بھی بیان کیا ہے اور خوب بیان کیا ہے - چوں کہ قدیم روش میں کہنہ مشق ہوچکے تھے اس لیے عمر کے آخری حصہ میں حقیقی شاعری کا مرد میدان بننا ان کے بس کی بات نہ تھی -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی ذوق شعر سستی مارا دوبالا می کند درمئے تقوے نمک، زاں لعل خنداں ریختن

اردو قاتل ہرکس مزےسے نمک پاش زخم دل بسمل ذرا تڑپ کے نمک کو حلال کر

عشاق کو دوست کی طرف سے جو تکالیف پہنچتی ہیں وہ ان کو خندہ پیشانی سے بہ سرو چشم قبول کرتے ہیں بلکہ اپنے ذوق تکلیف پسندی کے اظہار کے لیے اپنے زخموں پر دوست کے ہاتھوں سے نمک پاشی کی تمنا کرکے اپنی تکلیف پسندی میں مبالغہ بھی کرتے ہیں۔ذوق نے اپنے دونوں شعروں میں اسی مضمون کو ادا کیا ہے -

فارسی کے شعر میں تغزل کا رنگ اور معنی آفرینی پائی جاتی ہے - الفاظ کی ترکیب اور استعاریے کے خاص انداز میں استعمال سے فارسی کا شعر شعریت کے اعلی معیار پر پورا اترتا ہے -

اول تو تلذ پھر اس میں نمک پاشی کے لیے عام نمک نہیں بلکہ وہ یار کے لعل خندان سے حاصل کیا گیا ہے اور ظاہر ہے ایسی صورت میں عاشق کے شور مستی کا ذوق اور بھی زور پکڑ جائے گا -

اردو کے شعر میں زخم دل پر قاتل نے یونہی روزمرہ کا استعمالی نمک استعمال کیا ہے جس پر عاشق بہت خوش ہے اور اپنے آپ کو اس خوشی میں تڑپنے کی تلقین کرتا ہے اور نمک کو حلال کرنے کا ذوق دلادیا ہے - اس میں شاعر کی وہ خصوصیت بھی موجود ہے کہ وہ محاورہ کے استعمال کو بہت اہمیت دیتا ہے - مگر اس بات سے شعر میں تکلف اور آورد کا رنگ پیدا ہوگیا ہے اور شعریت اور تاثیر رخصت ہوگئی ہے - اس اعتبار سے فارسی کا شعر ہزار درجہ بہتر ہے -

====xxx====

فارسی نہ شگفد دل تانہ لعلت آشنا گردد بحرف غنچۂ من قفل ابجد شد کہ واگردد بحرف

اردو رہے خاطر نہ پریشاں محبت کیوں کہ بھلا اپنی کچھ قفل دل فرہاد ہے مثل سبحہ ابجد

شعراء قفل ابجد کا مضمون بھی باندھا کرتے ہیں اور اس کے کھلنے کا ندرت معنی اور نازک خیالی سے اظہار کرتے ہیں -

فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ جب تک دوست کے لب لعل حرف آشنا نہیں ہوتے یعنی وہ مجھ سے ہم کلام نہیں ہوتا تب تک میرے دل کو شگفتگی حاصل نہیں ہوتی - اپنی اس بات کو تمثیل کے طور پر اس طرح فرماتے ہیں کہ میرا غنچۂ دل وہ قفل ابجد ہے جو دوست کے

منھ سے کوئی بات نکلنے پر کھلتا ہے ۔

قفل ابجد کی یہ صورت ہوتی ہے کہ اس میں مختلف حروف کو بے ربط کردیا جاتا ہے تو وہ بند رہتا ہے اور جب ان بے ربط حروف کو ترتیب دے کر بامعنی لفظ بنادیتے ہیں تو وہ کھل جاتا ہے ۔ اس شعر میں قفل ابجد کی اس خصوصیت کا بیان نہیں ہوسکا۔

اس کے برخلاف اردو کے شعر میں ذوق نے قفل ابجد کا ذکر نہیں کیا ہے، محض قفل کہا ہے اس لیے یہاں وہ کمی دور ہوگئی ہے ۔ اور شعر معنوی اور لفظی ہر اعتبار سے مکمل ہے ۔ فرماتے ہیں کہ ہمارا دل محبت کا ایسا خوگر ہے کہ بغیر شغل محبت کے بند رہتا ہے۔

یہاں بھی دوسرا مصرع تمثیلی انداز میں کہا ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے دل کے قفل کی کنجی گویا سپند کی طرح [illegible] ہے ۔ جب تک ہم فریاد نہیں کرتے ہماری دل کو شگفتگی حاصل نہیں ہوتی تو فریاد ہماری شگفتگی کا لازمہ [illegible] اس لیے یہ سمجھنا چاہئے کہ عشق کے بغیر ہمارا غنچۂ دل ناشگفتہ رہتا ہے ۔

====XXXX====

ذیل میں چند مزید اشعار درج کیے جاتے ہیں :

فارسی   کارم بدرد هجر ز درمان گذشت ذوق   یاران زهند فرقه (۱) بجام دوا هنوز

اردو   ہجر میں کیا کیا مرض اے (۲) سنگ دل پیدا ہوا   ہول دل پیدا ہوا، آزار سل پیدا ہوا

=====XXX====

فارسی   مژدهٔ امید شهادت راکه برفریاد من   قاتلم از خانه سرگرم عتاب آمد برون

اردو   عاشق کے خون سے اپنے پر تیر لال کر   دکھلادے شاخ خشک میں کونپل نکال کر

====XXX====

---

(۱)   اصل نسخہ میں "فرقه" کی جگہ " فرقه " درج ہے ۔

(۲)   اصل نسخہ میں "مرض اے سنگ دل " کی جگہ " مرض ہے سنگ دل" لکھا ہے ۔

فارسی   تنگ آمدم من از غم دل دشمنان کجاست   تا سینه را شگافم و دل را بر آورم

اردو   دل کو رفیق، عشق میں اپنا سمجھ نہ ذوق

ٹل جائے گا یہ اپنی بلا تجھ پہ ٹال کر

====xxx=====

فارسی   دلم آشفته و جانم پریشان   پریشانم، پریشانم، پریشان

اردو   جان کے دل میں سدا جینے کا ارمان ہی رہا   دل کو بھی دیکھا کیے یہ بھی پریشان ہی رہا

====xxx=====

فارسی   شب به مهرت تا سحر از دیده آب آمد برون

عاشق گوی قطره چون آفتاب آمد برون

اردو   نہ دیتا عشق اگر چشم اشک بار اے ذوق   جلا چکی تھی مری آہ شعلہ بار مجھے

====xxxx====

فارسی   آسمان گردش رنگ است و زمین تاب جگر   عشق اے ذوق عجب عالم رنگین دارد

اردو   تمہارے عشق میں ماهی سے تا به ماه فلک   دکھائی دیتے ہیں دل ہائے داغدار مجھے

====xxx====

فارسی   جنبش مژگان آن گل چهره آورد به یاد   خار بی تا پیست در پیراهن جان ریختن

اردو   نگہ نے اس کی مجھے سخت بے قرار کیا   بلا سے مار دے آکر کوئی کٹار مجھے

===xxxx====

فارسی   کس نمی پرسد ز تُرک غمزهٔ خون خوار او   از کہ جائز گشته خون بی گناهان ریختن

اردو   اے صید افگن کرتا ہے کیوں اتنی چھری تیز   اب باقی بھلا اس تری خنجر میں کیا ہے!

xxxxxx====

فارسی   چشم دارد بقتل عشاق   چون حریفی که کند قصد نبرد

اردو   دیکھو سر مقتل نہ کہیں چھوڑ دے بسمل   پہلے مجھے تم بارگی شمشیر دکھا دو

====xxxx===

فارسی　معزلم شد در شبستان خم زلف کسے　　شمع می باید زنار مار بجان ریختن

اردو　اس رخ و زلف کے آگے نہ ہوا مہ کو فروغ　　آگے کالے کے دیا کس نے ہے جلتے دیکھا

====xxx====

فارسی　عشق درجانم چہ آتش زد کہ از داغ جگر　　پنبہ چون برداشتم بوئے کباب آمد بروں

اردو　اے جنوں دن سے سوا، رات کو روشن کردے　　مہرگردوں ہو جو داغ دل سوزاں میرا

====xxx====

فارسی　چہ مضمون پریشانی بہ بستم　　کہ شد اوراق دیوانم پریشان

اردو　نظم معنیٰ کا بکھرجائے ابھی حرف سے حرف　　باندھیں گرا حال سخن حال پریشان میرا

====xxxx====

فارسی　سر شب ہا بہ بزم شعلہ خوباں　　چو دودے از چراغانم پریشان

اردو　یاد زلف عنبریں میں رات یہ آہیں بھریں　　گنبد گردوں سیہ سارے کا سارا ہوگیا

====xxx====

فارسی　اگر سودائے زلف او ندارم　　چرا اے ذوق می دانم پریشان

اردو　جھپکتی آنکھ شب، جوں حلقہ زنجیر کیا میری

طلسم خواب بندی تھا سر زلف الم میرا

====xxxx====

فارسی　ذوق وقت جاں سپردن یاد کردم نام دوست

للہ الحمد از لبم حرف جواب آمد بروں

اردو　رہے نام محمد لب پہ یارب اول و آخر　　اٹھ جائے بوقت نزع جب سینے میں دم میرا

====xxx====

فارسی　گر عشق نبودی و غم عشق نبودی　　چندیں سخن نغز کہ گفتی و شنودی

اردو　ذوق اس لب شیریں کا جو توصف ہے کہتا　　کیا کہیے حلاوت، تری تقریر میں کیا ہے

====xxx====

فارسی   مرا در غم خویش بیمار داری   دگر هرچه از من چه آزار داری

اردو   ہیں وہ کیا ستم گر رہشتر ایسے ڈھونڈے تھے؟   ولیکن جیسے تم ہو فتنہ گر ایسے ڈھونڈتے تھے

====XXX====

فارسی   نہ تنہا همین غمزه خون خوار داری   دگر هم ادا هائے بسیار داری

اردو   تری چشم فسون گر نے کہاں سیکھا تھا یہ جادو   کہ ہے اک نگہ میں اے پری تسخیر دل ہوا

====XXX====

فارسی   تخم امید شفاعت در زمین افشاندن است   اشک غم در ماتم شاہ شہیدان ریختن

اردو   رہے گا دانہ افشاں مزرع امید بخشش میں   غم آل نبی سے دانۂ ہر اشک نم ہوا

====XXX====

فارسی   گل کند بہ سینہ تو داغ آفرینہ داغ   اشک چشم طاؤس است قطرۂ چکیدہ داغ

اردو   غیر کے چھلکے سے جان تو نے جو گل کھائے نہاں   داغ تازہ داغ دل کے متصل پیدا ہوا

====XXXX====

فارسی   جز تو اے (۱) چشم کرم اصلا نمی آید زکس   آب بر این آسیائے چرخ گردون ریختن

اردو   دیکھئے (۲) فیض ازل نے کیا دیا آنکھوں کو فیض

کاسہ در کف ہو کے ہم آتے ہیں ان کے در کے پاس

===XXX====

فارسی   آہے اگر من از دل شیدا بر آورم   صد چشمہ خون کہ ز آهن و خارا بر آورم

اردو   الہی آگ یہ سینے میں ہے کہ آفت ہے   عرق کی جا یہ نکلتے شرر کو دیکھتے ہیں

===XXX====

---

(۱)   اصل نسخہ میں " اے چشم کرم " کی جگہ " از چشم کرم " لکھا ہے -

(۲)   اصل نسخہ میں " دیکھئے " کی جگہ " دیکھو " درج ہے -

فارسی   کارے کہ بہ مژگان جفاکیش سپردی   آیا تو ندانی کہ حساب است دل ما

اردو   کس کی کاوش مژگاں سے بسر مژگاں   ٹپکتا قطرۂ خون جگر کو دیکھتے ہیں

====XXX====

فارسی   خون بہائے کشتۂ ناز تو اے رنگین ادا   لعل جاں پرور چو بخشائی اداگردد بہ حرف

اردو   میرا خون ہے تری کوچے میں بہا، یاد رہے   یہ جفا وہ نہیں جس کا نہ بہا یاد رہے

====XXX====

فارسی   قطرۂ مے کہ چکد از لب پیمانہ ما   باشد اندر کف ما سبحۂ صد دانہ ما

اردو   ہو وہ لبیک حرم یا کہ اذان مسجد   مے کشو! قلقل مینا کی صدا یاد رہے

====XXX====

فارسی   گہ بہ مسجد پے تکبیر و نماز آمدہ ای   گاہ در بت کدہ ناقوس نواز آمدہ ای

اردو   عالم حسن خدائی ہے بتوں میں (۱) اے ذوق   چل کے بت خانے میں بیٹھو کہ خدا یاد رہے

====XXXX====

فارسی   بگوش دل چو رسد مژدہ رسیدن تو   زداغ دیدہ برآرد برائے دیدن تو

اردو   چشم مے گون و صراحی بہ بغل جام بہ کف   دیکھنا آج وہ گل آتا ہے کس جوبن سے

===XXXX====

فارسی   خوش نمی آید مرا ہم (۲) خون حرفاں ریختن   آبروئے خویش را بر روئے خوباں ریختن

اردو   کہتا ہے کس کو ناز سے تو دم بدم، بڑھ   تو دو قدم کوچے میں رکھوں سو قدم بڑھ

====XXX====

فارسی   صد درد را دوا، زلب نوش خند تو   اے وائے بر کسے کہ نہ شد دردمند تو

اردو   وہ لعل شریں کسی کے دل کی الٰہی کیا ہوگیا دوا ہے

کہ میٹھا میٹھا سا درد کل سے مرے کلیجے میں ہو رہا ہے

====XXX====

---

(۱)   اصل نسخہ میں " بتوں میں " کی جگہ " بتوں کی" لکھا ہوا ہے -

(۲)   اصل نسخہ میں" مراہم خون حرفاں" کی جگہ " مراہم چون حرفاں" درج ہے -

(۱)

فارسی دید مجنون این تن ما راکه لاغر چون خس است

گفت پهر ماخس است و اعتقاد ما بس است

اردو جس کو اے ظالم تری مژگاں کا کھٹکا ہوگیا سوکھ کر ایسا ہوا دبلا کہ کانٹا ہوگیا

===xx====

فارسی پرسد اگر بمحشر مرا قاتل تو کیست شمشیر یار از بغل آن جا بر آورم

اردو نشاں تو رہنے دے قاتل ذرا سا خون لگادوں میں

قیامت میں ترا دامن گواہی دامن گیر دل ہوا

فارسی بہ بزم ما ہمہ ہستند بی تو "صم بکم" (۲) چراغ پنبہ بگوش است و شمع خاموش است

اردو لعل لب وہ دہان صنم کا دل نے جب سے خیال کیا

"صم بکم" کہہ کے (۳) گویا ہم نے زبان کو لال کیا

====xxx====

فارسی جہان بگشتم و اے ذوق این ندانستم کہ آن اصیر دل و جان من در آغوش است

اردو خانقہ میں بھی وہی ہے جو خرابات میں ہے فرق یہاں اور وہاں بیٹھے ہوئے/منہ پر ہے، او یہاں دل میں ہے

===xxx====

فارسی چرخ زظالم چنان رسم بداختری گرفت درس نحوست زحل، زہرہ و مشتری گرفت

اردو میں خواری کے رتبے کا کمال اپنے تو دیکھو

کہ ہے چرخ زحل بھی سایہ بخت دوم ہوا

==========

ظفر، ابوظفر سراج الدین ، بہادر شاہ :

ابوظفر سراج الدین نام بہادر شاہ لقب ، ظفر تخلص تھا - ۲۸/ شعبان ، ۱۱۸۹ھ/

۱۷۷۵ء میں پیدا ہوئے - اکبر شاہ ثانی کے بیٹے تھے -ان کے دادا شاہ عالم کے زمانے میں ہندوستان کی

---

(۱) اصل نسخہ میں "دید مجنون این تن ما را کی جگہ" دید مجنون تن ما را" لکھا ہے۔

(۳) اصل نسخہ میں "کہہ کے گویا" کی جگہ "کہہ کے ہے گویا" درج ہے -

(۲) اصل نسخہ میں چراغ پنبہ کی جگہ "چراغ پنبہ" لکھا ہے -

سلطنت کی باگ ڈور ہاتھ سے نکل چکی تھی - برائے نام وظیفہ خوار کی حیثیت سے بادشاہت رہ گئی تھی- آپ کو بچپن ہی سے شعر و سخن کا شوق تھا- ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لی- خود فرماتے ہیں :

آفریں تجھ کو ظفر ہو کیوں نہ شاگرد نصیر
اس غزل کو جاکے پڑھ دانشوروں کے پاس تو

شاہ نصیر کے بعد ذوق سے اصلاح لی - ذوق کی وفات کے بعد مرزا غالب کو اپنا کلام دکھاتے لگے -

سلطنت کے کام سے کچھ سروکار نہ تھا - اس لیے ادبی محفلوں سے اپنا دل بہلایا کرتے تھے اور ساتھ ہی انگریزوں کی چال سے ان پر یہ بات بھی بخوبی واضح ہوگئی تھی کہ میرے بعد یہ برائے نام بادشاہت کا سلسلہ بھی ختم ہوجائے گا - چنانچہ فرماتے ہیں :

ائے ظفر اب ہے تجھی تک انتظام سلطنت
بعد تیرے نے ولیعہدی نہ نام سلطنت

مگر دیکھتے ہی دیکھتے ۱۸۵۷ع میں مسلمانوں کا جہاد آزادی شروع ہوگیا جوان جوان بیٹے اور پوتے آنکھوں کے سامنے گولی مار مار کر اور اذیتیں دے کر ہلاک کردیے گیے :

یہ رعایا ہند تبہ ہوئی کہوں کیا کیا انپہ جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ بھی قابل دار ہے
یہ کسی نے ظلم بھی ہے سنا کہ دی پھانسی لاکھوں کو بیگناہ
ولے کلمہ گویوں کے سمت سے ابھی دل میں ان کے غبار ہے

انگریزی عدالت نے بہادر شاہ کو جلاوطنی کا فیصلہ سنادیا - اور شہزادہ جوان بخت تاج محل و زینت محل کے علاوہ ۱۳ زن و مرد بادشاہ کے ہمراہ روانہ ہوئے اس وقت بہادر شاہ ظفر نے یہ رباعی کہی :

جلایا یار نے ایسا کہ ہم وطن سے چلے — بطور شمع کے روتے اس انجمن سے چلے
نہ باغباں نے اجازت دی سیر کرنے کی — خوشی سے آئے تھے روتے ہوئے چمن سے چلے

تماشے گردش دوراں نے ہم کو خوب دکھائے

پھر فرماتے ہیں۔

تماشے گردش دوراں نے ہم کو خوب دکھلائے
ہوا کیا کیا ہمارے انقلاب آنکھوں کے آگے ہے

یہ کوئی معمولی انقلاب نہ تھا سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ان کو رنگون کی جیل میں قید کردیا گیا تھا ۔ چند سال (انہوں) نے بے کسی و بے بسی کی حالت میں گزارے کہ جس کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔

بہادر شاہ ظفر نے اپنی ولی عہدی کے زمانے میں " لغت اور اصلاح سخن " کی تین جلدیں ۱۲۲۶ھ میں" تالیفات ابوظفر" کے نام سے شائع کی تھیں افسوس کہ یہ گنج شائگاں انقلاب کی نذر ہوگیا۔ اس کا ذکر شرح گلستان سعدی کے دیباچہ میں موجود ہے ۔ سعدی کی گلستان کی حکایات سے ظفر نے مسئلہ وحدت الوجود کو ثابت کرنے کی سعی بلیغ کی تھی ۔ اسی تصنیف کا تاریخی نام " خیابان تصوف " ہے ایک رباعی میں فرماتے ہیں :

این شرح زطبع ناقصم کامل شد ختمش بر حسب مدعائے دل شد
صد شکر کہ اے ظفر کہ از فضل خدا برخاتمہ بالخیر ظفر حاصل شد

حکیم احسن (۱) اللہ خاں نے ایک مسجد اور حویلی بنوائی تو مسجد کا قطعہ تاریخ ظفر نے لکھا :

مسجدے ساخت چون بحسن عمل احسن اللہ خان پاک سرشت
اے ظفر بہر سال تاریخش خامہ ام خانہ خدا" بنوشت

۱۳/ جمادی الاول ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء وفات پائی ۔ عبدالغفور خاں نساخ نے قطعہ تاریخ لکھا :

وای ویلا چون بہادر شاہ مرد خالی شد یا غم و با رنج جفت
سال ترحیلش کلک از آسمان ناگہاں بخشائش اللہ گفت (۲)

---

(۱) حکیم صاحب بہادر شاہ ظفر کے طبیب خاص مقرب اور مشہور تھے۔" احترام الدولہ عمدۃ الحکماء معتمد الملک حاذق الزمان ثابت جنگ کے القاب سے سرفراز تھے ۔

(۲) عروج ، عبدالروف، محولہ بالا ، ص ۱۶۱

خصوصیات کلام :

ظفر کے یہاں زبان بہت سادہ ہے لیکن نئے مضامین بہت کم ملتے ہیں۔ زبان کا چٹخارہ بہت ہے عمدہ محاورات نادر تشبیہات و روزمرہ نہایت خوب صورتی سے استعمال کیے گیے ہیں لیکن باتیں بالکل صاف صاف ہیں ۔

ظفر کے کلام میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بہت سے ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو عام طور پر دیگر شعرا کے یہاں نہیں پائے جاتے۔ لغت لکھنے والوں کے لیے کلام ظفر کا مطالعہ کرنا اشد ضروری اور مفید ہے اس قسم کے الفاظ کے لیے ان کا کلام صحت و عدم صحت کا معیار بن سکتا ہے ۔ ظفر کے یہاں اگرچہ نئے مضامین بہت کم ملتے ہیں جو مضامین ہیں وہ دل کی گہرائیوں سے نکلے ہیں اور ان خیالات میں انہوں نے اپنے اچھوتے اور نرالے انداز بیان سے ایسی جدت پیدا کی ہے کہ وہ قند مکرر کا سا لطف دیتے ہیں ۔

ظفر نے رعایت لفظی سے بھی خوب کام لیا ہے ۔ اور بعض جگہ ان کا یہ انداز لطف دے جاتا ہے :

رخ سے بی دہ کی جو زلف اس نے ہٹائی سامنے

تھا یہ اشارہ آئین کے شام سے ہم ہی ہی

ظفر نے فارسی تراکیب بھی خوب باندھی ہیں :

دیکھئے کھلتا ہے کیا گل آغوش اے رشک گل

ہم نے دل میں تخم الفت کا تری بویا تو ہے

ظفر اردو زبان کے روزمرہ اور محاورے کو جس حسین انداز اور خوب صورتی سے باندھتے ہیں یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں اس میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے :

دیکھو کہیں پھنس جاؤ گے تم تو چھڑانا مشکل ہوگا

حضرت دل کیوں سادہ رخوں پر آپ پھسلتے پھرتے ہیں

شیشے میں اتارنا اردو کا مشہور محاورہ ہے اکثر شاعروں نے اسے باندھا ہے لیکن ظفر نے واقعی پری کو شیشے میں اتارنے کا جو کمال دکھایا ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے

کم ہے :

دل سے جاتا ہی نہیں تیری ، ظفر اس کا خیال
خوب شیشے میں اتارا ہے پری کو شاباش

چھ اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی صرصر حادثہ برخاست پئے خواری ما داد برباد سر بر زجہانداری ما (۱)

اردو تماشے گردش دوراں نے ہم کو خوب دکھلائے
ہوا کیا کیا ہماری انقلاب آنکھو کے آگے ہے

بہادر شاہ ظفر مغل خاندان کے آخری بادشاہ تھے - غدر ۱۸۵۷ع کے ہنگامے کی وجہ خواہ کچھ ہو لیکن اس حادثہ کی باد صر صر نے سلطنت مغلیہ کا یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی بجھادیا - بہادر شاہ گرفتار ہوگئے اور ان کو رنگون پہنچادیا گیا اور وہاں نہایت روحانی اذیتیں برداشت کرنے اور ذلت و خواری کے دن دیکھنے کے بعد ان کا انتقال ہوا - معلوم ہوتا ہے یہ اشعار اسی حالت اسیری میں انہوں نے کہے ہیں جو اس ہنگامے پر روشنی ڈالتے ہیں اور ان کی اپنی حالت کا صحیح نقشہ پیش کرتے ہیں -

فارسی کا شعر زبان کے لحاظ سے نہایت صاف رواں اور سادگی میں پرکاری کا نمونہ ہے اور انداز بیان کے اعتبار سے نہایت موثر اور ایجاز و اختصار کی بہترین مثال ہے، کہ دو مصرعوں میں سب کچھ کہہ دیا ہے - فرماتے ہیں کہ یہ حادثات کی آندھی ہماری ذلت و خواری کے لیے اٹھی تھی، چناں چہ اس نے ہمارے شہنشاہیت کے تصورات سے بھرے ہوئے سر کو چکناچور کردیا - صر صر اور برباد داد کا تلازمہ بھی اپنی بے ساختگی کی وجہ سے بڑا موثر ہے -

اردو کے شعر میں اسی بات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ گردش زمانہ نے ہم کو ایسے تماشے دکھلائے اور ہمارے آگے ایسے انقلابات آئے کہ اس کو کچھ ہم ہی جانتے ہیں -

ان دونوں اشعار میں فارسی کا شعر مذکورہ بالا خوبیوں کے اعتبار سے اردو کے شعر

---

(۱) اصل نسخہ میں یہ مصرع اس طرح درج ہے :
ع " داد برباد سر بر جہانداری ما "

سے بہت بہتر ہے -

====XXXX====

فارسی   چشم ما کندہ شد از جور فلک بہتر شد   تا نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما

اردو   دل پہ راہ آمد غم ہائے بے جا بند ہے   کھل گئی ہے آنکھ اور چشم تماشا بند ہے

فارسی اور اردو دونوں اشعار میں ظفر نے اپنی آنکھوں کے نکالے جانے کے واقعہ کو بڑی نادر اور موثر توجیہات کے ساتھ بیان کیا ہے -

یہ تو سب جانتے ہی ہیں کہ انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کرنے کے بعد ان کی آنکھیں نکال لی تھیں - فارسی کے شعر میں اس بات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ ظالم آسمان نے میری آنکھیں نکال لی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے حق میں اچھا ہوا اس لیے کہ اب میں اپنی جگہ غیر کو بادشاہی کرتے نہیں دیکھوں گا -

شعر میں شاہانہ بلند حوصلگی ، خودداری اور حمیت خاطر کا اظہار کیا ہے -

اسی بات کو اردو کے شعر میں جس مخصوص انداز میں بیان کیا ہے وہ اپنی طرفگی اور ندرت کے اعتبار سے اور ساتھ ہی سبق آموز ہونے کے لحاظ سے بہت بلند شعر ہے - اور فارسی کے شعر سے کہیں بہتر ہے - پہلے مصرع میں فرماتے ہیں کہ ہم کو گرفتار کر کے جو بند کردیا گیا ہے تو اس سے بڑے اخلاقی اور روحانی فائدے حاصل ہوئے ہیں - مثلاً جب تک آزاد اور بااختیار تھے تو بے شمار غم ہائے بے جا میں گرفتار تھے اب غم ہائے بے جا کی آمد کا راستہ بند ہوگیا اور دل غم ہائے بے جا سے بالکل محفوظ ہوگیا -

دوسرا اخلاقی اور روحانی فائدہ یہ ہے کہ اب تک ہم دنیا کی رنگینیوں کے تماشے میں کھوئے ہوئے تھے اور اب ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں اور ہم کو اپنی اور اس دنیا کی حقیقت معلوم ہوگئی ہے -

دوسرے مصرع میں "کھل گئی ہے آنکھ اور چشم تماشا بند ہے" اس تقابل کا کوئی جواب پیدا نہیں ہوسکتا - آنکھوں کے نکل جانے کو چشم تماشا بند ہونے کے کنائے سے بیان کرنا اور پھر یہ کہنا کہ اب ہماری آنکھیں کھل گئیں شعر کو معراج سخن پر پہنچادیتا ہے - اس لیے اردو کا شعر اپنی مذکورہ بالا خوبیوں کے اعتبار سے بہت بہتر ہے -

فارسی   بتی سرکشی کافری کج کلاهی   به رخ آفتابی به رخسار ماهی

اردو   صورت ہے بتوں کی عجب اللہ کی قدرت   ہر جلوہ میں اک اور ہی جلوہ نظر آیا

===xxx====

فارسی   بهرگام در راه مهر و محبت   دویده به دنبال او داد خواهی

اردو   دل دیے کران کو ایسی اذیت ہوش ہیں   اب دل کبھی نہ دیں گے صحبت ہوش ہیں

===xxx====

فارسی   آفتاب فلک رفعت و شاهی بودم   بود در شام زوال آه سیه کاری ما

اردو   کسی کو پست کیے ہے فلک کسی کو بلند   کہ اس ہنڈولے میں ہے ہر زمان نشیب و فراز

====xxxx====

فارسی   حال ما گشته بتر همچو اماماں ز یزید   کرد تقدیر ازل روزی ما خواری ما

اردو   میرا رنگ روپ بگڑ گیا میرا حسن مجھ سے بچھڑ گیا

جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اسی کی فصل بہار ہوں

===xxx====

فارسی   بود جا گاه زر و مال جهان همچو مرض   دفع از فضل الهی شده بیماری ما

اردو   دل گدا کا ہو جو دولت سے قناعت کی غنی(۱) شاہ کیا بلکہ اسے کہنا شہنشاہ ہے ٹھیک

==========

شیفتہ و حسرتی ، نواب محمد مصطفٰے خاں :
==========================

نواب محمد مصطفٰے خاں شیفتہ اردو ، فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے ، اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے - ۱۸۰۶ء / ۱۲۲۱ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے - ان کے والد عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خاں بہادر ظفر جنگ ، رئیس فرخ آباد نواب محمد خاں بنگش کے ہم نسب تھے -

---

(۱)   اصل نسخہ میں " قناعت کی غنی " کی جگہ " عنایت کے غنی" لکھا ہوا ہے -

لارڈ لیک نے نواب مرتضیٰ خاں کو مرہٹوں اور انگریزی فوج کے درمیان مصالحت کے صلے میں دہلی کے قریب گڑگانوے کے مضافات میں " ہوڈل پلول" کا علاقہ بطور جاگیر دے دیا تھا، جو موصوف کے انتقال کے بعد حکومت نے ضبط کر کے اس کے بدلے میں بیس ہزار روپے سالانہ مقرر کردیا تھا جو ان کے خاندان کو ۱۸۵۷ع تک ملتا رہا ۔

نواب مرتضیٰ خاں نے جہانگیر آباد کا علاقہ حکومت سے خرید کر اپنی زندگی ہی میں نواب مصطفیٰ خاں کے نام کردیا تھا جو تقسیم ہند و پاک تک ان کی اولاد کے ملک رہا۔

مولانا حاجی محمد نور دہلوی نقش بندی ، جو باطنی علوم کے جامع اور حدیث و تجوید کے بے نظیر استاد تھے ان سے علم قرات اور علم حدیث کی تکمیل کی، حبیب الشعر نے نظامی مرحوم کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیفتہ نے میاں جی مالامال سے عربی، فارسی اور دیگر علوم مروجہ حاصل کیے۔ یہ بھی اس وقت دہلی کے مایہ ناز علماء اور صوفیہ میں شمار کیے جاتے تھے ۔

شیفتہ کا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا اس لیے شاعرانہ صلاحیت گویا فطرت نے ان کی طبیعت میں ودیعت کردی تھی ۔ ان کی شاعری کا آغاز بچپن میں ہوا۔ اوائل عمری ہی میں وہ قادرالکلام اور کہنہ مشق شاعر نظر آتے ہیں دو شعر بطور نمونہ پیش ہیں :

آغاز عمر ہی میں ہے ہم کو خیال حج

دلّی جو، شیفتہ ہے دیار عرب سے دور

مشق سخن یہاں تک پہنچی کہ اکیس سال کی عمر میں وہ خود کو میخانہ شاعری کا پیر مغاں سمجھنے لگے :

اے شیفتہ! اس فن میں ہوں اک پیر طریقت

گو عمر ہے میری ابھی اکیس برس کی

شیفتہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے ۱۸۳۹ع میں تشریف لے گئے اور تقریباً دو سال وہاں قیام کیا۔ دوران قیام میں انھوں نے مکۂ معظمہ کے فاضل عصر شیخ عبداللہ سراج حنفی سے اور مدینہ منورہ میں حضرت شیخ محمد عابد سندھی سے بھی استفادہ کیا ۔ (۱)

---

(۱) حبیب الشعر دہلوی، (مرتبہ) ، " دیوان شیفتہ" ، لاہور: مکتبہ جدید ، ۱۹۶۵ع، (دیباچہ) ، ص:

یہ وہ زمانہ تھا جب علم کو دولت کمانے اور اعلی ملازمت حاصل کرنے کی سند نہیں بناتے تھے، بلکہ اسے مکارم اخلاق کی حصول اور معرفت الٰہی کی تحصیل کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

گلشن بے خار کی تصنیف (۱۲۵۰ھ) کے وقت شیفتہ کی عمر ۳۱ سال تھی، اس عمر میں انھیں دونوں زبانوں پر یکساں قدرت حاصل تھی ۔ خود فرماتے ہیں :

" جب ریختہ شاعری کے دلدادہ مجبور کرتے ہیں تو ریختہ کی طرف توجہ کرتا ہوں اور اسی طرح فارسی کلام کے دلدادگان کی توجہ دلانے سے ادھر متوجہ ہوجاتا ہوں ۔" (۱)

تمام اہل ذوق جانتے ہیں کہ شیفتہ اپنا ایک خاص طرز رکھتے ہیں جو انھیں ریختہ گوئی اور فارسی شاعری میں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے ۔ لیکن کلام پر قدرت کا یہ عالم ہے کہ جس طرز میں وہ شعر کہتے ہیں وہی ان کا اپنا طرز نظر آتا ہے ۔

آپ کی سخن فہمی اور نکتہ سنجی کے مرزا غالب بھی قائل تھے فرماتے ہیں :

غالب بفن گفتگو نازد بدین ارزش کہ او
ننوشت در دیوان غزل تا مصطفی خاں خوش نکرد

شیفتہ کی روش اگرچہ حالی ہے مگر وہ میر کی طرز میں کہنا پسند کرتے تھے خود فرماتے ہیں :

حالی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہ! لیکن
کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میر پھرتی ہے

۱۸۵۷ء میں دلی اجڑ گئی اور ٹھاکروں نے جہانگیرآباد کے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور خوب صورت محلات معہ قیمتی ساز و سامان کے نذر آتش کردئے، ان میں شیفتہ کا کتب خانہ بھی جو اردو ، فارسی اور عربی کی نادر کتب پر مشتمل تھا جل کر خاکستر ہوگیا۔ تو بے ساختہ

---

(۱) شیفتہ، نواب مصطفی خاں، " گلشن بے خار "، لکھنؤ: نول کشور، ۱۹۱۰ء ص: ۱۱۲

شیفتہ کی زبان سے نکلا :

ویرانے کے مانند ، ذرا جی نہیں لگتا

ہر چند کہ ہے شیفتہ! دلّی وطن اپنا

شیفتہ نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی - مکہ معظمہ سے اپنےلیے کفن لائے تھے اس میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کی درگاہ کے احاطہ میں اپنے جدامجد کے مزار کے قریب دفن ہوئے - مولانا حالی مرحوم نے سورۂ دھر کی آیت "وجزاھم بما صبروا جنّۃً وّ حریرا -" سے تاریخ وفات ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء نکالی ہے -

شیفتہ کی زندگی کا دیچپ اور سب سے قیمتی سرمایہ پانچ تصانیف ہیں ، جو انھوں نے بطور یادگار چھوڑی ہیں :

۱- ترغیب سالک الٰہی احسن المسالک (فارسی،نام"رہ آورد" ہے) یہ سفر نامۂ حجاز ہے، اس تصنیف میں شیفتہ نے انشاپردازی کے خوب جوہر دکھائے ہیں-

۲- لجس عراق — یہ فارسی زبان میں ستاون خطوط کا مجموعہ ہے -

۳- گلشن بے خار — اس میں اردو شعراکے حالات درج ہیں -

۴- دیوان فارسی - اور

۵- دیوان اردو -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   بیدم جمال دوست میسرکراشود   از ذرۂ تابہ مہر طلب کار آمدہ

اردو   دیکھادیکھا خواب میں بھی یہ فروغ حسن   پردے کواس کے جلوے نے جلس بنادیا

دونوں اشعار میں جلوۂ حسن دوست کی کثرت اور فراوانی کا ذکر کیا ہے - لیکن دونوں اشعار کا مضمون مکمل طور پر مشترک نہیں ہے -

فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ ذرّے سے لے کر آفتاب تک سب طلب گار جمال دوست ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جمال دوست میسر کس کو آتا ہے ، اس کے برخلاف اردو کے شعر میں فروغ حسن یار کی کثرت کا بیان اس طرح کیا ہے کہ دوست پردے میں ہے لیکن طلبگاری

فروغ حسن کا یہ عالم ہے کہ اس نے پردے کو چلمن بنادیا ہے - یعنی باوجود پردے میں ہونے کے اس کا حسن سب کو نظر آرہا ہے -

====XXX====

فارسی   آشفتگی خاطر/ما چارہ ندارد   دل جمع نگردید زپیمان تو مارا

اردو   کیاہوسکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ   اس گل پہ غش ہیں، جس میں محبت کی بونہیں

فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ اے دوست تونے ہم سے پیمان وفا تو کیا لیکن اس پیمان وفا سے ہم کو دل جمعی حاصل نہوسکی اور آشفتگی خاطر کا وہی حال ہے - ظاہر ہے پیمان وفا اگر پورا نہ کیا جائے تو آشفتگی خاطر کیوں کر دور ہوسکتی ہے -

شعر میں بڑی لطافت کے ساتھ کنایتاً پیمان وفائے یار کے پورا نہ ہونے کا ذکر کیا ہے-

اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ ہمارا علاج آشفتگی کیوں کر ہوسکتا ہے - کیوں کہ ہم اس گل پر فریفتہ ہیں جس میں محبت کی بوہی نہیں -

فارسی کا شعر ایک خاص کیفیت کا حامل ہے اس لیے ہم اس کو اردو کے شعر پر ترجیح دے سکتے ہیں -

====XXX====

فارسی   نقاب از رخ گل برکشید باد صبا   نوائے دل کش بلبل شنید دست مخسپ

اردو   اٹھ صبح ہوئی، مرغ چمن نغمہ سرا دیکھ   نورسحر و حسن گل و لطف ہوا دیکھ

بلبل یہ کہہ رہی ہے سرشارنشار ہو   " بدمست ہورہے ہیں چمن کی ہواسے ہم"

===XXX====

فارسی   این قدر بارتعلق ، کہ نتواند برداشت   آہ از من کہ دلی ہست و تمنائی ہست

اردو   حرف درشت غیر، سبک وضع بھی سہی   میں وہ ہوں جس پہ بار امانت گراں نہیں

====XXX====

فارسی   اگرچہ غیر زمن ہرچہ گفت، گفت دروغ   ولی خوشم کہ ترا رشک دردل افتادہ است

اردو   شاید رقیب ڈوب مریں بحر شرم میں   ڈوبیں گے موج رشک کی طغیانیوں میں ہم

====XXX====

فارسی   شیوۀ شکوه نگویم که صواب است اما   این خطائیست که ارباب وفا نیز کنند

اردو   شکوہ آئین محبت میں ہے ایجاد لطیف   نسخۂ اصل میں ہر چند کہ یہ باب نہیں

===XX=====

فارسی   ازبس که بارباب هوس کار فتاد است   هم عشق مرا جز هوس و آز هداست

اردو   ہے ستم، واقف ہوبیٹھے حال کی شعر سے   بوالہوس کہتے ہو پھر اک آہ بے تاثیر سے

====XXX====

فارسی   در دهر، جز خرابات ، جائے دگرنیابی   آنجا که خنده آید برباد شه گدارا

اردو   تیری گداکو سلطنت جم سے کیا؟ کہ ذوق   ہے کاسۂ شکستہ میں، جام دونیم کا

====XXX====

فارسی   حسرتی، شعر وغزل من شناسم ، آری   هکم هست گهے بردل افکار زدم

اردو   لکھی یہ ہم نے وہ غزل تازہ شگفتہ   ہر شعر جس میں داغ دہ دستہ ہائے گل

===XXX===

فارسی   چشم بد دور از جمالش   می بینم و طاقت نظر نیست

اردو   تاب نظارہ نہیں پہلے ہی ہاں   تم مجھے آنکھ دکھاتے کیوں ہو

====XXX=====

فارسی   اظهار عیب اوبود اظهار عیب دوست   عیب رقیب خویش نپوشد کسی چرا

اردو   شگفتہ شکوۂ دشمن سے بس آگے نہ بڑھو   دیکھو وہ دوست ہے، تم کس کو برا کہتے ہو

====XXX=====

فارسی   دگرادائے پری در نظر نمی گنجد   که داده اهل نگاه ادا شناس مرا

اردو   جلوۂ دوست اگر دیکھئے، تومرا ذمہ   پھر پری زادکو وحشت اگرانساں سے ہو

===XXX====

فارسی   تو در امید بلندی و بیم پستی باش   زمانیست که مائے بلند و نے پستیم

اردو   اتنی نہ بڑھاپاکی داماں کی حکایت   دامن کو ذرا دیکھ! ذرا بند قبا دیکھ

====XXX====

فارسی نگذاشت رشک غیر بدل لذت وصال از شام تا سحر گله ها کرده ایم ما

اردو گر عیادت کو، عدو کو بھی لیے آئیں تو خوب کہ مرا رشک سے مرنا سبب غیرت ہے

===xxx===

فارسی رقیب اگر بدرت یافت جا ، زجان نروم امیدهاست بعشق قوی اساس مرا

اردو دشمن سے بھی زیادہ ہے، گو دوست کیوں نہ ہو

مل جائے جو کوئی تری کوچے کی راہ میں

===xxx====

فارسی شد به خاک وشود خاک و گل ازان روید شبه ز روئے تو گرجاذب ستاره کدم

اردو دن رات جلوے دیکھتے ہیں مہر و ماہ کے یہ روشنی نہ مہر میں دیکھی ، نہ ماہ میں

====xxx====

فارسی واعظ زبیم حشر لبیسے دل ملول کرد ساقی بیار ساغر صہبای ناب را

اردو واعظ ، جنون زدوں سے نہیں باز پرس حشر بس آپ فکر کیجئے اپنی نجات کا

====xxxx====

فارسی از غم زیست بجان آمده ام یارب! آن قاتل بے رحم کجاست

اردو کیوں قتل میں عشاق کے اتنا ہے تغافل مرجائیں گے ظالم دم شمشیر کے مشتاق

===xxx====

فارسی گر بہ مستی آن بہاران جلوۂ گل یاد آورد داغ ہے گل گردد و بلبل بفریاد آورد

اردو بلبل کو بھی دہن ہے ، دماغ صدائے گل بگڑی ہے تیری دور میں ایسی ہوئے گل

===xxxx====

فارسی دوش با غیرهمی رفت، مرا دید در رهید مصلحت دیدم و من نیز تغافل کردم

اردو عدو سے کیوں اشارے اور ہم سے کیوں تغافل سزا ہے یہ ، ہمیں دعوی بہت تھا رازداری میں

====xxx====

فارسی   بط و پیمانه شکستم سرخم بکشائید   تا کجا باده و پیمانه بمقدار زدم

اردو   ہے مستی   نیم خام کا ڈر   اصرار ہے جام پے بہ پے میں

===XXX====

فارسی   شہید جلوۂ نازتو جان شکار اند   اسیر حلقۂ دام تو رم شعار اند

اردو   فرش رہ ہیں دل افگار ترے کوچے میں   خاک ہو رونق گلزار ترے کوچے میں

====XXX====

فارسی   بربن جادو بیانی حیرت مردم عجب نبود   کہ من خود می ندانستم چنین معجز نوا افتم

اردو   شعراء میں اب توکہوں گاکہ کوئی بالغ تھا   اپنے حالی ہے اشعار ترے کوچے میں

===XXX====

فارسی   پنہان نکردم از تو کہ بیمار گشتم   باری تو هم بگو کہ مسیحائی گستی

اردو   کیوں میں کہا، کہ کیا درد نہاں ہے؟   تمہارے پوچھنے ہی سے عیاں ہے

=====XXX===

فارسی   اے گل بدلت خار محبت نہ خلیدہ   زوق گذر وادی پر خارچہ دانی

اردو   لازم ہے ہار بھی توهو بے تاب وردہ کیا   وہ عشق ہے کہ رنج یہاں ہو، وہاں نہو

====XXX====

فارسی   چون طاقت نظارۂ حسنش بہ کسی نیست   رشکم نبود گوهمہ عالم نگران باش

اردو   ممکن نہیں کہ برق نگہہ ، غیر پر پڑے   جز طور اور پر ہو تجلّی محال ہے

غالب، مرزا اسد اللہ خان :

اردائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لیے

نجم الدولہ دبیرالملک مرزا اسد (۱)(۲) اللہ خان بہادر ، نظام جنگ دهلوی

---

(۱) اردوئے معلّی کے دیباچہ میں میر مہدی مجروح ، غالب کے شاگرد رشید نے مرزا کا پورا نام" نواب مرزا اسد اللہ خان صاحب غالب" لکھا ہے ۔ اگرچہ مرزا نے اپنے نام کے ساتھ کبھی" نواب" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

المتخلص بہ غالب ، و اسد ، ۸/ رجب ۱۲۱۲ھجری مطابق ۲۷/ دسمبر ۱۷۹۷ء عیسوی میں آگرہ میں پیدا ہوئے ، خاندانی پیشہ سپہگری تھا۔ مرزا غالب کے والد مرزا عبداللہ خاں ایک لڑائی میں بمقام راجگڑھ (الور) مارے گیے اس وقت مرزا کی عمر تقریباً پانچ سال تھی۔ تین سال کے بعد اپنے چچا مرزا نصر اللہ بیگ خاں کی سرپرستی سے بھی محروم ہوگیے - رفتہ رفتہ وہ رئیسانہ ٹھاٹ باٹ بھی ختم ہوگیے - تیرہ سال کی عمر میں مرزا کی شادی نواب احمد بخش خاں (رئیس جھرکا و لوہارو) کے بھائی نواب الہی بخش خاں کی صاحب زادی امراؤ بیگم سے ہوگئی - پندرہ سولہ سال کی عمر میں ترک سکونت کر کے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اس وقت مرزا کی والدہ حیات تھیں۔ مرزا کے چھوٹے بھائی مرزا یوسف بھی ترک سکونت کر کے دہلی ہی میں قیام پذیر ہوگیے تھے جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شہید ہوئے -

بچپن ہی سے مرزا کی طبیعت شعر گوئی کی طرف راغب تھی پھر دہلی کے ادبی ماحول نے اس شوق کو مزید جلا بخشی، وہاں کی ادبی مجلسوں میں مرزا کو اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کا موقع ملا - اگرچہ اس زمانے میں اردو مادری زبان کی حیثیت رکھتی تھی لیکن فارسی ثانوی زبان کے درجہ پر فائز تھی اور قابلیت کا معیار سمجھی جاتی تھی اس لیے مرزا کی طبیعت فارسی شعر گوئی کی طرف زیادہ راغب تھی۔

مرزا نے ملا عبدالصمد ہرمزد (ایک نو مسلم ایرانی فاضل) سے زبان و ادب کی تحصیل کی لیکن ذاتی مطالعہ سے اپنی علمی صلاحیت کو اس درجہ پر پہنچایا کہ معاصرین میں سب سے ممتاز بلکہ یگانۂ روزگار نظر آتے ہیں ، فارسی نثر لکھنے میں اپنے وقت کے مایۂ ناز ادیب و شاعر اور اردو میں جدید طرز خطوط نویسی کے موجد سمجھے جاتے ہیں -

اسی طرح اردو اور فارسی شاعری میں ان کے معاصرین میں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔ فارسی میں ان کے کلام کی دھوم ایران تک ہے اور اردو میں ان کے کلام کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ کیا عوام اور کیا خواص، ہر شخص اپنے حسب حال شعر پڑھتا اور خوش ہوتا ہے - ابتدائی زمانہ میں عبدالقادر بیدل کا تتبع کرتے تھے اور ان کے انداز میں شعر کہنے کی کوشش کی ہے۔

ایک غزل کا مقطع ہے :

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا

اسد اللہ خاں قیامت ہے

ایک اور غزل کا مقطع ہے :

جوش فریاد سے لوں گا دیت خواب اسد

شوخی نغمہ بیدل نے جگایا ہے مجھے

چوں کہ غالب کی طبیعت دشوار پسند واقع ہوئی تھی اس لیے ان کو بیدل کا طرز پسند آیا۔ شروع شروع میں وقت آفرینی اور مشکل پسندی سے کام لیا آخرکار جب اسے چھوڑ کر اپنا پسندیدہ رنگ اختیار کیا تو پھر اپنے آپ کو ریختہ کے استاد میر تقی میرکا ہم مرتبہ سمجھنے لگے ۔ فرماتے ہیں :

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

پھر مرزا غالب نے اپنے کلام پر از سر نو نظر ڈالی اور جو غزلیں معیار سے گری ہوئی تھیں انھیں اپنے کلام سے خارج کردیا اس طرح بہت مختصر لیکن کلام نغز باقی رکھا۔

ان کا اردو فارسی کلام ہندو پاک سے لے کر ایران تک یکساں مقبول ہے بقول شیفتہ "ان کی غزل، مثل نظیری کے بے نظیر اور ان کا قصیدہ مثل عرفی کے قصیدہ کے بہت دل پسند ہوتا ہے ۔"(۱) خود مرزا کو ظہوری کے مدمقابل ہونے کا دعوی ہے ایک غزل کے مقطع میں فرماتے ہیں :

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب

میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

میر مہدی مجروح اپنے استاد کی شان میں اردوئے معلی کے دیباچے میں یوں رطب اللسان ہیں ۔

"میرا استاد کہ ہے جس کا سخن عالم گیر

ہے ظہوری کا ظہور اور نظیری کا نظیر

حضرت کا جو سخن ہے وہ دُر عدن، جو بات ہے از رہ معنی کرامات ہے ۔ یہ نثر کی رنگینی، یہ نظم کی شیرینی، یہ غزل کی فصاحت، یہ قصیدہ کی متانت،

---

(۱) شیفتہ، نواب مصطفی خاں، "گلشن بے خار"، ۱۹۲۳ء، ص ۱۳۹

یہ لفظوں کی محبوبی ، یہ ترکیب کی خوش اسلوبی، یہ جدت معانی، یہ طلاقت لسانی، یہ سلاست عبارت، یہ روانی مطالب ، دیکھی نہ سنی ۔۔۔ سطریں ہیں کہ موتی کی لڑیاں ہیں، باتیں ہیں کہ مصری کی ڈلیاں ہیں۔"

مرزا کی دربار شاہی تک رسائی تھی، کئی قصیدے بادشاہ کی شان میں کہے ۔ ان کے ہم عصر شاعروں میں ذوق بھی بڑے باکمال شاعر تھے ۔ ان سے کئی شاعرانہ معرکے بھی رہے۔ ذوق کے انتقال کے بعد بہادر شاہ ظفر مرزا غالب کو (اپنے کلام کی اصلاح لیتے تھے) اپنا کلام دکھاتے تھے ۔

٣/ ذی قعدہ ١٢٨٥ھ مطابق ١٥/ فروری، ١٨٦٩ء میں وفات پائی ۔ اپنے خسر نواب الٰہی بخش کے خاندانی قبرستان (بستی نظام الدین میں) دفن ہوئے ۔ اب حکومت ہند نے ان کا مقبرہ سنگ مرمر کا بنادیا ہے ۔ یہ شرف بھی صرف مرزا غالب ہی کو نصیب ہوا۔

غالب نے اپنی زندگی کو شعر و سخن کے واسطے وقف کردیا تھا، استغراق و انہماک کا یہ عالم تھا کہ وہ فکر شعر میں دنیا و مافیہا سے بیخبر رہتے تھے ۔ فرماتے ہیں :

ما ہچو ہم بدین مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

خصوصیات کلام :
==========

مرزا کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے اور اس کو سب نے تسلیم کیا ہے ۔ وہ نہایت سریع الفہم اور دقیق النظر تھے ان کی معلومات بہت وسیع تھی حتی کہ ان کے معاصرین بھی اس بارے میں ان کی بڑی قدر کرتے تھے ۔ وہ ہمیشہ یہ خواہش ظاہر کرتے کہ میری قابلیت کا اندازہ میرے فارسی کلام سے کیا جائے ۔ انھیں اس بات کا بہت افسوس تھا کہ لوگ اسقدر فارسی سے بیگانہ ہوتے جارہے ہیں کہ ان کے کلام کا قدردان اور سمجھنے والا کوئی نہیں ہے۔ جس پر انھیں فخر تھا اور وہ کہتے تھے کہ میری قابلیت کا انداز کرنا ہوتو میرے فارسی کلام کا مطالعہ کرو ۔۔۔

فارسی بین تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است

تعجب خیز بات یہ ہے کہ ان کی قدردانی اور شہرت کا باعث اردو شاعری ہوئی جس کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی -

۱- جدت پسندی :-

مرزا کی سب سے بڑی خصوصیت جدت پسندی ہے - جس میں جدت تخیل ،جدت طرز بیان، جدت تشبیہات و استعارات ،جدت محاکات ،جدت تراکیب ،غرض مرزا کو جدتوں کا موجد سمجھنا چاہئے - فرسودہ مضامین بھی ان کی خاص طرز ادا سے بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں- ان کے یہاں نئے خیالات کے ادا کرنے کا طریقہ بھی بالکل نرالا ہوتا ہے معمولی سے عام واقعہ کو اپنے جدت اسلوب سے نیا بنادیتے ہیں کمال رکھتے ہیں -

۲- نظر فریب طرز تحریر :

اسی سے ملتی جلتی صفت ان کے کلام کی نظر فریبی ہے جس میں وہ بات سے بات پیدا کرتے ہیں - مرزا ہر چیز کا اجمالی ذکر کرتے ہیں مگر پڑھنے والے کے ذہن میں خود بخود اس کی تفصیلات اجاگر ہوجاتی ہیں -

۳- ذاتی جذبات کا ادا کرنا :

مرزا میں یہ خصوصیت بھی ہے کہ ان کے اشعار ان کے خیالات ،جذبات ،تاثرات اور واردات قلبی کا صحیح عکس ہوتے ہیں - وہ اپنے اشعار کے ذریعہ سے اپنی دلی کیفیات پڑھنے والوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جن میں کہیں غم اندوہ کے ڈالے ،کہیں ہجوم ناامیدی کہیں جانکاہ مصائب کہیں سعی بے حاصل ،کہیں دنیا سے نفرت اور بیزاری ،کہیں خدا کے رحم پر پورا پورا اعتماد کہیں دنیوی تعلقات سے وابستگی کہیں اپنی حرمت عصمی کا نہایت دل دوز انداز میں ذکر کرتے ہیں -

۴- فلسفیت اور حقیقت طرازی :

مرزا کے اکثر اشعار میں فلسفیانہ حقائق نہایت بلیغ انداز میں بیان کیے ہیں - وہ تصوف کے رموز و حقائق سے بھی طرح واقف تھے اسی لیے جا بجا انھوں نے تصوف کے مسائل بڑی ندرت کے ساتھ بیان کیے ہیں -

اسی طرح ان کا تخیل عبادت بھی بہت بلند ہے - وہ اطاعت اور بندگی بھی بےلاگ چاہتے ہیں جس میں ستائش کی تمنا اور صلہ کی پرواہ نہو۔ بلکہ خدا کی خوشنودی کی خاطر اطاعت و بندگی میں سر تسلیم خم رہے تاکہ حور و قصور کی طمع دامن گیر نہو:

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

ان کے نزدیک زندگی تمام مصیبتوں کی جڑ ہے ـــ کیوں کہ انسان کی زندگی روح سے ہے اور روح خدا کا نور ہے جو اپنی اصل سے جدا ہے - جب تک وہ اپنی اصل سے واصل نہو اسے قرار کیوں کر آسکتا ہے:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا ؟

۵- جذبات نگاری:

مرزا غالب نے اپنے کلام میں جذبات نگاری سے بھی کام لیا ہے - دل گداز تکالیف ناقابل برداشت مصائب جو لازمۂ زندگی ہیں نہایت موثر الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ:

فارسی   پہلو بشگافید بہ بینید دلم را   تا چند بگویم کہ چسانست و چسان نیست

اردو   کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے   تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے

دونوں اشعار میں عاشق کی تکلیف کی طرف سے معشوق کے تجاہل عارفانہ کا بیان ہے۔ لیکن یہ مضمون فارسی کے شعر میں جس لطافت اور بدیع الاسلوبی کے ساتھ ادا ہوا ہے اردو کا شعر اس کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہ کہنا کہ میرے پہلو کو چیر کر دل کو خود ہی دیکھ لو۔ میں کب تک کہتا رہوں ؟ کہ ایسا ہے اور ایسا نہیں ہے - اس بیان سے یہ بات خود بخود پیدا ہوجاتی ہے کہ دوست تجاہل عارفانہ سے کام لے کر عاشق سے بار بار پوچھتا ہے کہ تمہارا حال کیا ہے ؟ یعنی جب عاشق اپنا حال بیان کرتا ہے تو وہ یقین نہیں کرتا یا اس کی بات توجہ سے نہیں سنتا بلکہ بار بار باز پرس کرتا ہے۔

اردو کے شعر میں یہی بات ایک سیدھے سادے طریقہ سے بیان کر دی ہے ۔ اگرچہ اردو کے شعر میں بھی جدت ہے اور سادگی میں پرکاری موجود ہے لیکن فارسی کے شعر کو نہیں پہنچتا ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

-----xxx-----

فارسی   تارفتہ دم زوعدۂ باز آمدن زند   تا در وصال یاد دہد اضطراب را

اردو   تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر   آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب میں

دونوں اشعار میں شاعر نے یہ بیان کیا ہے کہ دوست اپنے عاشق کو وقت اضطراب بستہ رکھنا چاہتا ہے ۔ اور اگر اتفاق سے عاشق کو اطمینان اور جمعیت خاطر کے اسباب فراہم ہوتے ہیں تو بڑی ہوشیاری سے ان اسباب کے ہوتے ہوئے بھی عاشق کے بے چینی کا سبب پیدا کر دیتا ہے ۔

اگرچہ غالب نے مذکورہ بالا معاملہ کو دونوں شعروں میں الگ الگ انداز سے باندھا ہے اور دونوں ہی انداز بیان اچھوتے اور لاجواب ہیں لیکن پھر بھی اردو کے شعر میں جو کیفیت اور ملائمت معانی کی وسعت ہے وہ فارسی کے شعر میں نہیں ۔

فارسی کے شعر میں تو یہ بات کہی ہے کہ ابھی دوست عاشق کے پاس سے گیا بھی نہیں ہے لیکن جانے سے پہلے ہی پھر آنے کا وعدہ کرتا ہے ، اور ظاہر ہے اس طرح حالت وصل میں اضطراب اور بے چینی کو یاد دلا کر لذت وصل کو بھی غارت کر دینا چاہتا ہے ۔

اس میں شک نہیں کہ اس مضمون میں بڑی جدت اور تازگی پائی جاتی ہے لیکن اردو کے شعر میں یہ کہنا کہ میرا دوست خواب میں آکر جو آنے کا وعدہ کر گیا یہ میری جمعیت خاطر کے لیے نہیں بلکہ اس نے یہ وعدہ اس لیے کیا ہے کہ پھر مجھے انتظار میں عمر بھر نیند ہی نہ آئے ۔

عمر بھر نیند نہ آنے کے جملے میں جو وسعت معنی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یعنی دوست کو میرے پاس کبھی آنا نہ تھا ۔ عمر بھر مجھ کو فراق ہی میں تڑپانا مقصود تھا ، مگر اس نے مزید ظلم یہ کیا کہ خواب میں آکر مجھ سے آنے کا وعدہ کرگیا ، تاکہ اب عمر بھر اس کے انتظار میں رہوں اس طرح اس نے میرے آرام کو تلف کردیا ۔

ایک باریک اور لطیف بات یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ حالت فراق میں عاشق کو نیند کہاں آتی ہے ، وہ تو اتفاق سے کسی رات کچھ آنکھ لگ گئی تھی مگر دوست نے اس کو بھی گوارہ نہ کیا ، اور آنے کا وعدہ کر کے امکان خواب کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔

===XXX====

فارسی   چرخ هر روزم غم فردا بخوردن می دهد   تاقیامت فارغ از فکر معاشم کرده اند

اردو   قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

دونوں اشعار کی بنیاد اس خیال پر رکھی ہے کہ انسان جیتے جی غم سے نجات نہیں پاسکتا۔ لیکن یہ مضمون اردو میں جس خوب صورتی اور کمال کے ساتھ بندھا ہے اس کا جواب نہیں ہے - یہ کہنا چاہئے کہ غالب نے اس شعر میں فلسفہ زندگی کو ایک نہایت انوکھے انداز میں پیش کیا ہے - پھر شعر میں اصلیت اور حقیقت اس قدر واضح ہے کہ غالب کے اس بیان سے کسی کو اختلاف کی جرات نہیں ہوسکتی - موت سے پہلے آدمی کے غم سے نجات نہ پانے کو اس طرح ادا کرنا کہ : قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں "کس قدر سچی بات ہے۔

اس کے برخلاف فارسی کے شعر میں یہ کہہ کر کہ آسمان نے مجھے کل کا غم کھانے کے لیے آج ہی دیدیا ہے اور اس طرح قیامت تک کے لیے مجھے فکر معاش سے فارغ کردیا ہے - جب غم کھانے کے لیے وافر مقدار میں موجود ہے تو اور کچھ کھانے کی ضرورت ہی کیا ہے اس خیال میں ایک گونہ غلو بھی پایا جاتا ہے - اس کے مقابلہ پر اردو کا شعر بالکل حقیقت پر مبنی ہے

===XXXX====

فارسی   سخن زدشمن و غم ہائے ناگوارش نیست   ز دوست داغ ستم ہائے ناروا ستے

اردو   کرتے کس منہہ سے ہو غربت کا شکایت غالب   تم کوبےمہری یار ان وطن یاد نہیں

دونوں اشعار کا مرکزی خیال یہ ہے کہ جب دوست نے ظلم و ستم کی حد کردی تو دشمن کے جور و جفا کی کیا شکایت کی جائے ۔

دونوں شعر اپنی اپنی جگہ اپنا جواب نہیں رکھتے ۔ یہ مضمون دونوں جگہ نہایت موثر اور اچھوتے انداز میں ادا ہوا ہے ۔

فارسی کے شعر میں یہ کہنا کہ اگرچہ ہمیں دشمن نے بھی ناقابل برداشت غم پہنچائے ہیں لیکن دشمن کی کیا شکایت کریں جب کہ ہمارے دل پر دوست کے پہنچائے ہوئے ستم ہائے ناگوار کے داغ ہیں ۔ اسی طرح اردو کے شعر میں یہ کہنا کہ غالب غربت کی شکایت کس منہہ سے کرتے ہو کیا تم کو یاران وطن کی بے مہری یاد نہیں رہی ۔

دونوں شعر اس اعتبار سے اثر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور دونوں کا انداز بیان نہایت دل کش اور دل نشین ہے ۔

===xxx===   مزید چند اشعار پیش خدمت ہیں

فارسی   سوزد زبسکہ تاب جمالش نقاب را   دانم کہ درمیاں نہ پسندد حجاب را

اردو   جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیمروز   آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہہ چھپائے کیوں

====xxx====

فارسی   سوزد زگرمیش و مے اوفتد چوں بہ لبو   ریزد ز آبگینہ بساغر شراب را

اردو   ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے

===xxxx====

فارسی   مہرآید زکف دوست اگر دہقاں را   نیست ممکن کہ کند ریشہ سرازدانہ ما

اردو   یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے   ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

===xxxx====

فارسی خویش را صورت پرستان ہر زہ رسوا کردہ اند

جلوہ می خاہد و در معنی ھاہی بیش نیست

اردو جب وہ جمال دلفروز، صورت مہر نیم روز

ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں - کرے ہے ہر بنِ مو کام چشمِ بینا کا

آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں

===XXX====

فارسی رنج و راحت برطرف شاہد پرستانیم ما دوزخ از سرگرمی نازش عتابی بیش نیست

اردو ملتی ہے خوی یار سے نار التہاب میں کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

====XXX===

فارسی تیغ غمزہ باافشار اندچہ کرد می دانی خنجر تغافل را تیزی دم از من پرس

اردو سادگی و پرکاری ، بیخودی و ہشیاری حسن کو تغافل میں جرات آزما پایا

===XXX====

فارسی می رنجد کہ دردام تغافل می نہد صیدش

نمی دانم چہ پیش آمد نگاہ بے کما بارا

اردو نگاہ بے محابا چاہتا ہوں تغافل ہائے تمکیں آزما کیا !

===XXX===

فارسی دادہ برتشنگی خویش گواہی غالب دہن ما کہ بزبان خط پیمانہ ما

اردو قطرۂ مے بس کہ حیرت سے نفس پرور ہوا خطّ جام مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

===XXX====

فارسی دل برد و حق آنست کہ دلبرنتوان گفت بیداد توان دید و ستمگر نتوان گفت

اردو کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو

نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

===XXX====

فارسی   راز تو در نهفتن تب خالہ ریخت ولب   غم تو در گرشتن پیکان گداخت در دل

اردو   تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کر پوچھو

حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے

===XXX====

فارسی   شعر غالب نبود وحی و نگوئیم ولے   تو و یزدان نتوان گفت کہ الہامی نیست

اردو   آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں   غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

===XXX===

فارسی   سبک سرہست بہ ریوزۂ طرب رفتن   خوشا دلےکہ باشد وہ محتشم گردد

اردو   وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں

سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟

===XXX====

فارسی   ما باتو آشنا و تو بیگانہ زما   آخر تو و خداکہ جہانی گواہ کیست

اردو   ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار   یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے

=====XXXX====

فارسی   غالب از ہستی خویشتن عذابی کہ مراست   ہم زخود خارغم آویختہ دردامن شمع

اردو   نادان ہوجوکہتےہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب   قسمت میںہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

====XXX====

فارسی   مروز آئینہ خانہ کہ خوش تماشائیست   یکے تو محو خودی و چون تو ہزار یکے

اردو   سب کو مقبول ہے دعوی تری یکتائی کا   روبروکوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا

====XXX====

فارسی   گیتی زگریہ ام تہ و بالا ست بعد ازیں   جوید درمیانۂ دریا کنارہ را

اردو   یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں   دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہوگئیں

====XXX====

فارسی زیں ساں کہ سربسر گل و ریحان و سنبل ست طرف چمن نمونۂ طرف کلاہ کیست

اردو میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا بلبلیں سن کر مری نالے غزلخواں ہوگئیں

===XXX===

فارسی ذرہ را روشناس صد بیاباں گفتۂ قطرہ را آشنائے ہفت دریا کردۂ

اردو قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریالیکن ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

=====XXXX=====

فارسی ایمن ہم زمرگ اگر رستہ ام زہجر دلدوز ناوکے بہ کمانے نہادۂ

اردو سادگی پر اس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے

بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے

===XXX====

فارسی نکتہ پرچھد زبان تو غلط بود غلط کاین خود از طرز بیان تو غلط بود غلط

اردو ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

===XXX====

فارسی سوبر نتابد این ہمہ پیچ و خم و شکن زلف تو روز دامۂ بخت سیاہ کیست

اردو بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا

اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

====XXX====

فارسی بہر زہ ذوق طلب می فزاییم غالب کہ باد در کف و آتش بزیر پاستے

اردو مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور

تن سے سوا فگار ہیں، اس خستہ تن کے پاؤں

===XXX====

فارسی شور سودای تو نازم که به گل می بخشد چاکی از پردهٔ دل سر بگریبان زدهٔ

اردو گلشن کو تری صحبت از بس که پسند آئی ہے

ہر غنچے کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

===XXX====

فارسی شبها که زروی تو دریوزهٔ ضیا مه کاسهٔ گدائی خورشید بوده است

اردو حسن مه گرچه به هنگام کمال اچھا ہے اس سے میرا مه خورشید جمال اچھا ہے

====XXX====

فارسی در گرد ناله داری دل رزم گاه کیست خونی که می دود بشرائین سپاه کیست

اردو رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

===XXX====

فارسی من آن دمم که زمرگم جهان بهم نخورد فغان زاهد و فریاد برهمن یاد آر

اردو وحشت و شیفته اب مرثیه کہیں شاید مر گیا غالب آشفته نوا کہتے ہیں

===XXX====

فارسی ای گل از نقش کف پای تو دامان ترا گلفشان کرد قبا، سرو خرامان ترا

اردو یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے؟ کہ غیر جلوهٔ گل رہ گزر میں خاک نہیں

====XXX===

فارسی حسرتیست که می میرم و مردن نتوانم در کشور بیداد تو فرمان قضا نیست

اردو میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

===XXX====

فارسی هجوم گل بگلستان هلاک شوقم کرد که جا نماند و جای تو همچنان خالیست

اردو وعدهٔ سیر گلستاں ہے خوشا طالع شوق مژدهٔ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

====XXX====

فارسی خداوندش بخون ما مگیر او به بی تابی نگه به خنجرش بین

اردو ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اس کی گردن پر وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے

===XXX===

فارسی سینه می سوزد ازآن اشک که در دامن نیست

بجگر می خلد آن خار که در پیرهن ست

اردو خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہو دونیم   دل میں چھری چبھو مژہ گر خونچکاں نہیں

===XXX===

فارسی تاگل برنگ و بوی که ماند که درچمن   گل در پی گل آمده در جستجوئے گل

اردو تیری ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک   بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

=====XXXXX=====

فارسی اندیشه را به بیم ادائی توان فریفت   خوں کن دلی که از تو کند آرزوئے گل

اردو سطوت سے تیری جلوۂ حسن غیور کی   خوں ہے مری نگاہ میں رنگ ادائے گل

===XXX====

فارسی زانکه (۱) که عندلیب لقب دادۂ مرا   افزودۂ امید من و آبروئے گل

اردو آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج   اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

===XXX====

فارسی هرچه فلک نخواست هیچ کس از فلک نخواست

ظرف فقیه می نخست ، بادۂ ما گزک نخواست

اردو گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر   دیتے ہیں بادہ، ظرف قدح خوار دیکھ کر

====XXX====

فارسی غم لذتیست خاص که طالب بذوق آن   پنهان نشاط ورزد و پیدا شود هلاک

اردو عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا   درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

===XXX====

فارسی ترده گفتم اگر جان و صبر معذورم   کهن وفائے تو باخویشتن یقین دارم

اردو کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے   جانتا ہے محو پرسش ہائے پنہاں مجھے

---

(۱) اصل نسخہ میں " کو" زانکہ کہ عندلیب " کی بجائے " زانکہ عندلیب " درج ہے –

فارسی حسرت بری ترا حور تلافی نہ کند   از تو آخر بچہ امید شکیبا باشم

اردو تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے   حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے

===XXX===

فارسی آں شور کہ گرداب جگر داشت ندارد   اے لخت دل غرقہ بخون تاب کجائی

اردو ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا

ہوتے جو کئی دیدۂ خوں نابہ فشاں اور

====XXX====

فارسی بازوی تیغ آزمائی داشتی اصلاً نیست   کز تو بختم مودۂ زخم خدنگ آرد ہمی

اردو ہم تھے مرنے کو کھڑے، پاس نہ آیا نہ سہی   آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

====XXX====

فارسی تا فتنہ در نظر نہ نہی از نظر چہ سود   تا دشنہ برجگر نہ خوری از جگر چہ حظ

اردو ہے ننگ سینۂ دل اگر آتش کدہ نہ ہو   ہے عار دل، نفس اگر آذر فشاں نہ ہو

===XXX====

فارسی ہمدم نمک بہ زخم دلم مشت مشت ریز   آخر نہ پرسشے بسزا بودہ است شرط

اردو چھوڑ کر جاتی مجروح عاشق حیف ہے   دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا نمک

====XXX====

فارسی تا عکس شوق تواند اختہ جان در تن شمع   شور از رشتۂ خویش ست بہ پیراہن شمع

اردو رخ نگار سے ہے سوز جاودانی شمع   ہوئی ہے آتش گل آب زندگانی شمع

===XXX====

فارسی سینہ از اشک جدا دیدہ ز جدائی سوزد   این رگ ابر شرر بار بشامم سوخت

اردو شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابر آب تھا   شعلۂ جوالہ، ہر اک حلقۂ گرداب تھا

====XXX====

فارسی غم از قیمت خاص کہ طالب بذوق آں   پنہاں نشاط درد و پیدا شود ہلاک

اردو عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا   درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

فارسی شهد رحسته شرار و نه بجا ماند ه رماد   سوختم لیک هدادم بچه عنوانم سوخت

اردو دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا   آتش خاموش کے مانند گویا جل گیا

===xxx===

فارسی زمن گرت نبود باورانتظار بیا   بہانه جوی مباش و ستیزه کاربیا

اردو آ که مری جان کو قرار نہیں ہے   طاقت بیداد انتظار نہیں ہے

===xxx===

فارسی از بیکسان شہرم و از خاکسان دهر   گر کشتۂ سر تو سلامت هراس کیست

اردو ڈرے کیوں مرا قاتل؟ کیا رہےگا اس کی گردن پر ؟

وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دمبدم نکلے

===xxx===

فارسی از چشم ماخیال تو بیرون نمی رود   گوئی بدام تارنگہ هش گرفته ایم

اردو جی ڈھونڈتا ہے پھروہی فرصت کے رات دن   بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

===xxx===

فارسی عهدوفا ز سوئے توبنا استوار بود   بشکستی و ترا به شکستن گزند نیست

اردو تری نازکی سے جاناکہ بندھا تھا عہد بودا   کبھی تو نہ توڑ سکتااگر استوار ہوتا

===xxx===

فارسی قطره‌موج و کف و گرداب جیحون ست و بس

این من و مائی که می بالد حجابی بیش نیست

اردو قطره میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل

کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

===xxx===

<u>سالک ، مرزا قربان علی بیگ خان :</u>

مرزا قربان علی بیگ خان نام ہے - سالک تخلص کرتے تھے - دسمبر ، ۱۸۲۴ء

مطابق ربیع الثانی ، ۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے - آپ ترکوں کے او زبک نامی قبیلہ سے تعلق

رکھتے تھے - ان کے جد امجد نواب مرزا عاشور علی بیگ خاں غالب جنگ ، دھلی کے نہایت معزز لوگوں میں شمار ہوتے تھے - ان کے صاحبزادے نواب مرزا عالم بیگ خاں ناسازگار حالات کی بنا پر ترک سکونت کر کے حیدرآباد ، دکن چلے گئے تھے۔تذکرہ روز روشن کے مصنف کا قول ہے -

" قومش اوزبک ، وطن پدر و جدش دارالخلافہ شاھجہان آباد ، والدش مدتے بہ ملازمت والی دکن، در شہر حیدرآباد ، رحل اقامت انداخت -" (۱)

مرزا قربان علی حیدرآباد میں پیدا ہوئے - چھ سال کی عمر ہوئی تو تعلیم و تربیت کی غرض سے انھیں دھلی بھیج دیا گیا۔ دھلی ھی میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی - تذکروں سے اتنا معلوم ہوتا ھے کہ اردو، فارسی اور عربی میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھے - پندرہ سال کی عمر میں شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا۔ کچھ دن مومن خاں مومن کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا پھر مرزا اسداللہ خاں غالب کی شاگردی اختیار کی - اردو فارسی شعرگوئی میں اپنے برابر والوں پر سبقت لے گیے۔"تذکرۂ روز روشن" میں مذکور ھے - (۲)

" بہ سال ششم از ولادت ، والدش اورا بہ شہر دھلی وطن اصلی خود کشید ، و بہ کسب فضائل علمی و عملی مصروف گردانید ، زمانیکہ بہ پانزدہ سالگی رسید ، بموزونی فطری بہ سخن سنجی گرائید۔ مدتی پیش حکیم مومن خاں مومن دھلوی ، بہ زانوی تلمذ نشست و زمانی پنجۂ اپکار افکار خودرا حنائی اصلاح میرزا اسداللہ خان غالب دھلوی بست سالک تلمذ اختیار نمود و از ھم نوابان نظم اردو و فارسی قصب السبق ربود ـــ ایک در شہر حیدرآباد بملازمت رئیس آنجا سربلندی دارد -"(۲)

تقریباً ستائیس سال دھلی میں قیام کیا۔ دسمبر ۱۸۵۷ء میں جب بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے گرفتار کرلیا، تو عوام کا سکون جاتا رہا - تمام شہر میں افراتفری پھیل گئی، معزز لوگ ترک سکونت پر مجبور ہوگئے - خودو ھراس کا یہ عالم تھا کہ جس کو جہاں پناہ نظر

---

(۱) صبا، مولوی مظفر حسین، "تذکرہ روز روشن"، تہران : کتاب خانہ رازی، ۱۳۴۳ھ، ص ۵۵۲

(۲) ایضاً، ص ۵۵۲

رکھتے تھے - ان کے جد امجد نواب مرزا عاشور علی بیگ خاں غالب جنگ ، دھلی کے نہایت معزز لوگوں میں شمار ہوتے تھے - ان کے صاحبزادے نواب مرزا عالم بیگ خان ناسازگار حالات کی بنا پر ترک سکونت کر کے حیدرآباد ، دکن چلے گئے تھے۔تذکرہ روز روشن کے مصنف کا قول ہے -

" قومش اوزبک ، وطن پدر و جدش دارالخلافہ شاھجہاں آباد ، والدش مدتی بہ ملازمت والی دکن، در شہر حیدرآباد ، رحل اقامت انداخت -" (۱)

مرزا قربان علی حیدرآباد میں پیدا ہوئے - چھ سال کی عمر ہوئی تو تعلیم و تربیت کی غرض سے انھیں دھلی بھیج دیا گیا- دھلی ھی میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی - تذکروں سے اتنا معلوم ہوتا ھے کہ اردو، فارسی اور عربی میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھے - پندرہ سال کی عمر میں شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا- کچھ دن مومن خان مومن کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا پھر مرزا اسداللہ خاں غالب کی شاگردی اختیار کی - اردو فارسی شعرگوئی میں اپنے برابر والوں پر سبقت لے گئے-"تذکرۂ روز روشن" میں مذکور ھے - (۲)

" بہ سال ششم از ولادت ، والدش اورا بہ شہر دھلی وطن اصلی خود کشید ، و بہ کسب فضائل علمی و عملی مصروف گردانید ، زمانیکہ بہ پانزدہ سالگی رسید ، بہ ہوزونی فطری بہ سخن سنجی گرائید- مدتی پیش حکیم مومن خان مومن دھلوی ، بہ زانوی تلمذ نشست و زمانی بجہۂ ابکار افکار خودرا حضائی اصلاح میرزا اسداللہ خان غالب دھلوی بست سالک تخلص اختیار نمود و از ھم نوایان نظم اردو و فارسی قصب السبق ربود ـــ اینک در شہر حیدرآباد بملازمت رئیس آنجا سربلندی دارد -" (۲)

تقریباً ستائیس سال دھلی میں قیام کیا- دسمبر ۱۸۵۷ع میں جب بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے گرفتار کرلیا ، تو عوام کا سکون جاتا رہا - تمام شہر میں افراتفری پھیل گئی ، معزز لوگ ترک سکونت پر مجبور ہوگئے - خورد و خرد کا یہ عالم تھا کہ جس کو جہاں پناہ نظر

---

(۱) صبا ، مولوی مظفر حسین ، " تذکرہ روز روشن" ، تہران : کتاب خانہ رازی ، ۱۳۴۳ھ ، ص ۵۵۹

(۲) ایضاً ، ص ۵۵۹

آئی وہ اس طرف چل پڑا - میر مہدی مجروح نے پانی پت کی راہ لی ، داغ رام پور پہنچے اور سالک ریاست الور چلے گئے- وہاں راجہ تک رسائی ہوگئی - راجہ بھی قدرشناس تھا ، بارہا سالک کو خلعت فاخرہ سے نوازا ، شیو دیال سنگھ کی مسند نشینی کے موقع پر ایک قطعہ کہا ، شادی پر ایک سہرا کہا اور اکثر و بیشتر غزلوں میں راجہ کی تعریف کی ہے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ریاست الور کے درباری شاعر تھے - اس قدردانی کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ کافی عرصہ گذارا- مرزا غالب اور میر مہدی مجروح وغیرہ سے جو خط و کتابت رہی اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مہاراجہ الور نے سالک کی بڑی قدر کی، ۱۸۸۳ءمیں سالک الور ہی میں تھے غالب میر مہدی مجروح کو خط میں لکھتے ہیں :" لو صاحب ایجنٹ بہادر راجستھان کا حکم الور کے ایجنٹ کو آیا کہ پہلی ستمبر کو راج کے کاغذات جو تمہارے پاس ہیں، اور راج کا اسباب جو تمہارے تحت میں ہے ، وہ سب راجہ صاحب کو دو،اور تم الگ ہوجاؤ- ستمبر کی بیسویں کو ہم الور جائیں گے ، راجہ صاحب کو مسند پر بٹھائیں گے - خلعت شاہی ان کو پہنائیں گے -" (۱)

اس خط سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ رسم تاج پوشی پر مرزا غالب کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی - ہوسکتا ہے اور شاعروں کو بھی دعوت دی گئی ہو-

جب ریاست الور کے حالات خراب ہوئے تو سالک ۱۲۸۹ھ میں ترک سکونت کر کے حیدرآباد چلے گئے جیسا کہ ہم "روز روشن" کے حوالے سے ذکر کرچکے ہیں :" اینک در شہر حیدرآباد بملازمت رئیس آنجا سربلندی دارد -" وہ حیدرآباد کے محکمۂ تعلیمات کے سررشتہ داری کے معزز عہدے پر فائز ہوئے - ناظم تعلیمات کے مشورہ سے " مخزن الفوائد" نامی رسالہ جاری کیا جو عرصہ تک اردو ادب کی خدمت کرتا رہا -

سالک چھپن سال کی عمر میں ۱۲۹۷ھ / مطابق ۱۸۸۰ء میں معمولی علالت کے بعد اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے -

---

(۱) فائق ، کلب علی خاں(مرتبہ ، " کلیات سالک"، لاہور : مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء ص:

خصوصیات کلام :

سالک کے فارسی کلام کے متعلق کلب علی خان فائق کی رائے :-

" سالک کا فارسی کلام بھی کافی ہوگا ، لیکن وہ کبھی چھپا نہیں۔"

نہایت قادرالکلام اور نغز گو شاعر تھے ۔ سالک کا کلام غالب اور مومن کے خصوصیات کا حسین امتزاج ہے، لیکن غالب کا رنگ چوں کہ بعد میں چڑھا اس لیے غالب رہا ۔ حالی مرحوم " ہنجار سالک " کی اشاعت پر لکھتے ہیں :

" در ہر شیوۂ سخن نغز گفتی و در ہر رشتۂ گوہر معنی سفتی، الحق حد چرب گفتار ، شوخ بیان است ۔ اما در خم کدۂ غالب بادہ فروش و سالک بادہ پیما ، بادہ ھا ھمہ سرجوش است و نشہ ھا ھمہ رسا۔"

اگرچہ انہوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی لیکن غزل میں اپنے کمال کا سکہ بٹھادیا ہے ۔ نہایت سنجیدگی کے ساتھ سخن سنجی و مضمون آفرینی کی ہے ۔ ان کے کلام میں مسرور ومسحور کردینے کی خوبی بدرجۂ اتم موجود ہے وہ الفاظ و محاورات کو افکار کے سانچے میں ڈھال دینے پر بڑی قدرت رکھتے تھے ، انکے کلام میں غالب کا سا کیف و سرور پایا جاتا ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو :

تاراج غم میں ، صبر و سکون کا نہ پوچھ حال
پہنچا ہے میں فوج کو صدمہ شکست کا

حضرت یعقوب یوسف کے غم میں اپنی بینائی کھوبیٹھے تھے ۔ اس مفہوم کو کیسے نرالے انداز میں پیش کرتے ہیں :

یعقوب کی نظر میں ہے کنعان سے مصر تک
دل میں سما گیا ہے جو آنکھوں میں نور تھا

جس طرح ایک مسافر کسی پر خطر راستے میں سہما ہوا رہتا ہے اسی طرح ہم بھی دوست کی بزم میں بیٹھے تو بیٹھے مگر سہمے سہمے ہوئے رہے :

ہم ان کی بزم میں بیٹھے رہے و لیکن یوں
کہ جیسے رہرو راہ خطر خطر میں رہے

فرماتے ہیں جو کوئی راہ خدا کا سالک ہو اس کو بس خدا ہی پر نظر رکھنی چاہئے - وہی منزل پر پہنچائے گا - اسی راستے میں کسی مخلص اور حقیقی رہبر کا ملنا دشوار ہے :

سالک نظر خدا پہ رکھو اور چلے چلو

رہبر صہیب اپنے بیابان کے ہوچکے

سالک کا شمار اپنے وقت کے مسلم الثبوت استادوں میں ہوتا ہے - ان کا اردو اور فارسی دونوں زبانوں کا کلام معیاری ہے - ان کا فارسی کلام کم یاب ہے - روز روشن سے صرف ۱۲ اشعار مل سکے ہیں - لہذا ہم انہی پر اکتفا کرتے ہوئے تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہیں -

<u>چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :</u>

فارسی : افروختم ز آتش دل شمع آہ را   درسینہ سوختم نفس صبح گاہ را

اردو   خاطر میں تیرا غم ہو تو کیوں کر نہ ہو روش   آئینے کو اس گرد سے کیوں کر نہ جلا ہو

دونوں اشعار میں غم عشق کی تعریف کی ہے - دونوں اشعار کا اسلوب بیان نہایت شگفتہ اور دل کش ہے - فارسی شعر میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آتش دل سے شمع آہ کو روشن کیا اور اس کے ذریعہ نفس صبح گاہی میں سوز پیدا کیا - مطلب یہ ہے کہ زبان میں تاثیر اور الفاظ میں اثر اور سوز و گداز اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب دل میں آتش عشق شعلہ فگن ہو -

اردو کے شعر میں اسی مضمون کو اس انداز سے ادا کیا ہے کہ اے دوست اگر دل میں تیرا غم ہو تو دل گرد و غبار سے صاف ہوکر کیوں جلا نہ پائے - اور اس میں روشنی کیوں پیدا نہ ہو - مطلب وہی ہے مگر اردو میں مضمون کسی قدر زیادہ صفائی اور زیادہ خوبی سے ادا ہوا ہے -

====XXX====

فارسی   اے بے خبر رنج فراق و نشاط وصل   دیر آمدی بسی من ، وزود می روی

اردو   وصل کی شب بخت میں آتی چلی پھر تو گئی   صبح ہوتے کوئی وہ رشک قمر جانے کو ہے

عاشق چاہتا ہے کہ لطف وصل کسی طرح ختم نہ ہو - اس لیے اس سلسلہ میں کبھی دوست کی شکایت ، کبھی اپنے مقدر کا شکوہ کرتا ہے جس سے بیان میں شگفتگی پیدا ہوجاتی ہے - فارسی کے شعر میں دوست سے شکایت کرتے ہیں کہ اے دوست تو اتنی مدت کے بعد تو آیا ہے

اور پھر بھی اتنی جلدی جانا چاہتا ہے - افسوس کہ تو رنج فراق اور لذت وصال کو نہیں جانتا - تیری دیر سے آنے اور جلدی جانے سے جو تکلیف ہوتی ہے اسے تو ایک عاشق ہی سمجھ سکتا ہے - کاش تو بھی اس سے واقف ہوتا-

شعر میں رنج و فراق اور نشاط وصل کا تقابل اور اسی طرح دیر آمدی و زود روی کا مقابلہ لطف سے خالی نہیں ہے -

لیکن اس کے مقابلہ میں اردو کے شعر میں جو طرفگی اور لطف پایا جاتا ہے فارسی کے شعر میں اس درجہ کا نہیں ہے - فرماتے ہیں کہ میری بخت سیاہ میں ایک مدت کے بعد روشنی پیدا ہوئی تھی - یعنی وہ رشک قمر میرے پاس آیا لیکن جوں جوں صبح قریب ہوتی جاتی ہے وصل کی شب ختم ہوتی جاتی ہے - ~~کہ~~ اس لیے میرے نصیب میں پھر وہی تیرگی پیدا ہونی شروع ہوگئی -

صبح ، شب ، تیرگی اور قمر وغیرہ کے تلازمہ کے علاوہ اردو کے شعر میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں - مذاق سلیم ہی جن کا اندازہ کرسکتا ہے -

===XXX===

~~[illegible]~~ ~~[illegible]~~ چند دیگر معنوی اشتراک رکھنے والے اشعار درج ذیل ہیں:-

فارسی — از ما مپرس بہر خدا ، داستان ما — درپاب ازین ، کہ تاب ندارد ، زبان ما

اردو — زباں[1] کیل رکھی ہے مری محبت نے — زمانہ دوست سہی رازدار کیوں کر ہو

===XXX===

فارسی — شب وصال[2] بہ غفلت گذشت سالک حیف! — مثال عمر کہ در عالم شباب رود

اردو — اب نہیں ہوتی خبر سوبار گر ہوجائے صبح — وصل کی شب نے کیا ہے اس قدر غافل مجھے

===XXX===

---

(۱) "زبان کیلنا" بمعنی قفل خموش لگادینا ، یہ محاورہ سالک سے پہلے کسی نے اس انداز میں استعمال نہیں کیا-

(۲) اصل نسخہ میں "شب وصال" کی جگہ "شب وصل" درج ہے -

فارسی روز وصل غیر و من اندر دعا   تا شود ، امروز او، فردائے من

اردو یہ کیا ضرور ہے ہوجائے آج وصل بتاں   خدا کبھی تو سنے گا دعا کیے جاؤ

====XXXX====

فارسی درگفتگوئے عشق ، لب را ز بستہ ایم   از دل گرہ کشودہ بر آواز بستہ ایم

اردو حشر میں کوئی اگر ہم سے نہ پوچھے تو ہے خوب

اک زباں، اور بیاں رکھتے ہیں کیا کیا ان کا

===XXX===

فارسی جادہ پیمایاں کہ حرم کعبہ دل کردہ اند   رفتہ اند از خویش وہم درخویش منزل کردہ اند

اردو دل میں ہم رکھتے ہیں عشق حق کو سالک   دیکھ کعبے میں ہونے کی بنا رکھتے ہیں

===XXX====

فارسی ناز بر روشنی مہر اقبال مکن(۱)   تا دم صبح بود ، انجمن آرائی شمع

اردو داغ دل کا مدام روشن ہے   صبح روشن ہے شام روشن ہے

===XXX===

(۲)
فارسی پنہاں ز ہمہ او نظرے جانب ما داشت   رفتیم گر از جائے، مخندید کہ جا داشت

اردو آنکھیں ہوں تو پھر کر کوئی پھر تجھ سے کدھر جائے

تو سامنے ہو منہ کے، جدھر کوئی پھرا ہو

==XXX===

فارسی دریہ بقدم(۳) بشب وصل و چناں رقص کنم   راہ نایافتہ مردم سر دیوار آیند

اردو فرط نشاط وصل سے ڈرتے کہ مر نہ جائیں   ذکر غم فراق ہی چھیڑیں بلا سے ہم

---

(۱) اصل نسخہ میں" مکن" کی جگہ " کن" لکھا ہے -

(۲) اصل نسخہ میں" نظرے جانب ما " کی جگہ " نظر جانب ما " درج ہے -

(۳) اصل نسخہ میں " دریہ بقدم " کی جگہ " دریقدم " درج ہے -

فارسی　گر زنده ام بهجر تو ای بی وفا مرنج　　مردن باختیار من سخت جان نبود

اردو　قاتل نہ جان لے ، ہمہ تن آرزو ہوں میں　　مارا اگر مجھے ، تو جلایا نہ جائے گا

===XXX====

فارسی　نشیند آتش دلها، دمی که جوش بنشینم　　برافتد رسم نالیدن اگر خاموش بنشینم

اردو　نالہ جو دل سے نکلا شور افشاں نکلا　　گرہ دار مری سینے میں پنہاں نکلا

====XXX====

فارسی　زاهد ز اهل میکده پرهیز واجب است　　از ما کناره گیر که آلوده ایم ما

اردو　بیچ میں اس بت عیار کے آیا افسوس!　　سالک غم زدہ سیدھا سا مسلماں نکلا

====XXX====

فارسی　جهان ز تیغ جفای تو سربسر خون ست　　ببین کجا که نهم پای، تا کمر خون ست

اردو　قتل قاصد ہوگا کیا اس جفاکردار کا　　خون ناحق روز ہو رہتا ہے واں دوچار کا

=====XXXXX=====

فارسی　سوی عاشق نگه مهر فرادتوان کرد　　میکنی هرچه باغیار، بما نتوان کرد

اردو　کچھ ہوئے پر اس کو (۱) جانب اغیار دیکھنا !　　اک بار منع کیجئے سو بار دیکھنا !

====XXX===

فارسی　تا نظر کردم برویت ، از نگاهم خون چکید

تا سخن گفتم ز خویت از لبم تبخاله ریخت

اردو　جی چاہتا ہے ان کو شب و روز دیکھئے　جس کا کہ جلوہ آتش صد رنگ ہاں بنا

شور، جارج :

==========

مسٹر جارج پیش شام اور شور تخلص تھا - ۱۸۱۷ء مطابق ۱۲۳۳ھ میں آپ کے آبا و اجداد
مطابق ۳۰-۱۲۲۹ھ
ہندوستان تشریف لائے اور دہلی کے نواحی علاقے میں اکبرآباد ہو گئے تھے - شور تقریباً ۱۸۱۲ء (

---

(۱)　اصل نسخہ میں " اس کو " کی جگہ " اسے " درج ہے -

میں پیدا ہوئے - (۱) شور اسلامی تہذیب کے بڑے دلدادہ تھے - انھوں نے اسلامی طرز معاشرت اختیار کرلیا تھا، لیکن اپنے اسلاف کی تقلید میں عیسائی مذہب پر قائم رہے - فرماتے ہیں -

اعجاز کیوں اثر نہو اپنے کلام کا | مداح ہوں مسیح علیہ السلام کا

پیدا جوہوئے پاک سے روح اللہ نام ہے | پھراس میں دخل کیاہے حکیم و کلام کا

داغ کی مشہور نعت کا مطلع ہے :

تو جو اللہ کا محبوب ہوا خوب ہوا

یا نبی خوب ہوا، خوب ہوا، خوب ہوا

شور دیوان پنجم میں اس مطلع کو پیش نظر رکھ کر حضرت عیسی علیہ السلام کی شان میں اس طرح رطب اللسان ہوتے ہیں کہ توحید کے حدود سے تجاوز کرجاتے ہیں- چند شعر ملاحظہ ہوں :

توجو اس وصف سے منسوب ہوا خوب ہوا

یعنی فرزند خدا خوب ہوا خوب ہوا

حشر میں خطر نہ کیوں کر ہو تری امت کو

جان دینا تجھے مرغوب ہوا خوب ہوا

شعر و شاعری سے انھیں فطری لگاؤ تھا، اور اوائل عمر میں اول مرزا رحیم بیگ میرٹھی سے اصلاح لیتے رہے پھر قطب الدین مشیر دہلوی کے مشورے سے گیسوئے سخن کو سنوارتے رہے اور اپنے زمانے میں خاصی مقبولیت اور شہرت کے مالک ہوئے - معاش کی فکر سے بے نیاز تھے، ضلع میرٹھ اور علی گڑھ میں ان کی جاگیر تھی، نہایت خلیق ، ہمدرد ، ملنسار، باوضع اور زندہ دل آدمی تھے - شاعری کا شوق اس درجہ تھا کہ ہمہ وقت فکر سخن میں رہتے تھے اردو ، فارسی، اور ہندی زبانوں میں شعر کہتے تھے ، انھوں نے اپنی زندگی میں پانچ دواوین اردو کلام کے اور ایک مجموعہ فارسی کلام کا طبع کرادیا تھا - دیوان دوم اور دیوان پنجم

---

(۱) لالہ سری رام کے قول کے مطابق انھوں نے "۱۸۸۳ء میں ۷۰ سال کی عمر پاکر انتقال کیا-"

راقم الحروف کی نظر سے گزری ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اردو فارسی زبانوں میں اظہار مافی الضمیر پر بڑی قدرت رکھتے تھے - انھوں نے اپنی اردو غزلیں داغ دہلوی کی غزلوں کو سامنے رکھ کر کہی ہیں - اس لیے بیشتر داغ کی غزلوں کی ہم طرح ہیں لیکن فارسی میں بھی ان کا کلام اردو کلام کے مقابلہ ہی کا ہے -

شور کا فارسی دیوان" مطبع شگوفۂ فیض" میرٹھ میں منشی وزیر علی کی کوشش سے طبع ہوا اور اہل ادب کی دلچسپی کا سبب بنا -

منشی عبدالحکیم مدرس مشن اسکول میرٹھ نے قطع تاریخ بھی لکھا ہے اور "دیوان فصیح و بلیغ" سے تاریخ نکالی ہے -

۱۳۰۷ھ

بقول لالہ سری رام " ۱۸۸۴ء/۱۳۰۲ھ میں ۷۰ سال کے قریب عمر پاکر انتقال کیا -"

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی — چراغ خانۂ درد دل شور — فروغ طلعت دلدار باشد

اردو — تجلوہ ریزہ ہر رنگ وہی سے ہے رات دن — لیکن غضب یہ ہے کہ فروغ نظر کہاں

دونوں شعر معرفت کے رنگ میں کہے ہیں - فارسی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ شور کے دل کا چراغ محبوب حقیقی کی تجلی کی جگہ ہے - اسی کے انوار سے شور کے خانۂ دل میں اجالا رہتا ہے - اور یہ حقیقت ہے کہ دل کی روشنی خداہی کی یاد سے پیدا ہوتی ہے - اردو کے شعر میں یہ حقیقت بیان کی ہے کہ خدا کا جلوہ تو ہر چیز میں موجود ہے - لیکن دیکھنے والی آنکھیں بھی تو ہوں - افسوس اس محرومی پر کرتے ہیں کہ وہ نظر نہیں جو خدا کا جلوہ دیکھ سکے - دونوں شعر سادہ اور عام فہم ہیں اور دونوں کی بنیاد حقیقت پر ہے -

====XXX====

فارسی — کچھ عشق بتاں دارم و کچھ حسرت کعبہ — از مشرب من گبر و مسلماں گلہ دارد

اردو — ہم تو دونوں کی دلاخیر مناتے ہیں مدام — وہ تو کچھ کفر پہ رکھتے ہیں وہ اسلام پہ دام

دونوں اشعار میں اپنے مسلک صلح کل کو بیان کیا ہے - فارسی کے شعر میں کہتے ہیں کہ میں اپنی آزادہ روی کی بنا پر کبھی تو بتوں کے ساتھ تعلق خاطر رکھتا ہوں اور کبھی اپنے

دل میں کعبے کی حسرت پالتا ہوں لیکن میرے اس مشرب سے گبرو مسلماں کو شکایت ہے، ہر فرقہ چاہتا ہے کہ میں صرف اسی سے تعلق رکھوں - اردو کے شعر میں اس بات کو بالکل واضح طورپر کہہ دیا ہے کہ ہم تو کفر و اسلام دونوں ہی سے رابطہ رکھتے ہیں کہ یہ ہماری آزادہ روی کا تقاضہ ہے -

بہرحال دونوں اشعار اپنی اپنی جگہ خوب ہیں -

===XXX===

چند مزید اشعار درج ذیل ہیں :

فارسی　　دل کباب ست چہ می باید کرد　　　خون شراب است چہ می باید کرد

اردو　　شاید شب فراق سے دل جل گیا کہیں　　　آتی دماغ میں ہے مری بو کباب کی

===XXX===

فارسی　　محبت خانہ زاد خاطر ماست　　　دل و ایمان فدائی یار باشد

اردو　　جان کو ضرر، محبت کی تیر کر بیٹھے　　　دل ترا جان کے بوجھ نے اٹھا رکھا ہے

===XX===

فارسی
بے جرم و گناہ قتل عاشق　　　در مذہب او ثواب باشد

اردو　　ایسے بھی اصاف(1) دشمن سے ہو کیا چشم وفا

قتل عاشق کو کرو تم اور قضا کا نام لو

===XX=====

فارسی　　اسرار باغ دھر عیاں پر کسی نشد　　　بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

اردو　　وہ گلشن ہے دائم وہ گل کو بقا ہے　　　یہ دو دن کو سب گل کھلائے گئے ہیں

===XX===

فارسی　　دارد بہار روی تو صد رنگ و بوی گل　　　مشتاق جلوہ ات نگہ آرزوی گل

اردو　　برقع اٹھاکے آئے چمن جو گل بدن　　　نظروں سے عندلیب کے کم ہو وقار گل

====XXX====

---

(1)　　اصل نسخہ میں "ایسے بھی اصاف دشمن" کی جگہ " ایسے اصاف دشمن" درج ہے-

فارسی   نازک تنان کنند بہم (۱) کسب رنگ و بو   خوشی توگل گرفت و گرفتی تو خوی گل

اردو   گل کا سا چہرہ سرو سے قدرکو دکھائیے تم   قمری و عندلیب کو باہم لڑا چلے

====XXX====

فارسی   شور اکنون بہ کوچۂ آن بت   بیشتر می رود خدا حافظ

اردو   گذر کسی (۲) کا کہاں سنگ آستاں تک ہو   پکار کہے ہیں حرایک بت نے جا بجا حافظ

===XXX====

فارسی   اسیر چشم آن جادو اثر رشک غزالا م   نہ می فرہاد کوہستان نہ مجنون بیابانم

اردو   تمہاری چشم قیامت ہے خشمگیں ہے نگاہ   اور اس پہ طرۂ کہ عاشق کی دل شکنی ہر نگاہ

===XXX===

فارسی   شدہ در شیشۂ دل جلوہ فرما آن پری پیکر

بکن ای زاہد خلوت نشین سیر پرستانم

اردو   شیشہ دل میں جو وہ پری کا پیکر اترا   اس لیے یہ مرا غمخانہ پریخانہ ہے

===XXXX@====

فارسی   قصد قربانی من هست اگر، بسم اللہ   حکم کن تا بسر خنجر بران گذرم

اردو   سرکو رکھ ہاتھ پہ مقتل میں نہ جاؤں کیوں کر

میرا اقبال مجھے خود جو (۳) بلائے آئے

===XXX===

فارسی   شور دردام گیسوی سخت گرفتار آمد   بہر او فیض دعا نہ گذارم چکنم

اردو   ابر رحمت کا ہاتھوں نے کیا رستہ بند   اس لیے خاک اب اڑاتی ہے خرابا توں میں

==== XXX X=====

فارسی   درشب ہجرتوچون اشک نہ بارم چکنم   شدہ باز لعف پریشان سروکارم چکنم

اردو   زلف کے دام میں پھنس کر کوئی نکلا نہ کبھی   اورجو سومارکے نکلا تو پریشان نکلا

---

(۱)   اصل نسخہ میں " بہم " کی جگہ " رحم " درج ہے -

(۲)   اصل نسخہ میں " گذرکسی کا " کی جگہ " گذر سکے کا " درج ہے -

(۳)   اصل نسخہ میں " جو " کی جگہ " جو " لکھا ہے -

داغ ، نواب مرزا خاں :

نواب مرزا خاں نام اور داغ تخلص کرتے تھے - نواب شمس الدین خاں کے ~~فرزند~~ فرزند ارجمند تھے - ۱۸۳۱ء / ۱۲۴۷ھ میں دلی میں متولد ہوئے - اوائل عمر ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہوگئے تھے - ان کی والدۂ محترمہ نے بہادر شاہ ظفر کے صاحبزادہ مرزا فخرفتح الملک سے شادی کی تھی - والدہ کے ہمراہ وہ بھی دہلی کے لال قلعہ میں مقیم ہوئے اور وہیں سے تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوا- قلعہ شعر و شاعری کا مرکز تھا - مشاعروں کی محفلوں کا بازار گرم تھا - مرزا فخر اور بہادر شاہ ظفر شیخ محمد ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے- ذوق کی صحبت سے مرزا خاں کو بھی شعر گوئی کا ذوق پیدا ہوا چناں چہ بچپن ہی میں شعر کہنا شروع کیا ، فطری صلاحیت نے وہ رنگ دکھایا کہ کچھ ہی دن میں مشاعرے ان کے اشعار کی داد سے گونجنے لگے -

مرزا فخر کے انتقال کے ایک سال بعد ہی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ہنگامہ آرائیاں شروع ہوگئیں - انگریزوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے داغ نے پے بہ پے بڑی مصیبتیں برداشت کیں ، آخرکار رام پور چلے گیے وہاں نواب یوسف علی خاں بہادر والی رام پور نے بڑی قدر کی اور اپنے دربار سے منسلک کرلیا ، ان کے جانشین نواب کلب علی خاں نے بھی بے انتہا عزت افزائی کی اسی لیے انھیں زندگی بھر رام پور سے باہر جانے کا خیال تک نہ آیا - دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ رام پور میں شعر و سخن کے شائقین جمع تھے جس سے ان کے ذوق کی تسکین ہوتی تھی لہذا انھوں نے رام پور چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیا-

نواب کلب علی خاں کے انتقال کے بعد رام پور میں ان کا دل نہ لگا اور کچھ ہی عرصہ بعد حیدرآباد دکن چلے گیے - خوش قسمتی سے آپ اعلی حضرت میر محبوب علی خاں(۱) آصف جاہ ششم کے درباری شاعر اور مصاحب مقرر ہوئے - پہلے چار سو روپیہ بعد ازاں ایک ہزار روپیہ ماہانہ مشاہرہ ملنے لگا اور نہایت عیش و آرام سے زندگی گزارنے لگے- بیش بہا خلعتوں سے

[illegible]

(۱) تنہا ، محمد یحیٰ " مرآۃ الشعراء " جلد دوم ، لاہور : شیخ برکت علی تاجر کتب ۱۹۵۰ء ص ۲۳

سے نوازے گئے اس کے علاوہ " سپہ سالار، یار وفادار، مقرب السلطان، بلبل ہندوستان ، جہاں استاد، ناظم یار جنگ ، دبیر الدولہ فصیح الملک " کے خطابات سے سرفراز کیے گئے -

داغ نہایت خوش طبع، خوش وضع ، خوش خلق ، رنگین مزاج ، بردبار، پروقار، ہمدرد ، ملنسار، بامروت ، شریف النفس ، رقیق القلب اور حاضر جواب انسان تھے۔ آپ کی موجودگی سے محفل کی رونق کو چار چاند لگ جاتے تھے - ۱۹۰۵ء / ۱۳۲۲ھ (۱) میں دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا۔

خصوصیات کلام :
===========

داغ نے اپنے معاصرین میں جو مقام اردو غزل میں پیدا کیا وہ کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا - اس کی وجہ قدرتی طور پر یہ ہوئی کہ دلّی اجڑی، لکھنو تباہ ہوا تو شعر و سخن کے دلدادہ رام پور میں آکر جمع ہوگئے اور رام پور شعر و شاعری کا مرکز بن گیا- ادھر شعرائے لکھنو کی قیادت امیرمینائی کر رہے تھے ادھر شعرا دلی کی رہنما داغ تھے - خوب طبع آزمائیاں ہوئیں کھل کر ایک نے دوسرے پر تنقید کی - چوں کہ اہل سخن جمع تھے اس لیے ہر شخص بڑی غور و فکر اور محنت و کاوش سے شعر کہتا تھا - بالآخر فیصلہ ہوگیا - شعرائے لکھنو قصیدہ میں اور شعرائے دلی غزل میں بالآخر فیصلہ ہوگیا سبقت لے گئے - چوں کہ داغ نے غزل میں ملک گیر شہرت حاصل کرلی تھی اسی لیے حیدرآباد دکن میں بھی ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا- کہ اور فوراً بادشاہ کے مقربین میں شامل ہوگئے-

انھوں نے دوسری تمام اصناف سخن میں بھی زور دکھایا لیکن غزل میں یکتائی کا درجہ حاصل کیا- داغ ہمیشہ استاد کے مخصوص انداز میں شعر کہتے رہے، کوئی نیا رنگ اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی تاہم اپنے حسن بیان، روزمرہ اور محاورے کے برمحل استعمال تازگی مضامین اور رفعت تخیل سے ایسا انوکھاپن پیدا کیا کہ بے ساختہ ہر شخص کا داد دینے کو جی چاہتا - یہی وجہ ہے کہ غالب جیسا سخنور اور سخن فہم بھی درج ذیل شعر پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکا:

---

(۱) غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر "تحقیقی جائزے" سکھر: بزم غالب، ۱۹۶۸ء ص ۹۸

(+) [illegible]

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

داغ کے اشعار ، جلسوں، رقص و سرود کی محفلوں اور گلی کوچوں میں گائے جاتے اور سننے والے ان سے لطف اندوز ہوتے تھے - رام پور اور دکن میں جو قدردانی داغ کی ہوئی وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوئی - شہرت کا یہ عالم تھا کہ شعراء خطوط کے ذریعہ اپنے کلام کی اصلاح کرانا فخر سمجھتے تھے چنانچہ اسی ذریعہ سے علامہ اقبال بھی ان کے شاگردوں کی صف میں داخل ہوئے جس سے ان کے ابتدائی کلام میں فنی محاسن پیدا ہوئے ، زبان و بیان کی بہت سی خامیاں دور ہوئیں اور آگے چل کر ان کا کلام فصاحت و بلاغت کے اس اعلی اور ارفع مقام پر پہنچا کہ دوسرے ہم عصر شعرا اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے - اس طرح یہ فخر کافی حد تک داغ کو پہنچتا ہے -

میر اور سودا نے عشقیہ شاعری کی بنیاد رکھی تھی جس کی سب نے تقلید کی بعد میں مومن نے نازک خیالی کو اس درجہ پر پہنچایا کہ ناقابل تقلید بنادیا- جرات اور ناسخ نے هرچند معاملہ بندی اور تشبیہ و استعارے کے سہارے اپنے کلام کو پرکشش بنانے کی کوشش کی تاهم پرانے رنگ میں اب کوئی جاذبیت نہ تھی پھر بھی ذوق نے قدرت بیان سے پرانی روش کو زندہ کیا- اور امیر ، تسلیم اور جلال نے اس کا ساتھ دیا لیکن یہ رنگ اس قدر پھیکا پڑچکا تھا کہ دوسروں پر نہ چڑھ سکا- آخر کار ناقدین اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب غالب کی طرز میں یہ صنف ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتی ہے اور اس صنف پر اگر کوئی رنگ غالب آسکتا ہے تو وہ غالب کا طرز ہے ، ورنہ داغ پر قدیم روش کا خاتمہ سمجھنا چاہئے -

داغ کی عظمت صرف ان تین باتوں پر موقوف ہے :

۱- ان کی شہرت عام ،

۲- ان کا طرز خاص ، اور

۳- ان کی خدمات زبان -

داغ عاشقانہ شاعری کے مسلم الثبوت استاد ہیں - ان کی سب سے بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے پیچیدہ ترکیبوں اور فارسی اور عربی کے دقیق اور غیر مانوس الفاظ

کو اپنے کلام میں جگہ نہیں دی - یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام تصنع و تکلف سے پاک ہے الفاظ نہایت سادہ ترکیبیں سیدھی سادی، بندشیں نہایت چست ہیں وہ شعر کی ظاہری زیب و زینت کے لیے صنائع و بدائع اور تشبیہات و استعارات کو کلام میں نہیں لاتے - حشو و زوائد سے بھی ان کا کلام پاک ہے اسی لیے ان کے اشعار زور دار اور موثر ہیں - اور کلام میں زندگی کی امنگ پائی جاتی ہے - ان کا کلام جملہ اصناف سخن پر حاوی ہے - ان کے کلام میں حاضر جوابی میں شوخی ، ظریفانہ بذلہ سنجی، زاہدوں اور واعظوں پر طنز ہے کہیں معاملہ بندی میں جاز عاشقانہ اور ناز معشوقانہ سے بھی کام لیا ہے - کسی مقام پر ھجر کی صعوبتوں ، رقیبوں کی عیاریوں اور سازشوں کا ذکر ہے غرض ان کے اشعار جذبہ انسانی کے سچے عکاس ہیں - اور چوں کہ ان جذبات کے اظہار میں زبان نہایت سلیس اور عام فہم استعمال کی ہے اس لیے اثر انداز ہوتی ہے اسی لیے ان کا دیوان عشق کے تیر و نشتر کا ترکش سمجھنا چاہئے -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی شرارت خانہ زاد ستش تغافل زیر دستش
بکار خویشتن هشیار یارب چشم سرمستش (۱)

اردو خوب ہی چلتی ہوئی وہ نرگس مستانہ ہے آشنا سے آشنا بیگانہ سے بیگانہ ہے

شاعر نے اپنے اردو اور فارسی دونوں اشعار میں دوست کی آنکھوں کی تعریف کی ہے فارسی کے شعر میں ایک خاص بات پہلے مصرع میں یہ پیدا کی ہے کہ تغافل زیر دستش کہا ہے اور اس طرح تغافل کی زیادتی کا اظہار مقصود ہے - زیر دست کے لفظی معنی ماتحت اور نوکر چاکر کے ہوتے ہیں اور جب زیر دستش کہا تو اس سے مراد یہ لی ہے کہ تغافل اس کے

---

(۱) مذکورہ ذیل شعر اصل نسخہ میں اسی طرح ہے :
شراب خانہ زاد ستش تغافل زیر دستش
بکار خویشتن هشیار یارب چشم مستش
مگر اس صورت میں دونوں مصرع وزن سے گر جاتے ہیں -

چشم و ابرو کے ہر ایک اشارہ پر کمر بستہ ہے اور ظاہر ہے اس طرح انتہائی تغافل کا مفہوم نکل آتا ہے -

مطلب یہ ہے کہ اس کی چشم مست اگرچہ مست و بے خود ہے مگر اپنے کام میں بہت ہوشیار ہے وہ اس طرح کہ شرارت میں عاشق کے لیے سم قاتل اور تغافل میں زہرہلاہل ہے -

اردو کے شعر میں بھی تقریباً اسی قسم کا مفہوم ادا کیا ہے - فرماتے ہیں کہ دوست کی نرگس مستانہ کتنی چال باز اور ہوشیار ہے کہ آشنا اور بیگانے کو خوب پہچانتی ہے اور پہچان کر آشنا کے ساتھ آشنائی کا اور غیر کے ساتھ غیریت کا برتاؤ کرتی ہے - اس کے باوجود کہ ہمیشہ مست و مخمور رہتی ہے -

لیکن فارسی اور اردو کے دونوں اشعار میں فارسی کا شعر زبان اور انداز بیان کی خوبی اور الفاظ کی جدت ترکیب کے اعتبار سے اردو کے شعر سے بہتر ہے -

===xxx===

فارسی   تزابہ این‌ستم و کینہ و دل آزاری   چوباک نیست زروزجزا جزاک اللہ

اردو   ستم ہی کرنا جفا ہی کرنا نگاہ الفت کبھی نہ کرنا

تمہیں قسم ہے ہمارے سرکی ہمارے حق میں کمی نہ کرنا

شعرا معشوق کے ظلم و ستم کے بیان میں نیے نیے انداز اختیار کرتے ہیں - داغ نے بھی اپنے فارسی واردو اشعار میں اس بات کو ایک خاص اسلوب کے ساتھ ادا کیا ہے - فارسی کے شعر میں اول یہ کہنا کہ اے دوست تو کس قدر ستم کینہ اور دل آزاری سے کام لے رہا ہے پھر روز [illegible] جزا کا مطلق خوف نہیں کرتا - ساتھ ہی جزاک اللہ کہنا بدیع الاسلوبی پر دلالت کرتا ہے ، اور یوں بھی مقام عشق کا خیال رکھتے ہوئے دوست کے ظلم و ستم پر بھی جزاک اللہ ہی کہنا [illegible] چاہئے تھا -

اردو کے شعر میں ستم اور جفائے یار کا شکوہ اس طرح کرتے ہیں کہ اے محبوب جتنی تم سے جفائیں ہوسکیں کرو اس میں کسی قسم کی کسر نہ اٹھا رکھو - اور پھر اپنے سرکی قسم دیکر یہ کہنا کہ ہمارے حق میں کمی نہ کرنا یہ بھی بدیع الاسلوبی ہے - بہرحال دونوں اشعار اپنی اپنی جگہ زبان اور انداز بیان اور اسلوب کی ندرت کے اعتبار سے بہت خوب ہیں ، ان دونوں اشعار

میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتے -

===XXX===

فارسی   کلام داغ چوں خواندم صدا برخاست از محفل

خدائے پاک از عین الکمال او را نگہ دارد

اردو   داغ خاموش نہ لگ جائے نظر   شعر دیوان ہوا جاتا ہے

دونوں اشعار میں داغ نے تعلی سے کام لیا ہے اور تعلی بھی ایک خاص موضوع ہے اس موضوع پر بھی شعراء نے طرح طرح کے اسالیب کے ذریعہ اپنی قادرالکلامی دکھلانے کی کوشش کی ہے - داغ نے فارسی کے شعر میں دو لفظ " عین الکمال اور نگہ دارد " خاص طور پر ایسے استعمال کیے ہیں کہ جن کی وجہ سے لفظی مناسبت پیدا ہوگئی ہے اور شعر کا لطف بھی دو بالا ہوگیا ہے -

عین کے معنی عربی میں آنکھ کے ہیں لیکن جب یہ لفظ کمال کے ساتھ مضاف ہوجاتا ہے تو اس کے معنی نظر بد کے ہوتے ہیں - اور عین الکمال اور نگہ دارد میں عین کو نگاہ سے جو مناسبت ہے وہ اہل فن سے پوشیدہ نہیں - شعر میں یہی لفظی رعایتیں قابل توجہ ہیں ورنہ شعر کا مطلب بالکل صاف ہے - اور بڑی خوبی کے ساتھ تعلی پیدا ہوتی ہے -

اردو کے شعر میں بھی تقریباً یہی مضمون ہے - اس میں اپنے آپ کو نظر بد سے بچانا چاہتے ہیں - یہاں بھی دوسرا مصرع تعلی میں اپنا جواب نہیں رکھتا - فرماتے ہیں کہ اے داغ تمہارا ایک ایک شعر دیوان ہوا جاتا ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ نظر بد لگنے کا اندیشہ ہے اس لیے خاموش رہو -

نظر بد اس شخص کی لگتی ہے کہ جس کو وہ چیز میسر نہو - یہاں یہ دکھانا مقصود ہے کہ دوسرے شعرا نے ایسے شعر نہ کبھی کہے اور نہ سنے اس لیے تیرے اشعار کو سن کر ان کی نظر بد لگنے کا اندیشہ ہے -

====XXX====

فارسی   یاخواجہ معین الدین چشتی سلطان الہند غریب نواز

یا واقف راز خفی و جلی سلطان الہند غریب نواز

اردو   دل اور جگر خمخانۂ عشق آنکھیں ہوں مری پیمانہ عشق

اے عاشق راز خدا و نبی سلطاں ابنِ غیوب نواز

فارسی اور اردو دونوں اشعار میں نواب مرزا خاں داغ نے حضرت خواجہ اللہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے ۔ فارسی کے شعر میں واقف راز حقیقی و جلی کہا ہے اور اس کے مقابلہ میں اردو کے شعر میں عاشق راز خدا و نبی کہا ہے ۔ یہ تو دونوں شعروں کا لفظی اور ظاہری فرق ہے - معنوی فرق یہ ہے کہ فارسی کے شعر میں یا کا لفظ دونوں مصرعوں میں کھٹکتا ہے - فارسی والے ایسے موقع پر بجائے یا کے اے کا ہی استعمال کرتے ہیں یا عربی کا لفظ ہے جو ندا کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اسی طرح واقف راز خفی و جلی کے مقابلہ میں عاشق راز خدا و نبی میں جو خوبی اور معنویت ہے وہ بھی کسی سے اہل نظر سے پوشیدہ نہیں - اور اردو کا پہلا مصرع کردر عاشقانہ کیفیت کا حامل ہے اس کا اندازہ مذاق سلیم ہی کرسکتا ہے ۔ پھر خم خانہ اور پیمانہ کا تلازمہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالکل بے ساختگی سے پیدا ہوگیا ہے ان وجوہات سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو کا شعر فارسی کے شعر سے بہت بہتر ہے -

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں

====xxx====

فارسی   قاطع بغض و حسد قامع بیداد و ستم   باعث عیش و طرب ماحی آلام و حزن

اردو   مجھ چڑھے کون تری تیغ کے یہ کوہ شگاف   سرشکن، صف شکن، آہن شکن، البرز شکن

====xxx====

فارسی   مجمع جود و سخا مصدر الطاف و عطا   معدن حلم و حیا مخزن اوصاف حسن

اردو   فیض ہے کوہ و بیاباں کو بھی ہنگام نثار   لیتے ہیں لعل و گہر دونوں بچھا کر دامن

====xxx====

فارسی   کندرر داں قدرکن و قدر فزا قدر شناس   حاکم علم و عمل بادشہ فہم و فطن

اردو   حکمت آموز فلاطوں ہے تری عقل سلیم   بات پختہ ہے تری رائے تری مستحسن

====xxx====

فارسی   پاک دل پاک نفس پاک نظر پاک نهاد   نیک خو، نیک سیر، نیک روش نیک چلن

اردو   تیرے مداح ہیں سب اہل نظر اہل کمال   آنکھ میں کھوجے تراتو ہے زبان پر مسکن

===xxx===

فارسی   چمن آرائے دکن خسرو شیرافگن تیغ فگن شیرافگن

میر محبوب علی خان مالکِ ملکِ دکن

اردو   چمن آرائے دکن خسرو فیاض و جواد   جس نے شاداب کیا آب کرم سے یہ چمن

===xxx===

فارسی   دل پر داغ می آرم به کعبه   چراغ راه بت خانه نباشد

اردو   دل کو بچا رہا ہوں بتوں کے خیال سے   اللہ تو علیم ہے بندے کے حال سے

===xxx====

فارسی   لذت عشق می دهی یارب   فرصت زندگی همی بخشی

اردو   ہائے وہ دن کہ میسر تھی ہمیں رات تھی   روز معشوق تھا روز ملاقات تھی

===xxx====

فارسی   عجب انداز وقت مرگ من آن رشک مه دارد

تبسم زیر لب دارد تأسف در نگه دارد

اردو   تغافل مرنے والوں سے کہاں تک   ہمیں چھیڑا ہے امتحان تک

===xxx====

فارسی   ز شوخی کے بجز تمکین مزاج لاابالی را   خیال عاشق شیدا ندارد گاه و گهه دارد

اردو   تری تمکین کم نہ تھی کچھ مار رکھنے کے لیے

اور پھر اس پر یہ شوخی یہ شرارت الحفیظ

===xxx====

فارسی   نه در سرو سهی بینی نه در تاج فلک یابی

ادائی خاص کان رعنا جوان کج کله دارد

اردو کونسی خوبی نہیں تیری قد آزاد میں شاخ ہے کیا سرو میں، طرہ ہے کیا شمشاد میں

===xxx====

فارسی بگنج بادآور، روشن آرد ز استغنا گدائے کوچۂ جاناں دماغ بادشہ دارد

اردو اللہ رے توقیر کی دولت ہے سلطنت جتنے فقیر مجد کو ملے بادشاہ ملے

===xxx====

فارسی عجب نبود کہ عکس داغ عصیان من ناصی اگر خورشید تاباں روز محشرروسیہ دارد

اردو جب اس کے مقابل میں داغ جگر آئے خورشید قیامت کو بھی تاب نظر آئے

============

حالی، خواجہ الطاف حسین :

خواجہ الطاف حسین نام اور حالی تخلص ہے - ۱۸۳۷ء / ۱۲۵۳ھ میں بمقام پانی پت پیدا ہوئے - آپ کا سلسلہ نسب حضرت ایوب انصاری سے ملتا ہے - ۹ سال کی عمر میں والد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگیے تھے - بڑے بھائی کی زیرسرپرستی رہے - تعلیم کی ابتدا حفظ کلام اللہ شریف سے ہوئی - سید جعفر علی مرحوم سے فارسی ادب اور مولانا حاجی ابراہیم حسین انصاری سے عربی ادب پڑھنا شروع کیا، تعلیم ابھی ابتدائی مراحل میں تھی کہ گھر والوں نے تلاش معاش کا مشورہ دیا- دل میں علم کا شوق موجزن تھا اس لیے گھر والوں کی بات طبع نازک پر گراں گذری - سترہ سال کی عمر میں خفیہ طور پر پانی پت سے دلی چلے گیے - وہ جانتے تھے کہ دلی مخزن علم ہے یہاں علم کی تکمیل بخوبی ہوسکے گی - خوش قسمتی سے اسی دوران مرزا اسد اللہ خان غالب کی صحبت میسر آگئی - مرزا نے انھیں اپنے اردو فارسی کلام کے مطالعے کا مشورہ دیا جو اشعار سمجھ میں نہ آتے غالب خود ان کی تشریح فرمادیتے - مرزا کے تربیت دینے کا یہ انوکھا انداز حالی کے حق میں نہایت سودمند ثابت ہوا - اسی زمانے میں خواجہ صاحب کو بھی شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا - اور مرزا سے اپنے کلام کی اصلاح لینے لگے -

ڈیڑھ سال دلّی میں قیام کیا ابھی شرح مسلم و دستور المبتدی پڑھ رہے تھے کہ

گھر والوں کو دلی کے قیام کا علم ہوگیا اور انھوں نے واپس بلالیا۔

پانی پت میں کئی سال تک بیکاری اور کس مپرسی کا شکار رہے آخر کار ۱۸۶۳ء میں پھر ترک سکونت پر مجبور ہوئے۔ یہ سفر وسیلہ ظفر ثابت ہوا۔ حسن اتفاق دیکھئے، اس بار ان کی ملاقات نواب مصطفٰے خاں شیفتہ و حسرتی، سے ہوئی جو اردو فارسی شعر و سخن کا اعلٰی مذاق رکھتے تھے اور حسن اخلاق کا مظہر تھے۔ ان کی آٹھ سالہ صحبت کی برکت نے حالی کے نہ صرف اخلاق و کردار کو جلا بخشی بلکہ انھیں شعر و سخن کے بھی قابل قدر معیار پر پہنچادیا۔ وہ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ سے اپنی اردو و فارسی غزلیات کی تصحیح کراتے اور ان کے افکار و خیالات سے مکمل استفادہ کرتے رہے۔

شیفتہ کے انتقال کے بعد آپ پنجاب گورنمنٹ بکڈپو لاہور میں ملازم ہوگئے اور چارسال تک انگریزی مضامین کے اردو تراجم کی اصلاح کے کام پر مامور رہے بعدازاں اسی محکمہ کی طرف سے آپ کا تبادلہ اینگلو عربک اسکول دہلی میں بحیثیت مدرس کردیا گیا پھر آپ کو چیفس کالج لاہور کا پروفیسر مقرر کردیا گیا۔ لیکن اس کام نے آپ کو اصل مقصد سے دور کردیا تھا لہذا اس کام سے سبکدوش ہوگئے اور اپنے کلام اور افعال و اشغال کے ذریعہ قوم و ملک کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ آخر کار موت کا وقت آ پہنچا دو دن بیمار رہے ۳۱/ دسمبر، ۱۹۱۴ء/ ۱۳۳۳ھ کو آیات کلام اللہ شریف اور دعائیں سنتے ہی سنتے واصل بحق ہوگئے۔ لیکن جو زندگی اچھے کاموں کی بدولت حاصل ہوتی ہے موت کے ہاتھ اسے ختم نہیں کرسکتے۔

خصوصیات کلام :
==========

مولانا حالی مذہب و ملت کی آواز تھے، وہ نہایت متین، مدبر، اور معتدل مزاج تھے۔ سخاوت و فیاضی سے لے کر عام معاملات تک میں بڑی حد تک محتاط تھے ہو، کسی بھی معاملہ میں حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ وہ ایک فرشتہ صفت، ہمدرد اور مخلص انسان تھے۔ وہ کسی پر ظلم و ستم ہوتا ہوا دیکھ نہیں سکتے تھے۔ ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ وہ پاک باطن اور اوصاف حمیدہ کا مظہر تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو اسلام کی ترقی کا راز بتایا اور انحطاط کے اسباب سے بھی آگاہ کیا۔ مسدس ان کا عظیم شاہکار ہے۔

مرزا غالب لوگوں کو شعر گوئی سے باز رہنے کا مشورہ دیتے تھے مگر حالی کے افکار و خیالات سے متاثر ہوئے اور انھیں اصلاح دی کہ تم شعر گوئی ہرگز ترک نہ کرنا - اس بات سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مرزا غالب نے ابتدا ہی میں اپنی فراست سے ان کی فطری صلاحیتوں کو پتا لگا لیا تھا - غالب نے حالی کی ہمت افزائی کر کے انھیں فطری شاعر تسلیم کیا ہے -

حالی کو بیہودہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے کوئی لگاؤ نہ تھا - ان کا میلان طبع حقیقی واقعات ، قدرتی مناظر اور فطری شواہد نیز اسلامی نظریات کو دل چسپ اور نادر پیرائے میں بیان کرنے کی طرف تھا - چناں چہ انھوں نے داستان گل و بلبل کے قدیم ڈگر سے ہٹ کر اپنے لیے ایک نئی راہ متعین کی جسے نیچرل شاعری کا نام دیا جاسکتا ہے - ان کی شاعری پر مکمل طور پر جامع و مانع ہونے کا اطلاق ہوتا ہے -

انھوں نے صنف غزل میں، پند و نصائح ، علم و حکمت ، مذہبی افکار و خیالات اور ایثار و قربانی جیسی چیزوں کو شامل کر کے غزل کے دامن کو وسیع تر کردیا - سچ تو یہ ہے کہ وہ اس نرالے انداز میں بھی رنگ تغزل کو برقرار رکھتے ہیں - ان کے اشعار میں غالب کی شگفتگی ، میرکی سادگی اور مومن کی نازک خیالی جیسی خوبیاں جا بجا جلوہ فگن ہیں - لیکن یہی اچھوتا اور نرالا پن حالی کا خاص انداز سخن ہے - اگر اس دور میں کوئی شخص شعر و سخن میں کوئی نمایاں مقام پیدا کرنا چاہے تو اسے حالی کا طرز اختیار کرنا چاہئے کیوں کہ یہی وقت کی پکار ہے - اس وقت حالی کا کلام اردو ادب میں انفرادی حیثیت کا حامل ہے ان کی غزلیات ، منظومات اور مسدس نہایت پاکیزہ خیالات کا مرقع ہیں اور ان کا مسدس تو اردو ادب کی انگوٹھی میں نگینے کی حیثیت رکھتا ہے - جس میں مولانا حالی نے اسلام کا مد و جزر پیش کیا ہے -

حالی مرحوم نے اردو کی طرح فارسی میں بھی بہت کچھ لکھا ہے جیسا کہ محمد یحیٰ تنہا اپنی تصنیف " مراۃ الشعراء " میں لکھتے ہیں :

" اسی زمانے میں اردو اور فارسی کی اکثر غزلیں نواب (مصطفےٰ خاں شیفتہ) مرحوم کے ساتھ آپ کو (حالیؔ کو) بھی لکھنے کا اتفاق ہوا ، اور مرزا غالب کے پاس

اصلاح کے لیے بھیجیں مگر درحقیقت آپ کو مرزا (غالب) کی مشورہ اور اصلاح سے اتنا فائدہ نہیں ہوا جتنا کہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سےہوا -"(۱)

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حالی کا بیشتر کلام مفقود ہوگیا ہے-

نواب صاحب کے انتقال کے بعد وہ جہانگیر آباد سے لاہور آئے یہاں گورنمنٹ بک ڈپو کی ملازمت میں ان کو انگریزی ترجموں کے ذریعہ انگریزی علم و ادب کے نئے رجحان سے واقفیت حاصل ہوئی - چنانچہ ان کے اس زمانے کی شعروں میں جدید رنگ کی جھلک نظر آتی ہے جو آگے چل کر ان کا بہت بڑا کارنامہ سمجھا گیا- وہ انگریزی شاعری کے بڑے مداح تھے انھوں نے اس کی سادگی صفائی اور بلند نظری کو بہت پسند کیا- ان کا دل چاہتا تھا کاش یہ تمام چیزیں اردو شاعری میں بھی شامل ہوجائیں - اتفاق سے اسی زمانےمیں لاہور میں ایک ادبی انجمن قائم ہوئی اس انجمن کی طرف سے خاص خاص مضامین دے دیے جاتے تھے اور ان پر شعرا نظمیں لکھ کر انجمن کے جلسوں میں پڑھتے تھے - حالی بھی اس انجمن کے رکن تھے- اس زمانے میں قومی اور مقامی ماحول سے متعلق منظومات نے رواج پایا -

حالی کی مثنویاں اور رباعیاں بھی بہت مقبول ہوئیں یہاں تک کہ بعض تو کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہیں - ان میں نہایت موثر اور دلفریب انداز سے اخلاقی تعلیم دی گئی ہے -

اردو فارسی کے ایک شعر کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی — اے بیاض صبح پیری اسلام — اے شب قدر جوانی الوداع

اردو — رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر — اب نہ دیکھوگے کبھی لطف شبانہ ہرگز

فارسی کے شعر میں جوانی کے رخصت ہونے اور پیری کے آنے کا بیان ایک خاص صورت کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ پیری کی آمد کو بھی برا کہنے کی بجائے اس کا ان الفاظ میں خیر مقدم کیا ہے کہ " اے بیاض صبح پیری اسلام " اسی طرح جوانی کے رخصت ہونے پر

---

(۱) تذکرہ ، محمد یحیی ، محولہ بالا ، جلد دوم ص ۳۷

انتہا درجہ کا افسوس ظاہر کیا ہے - یعنی یہ کہ جوانی کیا رخصت ہوئی کیا جوانی جو شب قدر کی طرح قابل قدر ہے اس سے ہم محروم ہوگئے ہیں -

اردو کے شعر میں استعارے سے کام لے کر لطف جوانی کو لطف شبانہ کہا ہے اور اس کے ضائع ہوجانے پر اظہار افسوس کیا ہے اور شاعر کا یہ افسوس اس وقت اندوہ شدید میں بدل جاتا ہے جب اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ لطف جوانی کبھی میسر نہ آئے گا اس لیے کہ جوانی جانے کے بعد پھر واپس نہیں آتی -

مزید چند اردو فارسی اشعار درج ذیل ہیں :

فارسی   السلام اے قاصد ملک بقا   الوداع اے عمر فانی الوداع

اردو   آ لگا خالی کنارے پر جہاز   الوداع اے زندگانی الوداع

===XXX====

فارسی   نکتہ دان، نکتہ سنج ، نکتہ شناس   پاک دل پاک ذات پاک صفات

اردو   بلبل ہند مرگیا ہیہات   جس کی تھی بات بات میں اک بات

====XXX====

فارسی   مہر فرزند و خواہش زر و سیم   طمع جاہ و فکر عیش و سرور

اردو   طبع غالب ہے اور میں مغلوب   نفس قاہر ہے اور میں مقہور

===XXX====

فارسی   حسد و بغض و عیب اور بہتان   بخل و حرص و خطا و فسق و فجور

اردو   مجھ سے جو کام چاہیے لیجئے   جھوٹ ہو یا فریب ہو یا زور

===XXX===

فارسی   طرح بزم خرمی باھمدگر باید نہاد   شمع شکر الہی دمبدم باید کشید

اردو   آؤ اس کے شکر میں سب مل کے ، باہم شاد ہوں

تاکہ صورت سے ہو ظاہر شکر انعام خدا

===XXX====

فارسی هزار دیده و دل فرش راه یارانی   که از مسرت یاران مسرت افروزد

اردو یہ ساری خوشی کے ہیں ساماں جب   کہ ہوں ایک جا جمع احباب سب

===XXX====

فارسی تا بدهر ابرو باد خواهد ماند   از شما لطف یاد خواهد ماند

اردو جب تک شہر آباد رہے گا   نام تمہارا یاد رہے گا

===XXX===

فارسی خواردیدن خویش را از خواری ابنائے جنس   درشبستان تنگ دل از محنت زندان شدن

اردو روداد ہوگا حالی شاید یہ کم تمہارا   جب دیکھو آنسوؤں سے دامن ہے نم تمہارا

===XXX===

فارسی اے [illegible] بہار زندگانی الوداع   اے شباب اے شادمانی الوداع

اردو گو جوانی میں تھی کج رائی بہت   پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت

====XXX====

فارسی السلام اے قاصد ملک بقا   الوداع اے عمر فانی الوداع

اردو تجھ پہ بھولے کونسی عہد اے عمر   توڑنے کی جس سے بے وفائی کی

●●●●●●●●●●●

شیدا ، حکیم اجمل خاں :

حکیم محمد اجمل خاں نام ، شیدا تخلص تھا ۔ ۱۷/ شوال ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد حکیم محمود خاں کا خاندان ساڑھے تین سو سال سے تمام ہندوستان میں مشہور ہے ۔ ان کے مورث اعلی خواجہ محمد قاسم اور خواجہ محمد ہاشم بابر کے ہمراہ ۱۵۲۶ء میں ہرات سے ہندوستان تشریف لائے تھے ۔

علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے تعلیم کی ابتدا قرآن مجید سے ہوئی ۔ مولوی دائم علی سے حکیم اجمل خاں نے اول قرآن مجید حفظ کیا ۔ اس کے بعد مروجہ علوم کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے ۔ منطق و فلسفہ کی تعلیم مولوی عبدالحق دہلوی اور مولوی عبدالرشید رامپوری

سے حاصل کی دیگر علوم کی تکمیل مرزا عبداللہ بیگ سے کی -

ان کے خاندان کی بدولت ہندوستان میں مسلمانوں کی قدیم تہذیب و ثقافت کے چراغ روشن رہے - اگرچہ حکیم صاحب کے دور تک علم و ادب کی محفلیں اور رنگینیاں ختم ہوچکی‌تھیں- نہ وہ صحبتیں تھیں نہ وہ لوگ رہے تھے نہ وہ علم نوازیاں اور قدردانیاں ہی باقی رہی تھیں جس کا نوحہ خود حکیم اجمل خان کی زبانی سنئے :

اب کہاں ہیں میکدہ میں شب کی بزم آرائیاں
اک سبو باقی رہا ہے وہ بھی کچھ ٹوٹا ہوا

حکیم اجمل خاں کے دم سے دلی میں قدیم انداز پر مختصر سی صحبت باقی تھی - ان کے احباب کا دائرہ بہت محدود تھا جس میں کبھی کبھی نہایت سنجیدہ اور ستھری طبیعت کے لوگ یکجا ہوتے اور ادبی دل چسپیوں سے لطف اندوز ہوتے تھے - خود فرماتے ہیں :

بس ایک ذات حضرت شیدا کی ہے یہاں
دھلی سے رفتہ رفتہ سب اہل ہنر گیے

قاضی عبدالغفار لکھتے ہیں :

" مسیح الملک کی شاعری کی حقیقت تو صرف اتنی ہے - عام مشاعروں تک
۱ ان کا کلام شاذ و نادر ہی کبھی پہنچا ہو اس مختصر اور محدود صحبت میں پڑھا گیا اور سننے والوں نے مزے لے لے کر سنا اور بیاض میں درج کرلیا-" (۱)

طبابت کے ساتھ ساتھ یہ شوق بھی آخر دم تک باقی رہا - بالاخر اس شعر و سخن کے شیدا نے ۲۹/ دسمبر، ۱۹۲۷ء مطابق ۱۳۳۶ھ ، انتقال کیا- (۲)

خصوصیات کلام :

شیدا کو بچپن ہی سے شعر و سخن سے لگاؤ تھا- انھیں مشاعروں میں کلام سنانے

---

(۱) شیدا، مسیح الملک حکیم اجمل خاں، "دیوان شیدا" دہلی : مطبع شرکت کاویانی ۱۳۳۰ء، ص

(۲) عبدالغفار، قاضی، "اجمل اعظم"، لاہور : مجلس یادگار اجمل ، ریلوے روڈ ، ء، ص

کی عادت نہ تھی - کچھ ان کی عدیم الفرصتی بھی دامن گیر رہی ہوگی تاہم ان کا کلام انتہائی کمی کے باوجود قابل تعریف ہے - سب سے بڑی تعریف یہی ہے کہ ان کی شخصیت اس میں نمایاں ہے - انھوں نے تکلف اور تصنع سے اپنے دامن کو پاک رکھا بلکہ جو خیال ذہن میں آیا اسے من و عن پیش کردیا - شعر کو حسین بندشوں اور بیجا تشبیہہ و استعارے کے لوازمات سے پاک رکھا - ان کے تخیل کی بلندی سے ان کے مزاج کی متانت و سنجیدگی ظاہر ہوتی ہے ان کے اشعار دل کی گہرائیوں سے نکلتے ہیں اس لیے سننے والے کے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں - انھوں نے اپنی شاعری میں اردو و فارسی کے قدیم و جدید شعراء کے کلام سے استفادہ بھی کیا ہے - یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں ہر دو زبانوں کے مختلف بلند پایہ شعراء کے اوصاف نمایاں نظر آتے ہیں - فارسی میں وہ حافظ و سعدی کے متبع نظر آتے ہیں تو اردو میں میر و غالب کے پیرو دکھائی دیتے ہیں - ان کی شاعری واردات قلبی کی آئینہ دار ہے -

اردو فارسی کے اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   عشق برخیز کہ مستادہ صبا می آید   خوش پیامی ست کہ از زلف دو تا می آید

اردو   پھر یاد تازہ ہونے لگی زلف یار کی   پہلو میں دل کو دیکھا تو سیماب وار تھا

فارسی کے شعر میں محبوب کی زلف کی خوشبو کو پیغام سے تعبیر کیا ہے اور بادصبا کو قاصد ٹھہرایا ہے - اپنے جذبہ عشق سے خطاب کرتے ہیں کہ دوست کے پاس سے بادصبا آئی ہے اور اس کی زلف کا پیغام لائی ہے - لہذا اس کا تقاضہ ہے کہ اے جذبۂ عشق بیدار ہو اور اس پیغام کی کیفیت سے لطف اٹھا - مطلب یہ ہے کہ بادصبا جو شاعر کے خیال میں قاصد ہے اور دوست کی طرف سے پیغام لاتی ہے وہ دوست کی زلفوں کی خوشبو لائی ہے جس نے عاشق کو پھر بے قرار کردیا ہے - اسی بات کو اردو کے شعر میں بالکل صاف اور سادہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ زلف یار کی پھر یاد آنے لگی اور اس کی یاد کے ساتھ ہی پہلو میں دل سیماب کی طرح بے قرار ہونے لگا ہے -

دل کی پریشانی کو سیماب کی بے قراری سے تشبیہہ دی ہے اور یہ ایک نئی تشبیہہ ہے-

دونوں اشعار تقریباً ہم معنی ہیں لیکن اردو کا شعر اپنی سادگی اور ندرت بیان کے اعتبار سے فارسی کے شعر سے بہتر ہے -

====XXX====

فارسی   بہ زیر گنبد گردوں اگر رنج و محن دارم

مکن نسبت بہ گردون بش کہ من از خویشتن دارم

اردو   جلائے آہ شعلہ بار یا برق بلا پھونکے   ودیعت کی ہے قدرت نے خرابی میری خوں میں

فارسی اور اردو کے دونوں اشعار میں بظاہر یکسانیت مضمون معلوم ہوتی ہے لیکن دونوں کے درمیان ذراسا فرق ہے - فارسی کے شعر میں اس بات کا بیان کیا ہے کہ انسان کو جو کچھ تکلیف و رنج پہنچتا ہے یہ اس کے اپنے کیے کا ثمرہ ہوتا ہے - جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے " وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم" اس کے برخلاف اردو کے شعر میں یہ بات بیان کی ہے کہ ہم پر جو مصیبت آتی ہے وہ پہلے سے ہمارے لیے مقدر کردی گئی ہے- غالب کا ایک شعر اس مضمون کا بہت مشہور و مقبول ہے ، وہ فرماتے ہیں:"

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

ہیولا برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

ہمارے خیال میں شیدا صاحب کے اس شعر کا ماخذ غالب کا شعر ہوسکتا ہے - مگر غالب کی بات کو کون پہنچ سکتا ہے ، انھوں نے اس بات کو جس خوبی سے بیان کیا ہے اس کا جواب نہیں ہے -

بہرحال اردو اور فارسی کے دونوں اشعار میں فارسی کا شعر شعری حیثیت سے بھی اعلی درجہ کا ہے اور جو بات اس میں کہی گئی ہے وہ بھی حقیقت ہے اس اعتبار سے فارسی کا شعر اردو کے شعر سے بہت بہتر ہے -

===XXX====

فارسی   خلوتی باید کہ تا حال دل من بشنوی   حرف از راز محبت برملا کم می زدم

اردو   فاش راز دل نہیں کرتا مگر یہ ڈر توہے   بیخودی میں آہ لب سے آشنا ہوجائے گی

فارسی اور اردو، دونوں اشعار میں راز محبت کو چھپانے کی ضرورت پر زور دیا ہے-

فارسی کے شعر میں دوست سے اس غرض کے لیے خلوت کی درخواست کی ہے تاکہ محبت کی باتیں خلوت میں ہوں اور اس طرح راز محبت آشکار ہونے پائے - اردو کے شعر میں اپنی بیخودی عشق کو دیکھتے ہوئے اس بات کا اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اگرچہ راز دل میں کتناہی چھپاتا رہوں لیکن ڈرتا ہوں کہ کہیں بے خودی میں آہ میری لب پر نہ آجائے - کیوں کہ آہ و فغاں راز محبت کو فاش کردیتے ہیں -

دونوں شعر اپنی اپنی جگہ خوب ہیں لیکن اردو کے شعر میں کسی قدر ندرت خیال کے ساتھ ساتھ شعریت کا عنصر بھی فارسی کے شعر کے مقابلہ میں زیادہ ہے اس لیے ہم اردو کے شعر کو فارسی کے شعر پر ترجیح دیتے ہیں -

====XXX====

فارسی   این کرامت را کہ می بینی ز فیض حسن تست

می زند صد طعنہ داغ سینہ ام بر آفتاب

اردو   جسے تم ماہ سمجھے ہو وہ ہوگا داغ دل میرا

جسے تم چرخ کہتے ہو مرا دود فغاں ہوگا

شاعر نے دونوں اشعار میں داغ دل کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے - چوں کہ داغ دل عشق دوست کا صلہ ہے اور یہ عشق فیضان ہے حسن دوست کا - اس لیے فرماتے ہیں کہ اے دوست میرا داغ سینہ جو آفتاب پر طعنہ زن ہے - یہ تیرے حسن کا فیضان ہے - کہ تیرے حسن کی بارگاہ سے مجھے ایسا داغ دل ملا ہے کہ اس کی روشنی کے مقابلہ میں آفتاب کی روشنی بھی ہیچ ہے -

اردو کے شعر میں داغ دل کو چاند سے تشبیہہ دی ہے اور ایک بات کا مزید اضافہ کیا ہے وہ یہ کہ آسمان کو اپنا دود فغاں قرار دیا ہے -

دونوں اشعار میں فارسی کا شعر زبان اور انداز بیان کی خوبی کے اعتبار سے اردو کے شعر سے بہت بہتر ہے -

====XXXX====

فارسی   تیر چشم مست آن خورشید وش باید مرا   در بہاران شورش زخم جگر شاید مرا

اردو   تیری بہار حسن پہ سب کچھ لٹا دیا   دل ایک رہ گیا ہے سو وہ داغدار تھا

====XXX====

فارسی   آن بیخودم کہ برلب من آہ و نالہ نیست ۔ مستم ز عشق یار و بدستم پیالہ نیست

اردو   عشق سے پوچھتا تھا میں سوزنہاں کی داستان

نالہ جانگداز نے اٹھ کے بتادیا کہ یوں

===XXX===

فارسی   چنان محو شد درجمال تو عاشق   نہ ہشیار خیزد نہ غافل نشیند

اردو   وہ سر ہی کیا کہ جس میں تمہارا نہ ہو خیال   وہ دل ہی کیا کہ جس میں تمہارا گذر نہ ہو

====XXX====

فارسی   من کہ شیدائی جمال دلبرام ازازل   جامہای بیخودی از دور آدم میزدم

اردو   قبلہ بناکے لائے تھے روز ازل سے ہم   سجدہ کیا وہ تھا تجھے ہم نے صنم غلط

====XXX====

فارسی   تیر چشم مست آن خورشیدوش باید مرا   در بہاران شورش زخم جگر شاید مرا

اردو   دل مجنوں پہ اک تازہ مصیبت آنے والی ہے

کہ پھر ہے چشم لیلی کا گذر محمل کے روزن میں

====XXX====

فارسی۔ ہوائے عشق در مغزم چو زلف مہوشان پیچان

دل و جان ازازل لذت چش این پیچ و تا بستی

اردو   بل جوانی کے نکالے خوب پیری نے مگر   سر میں سودائے خم گیسوئے پیچان رہ گیا

====XXX====

فارسی   نہان در سینہ دارم آفتاب داغ سوزان را

بیا اے شعلہ رو، بنگر چراغ زیر دامان را

اردو   پھر داغ ہجر تازہ کروں کا بہار میں   مدت گذر گئی ہے چراغاں کئے ہوئے

فارسی اکنون کشد چو نالۂ جانسوز جیب نیست دامان صبر عاشق شیدا دریدہ

اردو دامن دریدہ ، چاک گریبان ، فغان بلب کون آرہا ہے عشق کے سامان کیے ہوئے

====XXX====

فارسی ضبط از دست بشد ، اشک روان راچہ علاج

رخصت صبر بگفتم ، فغان راچہ علاج

اردو درد کو رہنے بھی دے دل میں دوا ہوجائے گی

موت آئے گی تو اے ہمدم شفا ہو جائے گی

====XXX===

فارسی یارکی شیدا کہ در روز نبرد عشق او می زدوگان تیر واز ابرو کمانے داشتم

اردو یہ نہ پوچھو کہ مرے دل میں کدھر رکھا تھا

تھا جہاں درد وہاں تیر نظر رکھا تھا

====XXX====

فارسی قاتل من ، بت چین من ، بدرت رسید جبین من

بلب است جان حزین من ، لب خود کشا بسخن درآ

اردو تیرے کشادہ لب میں مری موت کا پیام نکلے کا دم جو تونے تبسم ذرا کیا

===XXX===

فارسی یارب خدا مگیر کہ درد ہر ہیچ کس ناکردہ گناہ بہ عہد شباب نیست

اردو کیے ہیں عیب کو چھپ کر مگر تجھ پر عیاں سب ہیں

الٰہی کھل نہ جائے حشر میں سارا بھرم میرا

oooooooo

د بستان لكدو

دبستان لکھنو

محمد امین سعادت خان برہان الملک (۱۷۳۹-۵۳) :

محمد امین سعادت خان برہان الملک (۱۷۳۹-۵۳ء) سلاطین صفویہ سے تعلق رکھتے تھے - ایرانی الاصل ہونے کی وجہ سے ان کے دور میں فارسی کا دور دورہ ہوا اور اردو میں فارسی الفاظ اور فارسی اضافتیں استعمال کرنا قابلیت کی دلیل سمجھا جانے لگا - اسی دور میں مرثیے کی ابتدا ہوئی مگر اس زمانے کے مرثیوں میں بھی فارسی الفاظ اور فارسی تراکیب کی بہتات ملتی ہے -

اسی دور سے لکھنوی تہذیب کا بھی آغاز ہوا - برہان الملک سپاہیانہ شان و شوکت کے دلدادہ تھے اس کے برعکس شجاع الدولہ کو (۱۷۵۳-۷۵ء) حسین دوشیزاؤں اور مہ جبین عورتوں کی صحبت پسند تھی - اور طوائفوں کو ہروقتشاہی صحبت نصیب تھی- ان رنگینیوں نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا نسائیت اور فحش گوئی نے رواج پایا اور اس کی ملی جلی شکل ریختی کہلائی - اس ریختی کا قدیم ہندی شاعری سے بھی سرا ملتا ہے جس میں عورت اپنے جذبات و تاثرات کا اظہار کرتی تھی - ہاشمی دکنی ریختی (۱) کا پہلا شاعر کہا جاتا ہے -

اس صنف نے لکھنوی دور میں مستقل فنی حیثیت اختیار کی - تکلف اور تصنع اس دور کے لوازمات سمجھے گیے لکھنو کے شعراء نے اپنی تمام توجہ شعر کی ظاہری شکل و صورت بنانے پر صرف کی جس میں فارسی الفاظ و فارسی تراکیب استعمال کر کے اسے میں ظاہری حسن پیدا کردینے ہی کو شاعری کا کمال تصور کرتے تھے اور تخیل کی بلندی اور معنوی حسن کا زیادہ لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا - اس دور کے طبقہ اول کے شعراء میں ناسخ کو استاد

---

(۱) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر ، " لکھنو کا دبستان شاعری" لاہور : اردو مرکز ۱۹۶۷ء ، ص

مانا جاتا ھے - انھوں نے اردو زبان کی ظاھری زیبائش و آرائش پر زور دیا۔ فصاحت کی جگہ بلاغت اور سادگی کی جگہ تصنع کو رواج دیا اور جذبات نگاری کو ثانوی درجہ دیا گیا۔ حالاں کہ غزل میں عاشقانہ جذبات اور حسن و عشق کی کیفیات ھی غزل کی روح رواں سمجھی جاتی ھیں - ناسخ نے الفاظ کی تراش خراش سے شعر کو آراستہ کیا۔ چوں کہ ان کے اشعار حسن بیان کی خوبی سے معرا ھیں اس لیے ان کی اس روش کو بنظر احسن نہیں دیکھا گیا۔ ان کے مقلدین بھی اسی روش کے دلدادہ رھے لیکن انھوں نے تشبیہات و استعارات کی چاشنی سے اپنے کلام کومزید بوجھل بنادیا - آتش نے اپنی شعلہ بیانی سے بعض اشعار نہایت گرم نکالے اور انھوں نے دبستان لکھنو کی لاج رکھ لی -

آتش کے علاوہ شعرائے لکھنو میں سے کسی نے روحانی جذبات (۱) و تاثرات کو چھوا بھی نہیں بلکہ معاملہ بندی کے عام رنگ کو اپنی شاعری کی جان بنایا جس نے ان کی شاعری کو بیجان بنادیا - ان کی شاعری میں حقیقت نگاری کی بجائے تصنع اور بناوٹ پیدا ھوئی جس کی وجہ سے ان کا کلام حد اعتدال سے ھٹ گیا اور اس میں متانت اور ثقاھت بھی نہیں پائی جاتی جو شعرا دھلی کا خاصہ ھے -

قدما سنگ لاخ زمینوں میں شعر کہنا فخر سمجھتے تھے ناسخ نے بھی ان کے طرز کو اختیار کیا جس کی وجہ سے ان کے مقلدین نے بھی سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی کی اور قابلیت کی ساکھ بٹھانے کے چکر میں دور از کار باتیں داخل شعر ھوگئیں -

ناسخ کے کلام میں لب و دندان ، غازہ ، کنگھی ، چوٹی ، دست حنائی، رخ زیبا اور زلف مشکیں کی بھرمار نظر آتی ھے حالاں کہ دھلوی اور دکنی دور میں بھی ایسے الفاظ استعمال ھوئے ھیں مگر شاذ و نادر، لیکن ناسخ کا کلام تو ان تمام اسباب آرائش سے پر ھے جو اس زمانے میں محبوب کے بناؤ سنگھار کے لوازمات سمجھے جاتے تھے -

---

(۱) تنہا ، محمد یحیی ، " مراۃ الشعراء" ، لاھور: عالمگیر الیکٹرک پریس ، جلد اول ، ص ۳۵۲ •

شعرا لکھنو نے قدماکی روش سے ہٹ کر راہ نکالی اور ان کی تقلید کو اپنے لیے ضروری نہ سمجھتے ہوئے فارسی زبان کی دل آویز اور دل کش تراکیب کو ترک کردیا اور جذبات نگاری کی دنیا سے الگ رہ کر اشعار کی ظاہری بندشوں پر قوت صرف کردی جس سے ان کی شاعری بے اثر ہوکر رہ گئی -

شعرا لکھنو نے اکثر دو غزلہ ، سہ غزلہ اور چوغزلہ بھی کہے ہیں جس سے تمام مبتذل مضامین غزلوں میں داخل ہوئے اور تمام قافیوں کو بھی باربار باندھا - اس مسلسل گوئی نے بے شمار اشعار کو بے اثر بنادیا۔

اس دور میں رعایت لفظی نے ایسی مقبولیت حاصل کی کہ اس کی وجہ سے لکھنوی دور کے اچھے کارنامے بھی ہیچ ہوگئے مثلاً دیاشنکر نسیم کی مثنوی زبان کی خوبی اور استعارات و تشبیہات کی جدت اور فارسی الفاظ کے برمحل استعمال کے لحاظ سے نہایت بلند مقام رکھتی ہے لیکن جہاں کہیں انھوں نے رعایت لفظی کے ذوق کی تسکین کرنا چاہی ہے وہاں اس کی تمام خوبیوں پر پانی پھرگیا ہے -

لکھنو میں علماء فرنگی محل اور دیگر علماء و فضلاء کی آمد سے ایک نیا علمی ماحول پیدا ہوا - مشاعروں کے علاوہ علمی و ادبی محفلیں منعقد ہونے لگیں - مباحثوں اور مناظروں کا رواج عام ہوا ان محفلوں میں نشست و برخاست رکھنے والے حضرات میں عوام بھی شامل ہوتے - اور انھیں بھی ان مختلف موضوعات سے متعلق اصطلاحات سمجھنے اور موقع و محل کے اعتبار سے اپنی گفتگو میں استعمال کرنے کے مواقع ملے - اس طرح عربی اور فارسی کے الفاظ و محاورات عوام میں مقبول ہونے لگے رفتہ رفتہ شعر و ادب میں فارسی الفاظ اور فارسی تراکیب کثرت سے استعمال کرنے کا رواج ہوا ساتھ ہی قدیم علمی و فنی اصطلاحات بھی اردو ادب میں داخل ہوگئیں - اسی کے ساتھ نازک تشبیہات و استعارات کے انتخاب میں بھی عربی و فارسی سے مدد ملی اور لکھنو کے قصہ خوان حضرات نے کچھ نظم پر اور نثر پڑھنے کا کام کیا - انہوں نے اپنے موضوعات میں موقع محل سے متعلق بہت سی نادر اور عجیب و غریب فارسی تشبیہات استعمال کیں

جن سے ان کی علمی معلومات پر حیرت ہوتی ہے اور شوقین حضرات انھیں شوق سے سنتے تھے۔ یہ بھی عوام کی معلومات اور ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کا باعث ہوا -

ناسخ نے قدیم سنسکرت کے ثقیل الفاظ خارج کر کے ان کی جگہ فارسی اور عربی الفاظ نہایت برجستہ و مناسب انداز میں استعمال کر کے اردو زبان کو نئی وسعت دی - اس میں کچھ لکھنوی مسابقت کا جذبہ بھی کارفرما نظر آتا ہے -

دلی والے اپنے آپ کو اہل زبان کہتے تھے اور اپنی زبان اور انداز بیان پر فخر کرتے تھے اور ہندی کے سبک و شیریں الفاظ بلا تکلف استعمال کرکے اپنے فنی کمال کا مظاہرہ کرتے تھے-

اہل لکھنو نے دہلی والوں کی ضد میں انھیں نیچا دکھانے اور اپنا علم افتخار بلند کرنے کے لیے ہندی الفاظ کی جگہ فارسی کے نہایت مناسب اور برجستہ الفاظ استعمال کیے اور اس مخصوص انداز کو اصلاح زبان کا نام دیا- انصاف کی بات یہ ہے کہ اس وجہ سے اردو زبان کو صفائی ، شگفتگی اور رعنائی نصیب ہوئی اور اردو زبان میں نئی وسعت پیدا ہوگئی -

اگرچہ دلی کے نو وارد شعرا پر یہ رنگ نہ چڑھ سکا لیکن بعد کے شعرا نے اس رنگ کو اپنایا اور خوب کمالات دکھائے - لکھنو میں دہلوی اساتذہ کا رنگ بھی مقبول ہوا اور دہلوی و لکھنوی طرز مل کر ایک نہایت خوش گوار رنگ پیدا ہوا جس کی مثال امیرمینائی اور ان کے تلامذہ میں ملتی ہے -

لکھنوی شعرا نے جدت طبع اور رنگین مزاجی کی بدولت نہایت اچھوتے مضامین اپنے افکار و خیالات کے آئینہ میں پیش کیے - اس میں باریکیاں نکالیں اور نزاکت و لطافت کے پہلوؤں کو نمایاں کیا اور ساتھ ہی تخیل کی پروازمیں فطری حقائق کو بھی فراموش نہیں کیا- یہ خصوصیات دبستان لکھنو سے مخصوص ہیں - اودھ سے شہنشاہیت کا دور ختم ہوتے ہی لکھنو کے اس مخصوص رنگ کی بساط بھی اٹھ گئی -

ooooooooo

جہاں دار ، جہاندار شاہ عرف مرزا جواں بخت :

جہاں دار شاہ عرف مرزا جواں بخت نام اور جہاندار تخلص تھا - ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء (۱)

---

(۱) وحید قریشی ، ڈاکٹر(مرتبہ) ، " دیوان جہاندار" ، لاہور : مجلس ترقی ادب ، جنوری ، ۱۹۶۶ء ، (مقدمہ) ، ص ۱۲

کے قریب پیدا ہوئے یہ شاہ عالم ثانی کے بیٹے تھے - جہاندار کی عربی فارسی اور اردو کی ابتدائی تعلیم قید و بند کی حالت میں ہوئی - اس کے بعد اردو فارسی کی تعلیم شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فرزند مولوی نظام الدین سے حاصل کی - بعد ازاں انھوں نے اردو فارسی کے ساتھ ساتھ ریاضی اور موسیقی میں بھی خاصی استعداد بہم پہنچائی تھی - نہایت بلند ہمت بامروت ، دلاور ، مستقل اور سخی انسان تھے -

شوق شاعری موروثی تھا - حساس فطرت اور موزوں طبیعت کے مالک تھے جذبہ عشق سے سرشار تھے، جدت طبع اور فہم رسارکھتے تھے ، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں پرمغز شعر کہتے تھے - مزاج میں ظرافت اور شوخی بھی تھی -

لکھنو میں جہاندار شاہ کی شعروشاعری (۱) کا بڑا زور تھا - ایک ماہ میں کم از کم دو مرتبہ محفل مشاعرہ منعقد ہوتی اور شعرا باوقار طور پر چوبداروں کے ذریعہ بلائے جاتے اور ہر ایک سے انتہائی خلوص اور مہربانی کا سلوک کیا جاتا - حسب حیثیت داد و دہش بھی کی جاتی -

۵/ ستمبر ۱۷۸۷ء سے غلام قادر روہیلہ دہلی میں سلطنت کے کاروبار کا اجارہ دار ہوگیا اور شاہ عالم بالکل ہی عاجز اور بے بس ہوکر رہ گیے - جہاندار نے سعادت مندی سے باپ کی مدد کرنی چاہی لیکن مخالفین نے بہکایا کہ یہ تخت و تاج کا مالک بننا چاہتا ہے اس لیے شاہ عالم نے اسے آگرہ کا صوبہ دار بناکر بھیج دیا جس پر پہلے ہی سے اسمعیل بیگ قابض تھا اس نے جہاندار کو گھسنے نہیں دیا - ادھر غلام قادر اسے اغوا کرنے کی سوچ رہاتھا - ان حالات میں اس کے لیے واپسی کے سوا چارہ کار نہ تھا -

جہاندار مارچ ۱۷۸۸ء میں آصف الدولہ اور گورنر جنرل کارنوالس کو اطلاع دیکر لکھنو میں وارد ہوگیا - گورنر نے آصف الدولہ کو مجبور کر کے تین لاکھ روپیہ سالانہ منظور کرادیا - اگرچہ جہاندار آئے دن کی صعوبتوں الجھنوں اور دشواریوں کا بڑی پامردی سے مقابلہ کرتا رہا لیکن موجودہ حالات میں اس کو عزت سے زندہ رہنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی آخرکار

---

(۱) وحید قریشی ڈاکٹر، محولہ بالا ، ص ۳۱

۲۵/ شعبان، ۱۲۲۰ھ/ یکم جون ۱۷۸۸ء اس دار فانی سے کوچ کیا۔ (۱)

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   بہار آمد مکن تدبیر جیب پارہ ام ناصح   کہ پیوسته می گردد چو گل چاک گریبانم

اردو   پھر بہار آئی ، جو کلیاں گل کی کھلنے لاگیں آہ

غنچہ ساں پھر زخم دل میرا تڑک کر رہ گیا

دونوں اشعار میں بہار کی تعریف کی ہے ۔ شاعر چوں کہ عام لوگوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ حساس ہوتا ہے اس لیے بہار کی کیفیتوں کا بھی اس پر زیادہ اثر ہوتا ہے ۔ اردو اور فارسی کے دونوں اشعار میں بہار کی کیفیت کا بیان ہے ۔ فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ ناصح بہار آگئی ہے اور میں نے اپنا گریبان چاک کرڈالا ہے ۔ یہ گریبان چاک ایسا نہیں کہ تیری تدبیر سے رفو ہوجائے بلکہ گل کی طرح میرا چاک گریبان رفو نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح بہار کی کیفیت نے مجھ پر وحشت کا ایسا غلبہ کیا ہے کہ اس کے اثر سے میرا گریبان چاک ہوگیا ہے ۔ وہ بھی اب رفو ہونے کے قابل نہیں رہا ۔

شاعر نے بہار کی کیفیت کا بیان بڑے موثر انداز میں کیا ہے ۔ اور اپنے گریبان چاک کو گل شگفتہ سے جو تشبیہ دی ہے وہ اپنے اندر ندرت اور دل کشی رکھتی ہے ۔ شعر اس قسم کی خوبیوں کے علاوہ زبان کے اعتبار سے بھی شگفتہ ہے ۔

اردو کے شعر میں بہار کی کیفیت کا بیان ہے اور کچھ فارسی کے شعر سے بھی زیادہ پرکیفیت انداز ہے ۔ بہار کا آنا ، کلیوں کا کھلنا اور کلیوں کے کھلنے کے ساتھ ہی ساتھ دل کے زخموں کا تڑک کر کھل جانا اس انداز بیان سے بہار کا صحیح نقشہ کھینچ دیا ہے ۔ چوں کہ یہ ابتدائی زمانہ کی اردو زبان ہے اس لیے بعض وہ الفاظ بھی شعر میں موجود ہیں جو اب متروک ہوچکے ہیں ۔ مثلاً لاگیں اور تڑک کر رہ گیا وغیرہ ۔ چوں کہ یہ اس زمانے کی زبان کے مروجہ الفاظ ہیں اور بے ساختہ زبان پر آگیے ہیں اس لیے ان میں بھی بڑا لطف ہے لیکن دونوں

---

(۱) وحید قریشی ، ڈاکٹر ، محولہ بالا ، ص ۵۳

اشعار اپنی مخصوص کیفیات کے حامل ہیں اور زبان اور بیان کی انفرادی خوبیاں رکھتے ہیں اس لیے دونوں میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی -

=====XXX=====

فارسی   کے شوم تسکیں[1] ز الفاظ عنایت آمیز تو   آشنا کردی بدشنام اے بت بدخو مرا

اردو   نہیں دریودہ دیے ہے گالیاں تو   رقیب روسیہ کے تئیں سناکر

عاشق اپنے محبوب کی گالیوں میں بھی لذت محسوس کرتا ہے - چناں چہ شعراء اس مضمون کے اشعار بھی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کہتے رہے ہیں - یہاں فارسی کے شعر میں اس بات کو ایک خاص جدت کے ساتھ بیان کیا ہے ، فرماتے ہیں کہ اے دوست اول تو تونے مجھ کو گالیاں دے دے کر ، گالی سننے کا خوگر بنادیا ، اب تیرے عنایت آمیز الفاظ سے مجھے تسکین کیوں کر حاصل ہوسکتی ہے -

شعر میں اس بات کے علاوہ ایک یہ خوبی بھی نکلتی ہے کہ دوست کو لفظ بدخو سے یاد کیا ہے- کیوں کہ اس کے بدخو ہونے کی وجہ سے بھی اس کے عنایت آمیز الفاظ سے تسکین حاصل نہیں ہوسکتی - اس اعتبار سے لفظ بدخو کے استعمال میں بڑی معنویت ہے - وہ اس طرح کہ گالیاں تو وہ رقیب ہی کو دے رہا ہے تاکہ عاشق خود سمجھ لے کہ وہ گالیاں اس کو دی جاری ہیں کیوں کہ عاشق ہی ملامت کا مستحق ہوتا ہے غیر نہیں اس طرح دریودہ کے لفظ سے ایک عجیب سا لطف پیدا ہوگیا ہے اور انداز بیان میں بھی جدت ہے -

اردو کے شعر میں بھی گالیاں دینے ہی کے مضمون کو باندھا ہے - اردو کے شعر میں دو لفظ ایسے استعمال کیے ہیں جو اب متروک ہیں یعنی " دے ہے " اور " تئیں " بہرحال فارسی کا شعر بلحاظ مفہوم اردو کے شعر سے بلند ہے -

=====XXX=====

فارسی   دل نمی بستم بکس[2] لیکن می دانم چہ شد   گشت چوں زنجیر با آں کاکل ہندو مرا

---

(۱)   اصل نسخہ میں لفظ " تسکین " کی جگہ " لیکن " لکھا گیا ہے -

(۲)   اصل نسخہ میں " بکس " کی بجائے " بکیں " لکھا گیا ہے -

اردو   کہتے نہ تھے جہاندار اس زلف سے نہ لگ چل

کہنا نہ مانا آخر دل دام میں پھنسایا

زلف کو شعرا نے زنجیر سے بھی تشبیہہ دیتے ہیں - اور دام سے بھی، فارسی کے شعر میں زلف کو زنجیر سے تشبیہہ دی ہے اور اردو کے شعر میں دام سے - فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ میں تو اپنا دل کسی سے نہیں لگاتا تھا - مگر معلوم نہیں وہ کاکل یار میں لپی زنجیر کیوں کر بن گئی - دکھانا یہ مقصود ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو سب سے الگ تھلگ رکھتا تھا وہ بھی زنجیر زلف یار میں گرفتار ہونے سے محفوظ نہ رہ سکا-

اردو کے شعر میں اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ہم نے ہرچند جہاندار کو سمجھایا کہ زلف یار سے دور رہنا، مگر اس نے ہماری بات نہ مانی اور بالاخر دام زلف میں گرفتار ہوکر رہا -

اردو کے شعر میں ایک لفظ متروک بھی ہے مگر اس زمانے میں عام طور پر استعمال ہوتا تھا یعنی "لگ" چلنا ملنے کے معنی میں آج اسی سے مشابہ نہ لگ محاورہ ہے - اردو اور فارسی کے اشعار میں فارسی کا شعر اردو کے شعر سے ہر اعتبار سے بہتر ہے -

===xxx====

فارسی   عمرہا آخر شد و غمخوار کس آخر نہ شد   نے میسر شد کسے ہمدرد نے دلجو مرا

اردو   کس سے کہوں اپنا غم دل آہ عزیزاں   دنیا میں کوئی مونس و غمخوار نہ پایا

فارسی اور اردو دونوں اشعار میں غمخوار و ہمدرد میسر نہ آنے کی شکایت کی ہے- فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ ہماری عمر ختم ہوگئی لیکن کوئی ہمدرد و غمخوار پیدا نہیں ہوا - اسی مضمون کو اردو میں اس طرح بیان کیا ہے کہ میں اپنا غم دل کس سے کہوں دنیا میں کوئی مونس و غمخوار نظر نہیں آتا - اس زمانے میں خطاب کی صورت میں بھی جمع کا الف نون قائم رکھتے تھے اب یہ طریقہ متروک ہے - مثلاً اردو کے پہلے مصرع میں "عزیزاں" استعمال کیا ہے آج کل ایسے موقع پر "عزیزاں" کی بجائے عزیزو بولتے ہیں - دونوں شعر صاف اور عام فہم ہیں - دونوں میں ایک پر دوسرے کو ترجیح دینا مشکل ہے -

مزید کچھ اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی   گر جہاندار کشد قصدے کہ قتل ما کند   کار شمشیری کند یک جنبش ابرو مرا

اردو   ابرو کمان سے تیر نگہ مار دیکھنا   لگتی ہے پار دل کے مرے یار دیکھنا

===XXX====

فارسی   صد شکر کہ اغیار بحسرت نگرانند   ہر حال مہت ناز عنایت نظرے ہست

اردو   جس دن سے میری آنکھوں میں وہ یار بھا گیا

چشمک زنی سے آنکھ کی دل کو لبھا گیا

===XXX===

فارسی   تا جہاندار از بہت بوسہ   ستاند ورد رچہ امکانست

اردو   آرزو یک بوسہ کی رکھنا دل میں جہاندار اے بھائی

لعل لب شیریں سے تم نے ہر دم کبھو انعام کیا

====XXX====

فارسی   بسکہ گشتم ناتوان چون کاہ از دوری ، صبا   میدہد حرکت ازین پہلو بآن پہلو مرا

اردو   لخت دل سوکھے میں ڈالے سوں میں [illegible]   پات سا جنبش صبا کی سے کھڑک کر رہ گیا

===XXX====

فارسی   کے شوم تسکین ز الفاظ عنایت ہا کہ تو   آشنا کردی بہ شکم اے بت بدخو مرا

اردو   تجھ سے رہا تمام عمر آزردہ دل جہاندار   اب اس کے تئیں دلاسا تونے دیا تو کیا

====XXX====

فارسی   بسکہ در چشم و دل و جان ہوشم توئی   ہر کجا بینم توئی آئی نظر آن سو مرا

اردو   دل پرستار ہیں سب خلق کے مورت کی تری   دیدہ میں قبلہ نما کعبۂ صورت کی تری

====XXX=====

---

* [illegible] ہے :

[illegible] "

فارسی   گزرخاکم گذری دیدہ ام از کثرت شوق   نرگس آسا ززمین روید و نظارہ کند

اردو   کرم جو گھر میں وہ یار داستاں کرتا   نثار اس کے قدم پر میں نقد جاں کرتا

=====XXX=====

فارسی   بچشم توخواب چشم شب انتظار نگرفت   توبہ بزم غیر بودی کہ دلم قرار نگرفت

اردو   گھر نہیں گئے پہ تجھ کو نہ پایا بلا رقیب   مجھکو ہوا یہ گل کی عوض خار دیکھنا

•••••••

انشاء سید انشا اللہ خاں :

سید انشا اللہ خاں انشا حکیم ماشا اللہ خاں کے بیٹے اردو زبان کے بلند پایہ شاعر ہیں - ان کی شاعری اردو ادب کا ایک قیمتی سرمایہ ہے - ان کا شمار شعراء متوسطین میں ہوتا ہے - ولادت کے متعلق تذکرہ نویسوں میں اختلاف پایا جاتا ہے - آج تک کسی نے باوثوق ذرائع سے ان کی تاریخ ولادت کا تعین نہیں کیا - اسلم پرویز صاحب نے کافی تحقیق و تدقیق کے بعد یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انشاں کی ولادت سراج الدولہ کے عہد کے پہلے سال ۱۷۵۶ء مطابق ۱۱۶۹ھ میں ہوئی ہوگی -(۱) ان کی تعلیم کے متعلق قیاس ہے کہ انھوں نے علوم متداولہ اپنے والد سے حاصل کیے ہوں گے - سراج الدین علی خاں آرزو سے انشا کو بڑی عقیدت تھی کچھ ان سے بھی اکتساب فیض کیا ہوگا لیکن کسی کی باقاعدہ شاگردی کا ثبوت بہم نہیں پہنچتا - انشا اپنے کمال کے متعلق خود فرماتے ہیں :

فارسی پر تیں آپے شبہہ ایران کو غش

عربی بولے تو ہو روم میں قیصر عاشق

اس میں شبہہ نہیں کہ انھیں عربی اور فارسی زبانوں پر بڑی قدرت حاصل تھی - توسیع زبان کا جو کام مرزا رفیع سودا نے شروع کیا تھا اسے انشا نے جاری رکھا -

---

(۱) اسلم پرویز، "انشا اللہ خاں انشا"، دہلی: مکتبہ شاہراہ، جولائی، ۱۹۶۱ء، ص ۲۱

۸۹۱ ۰ ۳۳۱
انش

جب انشا نے ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ع (۱) میں انتقال کیا تو اس خبر کے سنتے ہی مصحفی کا دل بھر آیا اور بے ساختہ کہہ اٹھے :

مصحفی کس زندگانی پر بھلا میں شاد ہوں
یاد ہے مرگ قتیل و مردن انشاں مجھے

پھر قطعہ تاریخ میں انشا کو دل کی گہرائیوں سے خراج عقیدت پیش کیا:

زین دار چو رفت جانب فلک بقا　　　انشا اللہ خاں بود از فصحا
اے وائے کہ مرد قدردان شعرا　　　تاریخ بگفت مصحفی بے کم و کاست

۱۲۳۳ھ

خصوصیات :

انشا کی شاعری اگرچہ دبستان دہلی اور لکھنو کا حسین امتزاج ہے - تاہم لکھنویت غالب ہے - ان کی شاعری میں حقیقت پسندی ، جذبات نگاری ، اور متصوفانہ خیالات کی ترجمانی پائی جاتی ہے جو دہلوی اسکول کے خصوصیات ہیں - اسی کے ساتھ معشوق کی عادات و اطوار ، زلف و رخسار اور اس کے وصال و فراق کی کیفیات اس شوخی اور بےتکلفی سے بیان کرتے ہیں کہ معشوق کی شخصیت کا حقیقی عکس فوراً پردہ خیال پر منعکس ہوجاتا ہے جو لکھنوی اسکول کا خاصہ ہیں -

انشا بڑے قادرالکلام شاعر تھے اردو اور فارسی میں یکساں قدرت رکھتے تھے - برجستہ گوئی ان کی رنگین اور با مذاق طبیعت کا حصّہ تھی -

ان کے مختلف اصناف سخن کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ زبان کو وسعت دینے کی غرض سے بہت نئے تجربات کرنا چاہتے تھے اگر وہ اپنی طبیعت اور زبان پر قابو رکھتے تو یقیناً اردو ادب میں ان کا مقام بہت بلند ہوتا - تاہم ان کا اچھا کلام یقیناً قابل ستائش و استناد ہے -

---

(۱) اسلم پرویز ، محولہ بالا ، ص ۹۰

انشا کے خصوصیات یہ ہیں :

۱- ظرافت :- مزاح و ظرافت میں ان کا ہم پلہ شعرا اردو میں سوداؔ کے سوا اور کوئی نہیں ان کی روز مرہ کی گفتگو اور کلام نظم و نثر دونوں مزاح و ظرافت سے بھرپور ہیں-

۲- جامعیت :- ان میں ہر قسم کے مضامین کو اپنے رنگ میں ڈھال دینے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی -

۳- علم و فضل :- مشکل علمی مضامین اپنی ذہانت و طباعی سے فوراً حل کر دیتے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی ایسا پر لطف قضیہ یا شعر بطور سند اس خوبی سے پیش کرتے کہ حریف کے لیے اس کو تسلیم کرنا ناگزیر ہوجاتا -

۴- نہایت ذہین اور طباع تھے ان کی قوت تخیل کا اندازہ کرنا معمولی انسان کے بس کی بات نہ تھی -

۵- عربی فارسی اور اردو کے زبردست فاضل اور قادرالکلام شاعر تھے ان تینوں زبانوں میں ان کے اشعار کا بہترین نمونہ موجود ہے - علاوہ ازیں ترکی، پشتو، پوربی ، پنجابی، مارواڑی ، مرہٹی ، کشمیری اور ہندی میں بھی مہارت رکھتے تھے -

۶- طرار :- نظمیں بھی خوب کہتے تھے - چوں کہ نہایت تیز و طرار اور مشکل پسند طبیعت پائی تھی - اس لیے بعض نظموں میں صنعت غیر منقوطہ میں بھی فنی کمالات دکھائے ہیں اور بطور ثبوت اپنا ایک مختصر دیوان بھی چھوڑا ہے - دوسری صنعتیں بھی استعمال کی ہیں - مشکل بحریں اور سنگلاخ زمینیں انھیں بہت پسند تھیں اور اس میں انھوں نے اپنی زباندانی کا مظاہرہ کیا ہے - بعض قوافی دشواری کے باعث طبع نازک پر گراں گزرتے ہیں - بعض جگہ ظرافت و مذاق کی زیادتی مہذب طبیعتوں پر گراں گزرتی ہے اور شعر میں ندرت پیدا ہونے کی بجائے اس کو مہمل بنادیتی ہے- انشاکی ظرافت نے تصوف جیسے مقدس اور پاکیزہ چیز کو بھی نہ چھوڑا غرض کہ انھیں ہر صنف شاعری میں مہارت تھی - ہمہ گیر طبیعت ، اعلی قابلیت ، قوت ایجاد و ایجاز کے مالک تھے - محب وطن اور مذاق و ظرافت کے بہت دلدادہ تھے - انھوں نے اپنی غزلوں میں ہندوستانی تلمیحات سے بہت کام لیا ہے - ان کے اشعار میں ندرت

نہیں ہے اور نہ ہی تخیل کی بلند پروازی ہے - بعض قصیدے اور غزل میں وہ معمولی اصول شعر سے لاپروائی برتتے ہیں -

انشا نے شعر کو اپنے جواب کی خوشی کے ماتحت کردیا تھا، اسی لیے ان کو جس مقام پر پہنچنا چاہیے تھا وہ پہونچ سکے - شاعری ان کے لیے حصول غرض کا ایک ذریعہ تھی ان کا کوئی اعلی مطمح نظر نہ تھا تاہم اگر ان کے کلام کو بنظر غائر دیکھا جائے تو جا بجا نہایت بیش بہا جواہر اور ادبی شہپارے بھی ملتے ہیں جو مرتبہ میں کسی سے کم نہیں-

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی دربارۂ انشا کہ ترا بندۂ خاک است پیش آمدن از لطف کرپمانہ ضرور است

اردو انشا سے نہ روٹھ مت خفا ہو ہے بندۂ جاں نثار تیرا

دونوں اشعار میں شاعر نے دوست سے اپنی مہر و وفا کا ذکر کر کے التفات کی درخواست کی ہے - دونوں شعر بہت صاف لا رواں اور سہل الممتنع نہیں تو سہل حسین ضرور ہیں - پھر بھی دونوں اشعار میں فارسی کے شعر میں زیادہ لطف پایا جاتا ہے - اس لیے کہ لطف کرپمانہ کے ساتھ لفظ ضرور نے جو لطیف اور خوبی پیدا کی ہے وہ مذاق سلیم سے پوشیدہ نہیں ہے -

====xxx====

فارسی نہ ہمین آتش دل جیب و گریبانم سوخت + آخر دیدہ شور ریخت کہ دامانم سوخت

اردو ہم یاں تمام عشق کی آتش سے پھک گیے + اے بے خبر تو ڈھونڈھے ہے کیا اب تلک سراغ

انشا اللہ خاں نے اپنے فارسی اور اردو دونوں اشعار میں سوز محبت اور تپش عشق کا ذکر کیا ہے - لیکن فارسی کا شعر کیا زبان اور کیا انداز بیان ہر لحاظ سے خوب ہے دوسرے معنوی خوبیوں کے اعتبار سے اردو کے شعر سے بہت بہتر ہے - فارسی کے شعر کو سن کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کسی غیر اہل زبان کا شعر ہے - بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر کسی ایرانی شاعر کا ہے - پھر یہ خوبی کہ آتش دل نے تو صرف گریبان ہی پھونکا تھا لیکن آنکھوں کی شور باری نے تو دامن تک جلا کے رکھ دیا-

دیدہ و دل اور داماں و گریباں کی رعایتیں بھی لطف سے خالی نہیں ہیں -
اس کے برخلاف اردو کے شعر میں ایک سیدھی سی بات کہی ہے کہ ہم آتش عشق میں جل کر راکھ ہوگئے تو بھی دوست کو خبر نہ ہوئی - بلکہ دوسرے مصرع میں " اے بے خبر تو ڈھونڈے ہے کیا اب تلک سراغ " میں یہ ابہام بھی موجود ہے کہ دوست کس کے سراغ کی تلاش میں ہے - وہ کیا چیز ہے جس کا وہ سراغ ڈھونڈ رہا ہے -

=====XXX=====

فارسی زندگانی صبح و شامی بیش نیست ماحصل از عمر شامی بیش نیست

اردو بار گراں اٹھانا کس واسطے عزیزو ہستی سے کچھ عدم تک تھوڑا ہی فاصلہ ہے

دونوں اشعار میں زندگی کی انتہائی ناپائداری کا بیان ہے لیکن اس مضمون کو اردو میں جس موثر پیرائے میں ادا کیا گیا ہے فارسی کے شعر میں وہ بات نہیں ہے - کیوں کہ بے ثباتی کے بیان میں کوئی اخلاقی سبق بھی ملنا چاہئے تھا اور یہ بات اردو کے شعر میں موجود ہے -

اردو کے شعر میں شاعر کا یہ کہنا کہ ہستی سے عدم تک بہت تھوڑا فاصلہ ہے - یعنی دنیا کی زندگی بہت مختصر ہے اس تھوڑی سے زندگی کے لیے اتنا بارگراں کیوں اٹھایا جائے- بڑا موثر اخلاقی سبق ہے - بار گراں سے مراد ، دنیاکی دولت جمع کرنا اور عیش و عشرت کے سامان فراہم کرنا مراد ہیں - ظاہر ہے شعر میں زندگی کی بے ثباتی کا موثر انداز میں سبق دیا ہے ، اور اسے جن الفاظ میں ادا کیا ہے اس کا جواب نہیں -

=====XXX=====

فارسی گفتمش من زغلامان توام گفت من خوب ترا می دانم

اردو میں کہا میں غلام ہوں بولا جانتے ہیں خوب اس غلام کو ہم

فارسی اور اردو دونوں شعروں میں شاعر نے محبوب کی بے نیازی اور عاشق کی نیازمندی کا اظہار کیا ہے - یہ فارسی اور اردو کے اشعار ہم مفہوم ہیں اور تقابل کی بہترین مثال ہیں- دونوں میں مضمون کو بالکل یکساں طریقے پر ادا کیا گیا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے

اردو کا شعر فارسی کے شعر کا ترجمہ ہے ۔

لیکن اس یکسانیت کے باوجود اردو کا شعر ایک معمولی فرق کی وجہ سے فارسی کے شعر سے بہتر ہوگیا ہے ۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ فارسی کے شعر میں جب عاشق نے اپنے محبوب سے کہا کہ میں تیرے غلاموں کے زمرے میں شامل ہوں تو محبوب نے براہ راست اس سے خطاب کر کے یہ کہا کہ میں تجھ کو خوب جانتا ہوں ۔ لیکن اردو کے شعر میں عاشق کی طرف سے اسی قسم کی نیاز مندی پیش کرنے کے بعد محبوب کا یہ کہنا کہ :" جانتے ہیں خوب اس غلام کو ہم " یہ ظاہر کرتا ہے کہ محبوب کی بے نیازی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ اپنے عاشق کو قابل اعتنا بھی نہیں سمجھتا ۔

===XXX====

مزید چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی ارشعشعۂ مہر تو دریوزہ نما ید خورشید جہانتاب و مہ و زہرہ برجبیں

اردو یہ جو کہتے کعبہ میں ہے فقط یہ غلط ہے محض اسی خط

جدھر آنکھ اوٹھا کے نظر کروں نظر آئے مجھ کو وہ بوملا

===XXX====

فارسی مرد باش و آشنائے درد باش انشا اللہ (۱) این چنین فرمودہ است

اردو ہمت کبھی نہ ہارے انشان یہ چاہیے جو بات دل میں ٹھن گئی بس وہ ٹھنی رہے

====XXX====

فارسی سید انشا ترا چہ شد آقا از برائے چہ این قدر زاری است

اردو سید انشا صاحب آتا رحم ہے مجھکو کہ ہائے کٹتی ہے کس درد و غم میں نوجوانی آپ کی

===XXX====

فارسی چہ کنم کنون برآرم کہ بہ سجدہ تیغ رانم بشگافم و برآرم دل بے قرار خود را

اردو دل کی بھڑک نے مجھ کو گھبرا دیا عزیزو اس کو نکال ڈالو اک تیز سی چھری سے

---

(۱) اصل نسخہ میں" انشاللہ " کی بجائے " سید انشا اللہ " لکھا ہے ۔

فارسی ناصح نصیحت همه تحصیل حاصل است میداند این قدر بچهٔ شیر خوار هم

اردو کچھ فائدہ بھی بحث سے اے ناصح مشفق آتے ہو نظر تم مجھے کچھ بیہودہ گو سے

====XXX====

فارسی این تنجد را حلقهٔ وادی ایمن صد قافله را عشق درین راه گذر زد

اردو کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

===XXX====

فارسی انشا الله نام انشاست گر هست ترا بدست آرم

اردو آپ خوبی ہوت کے انشاکو بھیجے آپ نے اس کے یہ (١) معنے کہ اب نقشہ ہمارا جم گیا

===XXXX====

فارسی صد هزاران عقد ها بگشوده است عشقبازی طرفه چیزی بوده است

اردو اے حضرت عشق آئیے سائیں اجی مولا یہاں کیجے عنایت

مرشد مرے مالک مرے هادی مرے داتا ، دیجے مجھے نعمت

===XXX====

فارسی بهار بی تو برنگ بریده می ماند گل شگفته بجهب دریده (٢) می ماند

اردو سیر کیا خاک نظر آوے جب اس بن اپنے تیرسا آنکھوں میں ہر غنچہ گلبن مارے

====XXX====

فارسی چندی بوجد و مستی درعشق و می پرستی

طی کرده راه هستی با این و آن بسر برد

اردو اسباب کائنات سے بس ہوکے بےنوا انشا نے انتخاب کیا جام اور عشق

---

(١) اصل نسخہ میں مصرع اس طرح ہے :

" اس کے یہ معنے کہ نقشہ تمہارا جم گیا"

(٢) اصل نسخہ میں " بجهب دریده " کی بجائے " بجهب دردیده" لکھا ہے -

فارسی　همین چشمک که برق شعله خویش خوشه چین باشد

بنائے خاطماں صبر اے جاط ده می ریزد

اردو　نظر ایسی اس سے جو لڑگئی تو وہ چتوں انکھوں میں گڑ گئی

موء دل میں ایسی ہے اٹک کر که جو بات تھی سو پڑ گئی

===XXX====

فارسی　بقامتت چه تواند برابری کردن　　اگر چه سرو بلند کشیده می ماند

اردو　قد کی تری مشابہت سرو کے ساتھ ایسی ہے

سرو کو جوں مناسبت دیجئے لمبے تاڑ سے

===XX===

فارسی　آں اختلاط و گرمی صحبت کجا که او　　اکنوں بسوی من نگراں هم نمی شود

اردو　میں نے کہا کبھی تھے ہمارے بھی کوئی تم　　بولے کبھی نہیں میرے تم کوئی بھی نہیں

====XXX====

فارسی　نگاهت رنگ مستی بود رے خانه می ریزد　　بانداز که صهبا از لب پیمانه می ریزد

اردو　مستی ھی[1] تری آنکھوں کی ہے جام سے لذیذ　　ہے ورنہ کوئی شے ہے کلام سے لذیذ

===XXXX=====

فارسی　جماعتی که بانوار حق هم آغوشند　　بوجد و ذوق زخود میروند و در جو شند

اردو　وہ جو محو ست نظارہ ہیں یہی آہ بھر کے کہیں ہیں رہ

که اسی تجلی نور نے ہمیں مثل طور دیا جلا

====XXX====

مصحفی، شیخ غلام ہمدانی :

شیخ غلام ہمدانی(۲) ابن ولی محمد ابن درویش محمد، مصحفی تخلص کرتے تھے-

---

(۱)　اصل نسخه میں" مستی ھی" کی جگہ " مستی ہے " لکھا ہے -

(۲)　عبدالحق ، مولوی : " ریاض الفصحا" ، دھلی : برقی پریس ۱۹۳۴ء (ناشر- حیدرآباد : انجمن ترقی اردو) ، ص ۲۸۶

آبائی وطن امروہہ اور مولد اکبر پور(قرب دہلی) تھا - سن ولادت میں اختلاف ہے - ریاض الفصحا کا سال تصنیف ۱۲۳۶ ہے اس میں انہوں نے اپنی عمر اسی ۸۰ سال(۱) لکھی ہے اس اعتبار سے ان کی تاریخ پیدائش ۱۱۴۱ھ / ۱۷۲۸ء اور ۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء کے درمیان قرار پاتی ہے -

مصحفی کی عمر بارہ تیرہ سال ہوگی جب وہ دہلی گیے اور سلسلہ تحصیل علم شروع کیا- اول فارسی نظم و نثر میں مہارت تامہ حاصل کی - جب چالیس سال کی عمر ہوئی تو عربی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا- بعض تذکرہ نگاروں نے انہیں میرامانی کا شاگرد قرار دیا ہے لیکن جہاں تک حالات سے پتا چلتا ہے انہوں نے باقاعدہ کسی استاد سے اصلاح نہیں لی - خود انہوں نے اپنے کمال فن سے اپنے شاگردوں کو استفادہ کرنے کا موقع دیا لیکن جس شاگرد نے استاد کا نام روشن کیا وہ خواجہ حیدر علی آتش ہیں -

مصحفی بڑے باکمال اور قادرالکلام شاعر تھے - ان کا کلام نوجلدوں پر مشتمل ہے- جس میں کم و بیش ۳۵ ہزار اشعار ہوں گے - کم و بیش بیس ہزار اشعار کا غیر مطبوعہ دیوان پنجاب یونی ورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے -

مصحفی بارہ سال دلی میں رہ کر جب دوبارہ لکھنو تشریف لائے تو بڑا فرق پایا- میر تقی میر لکھنو آچکے تھے ، میر حسن لکھنو میں مقیم تھے ، اور سودا انتقال کرچکے تھے، سودا کے مزار پر گیے اور سن تاریخ کا ایک مصرع کہا : ع

" سودا کجا و آں سخن دلفریب او "

میرسوز و جرات کا لکھنو میں ڈنکابج رہا تھا -

مصحفی نے ۷۳ سال کی عمر میں ۱۲۳۰ھ تک / ۱۸۲۴ء میں اس دار فانی کو خیرباد کہا - مصحفی نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی اور اپنی قابلیت اور صلاحیت کا سکہ بٹھادیا - نثار احمد فاروقی دیوان مصحفی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں " ہماری ناحق شناسی

---

(۱) عبدالحق ، (مرتبہ) محولہ بالا ، ص ۲۸۸

کی اس سے بڑی اور کیا مثال ہوگی کہ ہم آج تک اتنے بڑے شاعر اور خادم ادب کو اس کا جائز مقام نہ دے سکے ۔"

تاہم ان کی ادبی خدمات کی وجہ سے اردو ادب میں ان کا مقام بہت بلند ہے ۔

خصوصیات :

ان کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ نہایت زود گو تھے ۔ جب وہ شعر کہتے تھے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی کتاب سے دیکھ کر پڑھ رہے ہیں ۔ اسی پرگوئی سے ان کے کلام میں ناہمواری پیدا ہوگئی ۔ کہیں مضامین بہت اعلی ہیں اور کہیں ادنی۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ مسلم الثبوت جگت استاد تھے اور بڑے بڑے استاد ان کے شاگردوں کی فہرست میں آتے ہیں ۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ مصحفی قواعد نظم کے نہایت سختی سے پابند تھے قواعد کی بڑی سے بڑی خامی سے ان کا کلام پاک ہے ۔ کہیں میر تقی میرکا سا سوز و گداز ہے کہیں سوداکی سی بلند پروازی ، کہیں فغانی کی رنگینی ہے ، کہیں میر سوز کی سادگی ہے تو کسی میں جرات کی سی شوخی ۔ مگر رطب و یابس نے ان کے کلام کو ناہموار بنادیا ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا کلام قدما کے رنگ کا بھی بہت ہے مگر زیادہ تر غزلیں معمولی ہیں اور ان کا کوئی خاص رنگ نہیں ہے ۔ سودا کے تتبع میں بعض غزلیں نہایت سخت اور ردیف و قافیہ مشکل رکھے گیے ہیں مگر ان میں مصحفی نے شاعری کا کمال دکھایا ہے پھر بھی سودا کا زور اور استادی نہیں پائی جاتی اسی طرح میر تقی اور میر سوز کے رنگ میں اشعار بہت سادہ ، فصیح اور پردرد کہے ہیں مگر یہاں بھی میر و سوز کی بات پیدا نہ ہوسکی ۔

مختصر یہ کہ غزل میں ان کا کوئی خاص رنگ نہیں ۔ اور بعض اشعار کی عمدگی کو شروع سے آخر تک نباہ نہیں سکے اور یہی حال ان کے قصیدے کا ہے ان میں قواعد کی پابندی اور الفاظ و معانی کی بلندی تو ضرور ہے مگر متقدمین کا زور اور شان و شوکت ان کے کلام میں پیدا نہیں ہوسکی ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ متقدمین کے بعد اور پرگوئی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے ۔ سخن پر انہیں قدرت حاصل تھی علاقائی خصوصیات ان

کے ہاں جرات سے زیادہ اور انشا سے کم ہیں ۔ وہ تخیل میں بلندی ہے وہ جذبات میں دل کشی بعض جگہ ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو اب متروک ہیں ۔ حالاں کہ زیادہ جرات و انشا کا تھا مگر انھوں نے میر و سودا کی تقلید کر کے ان کی برتری تسلیم کی ہے ۔

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :
===================================

فارسی　　می بخود هم ده پیغام سخن ناز ترا　　　که مبادا دگری بشنود آواز ترا

اردو　　مرتےہیں جو تمہاری اس آواز پر انھیں　　　آواز بھیاگر وہ سنؤں تو خوب ہے

فارسی اور اردو کے ان دونوں اشعار میں مصحفی نے رشک کا مفہوم باندھا ہے لیکن یہ مضمون فارسی میں مکمل طور پر بڑی خوب صورتی سے ادا ہوا ہے ، اس کے برخلاف اردو میں رشک کا مضمون واضح طور پر نہیں نکلتا۔

فارسی کے شعر میں بالکل صاف کہہ دیا ہے کہ مبادا کوئی دوسرا تیری آواز سن لے اس لیے میں خود بھی نہیں چاہتا کہ تو مجھ سے سخن ناز کے ساتھ ہم کلام ہو۔

لیکن اردو کا شعر یہ ہے :

مرتے ہیں جو تمہاری اس آواز پر انھیں
آواز بھی اگر وہ سنؤں تو خوب ہے

اس میں شک کا مضمون نہیںxxxxxx نکلتا ۔

اس لیے فارسی کا شعر اردو کے شعر سے کہیں بہتر ہے ۔

===xxx=====

فارسی　　هرگز قضائے ماده گزار د خیال او　　　چنداں که ترک عشق صنم می کنیم ما

اردو　　مصحفی نے وہ خیال اس کی گلی کا چھوڑا　　جب ہوئی رات بجاکر پس دیوار رہا

دونوں اشعار میں مصحفی نے دوست کے خیال میں اس قدر محو رہنے کا مضمون ادا کیا ہے کہ وہ دوست کے خیال سے کسی حال میں بھی غافل نہیں رہ سکتا ۔

فارسی کے شعر میں اس بات کو اس طرح ادا کیا ہے کہ دوست کا خیال اتنی مہلت بھی تو نہیں دیتا کہ ہم عشق دوست کے ترک کرنے کے بارے میں غور کرسکیں ۔ اور ظاہر ہے کہ

جب خیال دوست سے اتنی بھی دوری ممکن نہیں تو ترک عشق کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔

اردو کے شعر میں یہی بات بالکل صاف انداز میں اس طرح کہی ہے کہ مصحفی نے اس کی گلی کا خیال کسی حال میں بھی ترک نہیں کیا۔ جب رات ہوتی وہ پس دیوار دوست جاکر ہی رہا -

اردو کا شعرزبان اور محاورہ کی خوبی اور لذت کی وجہ سے فارسی کے شعر سے بہت بہتر ہے -

====XXX====

فارسی   می‌کنم بال و(پرم)[1] سست بدست صیاد   تاندہ داند کہ مرا طاقت پروازی ہست

اردو   دل تڑپنے جو لگا خنجر تلے بولا وہ شوخ   دیکھو[2] تو اس مرغ کو کیا حسرت پرواز ہے

دونوں اشعار میں دوست کی زیادتی ، بے رحمی اور اپنی مجبوری کا اظہار کیا ہے۔ دونوں کا انداز اور اسلوب بیان ایک دوسرے سے جدا ہے - لیکن اپنی اپنی جگہ نہایت دل کش موثر اور اچھوتا ہے -

فارسی کے شعر میں اس بات کو اس پیرائے میں ادا کیا ہے کہ میں صیاد کے ہاتھ میں اپنے بال و پرسست کرلیتا ہوں تاکہ وہ یہ سمجھکر کہ اب مجھ میں طاقت پرواز باقی نہیں رہی ہے مجھ پر مزید سختی نہ کرے - اور عام طور پر پرندوں میں اس کا تجربہ ہوتا ہے جب بچہ چڑیا کو پکڑ کر کچھ دیر اسے مٹھی میں دبائے رہتا ہے تو یکایک وہ اپنا جسم ایسا ڈھیلا چھوڑ دیتی ہے کہ بچہ اسے نیم مردہ تصور کرنے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس میں اب طاقت پرواز نہیں رہی - یہ سوچ کر اپنی گرفت ڈھیلی کردیتا ہے ، کچھ لمحہ وہ سہمی سی رہتی ہے پھر اچانک اڑ جاتی ہے - اسی بات کو اس شعر میں بیان کیا ہے -

اردو کے شعر میں اس بات کو اس انداز خاص سے ادا کیا ہے کہ جب خنجر دوست کے نیچے میرا دل دھڑکنے لگا تو اس کو اس پر یہ گمان ہوا کہ میرے مرغ دل کو اب بھی حسرت پرواز ہے

---

(۱)   اصل نسخہ میں " بال و پرم " کی جگہ " بال و پوش " ہے -

(۲)   اصل نسخہ میں " دیکھو تو " میں لفظ " تو " نہیں ہے -

اور وہ پرواز کے لیے بے چین ہے -

===XXX====

فارسی   بے حجابی تراد ید چوشب برلب بام   از حیا ماہ فلک پردہ برخسار آورد

اردو   شام کے وقت تو کوٹھے پہ جو آتا ہے کبھی   دیکھ کر تجھ کو[1] یہ خورشید چھپا جاتا ہے

دونوں اشعار میں دوست کی بے حجابی کا ذکر کیا ہے اور اس کے مقابلہ میں فارسی کے شعر میں ماہ فلک اور اردو کے شعر میں آفتاب کو دوست کے حسن بے حجاب سے شرمندہ ظاہر کیا ہے -

لیکن فارسی کے شعر [illegible] سے ایسا نھیں معلوم ہوتا کہ ماہ فلک دوست کے حسن کو دیکھ کر شرمندہ ہوا ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوست کی بے حجابی پر اس کو حیا آگئی ہے اور اس لیے اس نے اپنے چہرے کو پردہ ابر میں چھپالیا ہے - اور یہ بات مذہبی نقطہ نظر سے پسندیدہ ہو تو ہو شعریت اور تغزل کے اعتبار سے اس میں کوئی خوبی نظر نھیں آتی - اس کے برخلاف اردو کا شعر اس مضمون کے بیان میں بالکل پورا اترتا ہے بلکہ اس کے اسلوب میں بھی نہایت ندرت اور دل کشی ہے - اس کے ساتھ ہی اس شعر میں صنعت حسن تعلیل بھی بالکل بے تکلف اور بے ساختہ طور پر پیدا ہوگئی ہے - یہ کہنا کہ شام کے وقت تو جب کبھی کوٹھے پر آجاتا ہے تو تجھ کو دیکھ کر آفتاب بھی شرم سے چھپ جانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ حسن تعلیل کی بہت اچھی مثال ہے -

====XXX====

مزید کچھ اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی   بوئی خنجر نازش قدم مستانہ می مانی   نمیدانی تو اے نادان مزاج یار بے پروا

اردو   گو کوئی ہے فدا پر[2] خوبرویوں کے تئیں   کب خیال جان و مال عاشق جانباز ہے

===XXX====

---

(۱)   اصل نسخہ میں" دیکھ کر تجھ کو " کی جگہ " دیکھ تجھ کو " ہے -

(۲)   اصل نسخہ میں " خوبرویوں کے تئیں" سے پہلے لفظ " پر " نھیں ہے -

فارسی   براتش بوده ازوی چو آتش کے روا باشد   که دود آه مشتاقان کند از عرش سر بالا

اردو   اتنے مشتاق تماشا هیں که کوچے سے ترے   ماه و خورشید بھی نت رو بھا جاتے هیں

====XXX====

فارسی   آتشکدهٔ عشق در و حشر عظمی است   نارٌ و شواظٌ و دخانٌ و بخارا

اردو   نالهٔ شعله فشاں دل سے نه نکلا هرده   تجھ کو اے آه دکھاتے هر نالهٔ شب

====XXX====

فارسی   از مصحفی اے دوست نشان بازچه پرسی   مقتولک قد صار دفیناً و مزارا

اردو   بلبل کا باغباں سے کیا اب نشاں پوچھوں   بیرون درِ چمن کے یک مشت پر پڑے هیں

===XXX===

فارسی   غنیمت دان غنیمت مصحفی را   که چون او شاعر شیرین سخن نیست

اردو   اس کی باتوں پر لگاؤں کیوں نه اب جی دوستو   مصحفی هے اک توشاعرتس به خوش تقریرهے

====XXXX====

فارسی   بوقت گریه آید بوی ناشعی زهر اشکم   که من می گریم و این گریه اختر در گذر دارد

اردو   قلعهٔ گردوں کو جس دم جالگے هے موج اشک   ناله میرا دوش بولے کے علم چڑھ جاتے هے

===XXX====

فارسی   طائر سدره گذارد بته تیغ گلو   طعمه از لحم کبوتر نه سزد باز ترا

اردو   سنا هے میں نے که پھر آج کل گلی میں تری   به زیر تیغ کوئی بے گناه آتا هے

===XXX====

فارسی   یارم بخانه آمد و برجست چون غزال   صبر ایں قدر نکرد دل بیقرار حیف

اردو   آپ تو جاتے رهے باتیں بنا اور مجھ کو آه   بیقراری بیخودی بے اختیاری دے گیے!

===XXX====

فارسی   دلبر، شیرین تراز جان، میرود   سخت بے صبرم که جانان می رود

اردو   پهلو سے اٹھ کے شب جو وه آرام جاں گیا   بے اختیار ناله سوئے آسماں گیا

===XXX===

فارسی   یک دو ناوک نازم شکار کن آخر   تغافل از چہ کنی[1] صید بسمل خود را

اردو   ہم بسمل کی طرح خاک پہ کب تک تڑپوں   صدقے تیرے ، تو لگا ایک ہی تلوار اور بس

====XXX=====

فارسی   زلف چون سنبل در رخسارہ چون گل داری   کرد حسن تو عجب باغ و بہاری پیدا

اردو   ہے مہ نیم شبی چہرۂ نورانی یار   اور وہ زلف سے ہوتی ہے عیاں آدھی رات

===XXX=====

فارسی   آہ من از فلک گذشت قصہ دراز[2] می شود   آب تلطفی بزن آتش سر بلند را

اردو   خون ریزی و جلادی ، بے دردی و بے رحمی   سب کام کیے تونے پر لطف دہ کر آیا

===XXX===

فارسی   صیاد من مرا بہ قفس دید مضطرب   اما ترحمے بہ گرفتاریم نکرد

اردو   اے گل وہ عندلیب کہ ہاں نغمہ سنج تھا   کچھ قفس میں کہتے ہیں دی اس نے جان آج

===XXX=====

فارسی   نالہ از دل بلب آریم چو ہنگام خروش   شہر دل باختہ بیرون رود از بیشۂ ما

اردو   نالۂ شعلہ فشاں دل سے نہ نکلا ورنہ   تجھ کو اے آہ دکھاتے ہنر نالہ شب

===XXX=====

فارسی   چشم بر وعدۂ یار است مرا   شب مہ چون شب تار است مرا

اردو   تیرے بن دیکھے جو اک دم میں سوا جاتا ہوں   ایسے بے صبر سے تو وعدۂ دیدار نہ کر

====XXX=====

فارسی   مدتی شد کہ میان من و او آشتی است   کیست آنکس کہ کنون می دہد آزار مرا

اردو   میں وہ نہیں ہوں کہ اس بت سے دل مرا پھر جائے

پھروں میں اس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے

---

(۱)   اصل نسخہ میں " کنی " کی جگہ " زنی " ہے -

(۲)   اصل نسخہ میں " قصہ دراز می شود " کی جگہ " قصہ دار می شود " ہے -

فارسی بی حجابی ترا دید چو شب برلب بام   از حیا ماہ فلک پردہ برخسار آورد

اردو شام کے وقت تو کوٹھے پہ جو آتا ہے کبھی   دیکھ کر تجھ کو یہ خورشید چھپا جاتا ہے

===xxx====

فارسی بس از شرم معاصی روی پنہاں می کنم   داغی گردد بمحشر نامۂ اعمال ما

اردو اے مصحفی اس اشک پشیمانی سے اپنے   افسوس کہ دھویا نہ گیا نامۂ اعمال

===xxx====

فارسی هرگز نہ آسماں نہ زمین می کشد مرا   از من تورخ شکفتۂ این می کشد مرا

اردو اگرچہ اوٹ تو دل لوٹ ہونے کی نشانی ہے   اداچتوں کی اس ظالم(۲) کی یہیوں خصم جانی ہے

====xxx===

فارسی آئینہ را زکت جدا هم نظر هی کند   تاچہ پسند آمدہ است آں لب خود پسند را

اردو کیا جانئے کیا اس میں تری آنکھوں نے دیکھا   کیوں ہوگئیں آئینہ کی مائل نہیں معلوم

===xxx===

فارسی دو دل چو دوست شود حاجت بیاجی نیست   بغیر واسطہ آید پیام موسی را

اردو دل سے اور اس چشم سے لاگ ہے اس طور کی   خوش ہے کیا لطف سے دونوں سخن داں(۱) ہوں بہت

====xxx===

فارسی من آں خواری زدست دوست دیدم   کہ از دشمن هی بیند عدوهم

اردو جس سے امید وفا تھی بیوفائی اس نے کی   آشنائی کرکے پھر ناآشنائی اس نے کی

====xxx====

فارسی مجنوں مدم چرا دگری رنج می برد   درحصۂ من آمدہ لیلائی شاعری

اردو ہزار احسنت تیری طبع کو اے مصحفی ہیچ ہے

غزل ان قافیوں میں تجھ سوا کوئی کہہ نہیں سکتا

---

(۱) اصل نسخہ میں "سخن دانوں" کی جگہ "سخن داں" لکھا ہے -

(۲) اصل نسخہ میں اداچتوں کی اس ظالم کی جگہ "اداچتوں کی اس کی" درج ہے -

فارسی خاکساری رتبهٔ دارد که بر فرش زمین بوریا را مسند شاهانه می دانیم ما

اردو تاج جس کا ہے سر اور تخت ہو بغلین پا

کیون نہ ہم ایسے کے بدلے ہوین فدائے تخت و تاج

===XXX===

فارسی صبح نورانی من چهرهٔ این خوش خوها شام ظلما تیم آشفتگی گیسو ها

اردو بال بکھرے ہوئے منہہ پر جیسے سورج کی کرن

زلف کے حلقون مین عارض ، شعلے مین آفتاب

===XX===

فارسی تو ای بی مروت مروت نداری بعاشق سر ربط الفت نداری

اردو نہ دوستی نہ مروت نہ دلبری دیکھی جو کچھ کہ دیکھی مین اس سے ، ستمگری دیکھی

====XXX====

فارسی چرا غوارر داری چنین مصحفی را گر از سوی دشمن حمایت نداری

اردو کی ہے غیر سے باتین وہ میرے رو برو لیکن

مروت کے سبب اک بات بھی مین کہہ نہین سکتا

===XXX====

فارسی نبود عجب اگر بخیال میان او همچون خط شعاع شود لاغر، آفتاب

(۱)
اردو دیکھ کے تیری کمر کھوئے گئے ہین از بس

منزل عقا سے ہم پاتے ہین اب اپنا سراغ

====XX====

(۲)
فارسی از بیقراری دل بےصبب خویش آخر عنان صبر سپردیم ناله را

اردو باندھی ہے ہم نے از بس جو ن شرر کمر فغان پر نالون سے میرے آفت ہر شب ہے آسمان پر

---

(۱) اصل نسخہ مین یہ شعر اس طرح ہے :

دیکھ کے تیری کمر کھوئے گئے ہین زبس

منزل عقا سے ہم کرتے اپنا سراغ

(۲) اصل نسخہ مین " بےصبب خویش " کی جگہ صرف " صبب خویش " ہے -

فارسی   بہر چمن کہ روم نکہت توسی آید   صبا فشاند بہر خار و گل عبیر ترا

اردو   زلف معنبر جو اس نے کھولی تو یوں محفل ساری مہکی

آئے چمن سے موسم گل میں باد صبا کا جیسے جھونکا

===xxx====

فارسی   فروزان شد چو فانوسم سراپا   زبس شمع جمالی ماندہ در دل

اردو   سینے میں مجھے اپنے تجلی نظر آئی   میں عشق میں موسی تھا مرا طور یہی تھا

====xxx====

فارسی   ہزاربار بہ پیش توورد دل گفتم   اہیں خاطر محزون می شوی چہ کنم

اردو   دل شکستہ کردہ عاشق کا کہ شہر عشق میں

قیمت اک دل کی نہیں ہوتی بہای تخت و تاج

===xxx====

فارسی   جامہ پوسنگ زدم سجدہ بخارافکنم   در کف غیر ترا بادہ کشیدن دیدم

اتنا

اردو   مت گرم ~~ملو~~ دشمن سے مرے ہمدم   کچھ بھی مرا مانو کیوں جی کو جلاتے ہو

====xxxxx====

فارسی   خنجر بدست آید خودرا بکشم وزی   در عشق کسی باشد رسوای جہان تاکے

اردو   آمد و شد سے تو بدنام ہوں میں اس کو میں

مجھ کو یہ ڈر ہے کہیں اور نہ رسوائی ہو

===xxx====

فارسی   چشم می لذت نظارۂ حسن تو گرفت   از ہمان دیدۂ تصویر کہ حیرانی داشت

اردو   اس حسن لایزال کا عالم ہی اور ہے   یہ حسن وہ نہیں کہ کبھو ہو کبھو نہو

===xxx====

فارسی   از طلسم ہفت پیکر در گذر   در نظر نقش و نگاری بیش ہست

(۱)
دیکھتی

اردو   دیکھئے گلشن ہستی کا تماشا کیوں کر   ~~دیکھتی~~ خار تک اور چشم زدن فرصت ہے

---

(۱) اصل نسخہ میں "خار تک" کی جگہ "خار تلک" ہے -

فارسی بیگانہ نگاہ تو زنہار نشد یارم گر راست زمین بوسی بیگانہ چنین باید

اردو دیکھ تو اے بت بےمہر تری فرقت میں ہریں میں مرا دیدۂ تر ہے کہ نہیں

====XX====

فارسی امشب بداغ سینۂ مجروح مصحفی الماس سودہ بست و دوارا بہانہ ساخت

اردو مہربانی دیکھ ان کی ملاحت کی یہ زخم عاشق پرنمکدان رکھ دیا

====XXXX XX====

فارسی من کار خود حوالۂ لطف خدا کنم چون چارہ گر نگاہ بما چارہ ام نکرد

اردو تم دیکھو ہو وان آئینہ یا آنکھوں میں جی ہے

اب دیکھئے کیا ہو نظر اپنی ہے خدا پر

====XXX====

فارسی بیداست کہ دردیدۂ من خواب نیاید تا شمع جمال تو بود در نظر امشب

اردو دیدۂ بیدار مرا شب خیال یار میں اشک ریزان ہی رہا جوں دیدۂ بیدار شمع

====XXX====

فارسی آن سوزش و شباب جوانی زسر برفت اما زنظم ہے و سہویت ہمان کہ بود

اردو آخری عمر ہے اب آرزوئے عشق کیا کیجئے ہوتی ہیں ہوشیار اور کہیں دن جوانی کے

000000000000

عیشی ، میاں طالب علی :
=================

میاں طالب علی نام اور عیشی تخلص تھا ، ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوئے (۱) - میاں علی بخش خان کے فرزند تھے ، ان کا شمار لکھنو کے ممتاز شعرا میں ہوتا ہے -

مولف " گلشن بے خار " کے بیان کے مطابق وہ فارسی میں مرزا قتیل اور اردو میں مصحفی کے شاگرد تھے ، لیکن مصحفی کے بیان سے اس قول کی تائید نہیں ہوتی ، مصحفی

---

(۱) عروج ، عبدالروف ، " فارسی گو شعرا اردو " ، کراچی : ادبیس پریس ، ۱۹۷۱ء ، ناشر- عشل پبلشنگ ہاؤس لمیٹڈ ، ص ۱۳۷

ریاض الفصحا میں لکھتے ہیں :

" خوشہ چینی از فیض صحبت انشا اللہ خان و مرزا قتیل وغیرہ همه کرده اقرار بشاگردی یک کس نمی کند بالفعل خود استاد وقت خود است ۔" (۱)

ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق تمام تذکرے خاموش ہیں لیکن ان کی علمی صلاحیت کے متعلق مصحفی لکھتے ہیں :

" جوان صلاحیت شعار راست ، شعر فارسی و هندی را بمتانت و رزانت تمام میگوید و در نثر نویسی هم بطور منشیان سابق دستی تمام دارد ۔" (۲)

ان کے فصیح و بلیغ کلام سے بھی ان کی قابلیت آشکارا ہے ۔ عیشی نے لکھنؤ کے امرا کی صحبت میں زندگی بسرکی ، الماس علی خان ، میرالدولہ اور آفرین علی خان ان کے حال پر بڑے مہربان رہے ۔ اور ہمیشہ انعامات سے نوازے گئے ۔ آفرین علی خان کو اس طرح دعا دیتے ہیں :

شب برات ہو رات دن ہو عید کا دن
ہزار سال رہے یوں جہاں میں تو مسرور

عیشی کے متعلق افسر علی صدیقی لکھتے ہیں :

" عیشی کا کوئی ذاتی رنگ سخن نہیں ہے ۔ ان کا کلام اس دور کی یادگار ہے جب لکھنؤ میں ناسخ کا طوطی بول رہا تھا اور سادگی اور آمد کی جگہ تصنع و آورد نے لے لی تھی ۔ بندش کی چستی اور زبان کی درستی تو موجود ہے مگر تغزل کی روح کم نظر آتی ہے ۔" (۳)

عیشی ملنسار باوقار بامروت اور وضعدار انسان تھے :

ترک مراد دل ہے مروت کا مقتضیٰ
خاطر نہ دشمنوں کی بھی زنہار توڑیے

---

(۱) عبدالحق ، مولوی ، (مرتب) ، محولہ بالا ، ص ۲۱۳

(۲) ایضاً ، ص ۲۱۳

(۳) افسرعلی صدیقی امروہوی ، " مخطوطات انجمن ترقی اردو " ، کراچی : انجمن پریس ، ۱۹۶۵ء ، (ناشر — انجمن ترقی اردو) ، جلد اول ، ص ۱۹۵

ان کے بارے میں مصحفی لکھتے ہیں :

" بہ فقیر از ابتدائے ملاقات تا الی الآن یک وضع اتحاد بودہ آمد -"

خواجہ حیدر علی آتش سے بھی ان کے دوستانہ مراسم تھے جس کا ثبوت یہ مقطع ہے :

عجب زمانہ یہ عیشی بقول آتش ہے

کہ سیدھی بات سمجھتے ہیں آشنا الٹی

عیشی کو بھی تغیرات زمانہ سے سخت شکایت رہی :

کس گلستاں میں ہمیں لائی ہے وحشت یا عجیب

گل نہیں بلبل نہیں سبزہ نہیں بوٹا نہیں

عیشی کو خود ستائی کی عادت نہ تھی :

گوہر اشک ہوں یکتا ہوں کہاں میں عیشی

شعرا دی سے مجھے چشم خریداری ہے

جہاں کہیں خود ستائی کا موضوع آیا ہے وہاں اساتذہ کی اطاعت سے گریز کیا ہے:

موثر کب دل ظاہل میں ہو تربیت عیشی

نہو زنہار سیے سے بصارت چشم سوزن میں

میں غزل خواں سوے گل زار جو گزرا عیشی

زہر کھانے کو ہوا مرغ خوش الحان طیار

افسر امروہوی صاحب سخن شعرا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :

" عین عالم شباب میں ۱۲۳۰ھ / ۱۸۲۴ء میں وفات پائی -" (۱)

عیشی نے اپنی وفات کے متعلق اس طرح پیش گوئی کی تھی :

عیشی نمود ہوتے ہی پامال ہم ہوئے

جس طرح سبزہ روش بوستاں اگے

---

(۱) افسر امروہوی، محولہ بالا ، ص ۱۹۵

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   نصیب ما بجز اندوہ جاودانی نیست   بہ کشوری کہ مدام رسم شادمانی نیست

اردو   بےرحم باغباں ہے اور یہ وقتِ بہار   باندھا تھا ہم نے آگے میں آشیاں کہاں

دونوں اشعار میں قسمت اور زمانے کی شکایت کی ہے - فارسی کا شعر زبان کے اعتبار سے بھی بہت خوب ہے - بڑی روانی اور صفائی پائی جاتی ہے - دوسرے مصرع کے انداز بیان میں ایک خاص ندرت ہے اور کافی موثر ہے - پہلے مصرع میں جو بات کہی ہے وہ ایک عام بات ہے مگر اسی بات کو اس بیان سے کہ " بکشوری کہ مدام رسم شادمانی نیست " سے ایسی ترقی مل گئی ہے کہ شعر کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے -

اردو کے شعر میں بھی پہلا مصرع سے ایک عام بات ظاہر ہوتی ہے لیکن یہاں بھی دوسرے مصرع نے شعر کو بلند کردیا ہے - یہ کہہ کر کہ " باندھا تھا ہم نے آگے میں آشیاں کہاں" یہ شعر اپنے اندر کافی تاثیر رکھتا ہے - پھربھی ہمارے خیال میں فارسی کا شعر نسبتاً بہتر ہے -

===XXX===

فارسی   در فضائے کہ زمین دام و سپہرش قفس است   وائے برجانت اگر میل پریدن داری

اردو   دل گرفتہ ہوں کروں گا ہوکے میں آزاد کیا   مجھ کو یکساں ہے چمن کیا خانۂ صیاد کیا

فارسی اور اردو اشعار میں اپنی مصیبت کے ساتھ مجبوری کا بھی اظہار کیا ہے اور مجبوری بھی ایسی کہ "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" - فارسی کے شعر میں اس بات کو اس پیرائے میں پیش کیا ہے کہ جس فضا میں زمین دام کا حکم رکھتی ہے اور آسمان قفس کا ایسی فضا میں ایک پرندہ اگر پرواز کی خواہش رکھتا ہے تو اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے -

اردو کے شعر میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب میں دل گرفتہ ہوں تو آزاد ہوکر کیا کروں گا ، اس لیے کہ ایک آزردہ اور دل گرفتہ کے لیے چمن اور خانہ صیاد برابر ہیں- دونوں اشعار میں اظہار خیال کے لیے ندرت بیان سے کام لینے کی کوشش کی ہے - لیکن اردو کا شعر بیان کی صداقت کے اعتبار سے فارسی کے شعر سے بہتر ہے کیوں کہ یہ بات ایسی بدیہی

ہے کہ ہر شخص کے مشاہدہ میں آتی رہتی ہے -

===XXX===

فارسی عیشی از بار بناکامی دل خورسندم کاش جز من بہ کسی حسرت و حرمان ندھند

اردو کثر شہید لذت درد فراق ہوں یارب سحر کبھی شب تاریک انتظار نہ ہو

فارسی کے شعر میں اپنی ناکامی پر اس وجہ سے خوش ہیں کہ یہ کاش ناکامی ان کے سوا کسی اور کے حصہ میں نہ آئے -

عاشقانہ مصیبت پسند کے ساتھ ساتھ رشک کا مضمون بھی پیدا کیا ہے یعنی یہ نہیں چاہتے کہ ناکامی میں بھی دوسرا ان کی ہمسری کرے -

اردو کے شعر میں اس کے مقابلہ میں مصیبت پسندی کا مضمون تو ہے لیکن رشک و رقابت کا مضمون نہیں ہے - درد فراق کی لذت پر اس درجہ مٹے ہوئے ہیں کہ کہتے ہیں خدا کرے انتظار کی شب تاریک کی کبھی سحر نہ ہو -

زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے اردو کا شعر بہت اچھا ہے لیکن فارسی کے شعر میں چونکہ رشک کے مضمون کا بھی اضافہ کیا ہے اس لیے نسبتاً باعتبار لطف تغزل فارسی کا شعر قابل ترجیح ہوسکتا ہے -

====XXX====

فارسی زمین مزرع ما برق زار حرمانست جیب سبزۂ امید مادمیدن نیست

اردو لے چلے ہم کٹ پا آبلہ دار آخر کار خاربھی اپنے نصیبوں کا بیاباں میں نہ تھا

دونوں اشعار میں شاعر نے اپنی حرمان نصیبی کا بیان کیا ہے لیکن دونوں کا انداز بیان ایک دوسرے سے مختلف ہے اور اپنی اپنی جگہ جدت لیے ہوئے ہے- فارسی کے شعر میں یہ کہنا کہ ہمارے سبزے کے جیب میں اگنا لکھا ہی نہیں ہے اور اردو کے شعر میں یہ کہنا کہ بیابان میں ہماری قسمت کا کوئی خاربھی نہ تھا اس لیے ہم بیابان سے بھی آبلہ پا ہی چلے آئے - ندرت بیان سے خالی نہیں ہے لیکن چونکہ اردو کے شعر میں حرمان نصیبی کے بیان میں مبالغے کے باوجود بڑی اثر انگیزی پائی جاتی ہے - کس قدر مایوسانہ بیان ہے کہ " خار بھی اپنے نصیبوں کا بیاباں میں نہ تھا " اس لیے ہم اردو کے شعر کو نسبتاً بہتر سمجھتے ہیں-

مزید چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی　مرا آتش زدی در جان چه کردی　　به دشمن ساختی جانان چه کردی

اردو　دوست جانا تھا جسے دشمن جاں نکلا　　ابر سمجھے تھے سو برق سر ساحل نکلا

====XXX===

فارسی　خورشید رخ از پردهٔ بیرنگ بر آورد　　هر ذره بونگ دگری رنگ بر آورد

اردو　دل تجلی گاہ ہے یارب کس کے نور کا (۱)　　قطرہ ہر اشک میں پنہاں ہے شعلہ طور کا

===XX===

فارسی　حباب بحر فنائیست مدّهٔ کارم　　رهین ناخن تائید آسمانی نیست

اردو　اول شام خبر موت نے لی ورنہ ہمیں　　رنج کیا جانے دکھاتی شب ہجراں کیا کیا

====XXX====

فارسی　اهل آن بزم که از شوخی او حرف زند　　شمع هر نگه چشم غزالان دارد

اردو　لذتیں تماشا کیسی (۲) ہاں کیا کیا　　یاد آئے کاکونی دن میں گلستاں کیا کیا

===XXX===

فارسی　ستم کار ہ آشنا بے وفائی　　بلائے شکیب آفت صبر و دینی

اردو　تاکجا یہ امتحان طاقت و صبر و شکیب　　جان جاں آخر دل عشاق کی بنیاد کیا

===XXX====

فارسی　نے همین ناز و ادا حلقه بگوش ابروست　　فتنه هم چشم بآن جنبش مژگان دارد

اردو　خط ہوا ہے شی رگوں سے چشم ترکی موجزن　　تھا خیال نوک مژگاں نشتر فصاد کیا

===XXX====

فارسی　چرخ گردون جلوہ گاہے گرد باد فتنه است　　تاکجا یارب بریم مشت غبار خویش را

اردو　ہوں وہ دیوانہ ووحشی کہ مراجوش جنوں　　آسماں کوبھی سمہ خانۂ زنداں سمجھا

====XXX====

---

(۱)　اصل نسخہ میں "دل تجلی گاہ ہے" کی جگہ "دل تجلی گہ کا ہے" لکھا ہے۔

(۲)　اصل نسخہ میں "یہاں" لکھا ہے ۔

رنگین، سعادت یار خان :

سعادت یارخان نام اور رنگین تخلص تھا ۔ سرھند میں پیدا ھوئے ۔ سن پیدائش میں اختلاف پایا جاتا ھے ۔ (۱) ۱۱۷۱ھ/مطابق ۱۷۵۷ع ان کا سن ولادت ھے جیسا کہ " حدیقہ رنگین" میں خود فرماتے ھیں :

بہ ہزار و صد و یک و ھفتاد

اتفاق تولدت افتاد (۲) ۱۱۷۱

ان کے والد مرزا طہماسپ بیگ خان توران سے تشریف لائے تھے ۔ رنگین کی تعلیم و تربیت دھلی ھی میں ھوئی ۔ رنگین پندرہ سال کی عمر ھی سے شعر کہنے لگے تھے ، خود فرماتے ھیں :

زدل از سن پانزدہ سالگی

سوئے شعر شد رغبت طبع من

لکھنو گیے تو مرزا سلیمان شکوہ نے ان کی بڑی قدر کی اور خاطر و مدارات میں کوئی کثر اٹھا نہ رکھی ۔

رنگین شاہ حاتم کے شاگرد تھے ۔ مزاج میں شوخی ، بذلہ سنجی اور جدت تھی ۔ رنگین اور انشا اللہ خان انشا دونوں ریختی کے شوقین تھے ، دونوں آپس میں بڑے گہرے دوست ھم مزاج اور ھم مذاق بھی تھے ۔

---

(۱) صابر علی خان، ڈاکٹر ، " سعادت یار خان رنگین" ، کراچی : انجمن ترقی اردو ۱۹۵۶ع ، ص ۲۵ (۳۳۱ ھ ۸۹۱ ر ن ل)
(ڈاکٹر صاحب نے سنہ وفات ۱۱۷۰ھ مطابق ۱۷۵۷ع لکھا ھے)

(۲) صابرعلی خان، ڈاکٹر، محولہ بالا ، ص ۲۹۳
(ڈاکٹر صاحب نے صفحہ ۲۹۳ پر رنگین کے حوالے سے جو ان کا خود نوشت قطعہ تاریخ لکھا ھے اس میں رنگین نے اپنی تاریخ ولادت ۱۱۷۱ھ لکھی ھے اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال تھی اور اسی میں انھوں نے اپنی تاریخ وفات بھی ۱۲۵۱ھ لکھی ھے پھر نہ معلوم کس طرح رنگین کے حالات زندگی میں صفحہ ۲۵ پر ڈاکٹر صاحب نے تاریخ پیدائش ۱۱۷۰ھ مطابق ۱۷۵۷ع لکھی ھے یہ کاتب کی غلطی بھی ھوسکتی ھے۔ کیوں کہ ۱۱۷۰ھ/۱۷۵۶ع ھوچکا ھوتا جب ۱۱۵۷ھ ڈاکٹرصاحب کا دیا ھواسال موجود ھے

رنگین نے پہلے ریختہ گوئی میں قدم رکھا ، پھر ریختی کہنے لگے - رنگین ہمہ گیر طبیعت کے مالک تھے ، انھوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور قادرالکلامی کے جوہر دکھائے ہیں -

رنگین کا دیوان " نورتن رنگین" ہے ، جس کے پانچ حصے ہیں، ریختہ ، بیختہ ، آمیختہ ، انگیختہ اور آخر میں رنگین کا فارسی دیوان " حدیقۂ رنگین" ہے ، جو دیوان کا پانچواں حصہ ہے - اس میں اپنی شاعری کے متعلق خود فرماتے ہیں :[1]

چوشد جودت طبع مائل بہ نظم　　کشیدم بسے درد و رنج و محن
قلم کردم انگشت و دل را دوات　　سیاہیش کردم ز مشک ختن
بسفتم در معنی بے بہا　　بسی بہتر از سلک در عدن
درین باغ ہرسمت بہ شگفتہ است　　گل و لالہ و نسترین و سمن
دگر برلب آمد مرا متصل　　صدائے ہزاز درد رنگین زدل
بسر شد درین فکر پنجاہ سال　　شگفتہ مضمون چمن در چمن

اسی کے آخر میں رنگین نے اپنے دیوان کے مکمل ہونے کی تاریخ کہی ہے :

چو تاریخ جستم ز پیر خرد
بگفتا " قلم بند شد نورتن
۱۲۳۶ھ

رنگین آخر عمر میں گوشہ نشین ہوگئے تھے ، ہمہ وقت یاد الٰہی اور اوراد وظائف میں مشغول رہنے لگے تھے - انتقال سے پہلے ہی انھیں اپنی موت کا یقین ہوگیا تھا یہ کوئی اچنبے کی بات نہیں ، ہاں اتنا ضرور ہے کہ ایسی مثالیں کم ملتی ہیں - حاصل کلام یہ کہ اچنبھے رنگین نے اپنی زندگی ہی میں اپنا قطعہ تاریخ کہہ دیا تھا - جس سے ان کی تاریخ وفات ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء میں ہوئی ، فرماتے ہیں :

گفت ہاتف بہ گوش رنگین دوش (۲)　　سال موت و حیاتش از سر ہوش

---

(۱)　صابر علی ، محولہ بالا ، ص۔ ۲۸۳

(۲)　ایضاً ص۔ ۲۹۳

یعنی هشتاد (۸۰) سال در عالم — زندگانی به کی نه بیش و نه کم

به هزار و دو صد یک و پنجاه (۱۲۵۱) — گردد ت کشتی حیات تباه

گفته تاریخ هیچ کس نه چنین — نوبتین دان و نظم کی رنگین

رنگین اردو، فارسی دونوں زبانوں کے نہایت قادرالکلام شاعر تھے، ذیل میں دونوں زبانوں کے ملتے جلتے مفہوم کے چند اشعار برائے تقابلی مطالعہ پیش کیے جاتے ہیں -

خصوصیات کلام :

شعر و سخن کا شوق عنفوان شباب سے تھا، شاہ حاتم کے شاگرد تھے - شوخی اور بذلہ سنجی کے ساتھ رنگین کی طبیعت ایجاد پسند واقع ہوئی تھی - ریختی کی طرف جھکے جس میں ان کے دوست انشا اللہ خان بھی شریک رہے - رنگین کی طبیعت ہمہ گیر تھی، ہر رنگ میں انھوں نے اپنے جوہر دکھائے ہیں - آپ کا مجموعہ تصانیف نورتن کے نام سے ہے جس میں اردو کے چار دیوان ہیں -

رنگین کی کتاب مجالس رنگین دیکھنے سے ان کی حاضر جوابی نکتہ اور فی البدیہہ اشعار گوئی کا بھی پتا چلتا ہے - اور بعض مقامات پر رنگین کے اعتراضات بھی صحیح ہیں - خواہ ان کی اصلاح درست ہو یا نہ ہو - اس سے کم از کم یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ زباندانی اور سخن فہمی میں ایک درجہ ضرور رکھتے تھے - لیکن ان کی سخن گوئی کا درجہ بہت اونچا نہیں ہے درجہ دوم کے شعراء میں بھی، وہ کسی اعلی درجہ کے نہیں ہیں بلکہ متوسط الحال ہیں - معاملہ بندی کے اشعار آپ کے ہاں بہت ہیں اور مضمون آفرینی بہت کم ہے -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی — چہ آفت ہا کہ آمد بوسر من — فدائے عشق و قربان محبت

اردو — چشم گریاں سینہ بریاں آہ سرد و رنگ زرد — عشق میں کیا اس سوا کچھ اور حاصل ہوئے گا

دونوں شعروں میں عشق کی بدولت جو مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں ان کا طریقہ انداز میں بیان کیا ہے اور اس انداز کی وجہ سے ہی دونوں شعروں میں لطف پیدا ہوگیا ہے ورنہ

عشق کی آفتوں کا بیان ہے اور کچھ بھی نہیں -

===xxx====

فارسی　　بجانم آتش عشقت الٰہی　　　　همیشه بیش بادا کم مبادا

اردو　　تا حشر رہے یہ داغ دل کا　　　　یارب نہ بجھے چراغ دل کا

دونوں اشعار تازگی اور روانی اور اظہار بیان کی خوبی کے اعتبار سے سہل ممتنع نہیں تو سہل حسین کا درجہ ضرور رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود اردو کے شعر میں ، دل کے داغ کو چراغ سے تشبیہہ دے کر جس انداز میں بیان کیا ہے یہ شعر بہت بلند ہوگیا ہے یعنی یہ کہنا کہ دل کا داغ ہی میرے خانۂ دل کا چراغ ہے اسی سے دل میں روشنی اور اجالا ہے اس لیے دعا کرتا ہے کہ الٰہی یہ چراغ کبھی نہ بجھے -

اردو کے شعر میں بھی تقریباً وہی مضمون جو فارسی میں بیان کیا گیا ہے لیکن اردو میں داغ دل کہہ کر دوسرے مصرع میں اس کو چراغ دل سے استعارہ کرنے اور پھر اس کے لیے کبھی نہ بجھنے کی دعا نے شعر کو بہت دل کش اور شگفتہ بلکہ ہر اعتبار سے ایک بلند پایہ شعر بنادیا ہے -

===xxx===

مزید چند اشعار پیش خدمت ہیں :

فارسی　　نیاساید بہ دھر آرا کہ رنگین　　　　خلد در سینہ پیکان محبت

اردو　　غم وہی غم ہے کہ جس غم سے بھرا ہو سینہ　　　　سینہ کیا سینہ ہے جو سینہ کہ افگار نہیں

====xxx====

فارسی　　مارا کہ دل همیشه بہ سوئی تو می کشد　　　　بے اختیار جاذب کوشی تو می کشد

اردو　　نہ مانا دل نے رنگین کا کہا گھر سے نکل بھاگا

جو دیوانہ ہو اس کو کب تلک سمجھائے[1] اک مشفق

===xxx====

---

(۱)　　اصل نسخہ میں " سمجھائے اک مشفق " کی جگہ " سمجھائے مشفق " لکھا ہے -

فارسی   بی نوای ماہ چہ می باید کرد   نالہ یا آہ چہ می باید کرد

اردو   حسرت و حرماں و یاس و حیرت و رنج و تعب

کیا کہوں اس ہجر میں کیا کیا ہے اور کیا کیا نہیں

====xxx====

فارسی   ناصحا (١) نیست کلامت دل چسپ   اے دل آگاہ ، چہ می باید کرد

اردو   نصیحت رات دن ناصح کیا کرتے ہو ناحق تم

اسے بھی ایک دن تم جاکے سمجھاتے تو کیا ہوتا !

=====xxx====

فارسی   حسرت دیدار دارم ، بس کہ مشتاق توام   گویا درآغوش (٢) می باغمزہ صد بار آمدی

اردو   طاقت مجھے ہجر کی نہیں ہے   اب وصل ہو بس، بس اے خدا بس

===xxx====

فارسی   فلک گردد نہ گردد گر بکامم   سروکار ست با عشقت مدامم

اردو   دیوانہ ترا دونوں عالم سے نہیں واقف   شادی سے نہیں محرم ، ماتم سے نہیں واقف

====xxx====

فارسی   در خلق یک سرشد شور محشر   چوں آمد آں ماہ در بزم ما

اردو   وہ آیا تھا یہاں اے حضرت دل بھول کر شب کو

جو تم اس وقت پہلو سے نہ چلاتے تو کیا ہوتا !

===xxx====

فارسی   بخواں یک چند شعر نغز دیگر   توئی رنگیں غزل خواں محبت

اردو   شعر وہ شعر ہے جو شعر ہو رنگیں گل سا

گل وہ گل ہے بھلا ، جو گل بے خار نہیں

===xxx====

---

(١)   اصل نسخہ میں "ناصحا" کی بجائے "ناصح" لکھا ہے -

(٢)   اصل نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے :

"گویا آغوش دم از غمزہ صد بار آمدی"

فارسی قربان سرش که گفت از ناز رنگین به خار ما نباید

اردو هر گهڑی دهیان ادهر اے دل نادان نه جائے

هے یهی خوب که یه بات کوئی جان نه جائے

===XXX===

فارسی به جز هجر تو دیگر غم مبادا به جز عشق توام ، همدم مبادا

اردو هے بادۂ غم سے تهیں دن رات لبریز یهاں ایاغ دل کا

===XXX====

فارسی نه شد خورشید و مه هم سنگ حسنت چو سنجیدم به میزان محبت

اردو گل خورشید جون خور هے تکے(۱) طرف کی جانب کو

کون پهول اس روشن کا هے یه تهیں(۲) کان کے آگے

===XXX===

فارسی دل شکار کسی نخواهد شد که غزال رمیده رام شد

اردو همیں یے گل رکهے هے آپ بهی یے چمن هے رنگین

کهیں اٹکا هے دل معلوم هوتا هے یه انکل سے

===XXX====

فارسی چشم مخمور تو، چشم بد دور کرد بیمار ، نه دانم چه کنم

اردو چشم هے جادو، نگه(۳) هے سحر، چتون قهر هے

دیکه کر اس کو کوئی کس طرح شیدائی نه هو

===XXX===

---

(۱) اصل نسخه میں "جون خورهے تکے" کی بجائے "جون خورتکے" لکها هے -

(۲) اصل نسخه میں "اس روش کا هے" کی بجائے "اس روش هے" لکها هے -

(۳) اصل نسخه میں "جادو نگه" کو "جادو نگاه" لکها هے -

فارسی   می سوزم اے ماہ، از نالہ در آہ   واللہ باللہ باللہ واللہ

اردو   جو نالہ رات کو لب سے نہ ہٹ گیا ہوتا   تو ساتھ آہ کے سینہ بھی پھٹ گیا ہوتا

===xx===

فارسی   صاحب خانہ توی ، هر مسجد و بت خانہ را

ای کہ صد رہ در دل هر مست و هشیار آمدی

اردو   میر مجلس ہے توہی، اور توہی صاحب خانہ ہے

تجھ سے رونق[۱] سب کی ہے تو شمع ہر کاشانہ ہے

===xxx===

فارسی   گاہ گفتی غلغلت اصنان ضعیفت است و نحیفت

گاہ چون منصور انالحق گوی بر دار آمدی

اردو   دعوائے انالحق تھا اسے تجھے یہ[۳] عجب کیا

جو خم نہ[۴] ہوتی دار یہ منصور کی گردن

===xxx===

فارسی   نقش آبی ست بنائے هستی   این بنائی ست کہ من می دانم

اردو   بلبلہ پانی کا ہے اپنے کیوں پہچان تو   سوچلے جی میں کوئی دم کا ہے بس مہمان تو

===xx====

فارسی   دلا هر قطرہ اشکم بہ جیحون می زند پہلو   بہ عشقش داد می خواهد لب خشکم زساحل ها

اردو   عشقِ ظالم ظالم ہو، جو صحرا صحرا وحشت ہو

ھامون، ھامون الفت ہو تو دریا دریا رقت ہو

===xxx====

---

(۱)   اصل نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے :

ع " تجھ سے ہی رونق شب ہے، تو شمع ہر کاشانہ ہے "

(۲)   اصل نسخہ میں "گاہ گفتی " کی بجائے " گاہ گفتن" لکھا ہے -

(۳)   اصل نسخہ میں " تجھے یہ عجب کیا" کی بجائے " تجھے عجب کیا" لکھا ہے -

(۴)   اصل نسخہ میں " جو خم نہ ہوتی" کی بجائے " جو خم ہوتی " لکھا ہے -

فارسی   اقلیم دل را کردی تو یغما   الملک للہ ، والحکم للہ

اردو   نہ مسجد میں نہ بت خانے میں دیکھا   جو جلوہ دل کے کاشنے میں دیکھا

****

ناسخ ، شیخ امام بخش :

شیخ امام بخش نام اور ناسخ تخلص کرتے تھے - ولدیت میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ یہ ایک غریب باپ کے بیٹے تھے اور خدا بخش لاہوری خیمہ دوز نے جو ایک سرمایہ دار آدمی تھے (اور فیض آباد میں مقیم تھے) انھیں اپنا متبنی بنالیا تھا - لیکن اس شبہ کی وضاحت اس بات سے ہوجاتی ہے کہ جب ورثہ چچا سے مقدمہ بازی ہوئی تو عدالت عالیہ نے انھیں متروکہ جائداد کا جائز وارث قرار دیا - اس بارے میں ایک رباعی بھی دیوان دوم میں موجود ہے - رباعی (۱)

مشہور ہے گرچہ افترائے اعمام   یہ کرتے تھیں غیر خواص اور عوام

وارث ہونا دلیل فرزندی ہے   میراث نہ پاسکا کبھی کوئی غلام

اس سے ثابت ہوگیا کہ ان کے والد حقیقی خدا بخش لاہوری خیمہ دوز ہی تھے -

اسی طرح سن ولادت میں بھی اختلاف ہے - اور مختلف قیاس آرائیاں کی گئی ہیں - محمد یحیی تنہا لکھتے ہیں کہ رضی نے اپنی آنکھوں سے ناسخ کو دیکھا تھا اور وہ رضی کے حوالے سے لکھتے ہیں :" کہ انتقال کے وقت ان کی عمر سو سال ہوگی - جب کہ یہ امر مسلم ہے کہ ان کا انتقال (۲) ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء میں ہوا تو یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ولادت تقریباً ۱۱۵۴ھ / ۱۷۴۱ء ہوئی ہوگی -

بقول مولانا محمد حسین آزاد ناسخ لکھنو کے محلہ ٹکسال میں رہنے لگے تھے - لکھنو شعر و شاعری کا مرکز تھا ، مصحفی ، انشا اور جرات کی شاعری کا چرچا تھا - بچپن ہی سے ناسخ کی طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل تھی - آپ مصحفی اور ان کے (۳) شاگرد مقلد

---

(۱) تنہا ، محمد یحیی ، " مراۃ الشعراء ، لاہور : عالمگیر الیکٹرک پریس ، ......
جلد اول ، ص ۳۵۸

(۲) ایضاً ، جلد اول ، ص ۳۵۶

(۳) ایضاً ، حصہ اول ، ص ۳۵۶

محمد عیسیٰ تنہا کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں ۔ انشا ، جرات اور مصحفی کا زمانہ ختم ہوا تو ناسخ کا کلام عروج پر پہنچ گیا تھا ۔ اچھوتا رنگ اور نرالا انداز تھا اس لیے قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا اور داد ملنے لگی ۔ خواجہ حیدر علی آتش سے بڑی معرکہ آرائیاں رہیں ۔

شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے جن میں مرزا محمد رضا خان برق ، میر علی اوسط رشک ، امداد علی بحر ، اسمٰعیل حسین منیر ، کلب حسین خان نادر کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

۱۲۵۴ھ میں انتقال ہوا اور گھر ہی میں دفن کیے گیے ۔ ان کے شاگرد رشید رشک نے تاریخ کہی " دلا شعر گوئی اٹھی لکھنو سے " ۔

ناسخ اردو غزل کے نہایت قادرالکلام اور پرگو شاعر تھے ۔ ان کے زمانے میں لکھنو کی شاعری نے پر تکلف اور تصنع کا انداز اختیار کیا ۔ اسی طرز پر اہل لکھنو فخر کرتے ہیں ۔ یہی تلازمہ ناسخ کے کلام کی خاص خصوصیت ہے جس سے وہ کلام کو ہر لطف بنادیتے ہیں ۔ تشبیہہ و استعارے روزمرہ اور محاورے بڑی خوبی سے استعمال کرتے ہیں ۔ انھوں نے شاعری کو خلاف طبع اور غیر فطری باتوں سے پاک کر کے اس میں واقعیت کا رنگ بھردیا اور یہی ان کا خاص طرز سمجھا جاتا ہے ۔

ناسخ کے زمانہ میں آتش بھی لکھنو میں تھے ۔ دونوں کے نظریات مختلف تھے اس لیے دونوں شاعروں کے درمیان معرکے رہے ، دونوں اپنے اپنے مداحوں سے داد لیتے تھے ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس معرکہ آرائی نے گیسوئے اردو کو سنوارا ۔ اور اس سے اردو غزل کو بڑا فروغ حاصل ہوا ۔ جب تک نکتہ چینی نوک جھونک نہ ہو فن ترقی نہیں کرتا ۔ چناں چہ ان دونوں بزرگوں کی آپس کی نوک جھونک سے گیسوے اردو کے خم اور اس میں وہ حسن پیدا ہوگیا جو اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں گیا تھا ۔ ناسخ کی وفات کے بعد تقریباً نو سال تک آتش بقید حیات رہے لیکن انھیں ناسخ کے انتقال کا اتنا صدمہ ہوا کہ شعر و شاعری ترک کردی تھی ۔ اس سے ان حضرات کی باہم دوستی اور قلبی لگاؤ کا پتا چلتا ہے یعنی فنی اختلاف سے آپس کا خلوص مجروح نہیں ہوا تھا ۔

اگرچہ ناسخ کا کلام بہت عمدہ ہے لگ لیکن کہیں کہیں مشکل الفاظ اور تشبیہہ و استعارے کی کثرت نے کلام کو بوجھل بنادیا ہے ۔ اور کلام عام فہم نہیں رہا ایک مطلع ملاحظہ ہو :

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

یہ شعر الفاظ کی بندش ، مضمون کی چستی اور خیال کی رفعت کے لحاظ سے بہت بلند ہے ۔ پردرد اور پر اثر بھی ہے لیکن عام فہم نہیں ہے ۔

ناسخ نے گیارہ ہزار اشعار کہے ہیں ۔ یہ تمام اشعار ان کے دو دیوانوں پر مشتمل ہیں ۔ لکھنوی اردو شاعری کا عظیم سرمایہ ہیں اور فنی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ۔ ان کے کلام میں معاملہ بندی اور تلازمہ خاص اہمیت رکھتے ہیں اور رعایت لفظی سے بھی کام لیا ہے ۔

ناسخ فارسی میں تاریخی قطعات کہنے کے بہت شوقین تھے ۔ اردو میں تاریخی قطعات بہت کم کہے ہیں ۔ ایسے قادرالکلام اور غزلیات کے دلدادہ شاعر کے لیے یہ نا ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فارسی میں غزلیں نہ کہی ہوں ۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی فارسی غزلیات نہیں مل سکیں ، صرف ان کے تاریخی قطعات ہی سے مضمون سے قریب تر اشعار تلاش کر کے یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

چند اردو فارسی اشعار کا تقابلی مطالعہ :

فارسی   سجدۂ شکر را ادا کردم   در حق نامہ بر دعا کردم

اردو   آ مجھ سے ہو ہمکنار قاصد   کرلوں میں تجھے پیار قاصد

دونوں اشعار کا مضمون بالکل مشترک ہے یعنی عاشق دوست کے بھیجے ہوئے قاصد کو دعا دیتا ہے یا اس سے اظہار محبت کرتا ہے ۔ لیکن یہ مضمون اردو کے شعر میں اس انداز سے ادا ہوا ہے کہ اس کی لذت ہی کچھ اور ہے ۔ قاصد کو ہمکنار کرنا اور اسی پر قناعت نہ کرنا

بلکہ یہ خواہش کرنا کہ قاصد کو پیار کرلوں یہ وارفتگی شوق کی حد ہے - اس سے انداز بیان میں بڑی دل کشی پیدا ہوگئی ہے -

فارسی کے شعر میں تو صرف یہ کہا گیا ہے کہ نامہ بر نے دوست کا خط یا پیغام لاکر دیا تو ہم نے اس پر سجدہ شکر ادا کیا اور نامہ بر کے حق میں دعا کی -

===xxx===

فارسی محفلش از خرمی شد بوستان   همچو گل شگفته خندان دوستان

اردو ترا کوچہ وہ گلشن ہے کہ جس کے شوق میں اے گل

جہاں میں عندلیبوں سے گلستاں ہوگیے خالی

دونوں اشعار میں دوست کی محفل یا اس کے کوچہ کی تعریف کی گئی ہے فارسی کےشعر میں دوست کی محفل کو خوشی و خرمی کی فراوانی کی وجہ سے باغ سے تعبیر کیا ہے دوستوں کی خوشی اور انبساط کو پھولوں کے کھلنے سے تشبیہ دی ہے - کہ جب دوست کی محفل فرط خوشی و خرمی سے باغ بن گئی تو اس کے دوست اور ندیم خوشی سے پھولوں کی طرح کھل گیے-

لیکن اردو میں دوست کے کوچے کو ایسا باغ قرار دیا ہے کہ جہاں دنیا بھر کے باغوں کے بلبل آکر جمع ہوگئے ہیں -

دونوں اشعار میں کوئی خاص ندرت نہیں پائی جاتی البتہ زبان کی خوبی اور صفائی اور انداز بیان کی دل کشی دونوں شعروں میں موجود ہے -

===xxx===

فارسی مژدہ بادا رسید فصل بہار   همه هندوستان شده گلزار

اردو قدح کئے ہوئے گل مثل بادہ خوار آیا   خزاں چمن سے گئی موسم بہار آیا

دونوں اشعار میں موسم بہار کی آمد کا بیان ہے لیکن اردو کا شعر بہت خوب ہے - گل کو بادہ خوار سے تعبیر کیا ہے اور کھلے ہوئے گلاب کے پھول کو قدح بادہ سے تشبیہ دی ہے اور اس طرح ممدوح کی تعریف کی ہے کہ اس کے اقبال کا یہ اثر ہے کہ ملک سے خزاں رخصت ہوگئی ہے اور بہار آگئی ہے - اور اسے شراب مسرت و شادمانی کی بھیک مانگنے کے لیے گل بھی

اپنا قدح لے کر حاضر ہوگیا ہے -

دونوں اشعار کے انداز بیان اور معنوی لطافت پر نظر ڈالیں تواردو کا شعر فارسی کے شعر سے بہتر ثابت ہوتا ہے -

=====xx=====

مزید چند اشعار پیش خدمت ہیں :

فارسی　در جہان نوشیروان عادل ست　بے گمان کشور کشائے باذل ست

اردو　یہ بادشاہ نوشیروان عادل ہے　یہ آفتاب درخشاں یہ ماہ کامل ہے

====xx====

فارسی　خار بیدار رفت ازین گلشن　گل اصالت خندہ زن بچمن

اردو　برائے مدح گل روئے یار گلشن میں　زبانیں نکلی ہیں گلبن کی خار کے بدلے

====xx====

فارسی　بلبل نغمہ سرا نوحہ گر است　گشت ماتم کدہ باغ ایجاد

اردو　ہوا ہے آج جو وہ رشک ماہتاب (۱) جدا　بدن کو جان سے کرتا ہے اضطراب جدا

===xx====

فارسی　در عزائے بادشاہ کشتگان کربلا　اشک خون درچشم بود و برلب او آہ بود

اردو　سیل غم آنکھوں سے جاری ہجر میں دن رات ہے

تس دن بارہ مہینے اپنے گھر برسات ہے

====xx====

فارسی　شد سیہ خانۂ عالم و ہر سو　حشر از ماتم او (۲) برپا گردید

اردو　غم دیا رنج دیا درد دیا داغ دیا　ہوسکیں مجھ سے عوض کیا تری احسانوں کے

===xx====

---

(۱)　اصل نسخہ میں " ماہتاب" کی جگہ " مہتاب " درج ہے -

(۲)　اصل نسخہ میں " از ماتم او کی جگہ " ازماتش " لکھا ہے -

فارسی   صد احمد مختار همایون بادا   التفات اسد الله مبارک باشد

اردو   گر ابر کرم احمد مختار ہے ، لاریب   بیشک ہے علی برق شرربار خدا کا

===XXX====

فارسی   زندہ است از اثر فیض نگاہش عالم   خوش نگاہی صد و سی سال مبارک باشد

اردو   یہ بادشہ(۱) صدوسی سال تندرست رہے   کہ نظم کشور دنیا و دین میں کامل ہے

====XXX====

فارسی   قبلۂ دین و کعبۂ ایمان   ہادی خلق عارف کامل

اردو   یہی ہے قبلۂ ایمان یہی کعبۂ دل   اسی کے فیض سے آباد خانۂ دل ہے

===XXX====

فارسی   بنزیرِ سایۂ لطف نبی بے سایہ   ہمیشہ حضرت سلطان ظل سبحانی ست

اردو   اسی لیے تو رسول کریم بے ظل تھے   کہ بس حبیب خدا کا یہ بادشاہ ظل ہے

===XXX====

فارسی   بعدل و حکم نوشیروان و اسکندر   عیان زجبہۂ او صولت سلیمانی است

اردو   گل عذار شہنشاہ کی سدا ہو بہار   اب اس چمن میں یہی نغمۂ عنادل ہے

•••••••

گویا ، فقیر محمد :

فقیر محمد خان نام آفریدی نسبتی نام صاحب بہادر تہور جنگ لقب اور گویا تخلص تھا ۔ ملیح آباد کے تعلقدار ہونے کی وجہ سے بڑی شان و شوکت کے مالک تھے ۔ دو ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ تھی ۔ محلات شاہی میں تنخواہ تقسیم کرانے کے علاوہ ملک کے نظم و نسق میں بھی انھیں دخل تھا ۔ پسوان باڑے کی نظامت اگرچہ ان کے داماد امام الدین خان کے نام سرکار میں لکھی ہوئی تھی مگر تمام انتظام خود فقیر محمد خان کرتے تھے ۔ تین تین سو روپیہ والی چار سو

---

(۱)   اصل نسخہ میں " بادشہ " کو " بادشاہ " لکھا ہے ۔

گھوڑوں کی آسامیاں خان صاحب کی ذاتی ملکیت تھیں - خزانہ شاہی کی شان دار تعمیر کرانے اور حسن کار کردگی کے صلہ میں امین الدولہ وزیر نے ایک لاکھ روپیہ عطیت کیا۔

علم و ادب کے بڑے دلدادہ تھے " دیوان گویا" ان کے اردو کلام کی یادگار ہے - فارسی اشعار سے ان کی فارسی زبان پر قدرت کا پتا چلتا ہے - منشی محمد ظفر حسین سلیمانی کے قول کے بموجب انہیں عربی پر بھی مکمل عبور تھا :-

" خان صاحب کی لیاقت علمی کا یہ عالم تھا کہ عربی ایسی فصیح بولتے تھے کہ مادری زبان معلوم ہوتی تھی -" (١)

سخن شعرا میں ان کو خواجہ وزیر کا شاگرد بتایا ہے - کریم الدین مولف " طبقات الشعرا " (٢) کے قول کے بموجب گویا نے ناسخ کے بعد وزیر سے بھی اصلاح لی ہے۔

علم دوست تھے صاحب ثروت ہونے کی وجہ سے اہل علم حضرات کی اور خصوصاً شعراء کی مالی امداد بھی فرماتے تھے -

گویا صنعت ایہام کو بڑے حسن و خوبی سے استعمال کرتے تھے :

نظارہ رخ ساقی سے مجھ کو مستی ہے
یہ آفتاب پرستی ہی مے پرستی ہے

تذکرہ اعجاز سخن میں شیر علی خان سرخوش نے گویا کی وفات کا سال ١٢٦٦ھ/ مطابق ١٨٥٠ء (٣) لکھا ہے -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی	فلک زبار مصیبت خمیدہ واویلا	ملک چو صبح گریبان دریدہ واویلا
اردو	بڑھے چاند کا ہالا بھی حلقۂ ماتم	ہے ہر آہ آسی گردوں بشکل دیدۂ تر

---

(١) ناسخ ، عبدالغفور خاں ، " تذکرہ سخن شعراء " ، لکھنؤ : مطبع نول کشور ، ١٨٤٣ء ، ص ٣٠٣

(٢) کریم الدین ، " طبقات الشعرا ہند "، مطبوعہ ١٨٤٧ء ، ص ٣٢٨

(٣) سرخوش ، شیر علی خاں ، " تذکرہ اعجاز سخن " ، ص ٣٢٧

دونوں اشعار میں اظہار تعزیت کیا گیا ہے ۔ فارسی شعر کے پہلے مصرع میں حسن تعلیل سے کام لیا ہے اور دوسرے مصرع میں گریبان چاک ہونے کی تشبیہ جو طلوع صبح سے دی ہے وہ اپنے اندر شگفتگی رکھتی ہے اور دونوں مصرعوں میں فلک اور ملک اور خمیدہ دیدہ کے تقابل نے بھی لطافت پیدا کیا ہے ۔

اردو کے شعر میں بھی صنعت حسن تعلیل پیدا ہوگئی ہے بہرحال دونوں اشعار بیان غم کے اعتبار سے قابل تعریف ہیں ۔ اگر یہ مضمون تکلف آورد اور صنائع بدائع وغیرہ سے بے نیاز ہوکر بالکل سادہ الفاظ میں بیان کیا جائے تو زیادہ موثر ہوتا ہے ۔

====XXX====

فارسی کنوں خاطر تعلا دگر ، امیر شوم   سر مزار تو بنشینم و فقیر شوم

اردو ہوس نہ ملک کی دل میں نہ مال کا ہے خیال

نہ آرزو مجھے دولت کی ہے نہ خواہش زر

دونوں اشعار میں کسی کے مرنے پر اظہار تعزیت کیا ہے ۔ فارسی کے شعر میں امیر و فقیر کا تقابل جو بے ساختہ ہوگیا ہے وہ بھی تاثیر میں اضافہ کا باعث ہے اور شعر کا مضمون بھی فی الجملہ موثر ہے ۔ شعر میں وہ بات موجود ہے جو مرثیے کے لیے ضروری ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں اردو کے شعر میں یہ تو کہا ہے کہ نہ مجھے ملک کی ہوس ہے نہ مال کا خیال ہے، نہ دولت کی آرزو اور نہ خواہش زر ہے لیکن یہ ظاہر نہیں ہوسکا کہ یہ کیفیت کس وجہ سے پیدا ہوتی ۔ اس لیے دونوں اشعار میں فارسی کا شعر بہتر ہے ۔

====XXX====

مزید چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی سرچشمۂ رحمت رسول اکرم   سرتاج انبیا و فخر آدم

اردو چشمۂ رحمت نبی کریم   یوں ہی جاری رہے گا تا محشر

====XXX====

فارسی   خورشید کائنات و ماہ طیبہ   صلی اللہ علیہ وسلم

اردو   اپنے خورشید کا آئینہ ہے ماہ طیبہ   منزلیں ہیں رہ معراج کی درجات وصال

=====XXX=====

فارسی   باب مدینۂ علم مصطفی سرسبدہ انوار و ضیا

اسد اللہ الغالب ، علی ابن ابی طالب

اردو   وہ ہادی رہ و منزل ، امیر کاروان دل   امیرالمومنین یعنی امیر عالم ایمان

====XXX====

فارسی   روان زدیدۂ نرگس سرشک شبنم شد   فغان کہ ہر شجر باغ نخل ماتم شد

اردو   چمن میں پہنے ہے سوسن بھی ماتمی پوشاک

پرنگ دیدۂ تر نرگس آج گریاں ہے

====XXX====

فارسی   کنون چنان شوم بے قرار یا اللہ   ز تیغ ہجر دلم شد فگار یا اللہ

اردو   مجھے ہے رنج کسی حورکی جدائی کا   یہ میرے رنج سےہے چشم دلبران رنجور

===XXX====

فارسی   بگریہ ایم اگر گل بباغ می خندد   بگریہ ایم چو بلبل بباغ می خندد

اردو   وہ آشفتہ کوئی گل ہے نہ کوئی بلبل زار   ہے مثل سبزہ بیگانہ بوستان افسوس

===XXX====

فارسی   چنان بسوخت دلم دود اگر ازان خیزد   زنالہ ہائی فلک شور الامان خیزد

اردو   فلک یہ جائے اگر میری آہ شعلہ فشان   فرشتے کہنے لگیں الامان پکار پکار

====XXX====

فارسی   من و جہنم ہجران و خاطر رنجور   تو وصال بہشت و سرور و حور و قصور

اردو   کبھی صبا سے یہ کہتا ہوں میں پی تسکین   ریاض خلد میں جانا گر کبھی ہو ترا

====XXX====

فارسی   فلک بگریہ درآید ز اشکباری من   زمین بلرزہ در آید ز بیقراری من

اردو اگر میں نالۂ پر درد کرکے رونے لگوں زمیں کانپ اوٹھے رونے کچھ گرداں

====xxx===

فارسی زحد گذشت بہ ہجر تو اضطراب مرا بہ بیں کہ این ہمہ دانم و نیست تاب مرا

اردو یہ سب سمجھتا ہے پر کچھ نہیں سمجھتا ہے

تری جدائی میں بے ہوش ہوا کیا ہے

===xxx====

فارسی بیا بیا کہ دگر تاب انتظارم نیست خدا بیرا نظر بے طاقت و قرارم نیست

اردو خدا کے واسطے اب آمری گلے لگ جا ستم رسیدہ و بے کس ہوں میں نگر بیداد

====xxx====

فارسی امید نیست دگر دفع این ملال شود مگر بمیرم و اے جان بتو وصال شود

اردو امید وصل نہیں تا زیست یا قسمت حکاؔ کُ بکھنے کیا کیا یہ ہجر خانہ خراب

●●●●●●●●●●●●

وزیر، خواجہ محمد وزیر :

خواجہ محمد وزیرنام اور وزیر تخلص تھا ۔ لکھنو میں پیدا ہوئے ۔ مولوی کریم الدین نے " طبقات الشعرا " (۱) کی تالیف کے وقت ان کی عمر ۵۵ سال بتائی ہے اور تاریخ پیدائش ۱۸۳۷ع لکھی ہے جو قطعی درست نہیں ہے کیوں کہ ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ع ان کی تاریخ وفات ہے۔ لیکن تذکرہ کی تالیف کے وقت ان کی عمر ۵۵ سال ہونا قرین قیاس ہے تذکرہ کا سال تالیف ۱۸۴۷ع ہے اس میں سے پچپن سال گھٹانے پر ان کا سال پیدائش ۱۷۹۲ع / ۱۲۰۶-۷ھ ہوتا ہے ۔

سلسلہ نسب خواجہ بہاء الدین (۲) نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے ۔ ان کے اسلاف میں بیشتر ایسے بزرگ گزرے ہیں جو صوفی کامل اور سالک طریقت تھے ۔ آپ کے اجداد میں بڑے جلیل القدر لوگ گزرے ہیں ۔ مرزا سعادت اللہ بیگ خان مسرور برادر حقیقی امیرالدولہ بیگ خان

---

(۱) کریم الدین ، محولہ بالا ، ص ۳۲۸

(۲) عبدالواحد خان ، محمد ، " دیوان وزیر (دفتر فصاحت) " ، مطبع مصطفائی ، ۱۸۴۷ع ، (مقدمہ) ، ص ۳

مغفور آپ کے حقیقی دادا تھے - خواجہ وزیر فنون شاعری اور تہذیب و اخلاق میں شہرہ آفاق تھے۔ آپ فروتنی ، استغنا ، سخاوت اور وضع داری میں مثالی تھے، شیخ امام بخش ناسخ انھیں اپنے تمام شاگردوں میں سب سے اچھا سمجھتے تھے اور ذی فہم لوگ آج بھی آپ کی یکتائی کے معترف ہیں - آپ نے اعمال فتوح اور علم تسخیر میں ایسی مشق بہم پہنچائی تھی کہ لکھنو جیسے شہر میں آپ بے مثل تھے ، عملیات کا ایسا غلبہ ہوا کہ کافی عرصہ تک آپ کی طبیعت فکر شعر و سخن سے برگشتہ رہتی اور مبتدی شاگردوں کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے لیکن جب توجہ فرماتے تو بصیرت افروز مضامین سے ان کے اشعار کو پر فرمادیتے تھے وہ ضرورت مندوں کی حاجت روائی کو اپنی ضرورت پر مقدم سمجھتے - والی اودھ نے اپنی بارگاہ کی زینت بڑھانے کے لیے آپ کو یاد فرمایا لیکن آپ نے علالت کا عذر پیش کردیا اور آپ کے پائے قناعت میں جنبش تک نہ آئی -

جناب عبدالواحد صاحب مہتمم مطبع مصطفائی کی توجہ خاص سے وزیر کا دیوان " دفتر فصاحت " کے نام سے زیور طباعت سے آراستہ ہوچکا ہے - سید ھادی علی رضوی بیخود نے دیوان کی طباعت کی تاریخ اس طرح لکھی ہے :

الغرض محنت یکسالہ میں اے بیخود زار　　جمع دیوان ہوا ، دل دوستوں کا ہوا شاد
سال ترتیب یہ رو روکے لکھا بیرحس نے　　آج دیوان مرتب ہوا بعد استاد

۱۲۷۱

خصوصیات :

وزیر کے متعلق مصحفی فرماتے ہیں : " از تلامذۂ ناسخ است غزل و قصیدہ می گوید و در نظم شعرا کثر معنی بیگانہ می جوید استاد را نیز برو فخر است " -(۱)

گویا مصحفی نے بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ ان کے کلام میں ندرت پائی جاتی ہے:

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں عجب خواب ناز ہے
فتنہ تو سو رہا ہے در فتنہ باز ہے

---

(۱) مصحفی، " ریاض الفصحا " ، دھلی : برقی پریس ، ۱۹۳۴ع ، (ناشر۔ انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن) ، (مرتبہ عبدالحق ، مولوی) ، ص: ۲۵۷

بحر تصوف کی چاشنی نے ان کے کلام کو زیادہ پرکشش بنادیا ہے - ان کا کلام واردات قلبی کا مرقع ہے - انہوں نے کبھی شاعری کو عزت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا - ٢٢/ ذیقعدہ ، ١٢٧٠ھ/ ١٨٥٣ع (١) کو اس دار فانی سے خلد جاودانی کو کوچ فرماگئے - مرزا اصغر علی نسیم دہلوی نے تاریخ وفات لکھی ہے :

خواجہ وزیر شاعر مثل روزگار — جاں داد بر زبان جہان رفت ہائے ہائے

درجوش غم نسیم بتاریخ فکر گشت — تحریر شد سخنور کامل بمرد ہائے "

١٢٧٠ھ

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی — چو عندلیب بہ گل درد دل کند اظہار — زفیض باغ شود نالہ سبز در منقار

اردو — یہ فیض باد بہاری ریاض دہر میں ہے — بنیں زرگل ، سنگ سے جو نکلے شرار

دونوں اشعار میں بہار کی تعریف کی ہے - فارسی کے شعر میں بہار کی تعریف میں اس حد تک مبالغہ کیا ہے کہ جب بلبل گل کے آگے اپنے درد دل کا اظہار کرتی ہے تو باد بہاری کے فیض سے اس کا نالہ اس کی منقارہی میں سبز ہوجاتا ہے اور نالے کے سبز ہوجانے سے مراد ہے نالے کا بے اثر ہوجانا - یعنی اس بہار کے موسم میں نالہ بھی نالہ نہیں رہتا -

اردو کے شعر میں اس مبالغہ کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ پتھر سے جو شرارے نکلتے ہیں فیض باد بہاری سے وہ بھی زر گل بن جاتے ہیں - دونوں اشعار میں مبالغہ خوش گوار ہے اور اس اعتبار سے دونوں اشعار اپنی اپنی جگہ خوب ہیں -

===xxx===

فارسی — ز صحت تو چنان اعتدال راست مدار — همی شود کنون چشم دلبران بیمار

اردو — چمن میں دیدۂ نرگس بھی اب نہیں رنجور — تجھے شفا جو ہوئی بس کوئی مرزدہ رہا

دونوں اشعار میں ممدوح کی صحت یابی کی برکات میں مبالغہ کیا ہے -

---

(١) وزیر ، " دفتر فصاحت "(دیوان وزیر) ، (مرتبہ عبدالواحد خان) ، مطبع مصطفائی ، ١٨٣٧ع / ١٢٤٣ھ ، ص ١٣

فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ ممدوح کی صحت یابی سے ہوا میں ایسا اعتدال پیدا ہوگیا ہے کہ معشوقوں کی آنکھیں بھی بیمار نہیں ہوتیں ۔ اسی مضمون کو ذرا سے تغیر کے اردو میں اس طرح بیان کیا ہے ۔ کہ ممدوح کو جو مرض سے شفا حاصل ہوئی تو اس کا یہ اثر ہوا ہے کہ اب باغ میں چشم نرگس بھی بیمار نظر نہیں آتی ۔

دونوں اشعار مبالغۂ مقبول کی مثال میں پیش کیے جاسکتے ہیں ۔

===xx====

فارسی چو پیش آن قد و قامت چناں شود دلشار

بسان بندہ کند سرورا چمن آزاد

اردو سایۂ قامت بھی ہرجائی ہے کیا تیری طرح

سرو گلشن میں ہوا جنت میں طوبیٰ ہوگیا

دونوں اشعار میں دوست کے قامت کی تعریف کی ہے ۔ فارسی کے شعر میں یہ جدت پیدا کی ہے کہ اگر باغ دوست کے قد کو دیکھ لے تو سرو کو غلام کی طرح آزاد کردے یعنی اس کو باغ میں پابند نہ رکھے ۔

اردو کے شعر میں قد یار کی تعریف میں یہ جدت ہے کہ باغ میں سرو قد یار ہی کا سایہ ہے ۔ اور جنت میں طوبیٰ بھی سایۂ قد یار ہی ہے ، پھر سرو اور طوبیٰ کو سایۂ قد یار قرار دے کر کہتا ہے کہ سایۂ یار بھی کیا دوست کی طرح ہرجائی ہے کہ کہیں سرو ہے تو کہیں طوبیٰ ۔

دونوں شعروں میں معمولی معمولی سی جدت سے کسی قدر اشعار میں خوبی پیدا ہوگئی ہے اور دونوں شعر اپنی اپنی خوبیوں کے اعتبار سے ہم پلہ ہیں ۔

===xx===

فارسی بیا بیا کہ ترا تنگ در کنار کشم بہ تنگ آمدہ ام چند انتظار کشم

اردو کہو یہ اس سے کہ اے جان تیری فرقت میں

فغاں ہے درد ہے غم ہے الم ہے آہ بھی

اردو اور فارسی کے اشعار میں دوست کی جدائی میں اپنی بے قراری کی کیفیت بیان کی ہے -

فارسی کے شعر میں لفظ " تنگ " کو دو جگہ دو مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے - اس سے شعر میں ایک گونہ ندرت پیدا ہوگئی ہے - اور لطف معانی میں بھی اضافہ ہوگیا ہے - تنگ درکنار کشیدن کے معنی ہیں کسی کو زور سے اپنی آغوش میں دبانا اورتنگ آمدن کے معنی ہیں عاجز اور مجبور ہوجانا - شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے دوست میں تیری انتظار میں بہت مجبور و لاچار ہوگیا ہوں - تو آتا کہ میں تجھ کو اپنی آغوش میں لوں اور اس انتظار کی تکلیف سے نجات پاؤں ظاہر ہے شعر میں تغزل کے رنگ نے بڑا لطف پیدا کردیا ہے -

اردو کے شعر میں دوست کو اپنی پریشانی اور غم فرقت کی تکلیف سے آگاہ کرنے کی خواہش کی ہے - کہ کسی طرح لوگ اس کی پریشان حالی کو دوست تک پہنچادیں -

دونوں شعر غزل کے ہیں اور دونوں میں تغزل کا رنگ خاصا موجود ہے -

====XXX====

مزید چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں :

فارسی   ہجوم لالہ و گل آنقدر شدست بزیر   محال جائے کہ بلبل کشد ز سینہ صفیر

اردو   چمن میں نام خدا ہے ہجوم گل ایسا   جگہ نہیں جوکرے عندلیب واامتفار

====XXXX====

فارسی   ز فرط ضعف و مرض ، حال من چنینسان بود   بدست مردم چشمم عصای مژگان بود

اردو   تو چند روز ہوا تھا علیل دور از حال   قسم خدا کی،نہ تھی بس ہمارے جسم میں جان

===XXX====

فارسی   فتادہ ام بدرت ای سپہر جو دو کرم   برای نام عزیزم ولے فقیر تو ام

اردو   سوائے کرم و لطف کے یہاں اپنا   نہ کوئی یار نہ مونس نہ کوئی ہے غم خوار

===XXX====

تراب ، شاہ تراب علی کاکوری :

شاہ تراب علی نام اور تراب تخلص تھا - (۱) ۱۱۸۱ھ/ ۱۷۶۷ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے آپ نے عربی ، فارسی کی ابتدائی تعلیم قدرت اللہ بلگرامی سے حاصل کی بعد ازاں ملا حمید الدین کاکوروی سے تکمیل کی پھر علم عروض کے چند رسالے قاضی القضاۃ مولوی نجم الدین علی خان بہادر سے پڑھے -

ابتدائی عمر ہی سے آپ کی طبیعت تصوف کی طرف مائل تھی - اپنے والد کی صحبت بابرکت میں رہ کر طریقت کی تعلیم حاصل کرتے رہے پھر حضرت شاہ مسعود علی قلندر کے ہاتھ پر بیعت کی اور قادریہ سلسلہ سے منسلک ہوگئے - حضرت خواجہ حسن مودودی چشتی لکھنوی سے آپ کو سلسلۂ قادریہ و چشتیہ نظامیہ سے اجازت و خلافت حاصل ہوگئی تھی - تصوف اور دیگر موضوعات پر آپ کی دس تصانیف ہیں جن میں سے چند طبع ہوچکی ہیں - اپنے پیرو مرشد کی شان میں فرماتے ہیں :

مرشد برحق کے صدقے جائیے

راہ حق کی جو ہمیں دکھلا گیے

اوائل عمر ہی سے آپ کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا - ابتدا میں شہید تخلص کرتے تھے پھر تراب تخلص کرنے لگے - آپ کا کلام فارسی ، اردو اور ہندی تینوں زبانوں میں موجود ہے - آپ نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے - آپ کے خلفاء کی فہرست کافی بہت طویل ہے - آپ نے ۵/ جمادی الاول ، ۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء میں ۹۳ سال کی عمر میں وفات پائی - (۲)

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی از لب جان بخش خود پیرخدا حرفی بگو ای مسیحاجان بہ لب از شوق گفتار توام

---

(۱) علی حیدر ، محمد ، (مولف) ، " تذکرہ مشاہیر کاکوری" لکھنو :مطبع اصح المطابع ، وکٹوریہ اسٹریٹ ، ۱۹۲۷ء ، ص ۷۵

(۲) ایضاً ، ص ۸۰

اردو   ہے ہے وہ بے رحم کرتا نہیں تکلم   اوس غنچہ لب کے موتھہ سے مشتاق یک سخن ہوں

دونوں اشعار میں شاعر نے دوست کی ہم کلامی کا اشتیاق ظاہر کیا ہے - شعراء اپنے دوست کو مسیحا بھی کہتے ہیں اور اس کے لب جان بخش سے جو الفاظ نکلتے ہیں ان کو آب حیات اور دم عیسی وغیرہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں - فارسی کے شعر میں اس بات کی خواہش کی ہے کہ دوست اپنے لب جان بخش سے اگر عاشق کے ساتھ ہم کلام ہوجائے تو اس کوزندگی تازہ مل سکتی ہے - اس کے برخلاف اردو کے شعر میں اس بات پر افسوس کیا ہے کہ عاشق اپنے دوست سے ہم کلامی کے لیے بے چین ہے لیکن دوست اس سے بات کرنے کے لیے بھی تیار نہیں - دونوں اشعار میں فارسی کا شعراردو کے مقابلہ میں زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے بہتر معلوم ہوتا ہے-

====XXX====

مزید تقابلی مطالعہ کے لیے ذیل میں چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی   چون خواب و خیال است غم و شادی عالم   بل جملہ جہان عالم خواب است بہ پیوند

اردو   اس جہان کے عیش و راحت پر بہت ہنستے ہو کیا (۱)

غم اودھر کا جی میں لاؤ گریہ و زاری کرو

===XXX====

فارسی   گر بسر تیغم زنی کے سرکشم از کار عشق   نیست کار از سر مرا محو سروکار توام

اردو   جی خدا سے وہی لگا بیٹھے   جو دو عالم سے دل اوٹھا بیٹھے

====XXX====

فارسی   رندی و مستی نہ بگذارم تراب   صد بلا در بار ساقی یافتم

اردو   محتسب کو ہے اودھر جستجو بادہ کشان

مے پرستوں کو اودھر ساغر و مینا کی تلاش

===XXX====

---

(۱) ٭ فلیضحکوا قلیلاً و لیبکوا کثیراً ج جزآءً بما کانوا یکسبون ٭

سو وہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں زیادہ ٭ بدلا اس کا جو وہ کماتے تھے -

(القرآن : پارہ ۱۰ ، رکوع ۱۶ ، سورۃ التوبہ ، آیت)

ت :- یعنی چند روز اپنی حرکات پر خوش ہولو پھر اپنے کیے کی سزا میں ہمیشہ رونا پڑے گا-

نظام ، نظام شاہ :

سید زکریا نام عرف " نظام شاہ " نظام تخلص کرتے تھے ان کے والد حافظ احمد شاہ[1] رامپور کے باعزت اور صاحب ثروت آدمی تھے - آپ دبستان رامپور کے مایہ ناز شعرا میں شمار ہوتے ہیں - آپ کی ولادت ۱۸۱۹ع / ۱۲۳۵ھ کے لگ بھگ ہوئی -

جب نظام نے ہوش سنبھالا تو دبستان رامپور اپنی بہار دکھا رہا تھا - شوق و قائم کے شاگرد کریم اللہ خان کریم ، احمد خاں غفلت ، حافظ اللہ داد خاں طالب اور احمد یارخاں افسرہ داد سخن دے رہے تھے -

نظام کی طبیعت پر اس ماحول کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ وائل عمری ہی میں شعر و سخن کی طرف مائل ہوگئے - گمان غالب ہے کہ نظام نے اپنے ابتدائی کلام کی اصلاح اپنے مرشد طریقت جناب میاں احمد علی شاہ صاحب سے لینی شروع کی ہوگی ، جو ایک اچھے شاعر تھے اور احمد تخلص کرتے تھے - اس کے بعد علی بخش بیمار کے زمرۂ تلامذہ میں باقاعدہ (۲) شامل ہوئے جو مصحفی کے شاگرد تھے - بیمار سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا - ۱۸۵۲ع میں بیمار نے وفات پائی تو نظام کی مشق سخن استاد کے رنگ میں کمال کو پہنچ چکی تھی -

نواب یوسف علی خاں ناظم بھی بیمار کے شاگرد تھے بیمار ہی کے توسط سے نظام کی دربار تک رسائی ہوگئی تھی - بیمار کے بعد ناظم نظام سے بھی شعر و سخن میں باری میں مشورہ لینے لگے - غرض کہ نظام اپنے وقت میں رامپور کے اساتذہ میں شمار ہوتے تھے -

۲۵/ شعبان ، ۱۲۸۹ھ م ۲۹/ اکتوبر ، ۱۸۷۲ع (۳) کو اس دار فانی سے کوچ کیا-

---

(۱) فائق ، کلب علی خان (مرتب) " کلیات نظام " ، لاہور : مجلس ترقی ادب ، ۲۰/ جولائی ، ۱۹۶۵ع ، ص ۲۲

(۲) ایضاً ، ص ۲۳

(۳) ایضاً ، ص ۸۶

خصوصیات کلام :

نظام اردو کے ممتاز شعرا میں شمار ہوتے ہیں - مرزا غالب کی نظر میں نظام کی بڑی قدر تھی اور وہ انھیں رامپور کا مہر (۱) کہتے تھے - مرزا غالب کی یہ رائے کافی حد تک درست ہے - کیوں کہ ان کے کلام میں ندرت ہے ~~بیشک~~ انھوں نے ابتدا میں اپنا کلام صوفی کامل حضرت میاں احمد علی شاہ احمد کو دکھایا تھا جس کی وجہ سے ان کے کلام میں تصوف کی چاشنی بھی شامل ہوئی پھر بہار نے اس میں رنگ تغزل بھرا پھر مرزا غالب کے کلام سے بھی کچھ اثر قبول کیا چناں چہ ان کے کلام میں گوناں گوں خصوصیات پیدا ہوگئی تھیں اور ان کے کلام نے بڑی مقبولیت حاصل کی خود نواب یوسف علی خاں ناظم بھی نظام سے استفادہ کرتے تھے - ان کے کلام میں خیالات تو وہی پرانے ہیں مگر انھوں نے اپنی ندرت فکر اور انداز بیان سے ان میں ایسا نیاپن پیدا کردیا ہے کہ مفہوم بالکل اچھوتا معلوم ہوتا ہے پھر محاورات کے استعمال میں بھی کمال دکھایا ہے :

زبانی میری میرا حال پھر تم کیوں نہیں سنتے
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں مروت آہی جاتی ہے

اس شعر کا مصرع ثانی تو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرچکا ہے - اور ایسے بیسیوں اشعار ہیں جو زبان زد خاص و عام ہیں -

شعر ملاحظہ ہو :

نظام ان کی خموشی میں بھی صدہا لطف ہیں لیکن
جو باتیں کرتے ہیں تو منہ سے گویا پھول جھڑتے ہیں

(۲) ۲۵/ شعبان، ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۲ء کو جب نظام کا انتقال ہوا تو نواب کلب علی خاں نے نظام کا کلام جمع کرایا تھا - جو آج بھی رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے - اور

---

(۱) فائق، محولہ بالا، ص. ۸۶.

(۲) مینائی، منشی امیر احمد، "انتخاب یادگار"، تاج المطابع، ۱۲۹۰ء، ص. ۳۸۶

اس پر امیر مینائی کا مقدمہ نظام کے کلام کی رفعت کی دلیل ہے -

ہمارا خیال ہے کہ نظام کا فارسی کلام بھی اسی قلمی نسخہ میں ہوگا - مگر افسوس ہے کہ ہمیں ان ان کے مطبوعہ کلیات سے صرف ایک غزل ملی ہے -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   چہ کنم با دل اختیارم نیست   می کشد[1] سوے او کہ یارم نیست

اردو   جو تیرے واسطے پہلو سے دل نکلا نہیں جاتا

تو کیوں ہاتھوں سے تھامے ہم دل مضطر نکلتے ہیں

دونوں اشعار میں فراق یار کی وجہ سے دل کی بے اختیاری کا بیان کیا ہے - فارسی میں دوسرا مصرع نئی ندرت کا حامل ہے - یعنی یہ کہ میرا دل اس کی طرف کھنچ رہا ہےجو میرا کسی طرح یار نہیں - اسی کے ساتھ پہلے مصرع میں عاشقانہ مجبوری و بیچارگی کا جس موثر انداز میں بیان کیا ہے اس کا بھی اپنا جواب نہیں - اس طرح فارسی کے شعر میں ندرت تاثیر، صفائی زبان کی خوبی، غرض کہ ہر اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا شعر ہے -

اردو کا شعر بھی اپنی جداگانہ خوبیوں کی وجہ سے کسی طرح بھی کم نہیں - اس میں تغزل کا رنگ بہت نمایاں ہے اور ساتھ ہی دونوں مصرعوں میں دو محاوروں کا استعمال نہایت برجستہ طور پر ہوگیا ہے پھر شاعرانہ استدلال بھی موجود ہے جو نہایت ہی پرکشش ہے وہ یہ کہ اگر دوست کے لیے ہمارا دل نہیں نکلا جاتا تو پھر ہم دل مضطر کو ہاتھوں سے تھامے ہوئے کیوں نکلتے -

غرض کہ دونوں شعر اپنی اپنی جگہ بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں -

===xxx=====

فارسی   ہر زماں می شود غم بسیار   آں کہ غم داد، غم گسارم نیست

اردو   اگر دل مارتے اپنا تو کیوں یہ ذلتیں پاتے   تری خواہش میں ظالم ہم نے سو مارا تو کیا مارا

---

(۱) اصل نسخہ میں مصرع ثانی اس طرح ہے :

" می کشد دل بہ آں کہ یارم نیست "

اردو اور فارسی دونوں اشعار خوب ہیں ۔ فارسی کے شعر میں یہ انداز بیان خوب ہے۔ کہ میرا غم ہر لحظہ زیادہ ہو رہا ہے لیکن جس نے مجھے یہ غم دیا ہے وہ میرا غم گسار نہیں ہے اس میں عاشق کو کتنا سادہ لوح بتایا ہے ۔ شعر میں زبان اور انداز بیان کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ بلاکی تاثیر بھر دی ہے ۔

اردو کے شعر میں بھی بڑی لطافت ہے ۔ محبت میں انتہا درجے کی ذلتیں اٹھانے کے بعد بھی یہ کہنا کہ اے دوست اگر ہم تیری چاہت میں سرمارنے کی بجائے اپنا دل مارتے اور اپنے دل پر قابو پالیتے تو آج یہ ذلتیں نہ اٹھاتے مگر ہم نے دل کا کہا مانتے ہوئے اس طلب کو نہ چھوڑا اور اس کا ہم کو یہ ثمرہ ملا کہ طرح طرح کی ذلتیں اٹھارہے ہیں ۔

دونوں شعر اپنی اپنی جگہ منفرد خوبیوں کی وجہ سے بہت خوب ہیں ۔

====xx====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی   در ہوس نظام یارم نیست (١)   مثل دل یک زمان قرارم نیست

اردو   الٰہی اور تو سب کچھ دے تو جیسے چاہے   وہ بت ملے مجھے ، صدقہ تری خدائی کا

===xx====

فارسی   انتظار تو ماند تا دم مرگ   بیش ازین تاب انتظارم نیست

اردو   انتظار یار میں ایسے حواس اپنے گیے   ہے نظر اپنی کبھی در پر ، کبھی دیوار پر

===xx====

فارسی   طبع تو نازک و غم بسیار   لائق عرض حال زارم نیست

اردو   میں کیاکروں ، مرا اب دل پہ اختیار نہیں   وگرنہ پوسوں تری عشق کی چھپائی چوٹ

====xx====

فارسی   جان فداکرد مش بہ نقش قدم   حیف در کوئے او گذارم نیست

اردو   نہ دل میں گھر نہ جا محفل میں ، یہاں بھی بیٹھنا مشکل
تری کوچے میں اب ظالم کب اپنے پاؤں گڑتے ہیں

---

(١)   اصل نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے :

" دلہوس نظام در ہوس نیست "

فارسی نیست در گلشن آں گل خنداں   نوبہار است ، و نوبہارم نیست

اردو گل کھلیں اب کے بہار آئے اور ایسا ہو نظام

میں چمن میں رہوں اور قید میں صیاد رہے

=====XXX=====

فارسی این عید بہ بندگان عالی   فرخندہ باد ، سعید بادا

اردو ملک کہہ رہےہیں سلامت ، سلامت   ہم کہتے ہیں جن و انسان مبارک

=========

اسیر، سید مظفر علی :

سید مظفر علی نام اور اسیر تخلص تھا ۔ قصبہ امیٹھی (۱) نواح لکھنؤ میں ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئے ۔ یہ حضرت عباس علمبردار کی اولاد میں ہیں ۔ ان کے والد سید مدد علی ابن سید محمد علی اپنے وقت کے معزز اشخاص میں سمجھے جاتے تھے۔ حضرت اسیر کے اجداد میں سید محمد صالح المخاطب بہ کروری دہلی دربار شاہی کے میر منشی تھے ۔ ان کے اسلاف عالم و فاضل تھے اور ہمیشہ حکومت کے ممتاز عہدوں پر فائز رہے ۔ بے شمار گاؤں ان کی جاگیر میں تھے ۔ امیٹھی پرگنہ گوشاہی میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم پانچ سال تک اپنے والد سید مدد علی سے حاصل کی جو اپنے وقت کے مشہور فارسی داں تھے ۔ عربی تعلیم صرف ، نحو ، منطق ، فلسفہ ، حکمت اور علم معانی و علم بیان علماء فرنگی محلی سے حاصل کی ۔ نیز اپنے چچا جناب مولوی سید علی صاحب سے بھی استفادہ کیا ۔ اور علم فقہ و اصول کی تعلیم مجتہد العصر جناب مولانا سید دلدار علی صاحب کے شاگرد رشید جناب کاظم علی صاحب و جناب میر قائم علی صاحب سے کی ۔

چوں کہ شاعری سے انہیں فطری لگاؤ تھا اس لیے ان مشاغل علمی کے باوجود شعر و

---

(۱) تنہا ، محولہ بالا ، جلد اول ، ص ۵۲۲

سخن کی طرف انھیں کمال رغبت تھی - چنانچہ فخر الشعرا جناب غلام ہمدانی مصحفی (۱) کے شاگرد ہوئے - ابھی شاگردی میں تین سال ہی گذارے تھے کہ مصحفی کی زندگی نے وفا نہ کی تاہم اپنی ذاتی صلاحیت اور علمی قابلیت کی بنا پر ایسی مشق بہم پہنچائی کہ استاد کا نام روشن کیا -

چار دیوان اردو کے اور ایک دیوان فارسی اور ایک دیوان "گلدستۂ امامت" (ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی منقبت میں) کے نام سے یادگار ہے - یہ دواوین طبع ہوچکے ہیں-

لکھنو میں واجد علی شاہ اختر اپنا کلام دکھایا کرتے تھے - انتزاع سلطنت کے بعد آپ کو نواب یوسف علی خاں ناظم نے رام پور طلب فرمایا اور بڑی قدردانی کی نواب صاحب خود اپنا کلام دکھاتے تھے بقیہ مدت العمر وہیں مقیم رہے -

خمخانۂ جاوید میں لالہ سری رام لکھتے ہیں :

"اسیر موصوف شاعری کے علاوہ دیگر علوم متعارفہ میں بھی کمال رکھتے تھے - چنانچہ عروض میں یکتائے عصر خیال کیے جاتے تھے، ایک اور امر قابل ذکر یہ ہے کہ آپ ہمیشہ دہلی اور لکھنو کے مباحثات فوقیت زبان سے محترز رہے اور اکثر موقعوں پر شعرائے دہلی کے دلفریب اور پر تاثیر کلام کی داد دے کر آپ نے اپنی سلیم المذاقی بے تعصبی اور بلند نظری کا ثبوت دیا ہے" (۲)

لکھنو میں آپ کے سیکڑوں شاگرد تھے جن میں امیر مینائی ، اسد لکھنوی ، واجد علی شاہ اختر، منشی احمد علی شوق ، جوار، واسطی ، اور آپ کے دو صاحبزادگان حکیم و افضل بہت ممتاز ہیں - شعرائے لکھنو میں مصحفی کے بعد آپ کا دم غنیمت تھا ، آپ نے ۸۳ برس کی عمر میں بمقام رام پور ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء میں انتقال فرمایا -

---

(۱) تنہا ، محولہ بالا ، جلد اول ، ص ۵۲۲

(۲) سری رام ، لالہ، "خمخانۂ جاوید" ،

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   ہرکس درین زمانہ ندارد صفائے دل   ہر سنگ صاف صورت ابرق نمی شود

اردو   اہل ریا کا ظاہر و باطن کہاں ہے ایک   دل میں صنم بغل میں کلام مجید ہے

دونوں اشعار میں اخلاص اور محبت کے فقدان پر اظہار افسوس کیا ہے - فارسی کے شعر میں تمثیل سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں صاف دل لوگ بہت کم ہوتے ہیں یعنی ہر پتھر ابرق نہیں ہوتا - ابرق بہت کم یاب ہے اور پتھر کی کہیں بھی کمی نہیں اسی طرح صاف دل لوگ شاذ و نادر ہی ملتے ہیں - ایسے لوگ بکثرت ہیں جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ ہے - اردو کے شعر میں اس بات کو بالکل صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اہل ریا کا یہ حال ہے کہ دل میں ان کے خیال ِ صنم ہے اور بغل میں کلام مجید لیے ہوئے ہیں اردو کا شعر زبان، انداز بیان، شگفتگی اور روانی کے اعتبار سے فارسی کے شعر سے بہتر معلوم ہوتا ہے -

====xxx====

فارسی   بہ ضیائے مہہ و خورشید مراحاجت نیست   شمع مہتاست بہ میخانۂ من جام چراغ

اردو   بادہ کش ہیں، شب کو کیا درکار ہم کو روشنی

شمع مینا ہے ہماری بزم میں ساغر چراغ

شعراء جب مے و میخانہ کی تعریف کرنے پر آتے ہیں تو اپنی مبالغہ آرائی کا کمال دکھانے کی کوشش کرتے ہیں - یہاں بھی فارسی اور اردو کے اشعار میں شراب جام اور میخانہ کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے - فرماتے ہیں کہ ہم کو نہ دن میں سورج کی روشنی کی ضرورت ہے نہ رات میں چاندنی کی، کیوں کہ ہمارے لیے مینا ہی شمع ہے - اور جام چراغ ہے -

مے گلفام سے لبریز مینا کو شمع سے تشبیہہ دی ہے - اور لبریز جام کو چراغ سے، بالکل اسی کا ترجمہ اردو کا شعر ہے - دونوں اشعار میں سوا اس کے کہ جام و مینا کی تعریف کی ہے اور کوئی خاص بات نہیں ہے - البتہ دونوں اشعار میں روانی اور زبان کی خوبی ضرور موجود ہے -

فارسی   کشتۂ نرگس جا دوئے توام نیست عجب + کہ بگلکم بود از روغن بادام چراغ ؟

اردو   کشتہ ہوں اس چشم کا میں کچھ تو لازم ہے نشان

روغن بادام سے روشن ہو مرقد پر چراغ

شعراء آنکھ کو نرگس سے بھی تشبیہ دیتے ہیں اور بادام سے بھی۔ اردو اور فارسی کے دونوں اشعار میں آنکھ کو ان دونوں چیزوں سے تشبیہ دی ہے اور دونوں اشعار میں ان تشبیہات کے سوا اور کوئی بات نظر نہیں آتی - بہرحال یہ اس زمانے کا خاص انداز تھا کہ شعرا دوست کا سراپا لکھا کرتے تھے اور دوست کے ہر عضو بدن کی تعریف میں تشبیہات و استعارات سے کام لیتے ہوئے اپنی قادرالکلامی کا اظہار کیا کرتے تھے - اسیر صاحب نے بھی اس وقت کے رواج کے مطابق ایسا ہی کیا ہے -

====XXX=====

مزید چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی   ز آفتاب شنیدم همین سخن دم صبح   بلند می شود آنکس که پست می گردد

اردو   صبح کو خورشید ہوتا ہے عیاں حیران ہوں میں

کیوں نہاں پیری میں خورشید جوانی ہوگیا

===XXX====

فارسی   هرکس درین زمانه ندارد صفائے دل   هر سنگ صاف صورت ابرق همی شود

اردو   اهل ریا کا ظاهر و باطن کہاں ہے ایک   دل میں صنم بغل میں کلام مجید ہے

===XXX====

فارسی   امید رفاقت همه هیچ ست بافلاس   هنگام خزان خیمه به گلشن نتوان زد

اردو   سب مخلصوں سے گوشۂ عزلت میں چھٹ گیے   دربار کی تلاش نہ سرکار کی تلاش

====XXX====

فارسی   ناز اعجاز حسن پیغمبر   چهره قرآن، حروف قرآن خط

اردو   ایک بھی ایسا نہیں ہر دور خط   خط روئے یار ہے مشہور خط

===XXX====

فارسی   می شاید بوی یار اسیر   گاہ گلزار گاہ ریحان خط

اردو   نامہ و پیغام اب کس سے اسیر   یار کے رخ پر ہوا اظہار خط

===XXX=====

فارسی   گرد رویش کہ روشن است چو چشم   صف کشیدہ است مثل مژگان خط

اردو   بس کہ مژگان کے لکھے ہیں ہم نے وصف   بن گیا ہے ترکش پر تیر خط

===XXX=====

فارسی   بسکہ تحریرِ من جنون خیز ست   چاک چاک ست چون گریبان خط

اردو   جرم قاصد کا اگر سمجھے ہو تم   چاک کیوں ہوتا ہے بے تقصیر خط

====XXX====

فارسی   ہست آن طفل شوخ گل رخسار   ہوائے بلبل خوش الحان خط

اردو   اے کبوتر تمام کر مقدار میں   لے بھی جانا نہ کاغذ گیر خط

===XXX=====

فارسی   زلف ظلمات لعل آب حیات   شمع رخسار او، شبستان خط

اردو   کیا سپیدی کیا سیاہی ہے عیاں   چاند ہے وہ رخ شب تک دیجور خط

====XXX===

فارسی   چہ کند برق بجائے کہ بود جلوۂ دوست   چہ زند در برِ خورشید دم از نور چراغ

اردو   بزم میں بے پردہ کس کا عارض روشن ہوا   شرم سے ہے زرد مثل چہرۂ بیمار شمع

===XXX=====

فارسی   بہر ارباب صفا گوشہ نشینی فرض است   ہست در پردۂ فانوس بآرام چراغ

اردو   نام روشن ہے مرا عالم میں، میں خلوت نشین

روشنی ہے بزم میں، فانوس کے اندر چراغ

===XXX=====

فارسی درخیال شب زلفش بدلم داغ بجاست   کہ بہر خانۂ فروزد سر شام چراغ

اردو بڑے خیال گیسوے جاناں دلوں کو کیوں نہ داغ

شام ہوتی ہے تو روشن ہوتے ہیں گھر گھر چراغ

===XXX===

فارسی دل من صاف تراز کاسۂ شمس و قمر است   در مقامے کہ تراشند ز بلور چراغ

اردو میرے داغ دل سے ہے پرنور سب دنیا اسیر   جل کے کرد یتا ہے روشن جیسے سارا گھر چراغ

****

امیر مینائی، امیر احمد :
===============

امیر احمد نام اور امیر تخلص تھا۔ مولوی کرم محمد مغفور کے فرزند صاحبزادے تھے۔ ۱۶/ شعبان ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء (۱) کو لکھنو میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب سے ملتا ہے، جو اپنے وقت کے کامل بزرگ تھے اور اسی نسبت سے آپ کو مینائی کہتے ہیں۔ امیر انتہائی نیک، پاک باز اور پاک باطن انسان تھے۔ درویشی زہد و تقوی اور تصوف آپ کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے۔

آپ ذہین و ذکی اور طباع آدمی تھے، اپنی فطری ذہانت اور فکر سلیم کی بدولت عربی، فارسی میں کافی مہارت پیدا کرلی تھی۔ علم جفر، علم نجوم اور علم طب میں ید طولی حاصل تھا۔

شاعری کا شوق اوائل عمری ہی میں پیدا ہوگیا تھا، منشی مظفر حسین خاں سے اصلاح لیتے تھے، کچھ ہی عرصہ میں وہ مشق سخن بہم پہنچائی کہ مسلم الثبوت اساتذہ میں شمار ہونے لگے۔ آپ کا شہرہ سن کر نواب یوسف علی خاں والی رام پور نے آپ کو بلایا اور بڑی عزت افزائی کی جب نواب کلب علی خاں کا زمانہ آیا تو قدردانی میں اور بھی زیادہ ہوئی۔

---

(۱) آہ، محمد ممتاز علی، " امیر مینائی (حیات اور شاعری) (معہ فارسی کلام "، لکھنو: ادبی پریس، ۱۹۳۱ء، ص ۱

آپ کو نواب صاحب کی استادی کا بھی فخر حاصل تھا - رام پور میں داغ ، حیا ، منیر ، بحر ، قلق ، عروج ، جلال ، تسلیم اور رسا جیسے قادرالکلام شعرا کا جمگھٹا تھا - کبھی کبھی مرزا غالب بھی مشاعروں کی رونق ہوتے تھے - غرض کہ بڑے زبردست معرکے رہتے تھے - دہلی اور لکھنو کے باکمال استادان فن ایک جگہ جمع تھے - تنقید کے خوف سے ہر شخص بہت محتاط ہوکر شعر کہتا تھا - بڑے تفحص اور غور و فکر کے ساتھ شعر کہے جاتے تھے -

آپ کی اکثر تصانیف ١٨٥٧ء کے جہاد آزادی کی نذر ہوگئیں - فی الوقت آپ کا ایک مجموعۂ کلام " مراۃ الغیب " ہے جو نعتیہ کلام اور میلاد شریف پر مشتمل ہے - دوسرا عاشقانہ کلام " صنم خانہ عشق " ہے جو ١٨٩١ء میں چھپ چکا ہے - نواب کلب علی خاں کی فرمائش پر " تذکرہ شعرا ئے رامپور" بھی لکھا گیا - یہ تین تصانیف خاص طور پر امیر مینائی سے یادگار ہیں - اردو کا لغت بھی لکھنا شروع کیا تھا مگر افسوس کہ ناتمام رہ گیا - لغت کا نام " امیر اللغات " رکھا تھا - (١) ١٩/ جمادی الاخر ١٣١٨ھ مطابق ١٣/ اکتوبر ، ١٩٠٠ء میں بمقام حیدرآباد دکن انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے -

آپ دبستان لکھنو کے زبردست نمائندے سمجھے جاتے ہیں - آپ کے خیال کی وسعت الفاظ کی ندرت اور تراکیب کی برجستگی نے کلام میں جاذبیت اور دلکشی پیدا کر کے کلام کو فکر و دلعزیزی کے بلند و برتر مقام پر فائز کردیا ہے :

لے چلی ہے تو سنبھالے ہوئے لے چل سوئے یار
بے خودی راہ میں کرنا نہ کہیں گم مجھ کو

امیر مینائی کے کلام میں بھی لکھنؤ کی معاملہ بندی ، معشوق کے سراپا ، آرسی ، کنگھی ، مسی اور چوٹی کا ذکر بڑی خوبی سے کیا گیا ہے جو لکھنؤ کی خصوصیات شعری سے متعلق ملتا ہے :

کنگھی چوٹی میں کیسے نہیں الجھتی ہر شب
[illegible]

---

(١) آہ ، ممتاز علی ، محولہ بالا ، ص ١٣٠

لکھنوی شاعری کی دوسری خصوصیت تمثیلیہ اشعار ہیں جیسے مضمون آفرینی سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اگرچہ اس میں ناسخ کو کمال حاصل ہے لیکن امیر کے یہاں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں :

پتلیاں تک بھی تو پھر جاتی ہیں، دیکھو دم نزع
وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا جاتے ہیں

ایک خصوصیت رعایت لفظی یا تلازمہ بھی ہے ، اس کی بھی بہترین مثال ملاحظہ ہو:

دہ کھڑا ہے دل وحشی سواد شام فرقت سے
کہ یہ سایہ بھی ہمسایہ ہے اس زلف پریشان کا

خصوصیات کلام امیر مینائی :

امیر لکھنو کے دبستان شاعری کے اہم رکن ہیں چناں چہ وہ تمام باتیں کسی حد تک آپ کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں جو اس دبستان کی خصوصیات ہیں ۔ کنگھی، چوٹی، سرمہ، کاجل ، مہندی، آرسی، سب ہی کچھ ہے ۔

ناسخ لکھنو کے دبستان شاعری کے پہلے رکن ہیں اور باقی تمام شعرائے لکھنو ان کے مقلد ہیں جس طرح ناسخ صاحب کے رنگ میں تمثیلیہ اشعار کہتے ہیں اسی طرح ان کے مقلدین نے بھی ان کی تھوڑی بہت تقلید کی ہے ۔ ایسی لیے امیر کے یہاں بھی یہ رنگ موجود ہے ۔ لیکن ان کے اس قسم کے اشعار سے کوئی حظ اور لطف حاصل نہیں ہوتا۔

لکھنو کی شاعری کی دوسری خصوصیت تلازمہ اور رعایت لفظی ہے، امیر کا کلام اس سے بھی خالی نہیں ۔

لکھنو کا قدیم رنگ امیر کے کلام میں اکثر پایا جاتا ہے مثلاً

کنگھی چوٹی سے کسی دم انہیں فرصت ہی نہیں
کیا خبر ہے کہ ہوا حال پریشاں کس کا

اگرچہ امیر ایک زبان دان اور سخن سنج تھے تاہم حسب ذیل لغزشیں ان کے کلام میں موجود ہیں مثلاً

اب بلبلیں چمن میں کہاں آگئی خزاں

تھی دھوم چار دن کی وہ ہنگامہ ہوگیا

یہاں بجائے "ہوگیا" ، "ہوچکا" ہونا چاہئے -

فارسی شعرا کی تقلید میں اردو شعرائے نے بھی مبالغے میں فنی کمالات دکھائے ہیں- امیر نے بھی اس میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے - مثلاً

کیا نزاکت ہے جو توڑا شاخ گل سے کوئی پھول

آتش گل سے پڑے چھالے تصور کے ہاتھ میں

امیر کے کلام میں چند متروکات بھی ملتے ہیں مثلاً "مینہ" بعض مرگئے "جاکے" بجائے "جاکر" -"تلک" بجائے" تک" -"نہیں بجنے کا" بجائے "نہیں بجے گا" وغیرہ -

کہیں کہیں امیر کے کلام میں مقامی رنگ بھی نظر آجاتا ہے مثلاً

امیر افسردہ ہوکر غنچۂ دل ٹوٹ جاتا ہے

وہ ملنے ہم کو قیصر باغ کے جب باز آتے ہیں

قیام رامپور کے زمانے میں امیر نے داغ کی تقلید کی اور سادگی اور روزمرہ کو اپنا شعار بنایا چنانچہ ان کے دیوان "صنم خانہ عشق" کے مطالعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے-

داغ امیر کے کلام کے بڑے مداح تھے اگر دیکھا جائے تو اس زمانے میں دبستان لکھنو، کے حامی امیر تھے تو داغ دبستان دہلی کے اور دونوں میں خوب معرکے رہتے تھے -

اگرچہ غزل میں داغ کا پلہ بھاری رہا لیکن غزل کے بعض اشعار امیر نے بھی ایسے نکالے ہیں کہ داغ کے کلام میں ان کا جواب ملنا مشکل ہے - اور قصائد میں تو امیر داغ کے مقابلہ میں سبقت لے گئے ہیں -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   دل بود و داد بہتر ازان گلعذار ما   جائے دل است داغ دل اندر کنار ما

اردو   پھنک رہا ہوں ہجر میں یوں دھیان رخساروں میں ہے

جان پھولوں میں پڑی ہے جسم انگاروں میں ہے

فارسی کے شعر میں سوا اس کے کہ دوست نے ہمارا دل چھین لیا اور اس کے بدلے میں

یعنی داغ دل دے دیا اور وہ داغ دل چوں کہ محبوب کا دیا ہوا ہے کہ اس لیے ہمارے لیے دل کے مقابلے میں بدرجہا قابل قدر ہے ۔

کوئی خاص جدت نہیں ہے لیکن اس کے برخلاف اردو کا شعر اپنے اندر نئی جدت اور شگفتگی رکھتا ہے ۔ رخسار یار کو پھولوں سے استعارہ کر کے یہ کہنا ہجر یار کی آتش غم میں پھڑک رہا ہوں پھر بھی رخسار یار کا تصور میرے دل میں ہے اس بات کو اس انوکھے انداز کے ساتھ ادا کرنا کہ جان پھولوں میں اور جسم انگاروں میں ہے ۔ شاہزادہ صاحب کا بڑا کمال جس نے شعر کی دل کشی میں کئی گنا اضافہ کردیا ہے ۔

اس لیے اردو کا شعر فارسی کے کے شعر کے مقابلہ میں بہت بلند ہے ۔

===XXX====

فارسی آئینہ ایست ممکن بہر جمال واجب از بہر خود نمائی پیدا نمود مارا

اردو تمہیں تم آئینہ خانے میں ہو چاروں طرف دیکھو

کہو جی! اب کچھ ارمان نکلا خود نمائی کا

حدیث قدسی ہے :

" کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق "

ترجمہ :- میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اسی لیے میں نے مخلوق کو پیدا کردیا۔

شاعر نے اسی مضمون کو اردو اور فارسی کے شعروں میں شاعرانہ پیرائے میں ادا کیا ہے۔ فارسی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ عالم ممکنات ذات واجب کے لیے آئینے کا حکم رکھتا ہے ۔ اس لیے کہ خداوند تعالی نے اپنی خود نمائی کی غرض ہی سے مخلوق کو پیدا کیا ہے تاکہ اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتا رہے ۔

اردو کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ یہ عالم شش جہات ایک آئینہ خانہ ہے اور اس آئینہ خانے میں ہر طرف اسے اپنی ذات واحد کا جلوہ نظر آتا ہے ۔ لیکن اردو کے دوسرے مصرع میں " کہو جی! اب کچھ ارمان نکلا خودنمائی کا" ۔ اس انداز بیان نے اردو کے شعر کو فارسی

کے شعر سے بہت بلند کردیا ہے -

===XXX====

فارسی ازخود تہی شویم چناں در ہوائے تو   گیریم درکنار ترا چوں قبائے تو

اردو اے دل جو اس کے غم کو تجھ میں جگہ ملی ہے

رکھا ہے نام ہم نے دار السرور تیرا

امیر مینائی نے اپنے دونوں اشعار میں غم دوست کی تعریف کی ہے اور اس تعریف کے لیے دونوں اشعار میں ایک دوسرے سے مختلف اور نادر انداز اختیار کیا ہے -

فارسی کے شعر میں یہ لطیف انداز بیان اختیار کیا ہے کہ دوست کو اپنی آغوش میں لینے کے لیے اس کی محبت میں ہم اپنے آپ سے گذرجاتے ہیں کیوں کہ اس کے بغیر دوست کی ہم آغوشی میسر نہیں آسکتی - اس بات کو اس اسلوب تازہ اور بالکل نئے انداز سے بیان کیا ہے کہ " گیریم درکنار ترا چو قبائے تو "

اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ جب سے غم یار نے ہمارے دل میں اپنا گھر بنایا ہے ہم اپنے دل کو دارالسرورکہتے ہیں -

====XXX====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی کشت از نگاہ شوخ و حنارا بہانہ ساخت   خودریخت خوں خلق وحنارا بہانہ ساخت

اردو خوں عاشق کوہے اب دسترس اس تک مشکل   مہندی نے پہلے ہی سے رنگ جما رکھا ہے

====XXX====

فارسی از یک غمزہ کرد بسمم نگاہ و کشت   دیں غمزۂ دگر کہ قضارا بہانہ ساخت

اردو وہ دل کی تاک میں جب شوق سے بن ٹھن کے بیٹھے ہیں

تو سو غمزوں سے دل پر تیر اس چتوں کے بیٹھے ہیں

===XXX====

فارسی یک جلوہ ساختی و هجوم نگاہ شوق صد پردہ بست بر در دولت سرائے تو

اردو اسی کی شوخی‌شرار میں‌ہے اسی کی گرمی چنار میں ہے (۱)

وہ آب هرسبزہ زار میں ہے ، وہ لالہ هرکوهسار میں ہے

===XXX====

فارسی یارب! بہ بخش جرم و مپرس ازاعمر هیچ سر زد خطا از و بہ امید عطائے تو

اردو کہے یہ زاهد سے کوئی جاکر ، کہ میری بخشش کا کیوں ہے منکر

گناہ کرتا تو هوں میں بیشک ، مگر مجھے انفعال بھی ہے

===XXX===

فارسی مزاج حسن تو گرتاب همسری می داشت سکندر از بغل آئینہ روبرو می کرد

اردو حسن میں بے جاہے ، یکتائی کا دعوی جاں من

اک حسین ہے اور ، آئینے کے اندر دیکھ لو

===XXX====

فارسی تاب دیدار تو آئینہ ندارد ، اے دوست توبخود جلوہ کن ، این جادہ‌دمانیست نہ هوش

اردو میری حیرت پر هنس هو اس قدر حیران تم ایک ذرا آئینہ اپنے آگے رکھ کر دیکھ لو

====XXX====

فارسی شب وصل (۲) کہ بودا مشب ، کہ من از خویشتن رفتم

بدین شوخی کہ آید در کنار من کہ من رفتم

اردو شب وصل بھی یہ عالم ہے میری بے قراری کا ؟

تڑپ جاتے هیں وہ ، دل پر جب میرے هاتھ دھرتے هیں

===XXX====

---

(۱) اصل نسخہ کے مصرع اولی اس طرح ہے :

ع " اس کی شوخی شرار میں ہے اس کی گرمی چنار میں ہے "

(۲) اصل نسخہ میں " شب وصل " کی جگہ " شب وصلی " لکھا ہے -

فارسی　منم آن کشتهٔ نازی که اگر روئے کنم　　حوریان از در فردوس کشایند آغوش

اردو　حور آئی میری تربت پہ تو میں یہ سمجھا　　آزماتے ہیں ابھی تک وہ محبت میری

====XXX===

فارسی　در جلوه گاه کیست دل بے قرار ما　　صد برق طور می تپد اندر کنار ما

اردو　جلوے ان برق جمالوں کے غضب ہیں دل کو

برسوں تڑپائیں گے ، دم بھر کے ٹھہرنے والے

===XXX====

فارسی　افسردگی ماست همان، در شب وصال　　رنگ از رخ خزان نه برد در بہار ما

اردو　وصل کی شب واہ ری بیتابی شوق وصال　　شرم بھی عجیب نگاہوں سے تماشائی ہوئی

===XXX====

فارسی　یک جلوه ساختی و هجوم نگاه شوق　　صد پرده بست پرده در دولت سرائے تو

اردو　مدہوش عشق ہوکر جا ، بزم معرفت میں　　پردہ نہ بیچ میں دو، غافل شعور تیرا

=====XXXX=====

فارسی　همره ناوکش از سینه بیرون رو اے دل　　نیست در راه سفر، همسفری بہتر ازین

اردو　حسرت دل کو بتاتے ہیں جو کہنے کو کہتے ہیں

سکھاتے ہیں چلن تیروں کو اپنے ، دلربائی کا

====XXX====

فارسی　امیرا از سوز عشق می، دل دیگر نمی سوزد

شرار کاغذم بوجان خود آتش فگن رفتم

اردو　عید وصل ، عاشق کے لیے ہے صدمهٔ فرقت　　ابھرا بیٹھ جاتا ہے محیط آشنائی کا

=====XXXXXX====

فارسی　مردن به عشق نیست به از زندگی مرا　　مرگ ست زندگی چو نمیرم برائے تو

اردو　جا ہے، کر جو ملے بوسهٔ جان تو ہے مفت　　دل نہیں ہے کسی عاشق کا جو ارزاں ہوگا

فارسی　آئینه ایست عکس بهر جمال واجب　　از بهر خود هاشی پیدا شود مارا

اردو　میں آئینه هوں تیرا تو آئینه هے میرا　　تجھ میں ظہور میرا ، مجھ میں ظہور تیرا

===XXXX====

فارسی　نگہی کردی و دل بردی و جانم باقی است

جان من گرد تو گردم ، نظری بہتر ازین

اردو　جونگاه کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی

وهی تیر کیوں نه مارا جو جگر کے پار هوتا

===XXX===

فارسی　هزاران داغ بر دل خوردم ، وزین انجمن رفتم

چمن گل کردم از آغوش و بیرون از چمن رفتم

اردو　گور میں بھی هم نه بھولے صحبت احباب کو

گوشۂ خلوت میں لطف انجمن یاد آگیا

====XXX====

فارسی　مستی دیر هم از کعبه بود مست امیر　　برهمن باده کش و شیخ حرم باده فروش

اردو　بت خانے سے دل اپنا نه کعبے سے پھراهے　　کچھ سوچ که انجام ادھربھی هے ادھربھی

===XXX====

فارسی　زاهد ! به جلوۂ صنمے مست بود امیر　　نظارۂ جمال خدارا بہانه ساخت

اردو　رخ عرش کی قندیل هے قد شمع تجلی　　الله کی قدرت کا تماشا ہے بشر بھی

===XX====

فارسی　عشق چوں حسن نماید بلکاهم معشوق　　خویشتن را بخیال تو کشم در آغوش

اردو　هے یقیں پھر دل عاشق نه کبھی غم میں رهے

عشق جاکر جو ترے حسن کے عالم میں رهے

====XXX====

فارسی   عشق تا آمد بدل، دل گم شد از پہلوی ما

معزبان این تازہ شوخی ها بہ مہمان کرد و رفت

اردو   دو جہاں چھوڑ کے عشاق تیرے غم میں رہے

دونوں عالم سے جدا تیرے عالم میں رہے

===XXX===

فارسی   مشتاق جلوہ، خلق دوید در قفائے تو   شہر قیامت است کہ بانگ درائے تو

اردو   دل میں تم آنکھوں میں تم کعبے میں تم دیر میں تم

تم جہاں چاہو چھپو ہم تمہیں پہچان گئے

===XXX====

فارسی   از یاس هم گرہ نگشاید زکار ما   دیگر کجا رود دل امید وار ما

اردو   دل شکستوں کی نہ توڑ آس، ترس کھا اے یاس

آسرا آسرے والوں کا لگا رہنے دے

===XXX====

فارسی   در مشرب محبت از اشک آبرو نیست   خون دل است غازۂ رخسار عشق را

اردو   معلوم نہیں خون شہیداں کی تمہیں قدر   مہندی بھی ہے یاں باندھے ہوئے ہاتھ ادب سے

====XXX====

فارسی   یکتائیش نخواست کہ بیند نظیر خویش   آئینہ راشکست و حیارا بہانہ ساخت

اردو   داغ دیکھا تجھے یہ شوق خود آرائی کا   دیکھ آئینہ ہے دشمن تری یکتائی کا

====XXX====

فارسی   سراپا داغ اندر جلوہ گاہ اوصی دادم   چمن آمد دروں من کہ من اندر چمن رفتم

اردو   اس گلبدن کے عشق میں ہے داغدار دل   کیا شوخ رنگ پھولوں کا پہنے ہے ہار دل

===XXX====

فارسی صد سال گل بروید ، وخون گردد وچکد یک ناله بر کشد به چمن گر هزار ما

اردو گلزار میں آگ سی لگی ہے کیا گرم ہیں نالہ ہائے بلبل

===xxx=====

فارسی خنجر ناز ہاید جگری بہتر ازیں اے بہ قربان تو ظالم ہنری بہتر ازیں

اردو یوم وصال ہے کہ کوئی صید گاہ ہے میرا شکار تم ہو تمہارا شکار دل

===xxx====

فارسی می برد دل بہ ادائے کہ نداند زکا برد غمزہ اش یاد ندارد ہنری بہتر ازیں

اردو غمزہ اس شوخ کا کہتا ہے ادائے اس کی چٹکیاں لوں میں کلیجے میں تولے تو دل میں

============

محسن کاکوری، محمد محسن :

محمد محسن اصل نام ظفر محمد تاریخی نام اور محسن تخلص تھا - (۱) ۱۲۳۲ھ/ مطابق ۱۸۲۶ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے - ان کے والد مولوی شاہ حسن بخش نے ان کا تاریخی نام ظفر محمد رکھا تھا - دس سال تک جد امجد کے سایہ عاطفت میں رہے اسی زمانے میں خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور اسی عمر سے دل میں نعت گوئی کا شوق موجزن ہوا - اور ساتھ ہی اہل اللہ کی صحبت کی طرف بھی طبیعت راغب ہوئی - حضرت شاہ کرامت علی قلندر قدس سرہ' کے مرید ہوئے -

ابتدا میں مین پوری میں عہدہ نظارت پر مامور ہوئے پھر ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان پاس کیا - چوں کہ صدر دیوانی عدالت آگرہ میں تھی اس لیے آگرہ میں آکر مقیم ہوئے اور ۱۸۵۷ء تک رہے - (۲) اس کے بعد مین پوری میں بود و باش اختیار کرلی-

---

(۱) علی حیدر علوی، حافظ محمد، " تذکرہ مشاہیر کاکوری": لکھنؤ :اصح المطابع ۱۹۲۷ء،ص ۳۶۶

(۲) ایضاً، ص ۳۶۶

آپ کی راست بازی ، دیانت ، شرافت ، نازک خیالی، اور عالی دماغی کی بنا پر وکالت کے کام کو خوب فروغ ہوا۔ عوام و خواص میں آپ کو یکساں مقبولیت حاصل تھی اور ہر ایک آپ کو عزت و وقعت کی نظر سے دیکھتا تھا -

آپ مروت و وضع داری کا بے مثال نمونہ تھے - ہر ایک کے دکھ سکھ میں شریک رہتے ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے طبیعت میں حد درجہ انکسارتھا - ان کو خداوند تعالیٰ نے بہت نوازا تھا - نہایت فارغ البالی اور خوش حالی حاصل تھی -

۲۸/ صفر ، ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں پوری کے مقام پر انتقال کیا۔ مولوی امجد علی بلیغ کاکوروی نے قطعہ تاریخ کہا :

چوں اخی همچو نام خود محسن	صاحب جاہ و عزت و حشمت
کرد رحلت ازیں جہاں افسوس	بس الم ها شود و بس حسرت (۱)
طبع و قاد ذهن ثاقب داشت	سحر گفتار بود و خوش فکرت
نواد بے مثال و سحر حلال (۲)	نظم او نادر و همه حکمت
گفت امجد بسال تاریخش	شد مغرز بدولت جنت
	۱۳۲۳ھ

خصوصیات کلام :

جس چیز نے انھیں شہرت کے بام عروج پر پہنچایا اور زندہ جاوید بنادیا وہ ان کی شاعری اور انشاپردازی ہے - جس کا شہرہ تمام ہندوستان میں تھا - انھیں مولوی هادی علی اشک سے تلمذ تھا - نظم میں نعتیہ کلام زیادہ ہے - ناشقانہ بھی ہے مگر کم - اپنی نعتیہ شاعری کے متعلق فرماتے ہیں :

بے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

ان کا کلام عشق رسول میں ڈوبا ہوا ہے -

---

(۱) اصل نسخہ میں " بس الم ها شود " کی جگہ " بس الم شود " لکھا ہے -

(۲) اصل نسخہ میں " سحر حلال " کی جگہ " سحر هلال " لکھا ہے -

نعتیہ کلام اردو کا نمونہ شعر ملاحظہ ہوں :

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیرے خالی

نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل

میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

نعت گوئی میں ایسے مشہور ہوئے اور خاص و عام میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ ایک صاحب نے خواب میں حضور نبی اکرم کو دیکھا کہ آپ کے گرد بہت سے نعت گو جمع ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ محسن کا سراپا سناؤ -

حضرت امیر مینائی کی فرمائش پر جب سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل بھیجی تو اس وقت یہ قطعہ لکھا :

گردش تحفہ پے خدمت خدام امیر   کہ بر اوج سخنش نعت سخنہای فرستد

سخن آخر بود از بہر سخنداں محسن   حیف بوجان سخن گر سخنداں نرسد

مولانا محسن نے قصائد ، غزلیات ، رباعیات ، قطعات تاریخ ، مثنویاں اور نعت وغیرہ سب ہی طبع آزمائی کی ہے - لیکن نعتیہ کلام سب سے زیادہ ہے اور نعتیہ رنگ تمام اصناف پر غالب ہے - ان کا عشق مجازی نہیں حقیقی ہے اور جہاں کہیں محبوب مراد لیتے ہیں تو اس سے مرشد ، ہادی یا خدائے بزرگ و برتر مراد لیتے ہیں -

سودا کا ایک مشہور قصیدہ " در منقبت امیرالمومنین اسد اللہ الغالب ، علی ابن ابی طالب صلوۃ اللہ علیہ " ہے ، جس کی بہار یہ تشبیب کی اس طرح ابتدا کرتے ہیں :

اٹھ گیا بہمن دے کا چمنستاں سے عمل

تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

اسی زمین میں محسن کاکوروی نے ایک نعتیہ قصیدہ لکھا ہے - جس کی ابتدا بہاریہ تشبیب ہی سے کی ہے -(۱۲۹۳ھ) پہلا مصرع یہ ہے :

ع " سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل "

دونوں استادوں کے رنگ کی ہلکی سی جھلک ملاحظہ ہو :

سودا　　اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل　　تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

محسن　　لطف تیری ہوئی شوکت ایماں محکم　　قہر سے سلطنت کفر ہوئی مستاصل

سودا　　بحر میں قطرۂ نیساں سے ہو جب تک گوہر

کرچکے تاوقت ترشح کے ہوا میں بادل

محسن معراج کا نقشہ کھینچتے ہیں :

یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں　　خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل

جوشِ رحمت پر ہے جاری ہے چڑھاؤ خم ہے　　چشمک برق سے کرتا ہے اشارا بادل

قصیدے کے اختتام پر محسن اپنی دلی تمنا کا اظہار اس والہانہ انداز میں کرتے ہیں :

صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح

ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل

یہی نہیں کہ وہ نعتیہ کلام کے مرد میدان ہیں بلکہ ہر رنگ میں ان کا انداز منفرد ہے - ہر شعر تغزل کی چاشنی میں ڈوبا ہوا ہے - لیکن اس میں بھی عشق حقیقی نمایاں ہے - شعر ملاحظہ ہو :

شرار آتش دوزخ سے کیا کھٹکا مجھے محسن

ہے نقش صحت رو یہ صدم تعویذ بازو کا

نعتیہ کلام سے انہیں دنیوی عزت و شہرت قطعی مقصود نہ تھی اس لیے ان کے کلام سے فرط عقیدت کا اظہار ہوتا ہے اور خلوص ہر جگہ موجود ہے - خدا و رسول ان کا مرکز خیال اور قرآن و حدیث ان کے مضامین کا ماخذ ہیں - ان کی نعتیں بھی ایک خاص قسم کا شاعرانہ رنگ لیے ہوئے ہیں - ان کے خیالات تصنع و آورد سے پاک ہیں - وہ اپنے مذاق شاعرانہ سے قرآن و حدیث کے مضامین اس خوش اسلوبی سے باندھتے ہیں اور ایسی خوبی پیدا کرتے ہیں کہ پڑھنے والا عش عش کر اٹھتا ہے اور بے ساختہ سر دھنے لگتا ہے اور ہر طرف سے سبحان اللہ کے نعرے سنائی دیتے ہیں -

قادرالکلامی کا یہ حال ہے کہ خواہ کوئی بھی صنف سخن ہو یا حکایت منظوم کر رہے ہوں شاعرانہ شوخی اور حدود تہذیب و متانت سے یک سر مو تجاوز نہیں کرتے - اگر کہیں قرآن و حدیث کے مضمون کی وضاحت کرتے ہیں تو اس انداز سے کہ پڑھنے والا بخوبی یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ مضمون جزو قرآن و حدیث ہے اور کلام ﷺ بزبان حال ہے - ان کی شاداب و شگفتہ طبیعت بہار حسن کی جلوہ آرائیاں کرتی رہتی ہے - اور مذہبی نکتہ نگاہ سے یاس و حسرت کا تصور ان کے مذہب میں کفر ہے - مضامین کی بلندی، الفاظ کی شان و شوکت اور بندش کی چستی ان کی طبیعت کا خاصہ ہے - مثنوی صبح تجلی و چراغ کعبہ میں قصیدے کا سا لطف پیدا کر کے اپنی طبیعت کی جدت پسندی کا ثبوت پیش کیا ہے - نعتیہ قصیدے کی تشبیب و گریز لکھنا ان کا حصہ تھا - مناجات میں وہ اپنی خاص طرز ادا کے موجد ہیں - مناجات گویا ان کے دل کی آواز ہوتی ہے - جسے پڑھنے والا خود اپنے آپ کو در اجابت پر کھڑا محسوس کرتا ہے اور اسی اثر نے انہیں بقائے دوام کا مرتبہ بخشا ہے -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   جز احمد بے میم نہ غیبے نہ شہودے   جز احمد با میم نہ بودی نہ نمودی

اردو   رفع ہونے کا نہ تھا وحدت و کثرت کا خلاف   میم احمد نے کیا آکے یہ قصہ فیصل

احمد بے میم اور احمد بامیم کی اصطلاحات شعراء اپنے کلام میں لکھتے رہے ہیں اور ان اصطلاحات میں بھی نئی جدتیں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے چناں چہ اس کوشش میں کم علم لوگ یا وہ لوگ جن کو شریعت کی پروا نہیں ہوتی اپنے آپ کو شرک اور کفر سے بھی نہ بچا سکے -

محسن کاکوروی کا شمار ان صاحبان علم اور پختہ کار شعرا میں ہوتا ہے جن کی نظر اس قسم کی باتوں پر بھی رہتی ہے کہ کوئی بات خلاف شریعت زبان و قلم سے نہ نکلے - ان اشعار میں بھی یہ احتیاط صاف نظر آتی ہے - احمد بے میم سے مراد ذات احد ہے اور ظاہر ہے کہ غیب و شہود کا تعلق ذات احدیت ہی سے وابستہ ہے چناں چہ یہ فرمانا کہ احمد بے میم کے بغیر نہ غیب ہے نہ شہود، بالکل صحیح ہے - اور احمد بامیم سے مراد ذات گرامی

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اگر حضور نہوتے تو یہ بود و نبود بھی کائنات کا وجود ہی نہ ہوتا - اسی لیے کہا گیا ہے " لولاک لما خلقت الافلاک " اور شعر میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ایک مصرع میں حمد اور دوسرے میں نعت کہدی ہے - یہ ایجاز اور بلاغت کی بہترین مثال ہے - بہرحال فارسی کا شعر لفظی مناسبات اور معنوی احتیاطوں کے ساتھ اعلی درجہ کا شعر ہے -

اردو کے شعر میں بھی کوئی بات خلاف شریعت نہ ہوتے ہوئے مذکورہ اصطلاح سے جو کام لیا ہے وہ بھی بلاغت اور ندرت بیان کا اعلی درجہ کا نمونہ ہے فرماتے ہیں :" کہ وحدت و کثرت کا فرق کسی طرح بھی دور نہ ہوتا - یہ فرق آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی دنیا میں تشریف لاکر دور کیا -

وحدت و کثرت کے فرق سے مراد یہ ہے کہ خداکی ذات واحد ہوتے ہوئے بھی اس عالم کون و مکان کی ہر چیز میں جلوہ گر ہے - اور یہ کثرت باوجود اپنے گوناگوں جلوں کے وحدت ذات سے الگ کوئی مستقل قائم بالذات چیز نہیں ہے - یہ تمام کثرت اسی ذات واحد کے شیون و صفات اور مظاھرہ اسماء ہیں -

اسلام سے پہلے وحدت و کثرت کے اس مفہوم کو نہ سمجھ کر دنیا نے طرح طرح کے گمراہ کن نظریات اختیار کرلیے تھے - تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے - بہرحال دونوں اشعار نہایت بلند اور وسیع المعنی ہیں ہم دونوں میں کسی ایک کو ترجیح دینا مناسب نہیں سمجھتے -

=======XXXX=====

فارسی   زاں پیش بیاکہ می بخاک آمیزم   جاں چوں گہر سخن بہ پایت ریزم

اردو   آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تادم مرگ   شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

فارسی کے شعر میں زبان اور انداز بیان بالکل اہل زبانوں کا سا ہے ہندوستان کے شعرا کی فارسی زبان اور انداز بیان ایرانی شعرا سے بالکل مختلف ہوتا ہے - بہت کم شاعر ایسے ہوئے ہیں جن کی زبان میں ایرانیوں کے انداز بیان کی مخصوص خوبی ملتی ہو - حضرت محسن کا پیش نظر کلام بھی ان چند شعراء میں شامل ہے - شعر کے دوسرے مصرع میں ایک

ایسی لطیف جدت پیدا کی ہے کہ جس کی وجہ سے اس شعر کا مضمون محسن صاحب کے ساتھ مخصوص ہوگیا ہے - وہ جدت یہ ہے کہ عام طور سے لوگ یہ کہتے آئے ہیں کہ اے دوست میں اپنی جان زر و جواہر کی طرح تجھ پر نچھاور کردینا چاہتا ہوں - مگر محسن صاحب نے اس میں یہ جدت پیدا کی ہے کہ دوست کے قدموں پر اپنی جان کو گوہر سخن کی طرح ڈالدینا چاہتے ہیں - یہ بات کئی اعتبارات سے قابل تعریف ہے - اول یہ کہ جان کو گوہر سے تشبیہہ دینا اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ جان روحانی شے ہے اور گوہر مادی، روحانی شے کو مادی شے سے تشبیہہ ناقص ہوجاتی پھر شاعر کے نزدیک گوہر سخن کی جو قدر و قیمت ہے اس کے مقابلہ میں محض زر و جواہر کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی غرض کہ ان مذکورہ رعایتوں کے اعتبار سے فارسی کا شعر لاجواب ہے -

اردو کے شعر میں اپنی اس آرزو کا اظہار کیا ہے کہ دم مرگ تک حضور سرور عالم کی صورت ہی کا ہروقت تصور رہے - حتیٰکہ جب موت آئے تو اس وقت بھی حضور ہی کی صورت پیش نظر رہے - ظاہر ہے کہ یہ آرزو بڑی پاکیزہ ہے اور اس آرزو کا محسن صاحب نے جس انداز میں اظہار کیا ہے - یہ انہیں کا کام ہے - دونوں شعر اپنی اپنی جداگانہ خوبیوں کے ساتھ انتخاب ہیں تاہم ہمارے نزدیک فارسی کا شعر قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے -

=====xxxxx======

فارسی   در صفحۂ دیدہ و دلم اے محبوب   بنشیں چوں رقم و چوں نگیں برخیزم

اردو   نام احمد بزباں سربالیں بعدر   لب پہ ہو صل علی دل میں مری عزو جل

فارسی کے شعر میں اپنے دوست سے خطاب کرتے ہیں کہ اے دوست تو میرے صفحۂ دیدہ و دل میں رقم کی طرح سے بیٹھ جاتا کہ میں نگینہ کی طرح کھڑا ہوجاؤں - شعر میں اول بنشین و برخیز کا تقابل بڑی عمدگی کے ساتھ کیا گیا ہے پھر رقم اور نگینہ کی مناسبت سے بنشین و برخیز کی ترتیب بھی نہایت برجستہ اور بے تکلف طریقہ سے قائم ہوگئی ہے - رقم کے لیے نشستن اور نگینہ کے لیے برخاستن استعمال ہوا ہے 'نگینہ پر جو رقم لکھا جاتا ہے تو وہ کندہ کیا جاتا ہے اس لیے اس کی ہیئت بیٹھنے سے مشابہ ہوتی اور کندہ کیے رقم کے مقابلہ میں نگینہ کی

ہیئت کھڑے ہونے سے مشابہ ہوتی ہے مگر یہاں نشستن و برخاستن کہہ کر مطلب یہ لیا ہے کہ اے محبوب اگر تیرا نام میرے صفحۂ دیدۂ و دل پر نقش ہوگیا تو میرے دیدہ و دل کی قیمت بھر بہت زیادہ ہوجائے گی - شعر اس قسم کی صنعتوں اور دقت ملک معانی کے اعتبار سے بھی بہت اعلی درجہ کا ہے اور ترکیب الفاظ اور زبان کے لحاظ سے بھی اپنا جواب نہیں رکھتا -

اردو کے شعر میں بھی صنعت گری سے کام لیا ہے اور صنعت لف و نشر مرتب اس خوبی سے استعمال کی ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا کوئی ارادہ نہ تھا بلکہ بلا ارادہ پیدا ہوگئی ہے - صنائع و بدائع کے بارے میں یہی کہا گیا ہے کہ اگر کوئی صنعت اس طرح پیدا ہوجائے کہ شاعر کے قصد و ارادہ کو اس میں دخل نہ ہو تو وہ صنعت شاہد سخن کے چہرہ کا غازہ بن جاتی ہے محسن کاکوروی صاحب کے اس شعر میں یہ صنعت بھی شعر کے حسن و جمال میں اضافہ کا باعث ہوتی ہے - پہلے مصرع میں نام احمد بر زبان کہا ہے اس کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں لب پہ ہو صل علی فرمایا ہے اسی طرح پہلے مصرع میں سرپلا میم بدر کہہ کر دوسر مصرع میں اس کی مناسبت سے دل میں ہمر ہے عز و جل کہا ہے بہرحال اردو کا شعر بھی اپنی معنوی اور لفظی خوبیوں کے اعتبار سے بہت بلند پایہ ہے لیکن اس کے باوجود بھی ہمارے نزدیک فارسی کا شعر قابل ترجیح ہے -

====xxx===

ذیل میں مزید چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں :

فارسی　سر سبز کن اے سبد ابرار مرا　　　وہ رونق نخل گل بہ گلزار مرا

اردو　ہوہرا ریشۂ امید وہ نخل سرسبز　　　جس کی ہرشاخ میں ہوپھول ہراک پھول میں پھل

===xxx====

فارسی　چوں دانہ ہزار بار بر روئے زمین　　　گر چرخ بیفگند تو بردار مرا

اردو　دین و دنیامیں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے

صرف تیرا ہو بھروسہ تری قوت تراہل

غدر کا زمانہ بڑی مصیبت کا تھا، عزت و ناموس اور جان و مال کا ہر وقت خطرہ تھا کاروبار اور گھر کا تمام ساز و سامان چھوڑا اور آگرہ سے معہ عیال و اطفال کاکوری پہنچے اس وقت چند رباعیاں کہیں اور ساتھ ہی مذکورہ ذیل عربی کے نعتیہ شعر پر فارسی میں مصرع لگاکر تضمینیں بھی کہی ہے وہ شعر یہ ہے :

یا حبیب الا لہ خذ بیدی　　　ما لعجزی سواک مستندی

چوں کہ دونوں چیزیں ایک ہی کیفیت کی پیداوار ہیں اس لیے خیالات میں کچھ مطابقت پیدا ہوگئی ہے ۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں :

<u>فارسی کا بند :</u>

بسکہ بودم حریص فسق و فجور　　　گشتہ ناخوش زمن خدائے غفور
ہست اکنوں شفاعت تو ضرور　　　آمدم بوور تو لک از رہ دور

یا حبیب الا لہ خذ بیدی
مالعجزی سواک مستندی

<u>رباعی اردو :</u>

مولا مری عقدہ ہائے مشکل واکر　　　ہر غنچے کو باغ قطرے کو دریا کر
بدہوں یا نیک تیری امت میں ہوں　　　محشر برپا ہے تو مجھے برپا کر

===XXX=====

<u>فارسی کا بند :</u>

کشتی من شکست ولنگر او　　　غرق شد نا خدائے رہبر او
بحر و ہر لحظہ جوش دیگر او　　　من بدست و پا شناور او

یا حبیب الا لہ خذ بیدی
ما لعجزی سواک مستندی

<u>رباعی اردو :</u>

عقدے مشکل کے میرے مولا وا کر　　　ثابت قدم منزل استغنی کر
درماندہ ہوں خستہ حال ہوں بیکس ہوں　　　سر پر مرے ہاتھ رکھ مجھے برپاکر

فارسی کا بند :

رفت تاب از تن و دل از بر من　　　　آب چشم گذشت از سر من

راہ گم کرد خضر رہبر من　　　　نہ کسے یار من نہ یاور من

یا حبیب الا لہ خذ بیدی

ما العجزی سواک مستندی

رباعی اردو :

مختار مہم زیر و بالا تو ہے　　　　محبوب جناب حق تعالی تو ہے

گرداب بلا میں ڈوبتا ہے محسن　　　　اس کشتی کا پار کرنے والا تو ہے

****

شبلی نعمانی، محمد شبلی :

محمد شبلی نام ، نعمانی اسم نسبی اور شبلی تخلص تھا - شبلی نعمانی کے نام سے مشہور ہوئے - ان کی عام شہرت مورخ اور ادیب کی حیثیت سے ہے شاعر کی حیثیت سے انہیں بہت کم لوگ جانتے ہیں - ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۳ھ (۱) میں اعظم گڑھ کے ایک قصبہ بندول میں پیدا ہوئے - اردو فارسی زبان و ادب کی تحصیل کے بعد علامہ محمد فاروق چڑیا کوٹی سے عربی نصاب کی تکمیل اور دستگاہ کامل حاصل کی - انیس سال کی عمر میں حجاز کا سفر کیا اور فریضہ حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوکر ہندوستان واپس ہوئے -

شبلی فطری شاعر تھے، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے - بچپن ہی سے شعر گوئی کی طرف رغبت تھی - وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد کچھ دن تک وکالت کے پیشے سے منسلک رہے پھر امین دیوانی بھی مقرر ہوگئے تھے - لیکن وکالت اور عدالت کے مشاغل کی طرف ان کا طبعی رجحان نہ تھا - اس لیے اس مشغلہ کو ترک کیا اور علی گڑھ کالج میں

---

(۱) ظفرالملک علوی، (ایڈیٹر الناظر- مرتب) ، "مجموعہ کلام شبلی اردو" ، لکھنو : ۱۹۲۳ء الناظر پریس ، (دیباچہ) ، ص ۳

پروفیسر ہوگیے اور یہاں پندرہ سولہ سال خدمات انجام دینے کے بعد ۱۸۹۸ء میں حیدرآباد دکن تشریف لے گیے اور وہاں نظامت علوم و فنون کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور علوم و فنون کی ترقی کے کام میں مشغول رہے - (۱) ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۲ھ میں انتقال کیا۔

شبلی کا کلام دو جلدوں میں ہے - جلد اول "کلیات شبلی فارسی" میں ہے - اور جلد دوم "مجموعہ کلام شبلی اردو" میں ہے - شبلی کی فارسی منظومات بھی خوب ہیں لیکن غزلیات بے نظیر ہیں - اس کے مقابلے میں اردو غزلیات کم ہیں اور شیرینی زبان اور رفعت تخیل میں فارسی کو نہیں پہنچتیں۔ اردو منظومات کے مقابلہ میں فارسی منظومات کی زبان و بیان کی خوبی کی وجہ سے بلند پایہ ہیں -

شبلی کی فارسی منظومات و غزلیات پر سعدی ، حافظ ، اور نظیری کا اثر اتنا ہے کہ اکثر ان شعرا کے کلام کے خصوصیات کی جھلکیاں نظر آنے لگتی ہیں ، غزل میں خصوصیت کے ساتھ حافظ کا تغزل نمایاں معلوم ہوتا ہے -

خصوصیات کلام شبلی :

مولانا شبلی زیادہ تر مصنف کی حیثیت سے مشہور ہیں فارسی کی غزلیں بہت عمدہ ہیں زبان شیریں اور مضامین عالی ہیں انداز بیان میں ایرانیت غالب ہے - اردو کلام میں مثنوی " صبح امید " جو ۱۸۸۶ء میں چھپی تھی اور جو مثنوی گلزار نسیم کی بحر میں لکھی ہے- اور صنائع بدائع بھی اسی انداز سے استعمال کیے ہیں مگر یہ مثنوی قومی انداز پر ہے اس میں اول انھوں نے قوم کی فضیلت ظاہر کی ہے اور بعد میں اس کی پستی اور جہالت کا ذکر کیا ہے- اور آخر میں سرسید اور ان کے کالج کی تعریف کی ہے اور مسلمانان ہند کو سرسید کے ساتھ تعاون کرنے کی رغبت دلائی ہے -

اس مثنوی میں زبان کی صفائی پائی جاتی ہے اور تشبیہات و استعارات کی کثرت ہے- رعایت لفظی سے بھی کام لیا ہے تاہم مضامین خوب پیدا کیے ہیں -

---

(۱) ظفرالملک علوی، محولہ بالا ، ص ۱۱

مثنوی کے علاوہ مولانا شبلی نے بعض تاریخی اور سیاسی نظمیں بھی کہی ہیں جن میں بڑی دل کشی ہے - اگرچہ مولانا نے بہت کم لکھا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے بہت خوب لکھا ہے۔ صفائی زبان کے علاوہ الفاظ کا انتخاب بھی نفاست کے ساتھ کیا ہے اور جذبات کی ہوبہو تصویر کھینچ دی ہے - واقعی درد بھری دل سے جو بات نکلتی ہے اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی ناوک بزد به غیر مرا برجگر نشست قربان شوم خطائے نگہہ ہائے ناز را

اردو تیر قاتل کا یہ احسان رہ گیا جائے دل سینہ میں پیکان رہ گیا

فارسی کے شعر کے پہلے مصرع میں لفظ " ناوک " بطور استعارہ کے نگاہ کے لیے استعمال ہوا ہے اور جو تیر نشانے پر نہیں لگتا ہے اس کو تیر کا خطا کرنا کہتے ہیں -

شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ میرا محبوب غیر کی طرف دیکھنا چاہتا تھا مگر غلطی سے اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی اس بات کو اس نے اس نادر اسلوب سے بیان کیا ہے کہ دوست نے تیر نگاہ غیر کی طرف پھینکا تھا - مگر تیر خطا کرگیا اور میرے آ لگا - میں اس نگاہ ناز کے تیر کے خطا کرنے پر جتنا ناز کروں کم ہے -

اردو کے شعر میں بغیر کسی استعارے اور کنائے کے سیدھے سادے طریقے سے مطلب بیان کردیا ہے ، البتہ تیر جو سینے میں آکر لگا ہے وہ کہتا ہے کہ دل کا ٹوٹنا نہیں، دل کی جگہ سینے میں قاتل کے تیر کا پیکان رہ گیا ہے - یہ بات بھی ندرت سے خالی نہیں ہے لیکن اس شعر کے پہلے مصرع میں اسی بات کو یہ کہنا کہ تیر قاتل کا یہ احساس رہ گیا" سے تازگی اور شگفتگی کے ساتھ مضمون میں ندرت کا اضافہ ہوگیا ہے -

دونوں شعر اپنے خاص انداز میں انتخاب ہیں - اور دونوں میں تازگی مضمون اور ندرت خیال اور لطافت معنی اپنی اپنی جگہ خوب ہیں - اس لیے دونوں شعروں میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی -

====XXX====

فارسی   دیدی اے دوست کہ تا دامن ایمان بوسید (۱)

عشق اس چاک کہ در جامہ و دامن زدہ بود

اردو   کی ذرا دست جنوں نے کوتاہی   چاک اگر تا بہ داماں رہ گیا

فارسی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ عشق نے آغاز کار میں جامہ اور دامن وغیرہ چاک کیا تھا ، لیکن عشق کی یہی کیفیت ترقی کرکے اب دامن ایمان تک پہنچ گئی ، یعنی عشق کے ہاتھوں اب دامن ایمان بھی سلامت نہ رہا ۔

اردو کے شعر میں اسی بات کو کنائے کے انداز میں اس طرح ادا کیا ہے کہ دست جنوں کوتاہی کرگیا کہ چاک گریباں چاک داماں تک پہنچ کر ہی رہ گیا۔

اس ابہام میں کہ چاک دامن تک ہی آکر رہ گیا جو لطف ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ نہیں بتایا کہ دست جنوں کو دامن سے بڑھ کر اور کس چیز کو چاک کرنا چاہئیے تھا ۔ اس اعتبار سے اگرچہ دونوں شعر بالکل ہم پلہ ہیں لیکن اردو شعر کا پلہ کسی قدر جھکتا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔

===xx===

فارسی   در دور چشم بادہ گسار تو مے فروش   خون می خورد کہ میکدہ را آبرو نماند

اردو   نشہ آور تھی نگاہ مست ساقی اس قدر   خود بخود لبریز ہے ہر ساغر و پیمانہ تھا

دونوں شعروں کا مرکزی خیال چشم یار کی مستی و مے گساری ہے جس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے لیکن فارسی کے شعر میں یہ مبالغہ اپنے اندر جدت کے ساتھ بڑا لطف رکھتا ہے ۔ اس کے برخلاف اردو کے دوسرے مصرع میں جو مبالغہ کیا گیا ہے وہ بھی تکلف سے خالی نہیں ہے۔

فارسی کے شعر میں چشم یارکی بادہ گساری کی وجہ سے میکدوں کی آبرو باقی نہ رہنا اور اس غم میں مے فروش کا خون جگر پینا بیان کرکے کس قدر لطیف مضمون پیدا کیا ہے ۔

---

(۱) اصل نسخہ میں " بوسید " کی جگہ " بوسد " لکھا ہے ۔

فارسی
آستین کرم افشاند و تو گوئی بمثل   ابر نیسان بر زمین در و گہر کرد نثار

اردو   فیاضیوں کے دکھائے آثار   یا ابر کرم ہوا گہر بار

شاعر نے اردو اور فارسی اشعار میں سلطانوں کی فیاضی کا ذکر کیا ہے فارسی کے شعر میں "آستین کرم افشاند" سے یہ مراد لی ہے کہ دین کے معاملے میں سلطانوں کی معمولی سخاوت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جیسے موتیوں کی بارش ہوگئی ہو لیکن یہ ان کی نظر میں ادنیٰ سی سخاوت ہوتی ہے - فارسی کے شعر میں اراجت ہے اور انداز بیان میں ندرت پائی جاتی ہے .
اس کے برعکس اردو کے شعر میں وہ خوبی نہیں ہے اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے دونوں شعر ایک ہیں تاہم مذکورہ بالا چند خوبیوں کی بنا پر ہم فارسی کے شعر کو ترجیح کا مستحق سمجھتے ہیں -

===XXX===

فارسی   علما را ہمہ بیکار و نزاعے ست(۱) کرو   آتش فتنہ بہر شہر و دیار افتاد است

اردو   برپا تھے وہ مسجدوں میں فتنے   دیکھے نہ سنے کبھی کسی نے

دونوں اشعار میں علما کی فتنہ گری کا ذکر ہے علما کے متعلق حدیث شریف ہے "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے ہم مرتبہ ہوں گے - کیوں کہ حضور کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے ایسی صورت میں علماء ہی اس منصب نبوت کے وارث ٹھہرتے ہیں اور ان کے ذمہ تبلیغ و اشاعت دین کا کام رکھا گیا ہے لیکن انھوں نے علم کو مالی منفعت حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے اور ان کا دین کاروباری بن کر رہ گیا ہے -

فارسی کے شعر میں کہتے ہیں کہ علماء نے معمولی مسائل کی آڑ لے کر آپس میں شدید اختلافات کھڑے کرلیے ہیں اور گروہ بندیوں کی وجہ سے ہر ایک شہر میں نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑک رہی ہے - اردو کا شعر بھی اسی مفہوم کو پیش کر رہا ہے کہ علما کی نافرض شناسی کی وجہ سے مساجد اکھاڑا بنی ہوئی ہیں اور آئے دن ایسے زبردست فتنے رونما ہوتے ہیں

---

(۱) اصل نسخہ میں "نزاعے ست" کی جگہ "نزاع است" لکھا ہے -

کہ اس سے پہلے کسی نے ایسے فتنے دیکھنا تو کجا سنے بھی نہ ہوں گے - یہ اشعار اس زمانے کے حالات کے آئینہ دار ہیں - اسلوب بیان کے اعتبار سے فارسی کا شعر اردو کے شعر سے بہتر ہے-

====xx====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی چون نبود بہ ہجر تو نالہ و گریہ کارمن کز دل و دیدہ ام یکی نیست باختیار من

اردو شب فرقت میں دل خوردہ بھی پاس نہ تھا وہ بھی کیا رات تھی کیا عالم تنہائی تھا

====xx====

فارسی حاسد سفلہ دون باتوسا زد شبلی هیچ دیدی کہ جعل (۱) باگل و ریحان درساخت

اردو پھینک دینے کی کوئی چیز نہیں فضل و کمال

ورنہ حاسد تری خاطر سے میں یہ بھی کرلوں

====xx====

فارسی وعدی از وصال تو طاقت گداز بود صد جاگرہ زدیم امید بریدہ را

اردو ترغیب کے ساتھ ساتھ تہدید کچھ یاس ، تو کچھ نوید امید

===xxx====

فارسی دین عجب بین کہ باین فتنہ وآشوب بلا ہرکس ازما بہمان خواب و خمار افتاد است

اردو ہر چند یہ ہوچکی تھی حالت ہم تھے وہی مست خواب غفلت

====xxx====

فارسی تو غلامان کمر بستہ بفرمان خواہی ما غلام خود و خود گوش بفرمان داریم

اردو نہ عہدوں کا عادت ہے نہ کچھ حفظ مراتب ہے

یہاں جس سادگی سے یہ شریک بزم اخوان ہیں

===xx====

---

(۱) جعل = گندگی کا کیڑا کوڑا

فارسی   تاچہ سود ت دھد آن فلسفۂ عہد قدیم   تاچہ سود ت دھد آن ھیئت پارینۂ دہار

اردو   سلف کا تذکرہ جو ھمت وغیرت کا ھے افسوں   ھماری حق میں وہ سرمایۂ خواب پریشاں ھے

===XXX====

فارسی   باری ازفیض شہ آن مدرسہ برپا گردید   انچہ ماسی طلبید یم مہیا گردید

اردو   واں بحر کرم کو آگیا جوش   یاں مطلب و آرزو تھی ہم دوش

===XXX====

فارسی   چوں نگہ کرد ، کہ دین نبوی در خطر است

لا جرم ، ناوری سنت و قرآن کرد است

اردو   (١) یہ وہ ھیں کہ جاں و دل سے جو فدائے قوم ھیں

یہ وہ ھیں کہ نام پر اسلام کے جو دل سے قرباں ھیں

===XXX====

فارسی   بہ آب و رنگ نظم خویشتن نازد چناں شبلی

کہ در اقلیم معنی کہنہ استاد ست پنداری

اردو   یہ نظم آئین ، یہ طرز بندش ، سخنوری ھے فسوں گری ھے

کہ ریختہ میں بھی تیری شبلی مزہ ھے طرز علی حزیں کا

===XXX====

فارسی   اندازۂ وفا نگرفت از جبیں من   خواند مگر نبود خط سر نوشت ما

اردو   پہلی تھی تقدیر ہی تھی ، یہ راز کس طرح عیاں ہو

بتوں کو سجدے کیے ھیں اتنے ، کہ مٹ گیا سب لکھا جبیں کا

===XXX====

---

(١) اصل نسخہ میں یہ شعر اس طرح ھے :

یہ وہ ھیں جان و دل سے جو فدائے قوم و ملت ھیں

یہ وہ ھیں نام پر اسلام کے جو دل سے قرباں ھیں

فارسی　نیست فرقی زمیان تو تن زار مرا　　ور بود جز همین یک سر مو خواهد بود

اردو　واہ کاہیدگی جسم بھی کیا کام آئی　　بزم میں تجھے نہ رقیبوں نے وہ دیکھا ہم کو

====XXX====

فارسی　با نالہ خوش افتاد مرا، ورنہ تو دانی　　کز نالہ و زاریم امید اثری نیست

اردو　اثر کے پیچھے دل حزیں نے نشاں چھوڑا نہ ہرکہیں کا

(1)

گیے ہیں نالے جو سوے گردوں تو اشک نے رخ کیا زمیں کا

===XXX====

فارسی　بسکہ رنجوری این خستہ ز تیمار گذشت　　عیسی آخر ز علاج دل بیمار گذشت

اردو　موت بھی روٹھ گئی تھی مجھ سے　　یہ شب ہجر منا لائی ہے

===XXX====

فارسی　در دور چشم بادہ گسار تو میفروش　　خون می خورد کہ میکدہ را آبرو نماند

اردو　نشہ آور تھی نگاہ مست ساقی اس قدر　　خود بخود لبریز ہے ہر ساغر و پیمانہ تھا

===XXX====

فارسی　دیدہ و دل ہمہ دکان تماشا چیدند　　کاں تماشا کدۂ حسن و ادا می آید

اردو　مجھ کو لے جاکے میں آنکھ وہاں　　اک تماشا دیکھا لائی ہے

===XXX====

فارسی　اے اجل گرچہ من خستہ ترا کابین ہست　　اندکی باش کہ او وعدۂ دیداری ہست

اردو　کہہ تو ہو چارۂ غم بات تو یکسو ہوجائے　　تم خفا ہو تو اجل ہی کو میں راضی کرلوں

====XXX====

فارسی　مدہ از دست خود رنگین نوای ہمچو شبلی را

تو شاہ حُسنی و در کار داری یک غزل خوان ہم

اردو　یاد رکھنا دوستو! اس بزم میں　　آگے شبلی بھی غزل خوان رہ گیا

---

(1)　اصل نسخہ میں "تو اشک نے رخ کیا" کی جگہ "تو اشکوں نے رخ کیا" لکھا ہوا ہے۔

فارسی باتو آموزم و از شوق تسلی نشوم تا بحدے که توجان باشی و من تن باشم

اردو قالب جسم میں جان آگئی گویا شبلی معجزہ فکر نے اپنی یہ دکھایا ہم کو

====xx====

فارسی مرا کہ یک دل وصدگونہ آرزو خاست شکیب و صبر چگویم کہ ہستم یا نیست

اردو آپ جاتے تو میں اس بزم میں شبلی حال دل دیکھنے اظہار نہ ہونے پائے

====xx====

فارسی شاہدان باغ دوشہر تو زار افتادہ اند این قیاس از نرگس بیمار می بائیست کرد

اردو کون اس راہ سے گذرا ہے کہ نقش قدم چشم عاشق کی طرح اس کا تماشائی تھا

====xx====

فارسی از دل صد پارہ ات آگہ نیم شبلی ولے شیشۂ دیدم کہ از بالائے طاق افتادہ بود

اردو پارہ ہائے دل خونیں کی طلب تھی باہم شب جو آنکھوں کو مری ذوق خود آرائی تھا

============

اکبر الہ آبادی اکبر حسین

اکبر حسین (۱) نام اکبر تخلص کرتے تھے ، نومبر ۱۸۴۶ء مطابق ۱۲۶۲ھ میں الہ آباد کے ایک ضلع بارہ میں پیدا ہوئے - ابتدائی تعلیم و تربیت قدیم روایت کے مطابق مکتب میں ہوئی- اسی تعلیم کا اثر ان کے افکار و خیالات پر ہمیشہ غالب رہا - اس سے فراغت کے بعد سرکاری مدرسوں میں تعلیم پائی -

عربی اور فارسی میں اکبر کو خاص مہارت حاصل تھی اور انگریزی ادب میں کافی دستگاہ رکھتے تھے - ذاتی صلاحیت ، قابلیت اور علمی و ادبی خدمات کی بنا پر الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی مقرر ہوئے -

اکبر کی شاعری کی ابتدا دبستان لکھنو سے ہوئی اور وحید کے شاگرد ہوئے - منشی غلام حسین و حید الہ آبادی آتش کے شاگرد تھے ، اسطرح اکبر کا سلسلہ تلمذ مصحفی سے

---

(۱) رام بابو سکسینہ نے پورا نام سید اکبر حسین رضوی لکھا ہے -
" تاریخ ادب اردو "(مترجمہ) مرزا محمد عسکری، لکھنو : مطبع نول کشور، ۱۹۲۹ء ، ص: ۳۲۹

جا ملتا ہے - اکبر نے ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء مطابق سنہ ۱۳۴۰ھ میں انتقال کیا (۱)

خصوصیات کلام :-

اکبر اپنے دور کے نہایت قادر الکلام طنز نگار اور مزاحیہ شاعری میں بلند مرتبہ استاد اور اپنے طرز خاص میں منفرد و یگانہ شخصیت کے مالک سمجھے جاتے ہیں - وہ ظریف الطبع ، خوش خلق ، نیک دل ، مخلص اور ہمدرد انسان تھے اسی لیے ان کی شاعری حکیمانہ پند و نصائح سے بھرپور ہے - ظرافت ان کے کلام کی ایسی خصوصیت ہے کہ اگر اسے ان کے کلام سے جدا کردیں تو پھر کچھ نہیں رہ جاتا - کیوں کہ ظرافت ہی ان کے کلام کے مقبول خاص و عام اور شہرہ آفاق ہونے کا سبب ہے اور ان کی یہ خصوصیت خدا داد ہے جو ناقابل تقلید ہے - گویا وہی اس کے موجد تھے اور انہیں پر اس کا خاتمہ ہوگیا -

ان کی شاعری کا آغاز سترہ سال کی عمر سے ہوتا ہے اسی زمانے کی غزل کے دو شعر یہ ہیں :

جو اپنی زندگانی کو حباب آسا سمجھتے ہیں
نفس کی موج کو موج لب دریا سمجھتے ہیں

گواہی دیں گے روز حشر یہ سارے گناہوں کی
سمجھتا میں نہیں لیکن مرے اعضا سمجھتے ہیں

تیس چالیس سال کی عمر تک خاصی اچھی مشق سخن بہم پہنچائی تھی - ایک غزل کا مقطع ہے :

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اکبر کی شاعری غزل اور طنز و ظرافت ہی تک محدود نہ تھی بلکہ انہوں نے ہر بحر اور ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ، سیاسی ، سماجی ، معاشی ، مذہبی غرض ہر قسم کے افکار و خیالات بڑی خوبی سے باندھے ہیں -

---

(۱) رام بابو سکسینہ ، محولہ بالا ، ص ۴۲۹

ایک جگہ اپنے دور کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اس پر اس طرح اظہار افسوس کرتے ہیں :(رباعی)

فارسی اٹھ گئی اردو کی وہ عزت نہ رہی   ہے زبان مضحکہ میں اگر اس کی وہ قوت نہ رہی
بند کر اپنی زبان ترک سخن کر اکبر   اب تری بات کی دنیا کو ضرورت نہ رہی

پھر فرماتے ہیں :

امید ہے دعا کی اہل سخن سے اکبر
میرے حقوق بھی کچھ اردو زبان پر ہیں

اکبر کی طبیعت کی صفائی کا اس بات سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ انہیں حقیقت کے اعتراف کرلینے میں کوئی باک نہ تھا - اب ان میں اسلاف کی بہادری کا جوہر نہیں ہے صرف شاعرانہ خوبی باقی ہے - وہ حافظ کے کلام سے بہت متاثر تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی فارسی غزلوں میں کہیں کہیں حافظ کے کلام کی سی چاشنی پائی جاتی ہے :-

ہم میں باقی ہی نہیں خالد جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے حافظ شیراز کا رنگ

اکبر نے جب آنکھ کھولی تو حالات کو ابتر پایا لیکن جو تدابیر ہو رہی تھیں وہ تسلی بخش نہ تھیں لہذا یہ مجاہد اپنے قلم سے مقدور بھر جہاد کرتا رہا [illegible]
[illegible]

اکبر اردو منظومات میں اپنے رنگ کے منفرد شاعر ہیں یہ علم و حکمت اور طنز و مزاح سے بھر پور اشعار اس دور کے حالات و واقعات کا زبردست تاریخی ماخذ ہیں اور ہرمکتب فکر میں انتہائی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں - اور اسی بنا پر انہیں اس دور کا قومی و اصلاحی شاعر سمجھا جاتا ہے - ان کی اردو غزلیات بھی بڑی حد تک قابل قدر ہیں- ان کا بیشتر غزلیات پر مشتمل فارسی کلام کمی کے باوجود زبان و بیان پر قدرت کا پتا دیتا ہے اور بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان کی اردو، فارسی غزلیات اس زمانے کے اعلا نمونوں میں شمارکی جاسکتی ہیں -

شعر و ادب [illegible] قابل مطالعہ [illegible] هیں -

خصوصیات شاعری اکبر :

اکبر فطری شاعر تھے ان کو بچپن هی سے شعر گوئی کا شوق تھا چنانچہ ان کا ابتدائی عمر کا کلام ان کے کلیات میں موجود هے - شروع میں اپنا کلام غلام حسین وحید کو دکھاتے تھے جو آتش کے شاگرد تھے - اسی زمانے میں فارسی و عربی کی درسیات سے فراغت حاصل کی اور یہ معلومات ان کو آخر عمر میں بہت مفید ثابت هوئیں - ملازمت کے زمانے میں انگریزی پڑھی اور اس میں بھی اچھی خاصی مہارت حاصل کرلی -

اکبر نے اپنی شاعری کو پانچ ادوار میں خود تقسیم کیا هے - وہ یہ هیں :

پہلا دور :

ابتدائے شاعری سے ١٨٦٦ع تک کا هے - اس زمانے کا قدیم رنگ لیے هوئے هے - اس میں انھوں نے لکھنو اور دلی کے مستند اساتذہ کی تقلید کی اور ان کے رنگ میں غزلیں کہی هیں اور اکثر مشاعروں میں بھی پڑھی هیں - ان میں کہیں کہیں عاشقانہ جذبات بھی هیں مگر صفائی ، سادگی حسن بندش روانی وغیرہ ، جیسی خوبیاں بدرجہ احسن موجود هیں -

دوسرا دور :

دوسرا دور ١٨٦٦ع سے ١٨٨٣ع تک هے - اس زمانے کے کلام میں صداقت اور جذبات نگاری زیادہ هے - اصلیت بھی صاف طور پر نمایاں هے - طنزیہ حقیقت نگاری کلام کا جوهر هے جو قادرالکلامی کا بھی پتا دیتا هے - مروجہ عاشقانہ مضامین کم هوتے جاتے هیں - تصنع اور بناوٹ بے تکلفی، اور حقیقت نگاری سے بدل گئی هے - اور ایک حد تک ذاتی رنگ غالب آرها هے - اور اشعار کے درد و اثر بندش اور طرز ادا میں نمایاں فرق معلوم هوتا هے -

تیسرا دور :

تیسرا دور ١٨٨٣ع سے ١٩٠٨ع تک هے - یہ زمانہ ان کے کلام کی بہت بڑی ترقی اور عروج کا زمانہ هے - اس زمانے میں ان کو کلام پر پوری طرح قدرت حاصل هوگئی هے - اس دور

میں غزلوں پر بھی مذاق و ظرافت کا عنصر غالب ہے لیکن اب بھی مکمل طور پر وہ بات ابھی حاصل نہیں جو بعد میں ان کی شاعری کا حصہ بنی - رفتہ رفتہ طنزیہ انداز میں مزید پختگی پیدا ہوتی ہے - غزلوں کا رنگ اب پرانے رنگ سے بالکل ہی علیحدہ ہوکر اس میں ایک اخلاقی رنگ کی آمیزش بھی ہوجاتی ہے - جدت ادا اور ظرافت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے - روحانیت اور تصوف کا رنگ بھی کلام میں عیاں ہے - غزلوں کا رنگ باعتبار مضامین اور طرز ادا بہت کچھ ترقی کرگیا ہے -

چوتھا دور :

چوتھا دور ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۲ء تک ہے - یہ دور بہت بڑی ترقی کا حامل ہے اس میں اور دور ماسبق کی نوعیت میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اس دور کا متمم ہے - اس دور میں وہ مصلح قوم نظر آتے ہیں - اس میں قدیم رنگ کی غزل گوئی برائے نام ہے اور حقائق کا رنگ اس پر بھی غالب ہے - مزاح و ظرافت بدستور ہے بلکہ اس میں تیر و نشتر کی سی تیزی پیدا ہوگئی ہے - حالات حاضرہ اور مغربی تہذیب پر نہایت زودست نکتہ چینی کرتے ہیں -

پانچواں دور :

پانچواں دور ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۱ء تک ہے - اس دور میں عاشقانہ رنگ بہت ہی کم ہوگیا ہے - اب اشعار بالکل سیاسی ، اخلاقی اور روحانی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں - یا پھر وہی ظرافت جلوہ فرماہے - اسی دور میں ان کی شاعری معراج پر پہنچی ہے - چوں کہ یہ بڑھاپے کا زمانہ ہے اس لیے دنیا کی بے ثباتی پر ان کی نظر گہری پڑتی ہے - اور اس قسم کے اشعار اس دور میں ان کے کلام میں کثرت سے پائے جاتے ہیں -

اکبر کی غزلیات :

چستی ، بندش ، روزمرہ ، سلاست ، روانی ، بے تکلفی اور اعلی تخیل اور عمدہ تشبیہات اکبر کی غزلوں کی جان ہیں ان کی نظر میں دعاوی جاہ و ثروت بے کار ہیں ، دعاوی مسرتیں

ناپائیدار اور زندگی بے حقیقت ہے -

اگرچہ اکبر کی غزلوں میں دیگر شعراء کی طرح سب ہی کچھ ہے مگر اکبر کی شہرت کا دار و مدار ان کی طنز نگاری پر ہے - جو انھوں نے قوم کی اصلاح کے لیے اختیار کیا تھا اور اسی طنز نے انھیں اپنے معاصرین میں منفرد مقام بخشا -

چھ- اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   اگر آن شاہد مغرب بدست آرد دل ما را   بچشم مست او بخشم تسبیح و مصلی را

اردو   اس مس پہ کیوں میں سوا ہو فریفتہ   کالج میں جی ہیں ہے میں لندن کے مال کا

فارسی کے شعر کو حافظ شیراز کے مندرجہ ذیل شعر میں تصرف کر کے اپنے رنگ میں پیش کیا ہے - حافظ کا شعر یہ ہے :

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

حافظ شیرازی کا شعر محض تفنن طبع پر مبنی ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس شعر میں حافظ صاحب نے اپنی آزادہ روی اور شان بے نیازی کا اظہار کیا ہے - لیکن اکبر کا شعر نہ تو تفنن طبع کا نتیجہ ہے اور نہ اس کے ذریعہ کسی شان بے نیازی و استغنا وغیرہ کا اظہار مقصود ہے بلکہ یہ شعر ان کے رنگ خاص کا آئینہ دار ہے -

اکبر نے قوم کی اخلاقی اصلاح کے لیے جو نیا انداز سخن اختیار کیا تھا وہ یہ تھا کہ وعظ و تعریض یا مزاح کے ذریعہ بہت بڑی اخلاقی کمزوری کی نشاندہی کر کے لوگوں کو غیرت دلانے کی کوشش کرتے ہیں - اور ایسا حسین انداز ہے کہ پڑھنے والا اول لطف لیتا ہے لیکن جب بنظر غائر دیکھتا ہے تو اس میں احساس ندامت پیدا ہوتا ہے - یہاں ان کا منشا یہ ہے کہ قوم کی حالت اس درجہ خراب ہوگئی ہے کہ ان کی حالت پر اغیار بھی ہنستے ہیں، لہذا اغیار کو ہنستے ہوئے دیکھ کر تو ان کو اپنے حال پر رونا چاہئے - مگر افسوس کہ قوم نے اکبر کی شاعری سے محض تفریح طبع کا کام لیا -

اب اکبر کے اسی شعر کو ملاحظہ فرمائیے بظاہر تو اس شعر کو پڑھتے ہی سامعین میں قہقہہ بلند ہوجائے گا لیکن شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کا یہ حال ہوگیا ہے کہ اگر انگریزوں کی کسی پر نظر عنایت ہوجاتی ہے تو وہ اپنی مسلمانی کو خیرباد کہہ کر اس کے اشارہ چشم و ابرو پر ناچنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہے -

اردو کے شعر میں بھی تقریباً اسی قسم کی بات کہی گئی ہے - مس سے مراد تہذیب مغرب ہے اور میرے سوا کا اشارہ مسلمان کی طرف ہے - یعنی تہذیب مغرب پر جیسے مسلمان فریفتہ ہوئے ہیں اور کوئی مشکل ہی سے ہوا ہوگا - لندن کے مال (تہذیب حاضر) کا گاہک سب سے زیادہ مسلمان ہی تو ہے - چناں چہ انگریز کے دور حکومت میں مسلمانوں کی حالت اس بات پر گواہ ہے -

دونوں اشعار اکبر کے رنگ کا بہترین نمونہ ہیں اور دونوں میں اکبر نے تہذیب مغرب سے باز رہنے کی طرف موثر پیرائے میں اشارہ کیا ہے - دونوں اشعار اس اعتبار سے بہترین اشعار ہیں لیکن فارسی کا شعر اس اعتبار سے کہ حافظ شیراز جیسے زبردست شاعر کے شعر میں تصرف کر کے جو بات پیدا کی ہے وہ اکبر ہی کا کام ہے - فارسی کا شعر زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے بھی خوب ہے اس لیے اسے اردو کے شعر پر ترجیح دی جاسکتی ہے -

====XXX====

فارسی یک ساعت حضوری او این چنین گذشت من عجز بودم اوهمه ناز و غرور بود

اردو ہم ان کی خوشی کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے

لیکن وہ جفاؤں کے سوا کچھ نہیں کرتے

فارسی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو ساری عمر میں لے دے کے دوست کی ایک گھڑی کی حضوری نصیب ہوئی تھی - لیکن یہ ایک گھڑی بھی اس طرح گزر گئی کہ عاشق ہمہ تن عجز بنا رہا اور وہ پیکر ناز و غرور بنے رہے -

شعر زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اہل زبان کا شعر ہے - اس کے علاوہ وہ تغزل کا رنگ نہایت کام یاب اور موثر انداز میں موجود ہے -

اردو کے شعر میں اپنی وفاؤں کا دوست کی جفاؤں سے مقابلہ کیا ہے - فرماتے ہیں ہمارا یہ حال ہے کہ ہم خوشنودی دوست کے لیے سب کچھ کرتے ہیں اور کسی بات سے دریغ نہیں کرتے، لیکن دوست کا یہ حال ہے کہ وہ بس جفائیں کرنا ہی جانتا ہے -

دونوں شعر اپنے اپنے رنگ میں بہت خوب ہیں - رنگ تغزل پوری دل کشی اور دل آویزی لیے ہوئے ہے اور ان دونوں اشعار میں اکبر کا رنگ خاص یہ ہے کہ کسی انگریز افسر کے حضور میں مسلمان کا باریاب ہونا ہی اول تو بہت مشکل ہے ، اور اگر باریابی کا موقع مل بھی جاتا ہے تو ایک ہندوستانی سراپا عجز اس کے سامنے ہوتا ہے پھر بھی اس کے ناز و غرور میں کوئی فرق نہیں آتا -

اردو کے شعر کا مطلب اس رنگ کے اعتبار سے یہ ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں نے حکومت برطانیہ کے ساتھ وفاداری میں کوئی کمی بھی نہیں کی مگر اس نے ہمیشہ مسلمانوں ہی کو اپنی جفاؤں کا نشانہ بنائے رکھا -

===XXX====

فارسی سوز عشق روے تو دارم بہ این کم مایگی اختری ہستم کہ پنہاں کردہ در دل آفتاب

اردو اٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کے لیے یاد تیری مل گئی ہے ہمنشینی کے لیے

فارسی کے شعر میں عشق یار کے مقابلہ میں اپنی کم مایگی کا اظہار کیا ہے - اور دوسرا مصرع بطور تمثیل کے کہا ہے - فرماتے ہیں کہ باوجود اپنی کم مایگی کے میرا حوصلہ دیکھنے کے قابل ہے کہ میں عشق روئے یار کا سوز اپنے دل میں رکھتا ہوں گویا ستارہ ہوتے ہوئے اپنے دل آفتاب کو چھپائے ہوئے ہوں -

اردو میں دوست کی یاد کو دنیا کی ہر چیز سے بہتر و افضل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب دوست کی یاد ہماری ہمنشینی کے لیے کافی ہے تو اب ہمیں دنیا سے کیا سروکار - دوست کی یاد کے ساتھ ہم نے گوشہ عزلت اختیار کرلیا ہے اور دنیا سے بے نیاز ہوگیے ہیں - دونوں شعر اپنے اپنے رنگ میں انتخاب ہیں لیکن کئی وجہ سے فارسی کا شعر قابل ترجیح ہے -

=====XXX====

ذیل میں مزید چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی — اے گدایان خرابات خدا یار شماست — چشم انعام مدارید ز انعامے چند

اردو — ہوئے مطلوب جسے زاد رہ منزل فقر — گرہ صبر میں وہ نقد توکل باندھے

===XXX====

فارسی — الوداع اے ساقی مے خانۂ طول امل — اے سرور بادۂ امید فردا الوداع

اردو — آگیا وقت اجل اے شوق دنیا الوداع — الوداع اے حسرت دل اے تمنا الوداع

====XXX====

فارسی
الوداع اے عالم نیرنگی باغ جہاں — اے نگاہ دیدۂ محو تماشا الوداع

اردو — عازم ملک عدم ہے اکبر خونیں جگر — الوداع اے صبر اے بزم احبا الوداع

===XXX====

فارسی — می گفت دوش قصۂ شوقت زبان دل — ہر حرف او حکایت موسی و طور بود

اردو — کوئی کیا سمجھے الطاف خفی انظار جاناں کے

یہ رمز لن ترانی حضرت موسی سمجھتے ہیں

====XXX====

فارسی — آفریں اکبر برین روشن بیانی ہائے تو — شعر می خوانی و می تابد بہ محفل آفتاب

اردو — گلشن دہر میں اکبر کا کلام رنگین — کھل گیا گل کی طرح پھیل گیا بو کی طرح

====XXX====

فارسی — ہر سپہر معنی روشن چراغے سحر کرد — ارمغاں آورد اکبر سوئے محفل آفتاب

اردو — ذوق معنی ہو تو اے اکبر نظر آگے بڑھا — عالم دہر تو ہے لوح کتاب روئے دوست

====XXX====

فارسی — شوقم آمادہ و دل مائل و قاتل بہ کمیں — اندریں وقت زہے صبر من ہیچ مپرس

اردو — یہ سر یہ جمال یہ جادو بھری نگہ — پھر اس پہ واعظوں کا یہ کہنا کہ باز رہ

====XXX====

فارسی   آخر فصل بہار است و دم رخصت گل   دیگر از حسرت مرغان چمن ہیچ مپرس

اردو   وہ رشک گل دہ ہواہم سے ہم کنار افسوس   بہار ہر خزاں ہوگئی ہزار افسوس

====XXX====

فارسی   غم ہجر توجہ کردہ است بمن ہیچ مپرس   گریہ می آیدم از رنج و محن ہیچ مپرس

اردو   محفل عشرت اغیار میں رہتے ہیں حضور   حال غم دیدۂ ہجراں کی خبر ہوکیوں کر

===XXX===

فارسی   چیزی کہ بہ عشق او می رقصد و می سوزد   دل ہست کہ درپہلوی رقصد ومی سوزد

اردو   شعلہ رویوں میں گھومیں سوختہ دل   آنچ لگتی رہے کباب کے گرد

====XXX====

فارسی   ہر شمع بیاد او می گرید و می کاہد   ہرشعلہ بہ شوق اوی رقصد و می سوزد

اردو   زمیں پر شمع روشن ہے فلک پر ماہ تاباں ہے

تمہارے نور سے ہیں فیضیاب ادنی سے اعلی تک

===XXX====

فارسی   پرتو صورت شود اعجاز ، ہنگام شنا   قطرہ قطرہ گشت در داماں (1) ساحل آفتاب

اردو   قطرہ قطرہ میں ہوتی وسعت دریا پیدا   ذرہ ذرہ صفت مہر جہاں تاب ہوا

===XXX====

فارسی   جوش زد چوں پرتو نور رخت اے بحر حسن   درافق گم گشت مثل موج ساحل آفتاب

اردو   تو ہے وہ برق تجلی کہ ترا نقش قدم   روکش آئینہ مہر جہاں تاب ہوا

====XXX===

فارسی
در شمع چوں بیند نوری زرخ خوبت   پروانہ بگرد اوی رقصد و می سوزد

اردو   شمع رخ روشن کا وہ جلوہ تو دکھائیں   ہے حوصلہ بھی صورت پروانہ کسی کا

===XXX===

---

(1)   اصل نسخہ میں " داماں ساحل " کی جگہ " دامن ساحل " لکھا ہے -

فارسی گمان مبرکہ ستم کردی و وفا نہ کنم   بیا بیا کہ ہمان شوق و آرزو باقی است

اردو روز افزوں خوصحبت وہ ملاقات اچھی   شوق ملنے کا بڑھاتی ہے وہ بات ، اچھی

===XXX====

فارسی فدائے صورت زیبا رخے کہ فانی نیست   نثار حسن حسینے کہ حسن او باقی است

اردو دلا کیونکر میں اس رخسار روشن کے مقابل ہوں

جیسے خورشید محشر دیکھ کر کہتا ہے میں تل ہوں

===XXX====

فارسی بہ حسن فانی دنیا مبند دل اکبر   فنا شود در رہ آن کس کہ نام اور باقی است

اردو وہ بے خبر ہے غلغلہ کائنات سے   جس کی کہ لو لگی ہے فقط تیری ذات سے

====XXX===

فارسی غیرت دین بفروشند بہ یک غمزۂ کفر   چشم پوشند زملت پئے خودکامے چند

اردو قاضی و مفتی ہیں غرق بادہ مستی و کبر   قوم کا ضعف اور حب جاہ جوچاہے کرے

====XXXX====

فارسی ملحدان را ہمہ اوصاف و ثنا ہا خواہند   مومنان را بخراشند بہ دشنامے چند

اردو سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے   وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

====XXX====

فارسی گفتمش تارک مذہب شوم و خوش باشم   منصبے چند ہوس دارم و انعامے چند

اردو نئی تہذیب سے ساقی نے ایسی گرم جوشی کی

کہ آخر مسلموں میں روح پھونکی بادہ نوشی کی

===XXX====

فارسی خلق را فائدہ نیست ازیں جنگ و جدال   یک دو ماہست دریں محفل و دشنامے چند

اردو رعایا کو مناسب ہے کہ باہم دوستی رکھیں   حماقت حاکموں سے ہے توقع گرم جوشی کی

====XXX====

فارسی گفت خاموش که دین است مدار ملت ترک این راه مکن از پئے خود کامے چند

اردو شکست رنگ مذہب کا اثر دیکھیں نشے مرشد مسلمانوں میں کثرت ہو رہی ہے بادہ نوشی کی

===XXX====

فارسی مگو از لعل جانی و بہ بین لخت دلم اشک من بنگرو از در عدن هیچ مپرس

اردو ہجر میں دانتوں کے گریباں جو میں بیتاب ہوا

اشک جو آنکھوں سے نکلا در نایاب ہوا

===XXX===

فارسی همه اول تو دیدم همه آخر تو دیدم چه خوش است شرح احوال و بیان راز کردن

اردو تیرے جلوے سے ہوا حسن ظہور ایجاد نور تیرا سبب عالم اسباب ہوا

===XXX====

فارسی نظرے شد چشم بہ حقارتے بپوش که حرام باد دستے شوئے تو دراز کردن

اردو خوشی سے ماسوا پر آپ قبضہ کیجئے اپنا مری تسکین دل کے واسطے اللہ کافی ہے

====XXX====

فارسی خادم خاص از پئے آوردنت رفته به ریل نصف شب در انتظارت دیده بر درد وختم

اردو ایک عالم منتظر ہے بس اٹھیے اب نقاب کیجئے برپا قیامت لن ترانی ہو چکی

===XXX====

فارسی چون شنیدم فسخ کردی عزم و رفتی بہ دریغ شمع را خاموش کردم خود سراپا سوختم

اردو یہ حسن و عشق ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر

مزاج ان کا نہیں ملتا، ہمارا دل نہیں ملتا

====XXX====

فارسی تا چند پرسی اے خرد این از کجا وین از کجا

تو از کجائی این بگو تا گویمت وین از کجا

اردو عالم فطرت یہ ہے معنی نظر بھی اے حکیم فرق یہ ہے تجھ کو عقل آئی مجھے حال آگیا

====XXX====

قریب المفہوم دونوں زبانوں کی دو رباعیاں بھی ملاحظہ ہوں :

فارسی رباعی :

کس نیست که در بیشه شکاری بکند　　تیغ گیرد یکے و فتح دیارے بکند
این زمان همت مردان به همین محدود ست　　زنے از پردہ برون آید و کارے بکند

=====XXX=====

اردو رباعی :

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں　　حسن عمل کے دل میں وہ ارمان ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال　　پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں

========

اصغر گونڈوی ، اصغر حسین :

اردو زبان کے مایۂ ناز شاعر اصغر حسین اصغر کا آبائی وطن گورکھپور ہے - ان کے والد گنگ گونڈہ میں قانون گو کے عہدہ پر فائز تھے ، اصغر حسین کی ولادت یکم مارچ ، ۱۸۸۴ء مطابق ۱۳۰۱ھ (۱) میں ہوئی - تعلیم کے میدان میں قدم شد و مد کے ساتھ قدم رکھا ، ابھی انٹر کے امتحان کی تیاریوں ہی میں مصروف تھے کہ نامساعد حالات کا شکار ہوگئے اور مجبوراً تعلیم کو خیرباد کہنا پڑا - عربی فارسی کی غیر معمولی صلاحیت ان کے ذاتی مطالعہ کا نتیجہ ہے -

قدرت نے حضرت اصغر کو شاعری کی فطری صلاحیت عطا کی تھی ، اور جن لوگوں کی فطرت میں سخن سنجی کا مادہ قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے ان سے اوائل عمر ہی میں شعر گوئی کا ظہور ہوجاتا ہے ، عقل سلیم ان کے استاد اول کی حیثیت رکھتی ہے - ایسے ذہین اور طباع لوگوں کے لیے استاد کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی - ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسا

---

(۱)　اصغر گونڈوی ، " نشاط روح " لاہور: ملک بک ڈپو ، ۶/ اکتوبر ، ۱۹۵۳ء ، ص ۶

شخص، کامل استاد کی وساطت سے جلد ہی اسلوب بیان، محاسن کلام ، معائب زبان اور شعر و سخن کے دیگر نکات سے کماحقہ باخبر ہوجاتا ہے ، پھر اس کا سمند تیز رفتار خود بخود شعر و سخن دوسری ارتقائی منازل پر گامزن ہوجاتا ہے [illegible]

عام طور پر دیکھا بھی گیا ہے کہ فطری لگاؤ اور فکر رسا رکھنے والے شعراء کو ابتدا میں تو استاد کا سہارا درکار ہوتا ہے بعد میں اپنی ذہنی کاوش اور طبعی رجحان کی مطابقت سے ان کا ایک جدا انداز پیدا ہوجاتا ہے - پھر بھی ان کی تمام تر ترقی استاد کی مرہون منت ہوتی ہے کیوں کہ استاد اس ترقی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ، یہی کچھ کیفیت اصغر کی ہے -

اصغر نے اپنا ابتدائی کلام منشی خلیل احمد وجد بلگرامی کو دکھایا ، پھر منشی امیراللہ تسلیم سے اصلاح لی- قاضی شاہ عبدالغنی منگلوری سے شرف بیعت حاصل ہوا ، جو اس وقت سہارنپور میں مقیم تھے ، اصغر پر ان کے مرشد کی صحبت کا ایسا اثر غالب ہوا کہ رنگ تصوف ان کے افکار و خیالات میں رچ بس گیا- اسی بات نے دور جدید کے شعراء میں ان کی شاعری کو طرہ امتیاز بخشا-

ڈاکٹر سوتیج بہادر سپرو " سرود زندگی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :

" شاعر کے قول و فعل میں مطابقت ہونا لازم نہیں ہے مگر ایسے شاعر بھی ہوئے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی اور اپنے کلام میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے- مولوی اصغر صاحب کی شاعری ان کی زندگی کا عکس ہے -"

" وہ اشعار جو ذہن کے سامنے ایک برکیف روحانی فضا پیدا کردیتے ہیں انھیں رومانی شاعری (Romantic Poetry) کے نام سے پکارنا بیجا نہ ہوگا- اس طرح کے اشعار ظاہر ہے کہ تخیل کی بلندی اور طرز بیان کی خوبی کے بغیر تیار ہی نہیں ہوسکتے -" (۱)

---

(۱) سپرو، سوتیج بہادر ، " سرود زندگی " کراچی: تاج کمپنی لمیٹڈ ، (س - ن) ، (مقدمہ) ، ص ۱۱

مولانا ابوالکلام آزاد اپنی آزادانہ رائے کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں :

" میں نے مجموعہ بے دلی کے ساتھ اٹھایا تھا - لیکن جب رکھا تو اس اعتراف کے ساتھ رکھا کہ اردو میں ایک ایسا شاعر موجود ہے جس کی موجودگی سے میں اس وقت تک بے خبر تھا -

میری نگاہ نکتہ چینی میں کمی نہیں کرتی، میں معیار کی پستی پر کسی طرح اپنے آپ کو راضی نہیں کرتا - اہل سخن کو مجھ سے خوش گمانی کی نہیں بدگمانی کی شکایت ہے -

ان سطور کی نگارش سے مقصود انتقاد و تبصرہ نہیں ہے - اس کام کے لیے اور لوگ موجود ہیں - مقصود یہ تھا کہ اپنا تاثر ظاہر کروں - محاسن کا حق ہے ان کی شہادت دی جائے - میں نے اصغر صاحب کے کلام میں حسن و خوبی پائی میرا فرض تھا کہ اس کی شہادت دوں -" (۱)

" نشاط روح " یعنی ان کے پہلے مجموعہ کلام کی اشاعت پر جن ناقدین نے سخت تنقیدیں کی تھیں، اصغر صاحب پر ان کا جواب دینا لازمی ہوگیا تھا، اصغر صاحب نے " سرود زندگی " میں جس خوش اسلوبی اور فراخ دلی سے جواب تحریر کیا ہے اس سے ان کی بصیرت افروز نکتہ سنجی اور منکسرالمزاجی کی عکاسی ہوتی ہے - فرماتے ہیں :

" ایک چیز کو کچھ لوگ پسند کرتے ہیں کچھ ناپسند ، اور اس میں وہ قطعاً معذور بھی ہوتے ہیں - اس لیے کہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا دار و مدار اکثر طبائع کی مناسبت اور عدم مناسبت پر ہے - اس کے لیے بحث ، دلیل ، انتقاد جوچاہے لفظ استعمال فرمائیے مگر یہ سب نام مناسبت اور عدم مناسبت کی توضیح کا اور بس -" (۲)

بہر حال یہ کہا جاسکتا ہے : " نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول "

اصغر نہایت خلیق، منکسرالمزاج ، متواضع ، متقی اور پرہیزگار انسان تھے - اصغر کچھ

---

(۱) ابوالکلام آزاد ، " سرود زندگی " کراچی : تاج کمپنی لمیٹڈ (س - ن) ، صص ۲۲-۱۷

(۲) اصغر گونڈوی ، " سرود زندگی " کراچی : تاج کمپنی لمیٹڈ (س - ن) ، ص ۲

عرصہ ہندوستانی اکیڈمی میں رسالہ " ہندوستانی" کے ایڈیٹر بھی رہے -
۱۹۳۶ء / ۱۳۵۵ھ کو اس دار فانی سے رہی ملک بقا ہوئے -

خصوصیات کلام :

اصغر تلامذہ مومن میں شمار ہوتے ہیں اور غالب کے مقلد ہیں اس لیے انہوں نے ان باکمال اساتذہ سے پورا پورا استفادہ کیا ہے - ساتھ ہی ان اساتذہ کے انداز تغزل کو برقرار رکھا ہے - تغزل میں تصوف کی چاشنی نے کلام کے حسن کو دو آتشہ بنادیا ہے - معبود رد کی طرح ان کا محبوب بھی معبود حقیقی ہے - ان کے کلام میں درد بھی ہے اور سوز بھی - مرزا غالب سے اصغر نے نکتہ آفرینی اور تخیل کی بلندی سیکھی اسی لیے ان کی طبیعت میں دشوار پسندی پائی جاتی ہے - ظاہر ہے ایسے اشعار سے صرف خواص ہی حظ اٹھا سکتے ہیں کیوں کہ وہ عوامی سطح سے بہت بلند ہوتے ہیں اسی بنا پر ان کا علم فہم ہونا بھی ضروری ہے ہیں اور فارسی کلام میں بھی غالب کی سی نکتہ آفرینی پائی جاتی ہے -

تخیل کی پرواز اور انداز بیان کسی جگہ علامہ اقبال سے ملتا جلتا ہے - فرماتے ہیں :

یہاں کوتاہی ذوق عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

ایک جگہ فرماتے ہیں :

کچھ آگ دی ہوس میں تو تعمیر عشق کی
جب خاک کردیا اسے عرفاں بنادیا

ایک اور شعر ملاحظہ ہو :

پردۂ فطرت میں میری اک نوائے راز ہے
ذرہ ذرہ اس جہاں کا گوش بر آواز ہے

ایک شعر اور سنئے :

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو
پیکر عمل بن کر غیب کی صدا ہوجا

اصغر کے کلام کے دو مجموعے شائع ہوچکے ہیں ایک " نشاط روح " دوسرا " سرود زندگی" دونوں مجموعے اگرچہ مختصر ہیں لیکن اس اختصار میں بلند ترین شاعری کے اعلیٰ نمونے موجود ہیں۔ وہ بہت کم گو شاعر تھے اور اسی کم گوئی میں ان کی بلند خیالی کا راز مضمر ہے - ان کا قول تھا کہ " پرگوئی کے معنی میرے لغت میں ہیں رطب و یابس سے کلام کو بھردینا دو چار شعر اس رنگ کے کہنا دوچار اس رنگ کے ، کچھ ادھر کے کچھ ادھر کے غرض چشم زدن میں لمبی چوڑی غزل تو تیار کردینا لیکن خود اپنا رنگ کچھ نہ ہونا ۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصغر نہایت کاوش سے شعر کہتے تھے اور وہی کہتے تھے جو کہنا چاہتے تھے - اور یہ حقیقت ہے کہ ان کے کلام میں جس قدر ہمواری اور یک رنگی ہے وہ اور کہیں نہیں ملتی -

شعرائے ماضی و حال سے اصغر کو صرف اس قدر تعلق ہے کہ یہ بھی ان کی طرح غزل گو ہیں - اس کے سوا اصغر کے کلام میں نہ کسی کی تقلید نظر آتی ہے اور نہ تتبع بلکہ آپ کی انفرادیت آپ کو سب سے ممتاز بنادیتی ہے - ایہ یہی اجتہادی اور غیر تقلیدی رنگ اصغر کے فطری شاعر ہونے کی دلیل ہے -

اصغر کی زبان اور انداز بیان میں لطافت اور جدت پائی جاتی ہے - آپ کا کلام زبان کی متانت اور سنجیدگی اور انداز بیان کی شگفتگی اور رنگینی سے امتزاج پاکر نہایت دل آویز اور ندرت کا حامل ہوگیا ہے - تاثیر شعری اصغر کے کلام میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے - تشبیہہ و استعارات کا استعمال بھی ہے لیکن اصغر کی تشبیہوں میں ندرت اور استعارات میں اچھوتا پن پایا جاتا ہے -

اصغر کے کلام پر فارسیت غالب نظر آتی ہے - تاہم آپ کی زبان میں صفائی اور برجستگی موجود ہے -

خیالات و جذبات میں جوش و صداقت بھی بدرجہ احسن موجود ہے - فرسودہ جذبات اور فرسودہ خیالات کی سطح سے گذر کر اصغر کی نظر لطیف حقائق و معارف تک پہنچتی ہے - فلسفہ و تصوف کے خشک مسائل کو بھی اصغر نے جس رنگینی اور شعریت کے پیرائے میں بیان کیا ہے

وہ انھیں کا حصہ ہے ۔ اصغر کے کلام میں جوش ترنم ، سکون ، اضطراب ، سرمستی اور بیخودی کے امتزاج سے ایک ایسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے کہ سامعین و قارئین کے دل و دماغ پر کیف و سرور میں وجد کی حالت طاری ہوجاتی ہے ۔ گویا اصغر کے حکیمانہ خیالات میں اتحاد کی یک رنگی پائی جاتی ہے ۔ فلسفہ اضافیت کو جس جس انداز سے آپ نے بیان کیا ہے اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی ۔ مثال کے طور پر محض حسن و عشق کو لیجئے اصغر کے نزدیک حسن و عشق کا کوئی علیحدہ اور مستقل وجود نہیں بلکہ ایک کا وجود دوسرے کے وجود کا مرہون منت ہے ۔ عام زبان میں اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ عاشق میں جس درجہ کا ذوق نظر ہے معشوق میں اسی درجہ کا حسن جلوہ گر ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

ہاں وادی ایمن کے معلوم ہیں سب قصے
موسی نے فقط اپنا ایک ذوق نظر دیکھا
وہ عشق کی عظمت سے شاید نہیں واقف ہیں
سو حسن کریں پیدا ایک ایک نظر سے

===xxx====

چند اردو فارسی اشعار کا تقابلی مطالعہ :

فارسی ز لا تسخیر کردم این جہان ماہ و انجم را
ز جوش بندگی پروردگاری کردہ ام پیدا

اردو حسن ہزار طرز کا ایک جہان اسیر ہے ملحد باضمیر بھی گم جلوۂ "لا الہ" میں

دونوں اشعار میں " لا الہ اللہ " کی تفسیر شاعرانہ انداز میں کی ہے ۔ لا الہ اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے ماسوا اللہ کی بالکل نفی کردی جائے اس کے بعد اللہ تعالی کی الوہیت کا اقرار کیا جائے ۔

فارسی کے شعر میں ماسوا اللہ کی نفی کردینے کو جہان ماہ و انجم کی تسخیر سے تعبیر کیا ہے ۔ کیوں کہ اگر نفی ماسوا اللہ نہ کی جائے تو انسان کائنات کی کسی نہ کسی شے کے آگے اپنے سرجھکاسکتا ہے ۔ لیکن جس وقت نفی ماسوا للہ میں اس نے کمال پیدا کرلیا تو گو یا وہ

ماسوا اللہ پر غالب آگیا۔

فارسی کے دوسرے مصرع میں " الا اللہ " کی تفسیر کی ہے - کہ جب میں نے نفی ماسوا اللہ میں کمال پیدا کرلیا تو پھر اللہ کے سامنے جوش بندگی کے ساتھ سرجھکادیا۔ گویا اب میں صحیح معنی میں اللہ کا بندہ ہوں اور میں نے اپنے پروردگار کو پالیا ہے -

اصغر گونڈوی نے لا الہ اللہ کی تفسیر جس طرفہ انداز میں کی ہے اور اس میں جو شاعرانہ لطافت پیدا کی ہے یہ انھیں کا حق تھا -

اردو کے شعر میں الوھیت باری تعالی کو ایک اور ہی انداز سے بیان کیا ہے - اور اس انداز میں تغزل اور شعریت کا ایسا رنگ پیدا کیا ہے کہ نہایت ادق اور مشکل مضمون بالکل آسان اور دل نشین ہوگیا ہے - فرماتے ہیں کہ اس محبوب حقیقی کے حسن ہزار طرز کا تو سارا جہان ہی اسیر ہے - کوئی شعوری طور پر اور کوئی غیر شعوری طور پر حتی کہ ملحد باخبر بھی جلوہ " لا الہ اللہ " میں کھویا ہوا ہے - اس شعر میں ملحد باخبر طنزاً کہا گیا ہے یعنی جس کو اپنی عقل استدلالی پر بڑا ناز ہے -

جلوۂ لا الہ اللہ میں گم ہونے سے یہ لطیف اشارہ ہے کہ اس کے جلوے کی فراوانی بلکہ " کل یوم ھو فی شان [1] " کے پیش نظر ہر آن ایک نئی شان سے جلوہ نما ہونے کی وجہ سے ملحد بھی " لا الہ " کہہ اٹھا اور بجائے جلوہ کرنے والے کے اس کے جلووں میں کھوگیا۔

اس بات کو نہایت لطیف شاعرانہ استدلال سے جلووں میں کھوجانے کو اسی کی طرف متوجہ ہونے سے تعبیر کیا ہے - اس لیے کہ مدح مصنوع حقیقت میں مدح صانع ہوتی ہے - یعنی اگر کوئی شخص کسی صنعت کی تعریف کر رہا ہے یا اس صنعت کا فریفتہ ہے تو حقیقیں وہ اس صنعت کے بنانے والے کی تعریف کر رہا ہے اور اسی پر فریفتہ ہے یہ دوسری بات ہے کہ خود اس کو اس بات کا شعور نہ ہو اس تمام مطلب کو نظر میں رکھتے ہوئے اب ملحد باخبر کی لطافت کا اندازہ کیجئے -

---

(۱) قرآن کریم ، پارہ ۲۷، سورہ الرحمن ، رکوع ۲

دونوں شعر اپنے اپنے مخصوص انداز میں نہایت بلند پایہ شعر ہیں -

====xxx====

فارسی   جہان مضطرب را پرسکون دانی ؟ نمی دانی

جہان در بے قراری ها قرار کرده ام پیدا

اردو   یہاں تو عمر گزری ہے اسی موج و تلاطم میں

وہ کوئی اور ہوں گے سیرساحل دیکھنے والے

دونوں اشعار میں اضطراب اور بے قراری کو وجہ زندگی قرار دیا ہے - مگر شاعرانہ توجیہہ اور تخیل نے دونوں اشعار کو نہایت پر لطافت اور پرکشش بنادیا ہے اور انداز بیان میں ایک خاص قسم کی ندرت بھی پیدا ہوگئی ہے -

فارسی کے شعر میں مخاطب سے کہتا ہے کہ میں ہمہ تن جہان اضطراب ہوں- لیکن تونے جہان مضطرب کو پرسکون سمجھ لیا ہے یہ تیری نادانی ہے - اس لیے کہ تو اس بات سے بالکل بے خبر ہے کہ میں نے باوجود ہزار بے قراریوں کے اپنے اندر قرار کیوں کر پیدا کیا ہے - کیوں کہ یہ عشق و محبت کی وہ لطیف باتیں ہیں جو اے مخاطب تیری سمجھ سے باہر ہیں -

فارسی کے شعر میں "جہان در بے قراری ها قرار کرده ام پیدا" بالکل نئی بات ہے جس سے مذاق سلیم ہی لطف اندوز ہوسکتا ہے -

اردو کے شعر میں اسی بات کو ایک دوسرے پیرائے میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہماری تمام عمر تو موج و تلاطم ہی میں گذر گئی - ہم نے ساحل کی کبھی صورت بھی نہیں دیکھی وہ اور لوگ ہوں گے جو سیر ساحل ہی کے نظارے سے مطمئن ہوجاتے ہوں گے - یعنی ہم حوادث و آلام اور ابتلا و آزمائش ہی کو اپنی زندگی سمجھتے ہیں اس لیے ہم کو آرام و آسائش اور بزم آرائی وغیرہ سے کیا سروکار ہے -

====xxx====

فارسی   تو در قید جہان پابستہ و صد شکوہ سنجی ہا

من از ہر ذرہ سازی کردہ راہی کردہ ام پیدا

اردو   بنالیتا ہے موج خون دل سے اک جہان اپنا

وہ پابند قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

دونوں اشعار میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ زندہ دل لوگ ہر حال میں خوش رہتے ہیں اور ناساز گار حالات کو بھی اپنے لیے سازگار بنالیتے ہیں اور زبان عشق میں ایسے ہی لوگ آزاد کہلاتے ہیں -

فارسی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے شخص، تو قید جہان میں پابند ہے اور سیکڑوں شکوے کر رہا ہے ۔ مطلب یہ کہ نہ تو قید جہان سے نکلتا ہے اور نہ شکوہ سنجی ہی ترک کرتا ہے- مجھے دیکھو کہ میں نے اس عالم امکان کے ذرے ذرے سے تعلق پیدا کرنے کے باوجود اپنے آپ کو ہرچیز سے باہر نکالنے کا راستہ بھی پیدا کرلیا ہے یعنی میں سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی سب سے آزاد و بے نیاز ہوں -

اردو کے شعر میں اسی بات کو اس لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے کہ جو شخص فطرتاً آزاد ہوتا ہے وہ قفس کے اندر بھی موج خون دل سے اپنے لیے چمن پیدا کرلیتا ہے - یعنی مصائب و آلام اور حوادث میں گرفتار رہ کر بھی خوش رہتا ہے -

دونوں شعر طرفگی و ندرت اور انداز بیان کی دل کشی و جاذبیت کے اعتبار سے لا جواب ہیں -

====XXXX====

تقابلی مطالعہ کے لیے مزید اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی   چہ درد و چارۂ درد از کجا نمی دانم   منے کہ خود بہ رگ خویش نیشتر دارم

اردو   کیا درد ہجر اور یہ کیا لذت وصال   اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر مجھے

=====XXX======

فارسی

فارسی　جہانے راتپش بخشم، جہانے را بوجد آرم　درین خاکستری حسن شرارے کردہ ام پیدا

اردو　اک برق تھی ضمیر میں فطرت کے موجزن　آج اس کو حسن و عشق کا سامان بنا دیا

====XXX=====

فارسی　لبے روحانیان را درکمند شوق آوردم　بہ اوج عرش اعلی هم شکارے کردہ ام پیدا

اردو　فرشتوں نے وہاں پر حرز جاں اس کو بنایا ہے

فراز عرش پر تیرا ہی کچھ نقش کف پا ہے

===XXX=====

فارسی　ز فیض ذوق رنگین صد بہارے کردہ ام پیدا　ز خون دل کہ می جوشد نگارے کردہ ام پیدا

اردو　جوش شباب، نشۂ صہبا، ہجوم شوق　تعمیر یوں بھی کرتے ہیں فصل بہار کی

===XXX=====

فارسی　جہان دیروزہ و انجام زیست خواب دوام　بیار بادہ کہ من هم ازین خبردارم

اردو　اے کاش میں حقیقت ہستی نہ جانتا　اب لطف خواب بھی نہیں احساس خواب میں

===XXX=====

فارسی　خندہ چون شورش دل، عشوہ چو پرتا بی جان

هر ادائے کہ تو داری همہ انداز من است

اردو　نظام دہر کیا؟ پرتا بیوں کے کچھ مظاہر ہیں

گداز عشق گویا روح ہے اجزائے عالم کی

===XXX===(۱)

فارسی　اے کہ تو دریائے خوبی بے توشی بحر وجود　لاف مصوری کہ می زد قطرہ بے بود بود

اردو　حسن کرشمہ ساز کا بزم میں فیض عام ہے　جان بلا کشاں بھی آج غرق ہے موج نور میں

====XXX=====

فارسی　در حریم عشق این رمز حیات آموختند　بے زیاں سودے کہ (۲) من می خواستم بے سود بود

اردو　اسی سے دل اسی سے زندگی دل سمجھتے ہیں　مگر حاصل سے بڑھکر سعی بے حاصل سمجھتے ہیں

---

(۱)　اصل نسخہ میں "بے تو شی" کی جگہ "بے توشی" لکھا ہوا ہے -

(۲)　اصل نسخہ میں "کہ من می خواستم" کی جگہ "کہ می خواستم" لکھا ہے -

فارسی   جمال لالہ و گل را ہزاران رنگہا بخشم   ز فیض جلوۂ حسنت نگاہے کردہ ام پیدا

اردو   کھل گیا رنگ حسینان کھل گیا رنگ چمن   کچھ کم اتنا نظر میں حسن پیدا کیجئے

===XXX=====

فارسی   تو در قید جہان پابستہ و صد شکوہ سنجی   من از ہر ذرّہ سازی گردِ راہی کردہ ام پیدا

اردو   بنا لیتا ہے موج خون دل سے اک چمن اپنا

وہ پابند قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

====XXX====

فارسی   ہر صدائے کہ بمن می رسد (۱) از سازمن است   اندرین گنبد ہستی ہمہ آواز من است

اردو   نالۂ دل خراش میں آہ جگر گداز میں   کون ستم طراز ہے پردۂ سوز و ساز میں

====XXX=====

فارسی   بیاکہ سوختن و گم شدن بیاموزم   درین سرائے فنا فرصت شرر دارم

اردو   تڑپتا ہے نہ جلتا ہے، نہ جل کر خاک ہوتا ہے

یہ کیوں سوتی ہوئی ہے فطرت پروانہ برسوں سے

====XXX====

فارسی   بہ پہلوئے مہ و انجم بساط آرایم   قلندرا نہ گہے عزم صد سفر دارم

اردو   لذت جوش طلب ذوق تکاپوئے دوام   ورنہ ہم شوریدگان شوق کی منزل کہاں

===XXX====

فارسی   ہزار عشوۂ رنگین ہزار باریکی   غمے مخور کہ بہ پہلو دلے دگر دارم

اردو   جانبازوں کے سینے میں ابھی اور بھی دل ہیں   پھر دیکھئے اک بار محبت کی نظر سے

====XXX====

---

(۱)   اصل نسخہ میں "بمن می رسد" کی جگہ "بمن رسد" درج ہے -

فارسی   شورش عشق و نوائے آتشیں حسن بتان   زندگی جائے کہ می دیدم همان[(۱)] موجود بود

اردو   نظارۂ پر شوق کا اک نام ہے جینا   مرنا اسے کہیے کہ گذرتے ہیں ادھر سے

====XXX====

فارسی   بلی تہی[(۲)] از جلوۂ حسنت جہان یکسر می شد

بیا اکنون کہ خود را پردہ داری کردہ ام پیدا

اردو   جلوہ ترا اب تک ہے جہاں چشم بشر سے   ہر ایک نے دیکھا ہے تجھے اپنی نظر سے

====XXX====

فارسی   مرا بس است کہ رنگینی نظر دارم   بگیر عالم خود ، عالم دگر دارم

اردو   جلوۂ ذوق پرستش گرمی حسن نیاز   ورنہ کچھ کعبہ میں رکھا ہے نہ بت خانے میں ہے

===XXX====

فارسی   مرا کرشمۂ ساقی چو یاد می آید   هزار برق بہ خونخانۂ جگر دارم

اردو   قلب پر اب تک تڑپتی ہے شعاع برق طور

خون کے قطروں میں اب تک رقص مضمون بھی ہے

00000000000

حسرت موہانی ، سید فضل الحسن :

سید فضل الحسن ابن سید اظہر حسن ۱۸۷۸ / ۱۲۹۵ھ میں اودھ کے قصبۂ موہان میں پیدا ہوئے - ان کے جد امجد سید محمود ایران کے مشہور شہر نیشاپور سے ہندوستان تشریف لائے تھے - ایک جگہ نیشا پوری نسبت کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں :

کیوں نہ ہوں اردو میں حسرت ہم نظیری کی نظیر

ہے تعلق ہم کو آخر خاک نیشاپور سے

---

(۱)   اصل نسخہ میں " همان موجود بود " کی جگہ " همون موجود بود " لکھا ہے -

(۲)   اصل نسخہ میں بلی تہی از جلوۂ حسنت " کی جگہ " بلی از جلوۂ حسنت " درج ہے -

خاندانی روایات کے مطابق پہلے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی - (۱) پھر اردو فارسی اور عربی کی تعلیم میاں جی غلام علی، سید ظہورالسلام اور مولانا حبیب الدین جیسے مشفق اساتذہ سے حاصل کی - حسرت کو جو والہانہ عقیدت اپنے اساتذہ سے تھی اس کا اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے:

وہ صورتیں نہ جانے کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

۱۸۹۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے - آزادی کے لیے جد و جہد ہو رہی تھی - ان کے ساتھیوں میں مولانا شوکت علی جیسے سیاسی لیڈر سجاد حیدر یلدرم جیسے ادیب، عبدالہادی خان وفا اور کرامت اللہ خان گستاخ جیسے قادر الکلام شاعر تھے - طالب علمی ہی کے زمانے میں حسرت کی حساس طبیعت سیاسی سرگرمیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی - سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی بنا پر کالج سے نکال دیے گیے - بی اے کا امتحان پرائیویٹ پاس کیا، کئی بار قید بامشقت کی سزا بھگتنی پڑی لیکن اس پر بھی مشق سخن جاری رہی:-

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

ان کی نظر میں مال و دولت اور جاہ و حشمت کی کوئی وقعت نہ تھی ان کی زندگی کا نصب العین آزادی کی جد و جہد اور انسانیت کی خدمت رہا اسی لیے کبھی آرام و سکون کا سانس نہیں لیا- اس راہ میں انہیں جو تکالیف پہنچیں اور جن مصائب و آلام کا سامنا ہوا، بڑی جواں مردی سے ان کا مقابلہ کیا- حتی کہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بن گیا حسرت کی دلی آرزو پوری ہوگئی - پھر بھی انہوں نے سوچا کہ میں ہندوستان رہ کر یہاں کے مسلمانوں کی زیادہ خدمت کرسکوں گا اس لیے وہ پاکستان تشریف نہیں لائے اور مسلمانان ہند کی خدمت کرتے رہے -

---

(۱) حسرت موہانی، "کلیات حسرت" کراچی: شیخ غلام علی، ۱۹۶۳ء، (پیش مقدمہ)، ص ۲

جب جوناگڈھ اور حیدرآباد پر ہندوستان نے قبضہ کیا تو حسرت نے تنہا ایوان پارلیمنٹ میں پٹیل سے کہا" تم نے وہی کام کیا جو چنگیز، ولزلی اور کلائیو نے کیا تھا - تم نے طاقتور فوجوں کے بل بوتے پر کمزور ریاستوں کی آزادی چھینی ہے - تمہاری حکومت پر خدا کی لعنت ہو-" یہ ہندوستان کے کروڑوں مظلوم عوام کی آواز بن کر گونجی اور جو دل میں آیا زبان سے کہدیا- وہ ہمیشہ سے پیکر جرات و ہمت تھے اور آخر وقت تک ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کے حامی اور شمشیر بے نیام رہے -

حسرت موہانی کا تمام خاندان مولانا عبدالرزاق صاحب فرنگی محلی کا عقیدت مند تھا- اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ ہر سال عرس میں شرکت کی غرض سے تشریف لے جاتے تھے - مولانا عبدالرزاق کے فرزند اور جانشین مولانا عبدالوہاب کے دست مبارک پر بیعت سے مشرف ہوئے - جس کا ذکر فرماتے ہیں :

کیا چیز تھی وہ مرشد وہاب کی نگاہ
حسرت کو جس نے عارف کامل بنادیا

ان کے مرشد زادے مولانا عبدالباری کی طرف سے مولانا حسرت موہانی کو سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی اجازت بھی ملی ہوئی تھی ، تاہم مریدوں کی تعداد کم ہے -

وہ اس بات کے قائل تھے کہ شریعت و طریقت ، اسلام اور سیاست لازم و ملزوم ہیں اسی لیے ان کی شاعری سیاست و تصوف کا مرقع اور تصوف کی زندگی کی روح رواں رہی - تصوف ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی تھا ، اُس نے حسرت کو بے پناہ جرات و بہادری ، ایثار و قربانی اور خدمت انسانی کے جذبات سے سرشار کردیا تھا - وہ موت تک کو معراج زندگی سمجھتے تھے جو مومن کی شان ہے :

نہ پاسکتے تھے ہم پابند رہ کر قید ہستی میں
سو ہم نے بے نشاں ہوکر تجھے اے بے نشاں پایا

۱۳/ مئی، ۱۹۵۱ء مطابق ۱۳۷۰ھ کو حسرت موہانی واصل بحق ہوگیے -

خصوصیات :

مولانا حسرت اردو غزل میں اپنے وقت کے امام سمجھے جاتے ہیں - ان کا کلام تصنع اور بناوٹ سے پاک ہے - وہ حقیقی حالات و واقعات ، دلی کیفیات اور قلبی واردات کو حسن و خوبی بیان کردینے میں کمال رکھتے تھے - اس درجہ قادرالکلام تھے کہ غزل کہنے میں انھیں چند منٹ سے زیادہ درکار نہیں ہوتے تھے - ان کی طبیعت ایسی حاضر تھی کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں شعر کہتے تھے ، ان کی شاعری تاثرات قلبی کا آئینہ ہوتی تھی -

فصاحت و بلاغت ، حسن بیان ، پیرایہ ادا کی لطافت ، مفاہیم کی بلندی ، ندرت خیال ، بندش کی چستی ، ترنم و موسیقیت ان کے کلام کے خاص خصوصیات ہیں - یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس دور میں یہ تمام خصوصیات یکجا ملنے مشکل ہیں -

انھوں نے اردو غزل کے دامن کو اس قدر وسعت بخشی ہے کہ زندگی کے کسی شعبہ اور کسی موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا - غزل میں عشقیہ مضامین کے ساتھ حمد ، نعت ، منقبت ، تصوف ، فلسفہ ، اخلاقیات ، پند و نصائح ، رموز علم و حکمت اور سیاست تک کی ایک دوسرے سے کڑیاں جوڑی ہیں - اس اعتبار سے اردو ادب پر حسرت کا بہت بڑا احسان ہے -

حسرت نے دلی اور لکھنو کے مکاتیب فکر کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا ، اور ان سے استفادہ کرکے دونوں کے محاسن سے اپنے کلام کو اس طرح مزین کیا کہ ایک نیا اور انوکھا کیف و سرور پیدا کردیا - اسی وجہ سے حسرت کا کلام اپنے خصوصیات کے اعتبار سے بے شک مثالی ہے اور یہی ان کی مقبولیت اور پسندیدگی کا راز ہے ان کے کلام میں میر تقی میر کا سا سوز اور سادگی مصحفی کا سا جذب و عشق ، مومن کی سی نازک خیالی و شوخی ، تسلیم و نسیم کی سی شیرینی و رنگینی ، سودا کی سی مضمون آفرینی ، جرات کی سی معاملہ بندی ، انشا کی سی ظرافت ، آتش کا سا جوش اور غالب کی سی ندرت غرض کہ یہ تمام خوبیاں ان کے کلام میں جمع ہوگئی ہیں :

غالب و مصحفی و میر و نسیم و مومن
طبع حسرت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

طرفہ حسرت بشوخیٔ انشا

رنگ جرأت میری جان میں ہے

تصوف نے انھیں عشق حقیقی کی لازوال دولت سے مالا مال کردیا تھا - ان کی ~~بلند~~ شخصیت کسی سے مرعوب نہیں ہوئی اور ان کا سر غیراللہ کے آگے کبھی نہیں جھکا :

شاہوں کے تکبر سے بھی دب کر نہ رہا میں

کس بارگہہ خاص کا آخر ہوں گدا میں

تصوف نے حسرت کی عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف رہنمائی کی یعنی مجاز کو حقیقت کا زینہ بنادیا اور تصوف ہی نے انھیں حق الیقین کی منزل تک پہنچادیا :

عشق بتاں سراج طریق صفا بنا

حق الیقین تک آئے ہیں عین الیقیں سے ہم

شاعری کے متعلق خود فرماتے ہیں : " شاعری اور استادی کا صرف یہی کمال نہیں کہ مضمون بلند ہو اور زبان صحیح اور ردیف کھلتی ہوئی ، اور قافیہ تازہ ہو ، بلکہ ان سب باتوں کے علاوہ سب سے بڑی خوبی جو سب سے بڑھ کر مشکل لیکن سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے وہ انتخاب الفاظ سے متعلق ہے -" (۱)

چناں چہ حسرت کے کلام کے لطافت اور دلپذیر ہونے میں انتخاب الفاظ کو بڑا دخل ہے -

عام طور پر شاعر کی قدر و منزلت کے چراغ اس کے مرنے کے بعد ہی روشن ہوتے ہیں ، لیکن حسرت ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے وقت کے مدبروں ، مفکرین اور سخن فہم حضرات سے اپنی زندگی میں اپنے کلام کی عظمت و بزرگی کو تسلیم کرایا اور اپنے مداحوں سے داد کا صحیح لطف لیا کیوں کہ ان کی شاعری وقت کی آواز اور قوم کی جذبات کی ترجمان تھی -

---

(۱) آل احمد سرور ، " کلیات حسرت " لاہور : شیخ غلام علی ، ۱۹۶۳ء ، (مقدمہ) ، ص

حسرت اردو میں اپنے دور کے رئیس المتغزلین اور امام العصر سمجھے جاتے ھیں - ھرچند کہ تغزل اور سہل گوئی میں حسرت کو یدطولی حاصل ھے - پھر بھی اگر سہل گوئی کا دامن چھوٹتا نظر آئے تو وہ تغزل کی بھی پروا نہیں کرتے -

حسرت میر کی استادی کے قائل ھیں اور ان کے کلام کو پر اثر جانتے ھیں - حسرت کے کلام کی یہ خصوصیت میر سے عقیدت کا نتیجہ ھے :

گذرے بہت استاد مگر رنگ اثر میں
بے مثل ھے حسرت سخن میر ابھی تک

حسرت نے اپنی رنگین اور عاشقانہ طبیعت سے شعر و سخن کی دنیا میں وہ فسوں کاری کی کہ شعر و ادب کی قلمرو میں تہلکا مچادیا - وہ سعدی، حافظ اور جامی کی برتری کے قائل ھیں اسی لئے ان شعرا کے خصوصیات فارسی کے علاوہ ان کے اردو کلام میں بھی پائے جاتے ھیں خود فرماتے ھیں :

حسرت اردو میں ھے غزل تیری
پرتو فکر سعدی و جامی

دوسری جگہ فرماتے ھیں :

ھم جامی و حافظ کے بھی قائل ھیں پہ حسرت
خوبی میں نہ پہنچا کوئی سعدی کی غزل کو

اگرچہ حسرت کا فارسی کلام بھی عمدہ ھے لیکن اردو غزل اچھوتے مضامین الفاظ و محاورات کی شستہ بندشوں ، تازہ قوافی اور جدت مطالب میں لاثانی ھے اس خوبی پر حسرت کو خود فخر ھے :

جدت میں ھے لاثانی ، حسرت کی غزل خوانی
کیا طرفہ مطالب ھیں، کیا تازہ قوافی ھیں

حسرت کے طرز بیان میں شگفتگی اور ندرت ھے انھوں نے بڑی صفائی اور سادگی سے اپنے خیالات کو نظم کیا ھے ان کی غزل بہترین عاشقانہ جذبات و احساسات کا بے مثال مرقع ھے-

اثر اور درد ان کی غزلوں کی جان بن کر رہ گیا ہے - خوبی یہ ہے کہ یاس و حسرت ان کے کلام میں نام کو بھی نہیں - پھر بھی ان کے اشعار میں سوز و گداز موجود ہے - ان کے اشعار میں قوم کے لیے حوصلہ کی رفعت اور نگاہ کی بلندی کا درس بھی ہے - آزادی کی جد و جہد میں حسرت کی یہ فطری بے باکی ان کے کلام میں نمایاں نظر آتی ہے -

انہوں نے جا بجا قومی، ملکی اور سیاسی مسائل غزل میں بیان کر کے غزل کو نئی وسعت بخشی ہے - ان کا کلام ان کی زندگی کی جیتی جاگتی تصویر ہے -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   رنگ رخش بہ عشق رقیبان پریدہ باد   باشد کہ دل فریب شود دل فریب تر

اردو   آرائش جبیں کا ارادہ نہ کر عبث   یکتا ہے سادگی میں ترا حسن دل فریب

شعرا نے معشوق کی ہر ناز و ادا کو مختلف پیرائے سے بیان کیا ہے اور حقیقت میں، حسن و عشق ہی کی واردات اور کیفیات کے بیان کو غزل کہتے ہیں -

معشوق کا حسن اس کے رنگ و روپ اور قد و قامت ہی میں نہیں ہے بلکہ بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جن کو بیان نہیں کیا جاسکتا - اور وہی باتیں معشوق کو عاشق کی نگاہ میں حسین بنادیتی ہیں -

فارسی کے شعر میں اسی قسم کی ایک کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ خدا کرے معشوق کے چہرے کا رنگ رقیبوں کے عشق میں اڑ جائے - اس صورت میں دوست اور بھی زیادہ دلفریب ہوجائے گا کیوں کہ اس وقت جو اس کا رنگ شوخ اور دلفریب ہے ہلکے ہونے پر دلفریب تر ہوجائے گا - اس شعر میں لطافت، ندرت اور طرفگی کے ساتھ ساتھ نئی دل کشی ہے -

اردو کے شعرمیں معشوق کی ایک نہایت دل فریب ادا کا والہانہ اندازمیں ذکر کیا ہے - فرماتے ہیں کہ اے دوست تیرا حسن سادگی میں نئی دلفریبی اور شان یکتائی رکھتا ہے- اس لیے آرائش جبیں کا ارادہ نہ کر، یہ تکلف سادگی کے حسن کو غارت کرکے رکھ دے گا-

دونوں اشعار میں فارسی کا شعر اردو کے شعر سے مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر بہت بہتر ہے -

فارسی   اے مایۂ حیات بہ بازار حسن و عشق   جنس غمت بجان عزیزان خریدہ باد

اردو   شراب شوق کی قیمت ہے نقد جان عزیز   اگر یہ بادہ کہنہ دوام ہوجائے

فارسی کے شعر میں سرمایۂ حیات غم دوست کو قرار دیا ہے اور اردو کے شعر میں شراب شوق کی قیمت جان عزیز ٹھہرائی ہے - بہرحال تھوڑے سے فرق کے ساتھ بات وہی ہے خواہ دوست کے غم کو سرمایہ حیات قرار دیا جائے خواہ اس کی محبت کو -

فارسی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے دوست بازار حسن و عشق میں عشاق کا سرمایہ حیات تیرا غم ہے - ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس بازار میں تیری جنس غم کو ہم ہی اپنی جان کی عوض خریدیں - ہمارے سوا اس کا خریدار کوئی اور نہ ہو -

شعر میں معنوی خوبیوں اور تاثیر کے ساتھ ساتھ لفظی خوبیاں بھی موجود ہیں اور چوں کہ اس لفظی صناعی میں تکلف اور آورد کا دخل معلوم نہیں ہوتا اس لیے ان میں دل کشی اور جاذبیت موجود ہے - مثلاً سرمایہ، بازار، جنس اور خریدن وغیرہ کی لفظی مناسبات ، خوبی سے خالی نہیں -

اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ شراب شوق جیسی چیز کو نقد جان کے عوض بھی خریدا جائے تو گراں نہیں ہے - مگر ساتھ ہی اس شراب شوق کے کیف میں دوام چاہتے ہیں - ایسا نہ ہو کہ کسی وقت یہ کیف و سرور ختم ہوجائے - گویا عشق میں دوام چاہتے ہیں تاکہ سرور میں بھی دوام ہو -

شراب پینے والے ہی جانتے ہیں کہ جہاں شراب کا سرور ان کے لیے جان بخش اور فرحت افزا ہوتا ہے وہاں خمار کی تکلیف بھی کم روح فرسا نہیں ہوتی - جب اس مادی شراب کے کیف و سرور اور خمار کا یہ عالم ہے تو شراب شوق کا خمار عاشق کے لیے کتنا تکلیف دہ ہوگا - اسی لیے شراب شوق کی کیفیت کے ساتھ دوام کی شرط لگائی ہے -

دونوں شعر اپنی اپنی جگہ لفظی اور معنوی اعتبار سے بہت خوب ہیں - لیکن فارسی کا شعر اپنی مذکورہ بالا خوبیوں کے پیش نظر اردو کے شعر سے بہتر ہے -

====XXX====

فارسی   رنج فراق یار که از یار می رسد   خوش می رسد ، بہ حسرت حیران رسیدہ باد

اردو   ہے ہجر میں وصال زہے خوبی خیال   بیٹھے ہیں انجمن میں تری انجمن سے دور

فارسی کے شعر میں فراق یارکی تکلیف کو بہت پسندیدہ قرار دیا ہے - لیکن شرط رکھی ہے کہ اس رنج میں حسرت کے ساتھ کوئی اور شریک نہ ہو ، یہ رشک کا مضمون ہے - ہر شاعر نے رشک کے مضامین باندھنے میں طبع آزمائی کی ہے حسرت نے بھی رشک کے مضمون کو بڑی خوبی سے باندھا ہے - شعر میں لفظ حیران بیکار اور بےمحل نہیں ہے بلکہ اس لفظ نے شعر میں لطافت کے ساتھ نازک خیالی کا انداز بھی پیدا کردیا ہے - حیرت کا سبب یہی ہوسکتا ہے کہ رنج فراق یار جو اتنی اچھی چیز ہے کوئی دوسرا تو اس میں شریک نہیں ہے - اس خیال نے حسرت کو حیرت و سرگردانی میں مبتلا کردیا ہے -

اردو کے شعر میں دوست کے تصور کامل کو ہجر میں وصال سے تعبیر کیا ہے اس طرح دوست سے دور رہنے کے باوجود اپنے آپ کو اس کی انجمن میں شریک ٹھہرایا ہے - یہ تقریباً وہی خیال ہے جسے مومن اپنے مندرجہ ذیل شعر میں نہایت خوب صورتی سے ادا کرچکے ہیں:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا   جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تاہم مولانا حسرت موہانی نے ہجر و وصال کا تقابل اور انجمن سے دور ہوتے ہوئے انجمن میں شامل ہونا کہہ بتلاکر انفرادیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے -

====XXX====

فارسی   پائین بزم عیش تو ام گوشہ بخاک   باصد ہزار بستر و بالین برابر است

اردو   عجب نہیں کہ تیرے عاشقوں کو ہے جو عجب

وہ انکساری بھی وجہ غرور ہی کے رہے

عاشق کے لیے دوست کی ہر چیز باعث فخر و ناز ہوتی ہے - اور یہ تکلف کی بات نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے جسے اہل عشق ہی خوب سمجھتے ہیں -

فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ دوست کی محفل عیش میں اگر عاشق کو صف نعل میں بھی جگہ میسر آجائے تو وہ بھی ہزاروں بالین و بستر کے برابر ہے - اس کے مقابلہ میں اردو

میں فرماتے ہیں کہ عشاق کو جو انکسار نصیب ہے اگر کسی وقت وہی انکسار ان کے لیے وجہ غرور بن جائے تو تعجب کی بات نہیں ہے - کیوں کہ یہ انکسار ان کو دوست کے عشق میں حاصل ہوتی ہے جو ان کے لیے بڑی قدر و قیمت کی بات ہے -

دونوں اشعار میں اردو کا شعر زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے فارسی کے شعر سے بہتر ہے -

======XXXX ====

تقابلی مطالعہ کے مزید اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی   تاچند پاسداری دامان و جیب و صبر   شادم کہ پارہ کردم و خواہم دریدہ باد

اردو   اب تو تھامو ہم کو گویا کردو شہید   صبر کی مطلق نہیں ہے دل کو تاب

====XXX====

فارسی   اے درد تو بہانۂ درمان رسیدہ باد   خار غمت بجان محبان خلیدہ باد

اردو   بیمار غم ہیں دور سے آئے ہیں سن کے نام   کہتے ہیں درد دل کی دوا ہے تمہارے پاس

====XXX====

فارسی   شوق رخ تو خوبتراز روی خوب تست   حسن رخت ندیدم و یارب ندیدہ باد

اردو   مضطر ہے شوق دید ، کہ نکلےگا کب وہ چاند   چھائی ہے جس پہ دور سے بدلی نقاب کی

====XXXX=====

فارسی   اظہار اتقاں تو بر ترک عشق مین   در پردہ پادشاہت عزیں برابر است

اردو   رکھیے نہ مجھ پہ ترک محبت کی تہمتیں   جس کا خیال تک بھی نہیں ہے روا مجھے

===XXX====

فارسی   با تین بزم عیش توام ، گوشہ بخاک   باصد ہزار بستر و بالین برابر است

اردو   عجب نہیں کہ ترے عاشقوں کو ہے جو نصیب   وہ انکساری بھی وجہ غرور بن کے رہے

====XXX====

فارسی   حسرت برای بلبل ناکام درچمن   شکر بہار و شکوہ گلچین برابر است

اردو مٹاکر مجھ کو تکلیفیں مٹادیں سب محبت کی

ادا اس بے وفا نے کردیا حق چارہ سازی کا

===XXX=====

فارسی دل از صدمۂ هجر پرخون نماید سرشک غم طرفه گلگون نماید !

اردو شادماں ہوگے تری درد سے کہتا ہے یہ دل

ہے اذیت جو یہی چیز، تو راحت کیا ہے ؟

===XXX===

فارسی خواهش اهل نظر فتنۂ آن چشم سیاه شوق ارباب صفا، عاشق زار طرش

اردو سمجھ ہی میں نہیں آتا کچھ ایسے دل ربا تم ہو

قیامت ہو، غضب ہو، قہر ہو، آفت ہو کیا تم ہو

===XXX====

فارسی به بزم تو هر دور ساغر به رندان به تاثیر یک دور گردون نماید

اردو بن گئی ہے بدلِ گردش گردوں ساقی آج محفل میں تری گردش ساغر کیا خوب

====XXXX====

فارسی عجب چیست گر مثل خود حسن رویت مرا شوق هم روز افزون نماید

اردو عالم حسن میں یکتا ہے ترا جلوہ نور ماہ تاباں کی قسم، مہر درخشاں کی قسم

===XXX====

فارسی پنهان بگوی حرف محبت باهل شوق غماز دسم و صبارا نگاه دار

اردو یہی لائی ہے اڑا کے تری زلفوں کی بو بے خودی ہائے صبا کی صبا سے ہاتھ

====XXX====

فارسی از آه بی قرار دل آزردگان بترس تاثیر اضطراب دعا را نگاه دار

اردو نہ کر اتنا ستم ہم دردمندوں پر کہ دنیا سے مبادا ایک قلم اٹھ جائے تہذیب وفاداری

====XXX===

فارسی   در خورد سر زنش نبود جرم عاشقی   عذر وفا پذیر و سزاوار نگاه دار

اردو   طعن احباب سنے، سرزنش خلق سہی   ہم نے کیا کیا تری خاطر سے گوارا نہ کیا

===XXX====

فارسی   چون بندهٔ غم تو بہر حال خوش دل است   از درد او بپرس و دلدار نگاه دار

اردو   پاس آؤ تو کچھ دل کی بات اور سوا ہو   ہرچند کہ تم درد جدائی کی دوا ہو

====XXX====

فارسی   در پیش تست مرحلهٔ خون عاشقان   شمشیر ناز و تیغ ادا را نگاه دار

اردو   وہ رحم آیا تجھے مجھ پی شوق شہادت پر   خبر لے ہاتھ کی، خنجر سنبھال اے تیغ زن اپنا

====XXXX====

فارسی   دشمن هر عاقل و فرزانه باش   ای دل اندر عاشقی دیوانه باش

اردو   دانش بخت ہے یہ داشتی شوق کا نام   لوگ دیوانہ نہ سمجھیں تری دیوانے کو

===XXX====

فارسی   همنشین لازم حدیث لطف یار   گوش و بر تکرار آن افسانه باش

اردو   عہد، یک عمر فراغت سے بھی خوشتر گذرا   وہ جو اک لحظہ تری یاد میں ہم پر گزرا

===XXX===

فارسی   درد عشق ای میهمان جان من   باش و چندی رونق این خانه باش

اردو   کیوں نہ ہوں تیری محبت سے منور جان و دل

شمع جب روشن ہوئی گھر میں اجالا کر دیا

===XXX====

فارسی   ساقیا جامی به حسرت نوش هم   کامران شیشه و پیمانه باش

اردو   ہر طرف رندی و مستی کا نمودار ہے رنگ   ہے خرابی سے خرابات مغاں کی رونق

===XXX====

فارسی التفات از من مجو در بزم غیر بے رخی و روز و توهم بے گانه باش

اردو تیری اس التفات کا هوں غلام جو هو ابهی تو بر ملا نه هوا

====XXX====

فارسی لطف تو گر اختیار ماهست سرمایهٔ اعتبار ما هست

اردو بارش لطف و رحم حق کے بغیر کوشش هر زبان سے کچه نه هوا

===XXX====

فارسی نازم چو به عشق حسن گوید آن کهست که جان نثار ماهست

اردو میری رسوائی سے شکوه هے نه ان کے حسن کو

اب جسے دیکهو وه میرا مبتلا هونے لگا

===XXX====

فارسی اے بادهٔ ناب عشق بوئے جز بوئے تو خوش گوار ماهست

اردو جان فزا تهی کس قدر یارب هوائے کوئے دوست

بس گئی جس سے مشام آرزو میں بوئے دوست

====XXX====

فارسی پیوسته پیام سوز جان را از کهست اگر زیار ماهست

اردو یه ایسی شورش غم کس دل مضطر میں هے جس سے جنبش هے زمین کو آسمان چکر میں هے

===XXX====

فارسی دست بردار از دعا شده ایم که ضت را نه زان شاده کنیم

اردو صوم زاهد کو مبارک رهے، عابد کو صلوة عاصیوں کو تری رحمت په بهروسا کرنا

===XXX====

فارسی گلهٔ شکوه های ماچه کنی لطف را خوشی گیر تا نکنیم

اردو شکوه جور کا دیتے هو تغافل سے جواب دشمنی په تو خوشی مجه په کچه احسان نه هوا

====XXX====

فارسی گاهی به مزار من گر آئی   پوشیده ز خلق چشم تر کن

اردو بزم اغیار میں بیجا ہیں تمہارے یہ ستم   اب نگہ میری جانب کو اشارا دیکھو

====XXX====

فارسی یک رہ بہ مزار غم گزر کن   بر خاکِ خرابم نظر کن

اردو تری کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت   اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

===XXX===

فارسی از فتنۂ آہ درد مندان   ایمن چه نشسته ای حذر کن

اردو ہم بے کسوں کو قتل کرتا ہے بے گناہ   کچھ اے عزیز تجھ کو خدا کا بھی ڈر نہیں

===XXX====

فارسی فریاد مکن ز دست جورش   یا اے دل زار بے اثر کن

اردو کیاکریں اس کے سوا تیرے تغافل کا علاج   کہ دل زار کو آپ تپیدۂ حیران کرلیں

===XXX====

فارسی گاہے شب غم بہ یاد لطفش   گاہی بہ امید آن سحر کن

اردو ہجر میں رہنے لگیں اور بھی کچھ یاد ہمیں   وہ مراعات کی باتیں وہ مروت کی نظر

===XXX====

فارسی خاک درش از رہ عقیدت   برداشتہ سرمۂ نظر کن

اردو سرمۂ چشم ہوش تھی بخدا   خاک تیرے غریب خانے کی ؟

====XXX====

فارسی حسرت ز لباس عقل بگذر   رُو کسوت عاشقی بہ بر کن

اردو مذہب عاشقی میں ہے اے عقل   بے خودی انتہائے دانائی

====XXX====

فارسی بہشت چه شود اگر شمارند   در زمرۂ بندگان معتوب

اردو ہمیں تنہا ہی جو رہ چلی میں بھی تری لطف خفی   ہم سے بھی کچھ بڑھ کے ہے اے جان جاں تیری نہیں

===XXX===

فارسی   کشتنم سہل گیرو عذر مخواہ   کہ سزاوار مرحبا شدہ

اردو   سرپہ حاضر ہے جو ارشاد ہو مرجانے کو   کون ٹالے گا بھلا آپ کے فرمانے کو

====XXX===

فارسی   شوق مخمور خواہدات کہ چنین   شدۂ بے حجاب تا شدۂ

اردو   شتاب کار محبت ہوں میں نہیں معلوم   کہ جس سے اٹھیں کب تک حجاب رہنے دے

====XXX====

فارسی   دل کہ از غمش نشان دارد   مرغی ست کہ آشیان دارد

اردو   حیف اس دل کی بے ملالی پر   جو تری درد کا شکار نہیں

===XXX====

فارسی   طمع ست ہر آن ضرر کہ از تست   جان باختنم زیان دارد

اردو   جا مشتاقی مجھے نصیب رہے   دل ستانی تجھے مبارک ہو

====XXX====

فارسی   حکم است بہ ود من ہر ایماش   گنجائش این و آن دارد

اردو   جدھرکو اب وہ چلائے، وہی ہے راہ مراد   رضائے یارسے وابستہ ہے رضا میری

===XXX====

فارسی   حسن است بہ رعب حسن محفوظ   ہر چند کہ پاسبان دارد

اردو   کثرت حسن کی یہ شان نہ دیکھی نہ سنی   برق لرزاں ہےکوئی گرم تماشا کیا ہو

===XXX====

فارسی   قادم بہ غم تو جان حسرت   شاد است و سرفشان دارد

اردو   بتائے نہ کیوں غم کو جان محبت   دل زار ہے کاردان محبت

===XXX====

فارسی   تا بہایت رسید غم ہوس است   مردن و آرمید غم ہوس است

اردو   اب نہ کچھ عیش کی خواہش ہے نہ غم کی پروا   جذبۂ عشق نے آخر مجھے مجذوب کیا

===XXX===

فارسی   عاشقم با طرب چه کار مرا   می کشد رنج انتظار مرا

اردو   بن گیا ہے فراق یار میں شوق   خلش انتظار کا حامی

===XXX====

فارسی   چشم مستش بعشق داد سبق   بے خبر کرد ہوشیار مرا

اردو   مستی عیش دو عالم کی نہیں پروا مجھے   دیکھنے والا ہوں میں اس نرگس مخمور کا

===XXX====

فارسی   من حیران کجا و عقل کجا   ناصحا باجنون گزار مرا

اردو   دل جو اس نرگس مخمور کا دیوانہ ہے   بیخبر کا ہیکو، ہشیار سے فرزانہ ہے

===XXX====

فارسی   یاد آن نازنین حشر خرام   هیچ نگذاشت از قرار مرا

اردو   انتظار یار کی سختی جو تھی حد سے فزوں   ہوگیا تاراج غم سرمایۂ صبر و سکوں

====XXX====

فارسی   درد دل را دوا نمی خواهم   کاں زیار است یادگار مرا

اردو   وہ کہتے ہیں کہ یہ بیمار غم ہے بچ نہیں سکتا

کیا ہے خوب اندازہ انہوں نے میری حالت کا

===XXX====

فارسی   هیچ نامد ز صحبتش حسرت   از غم عشق نا گوار مرا

اردو   از بسکہ یاد یار مسیحائے عشق ہے   راحت فزائے دل ہے جو ایذائے عشق ہے

====XXX====

فارسی   گو شکوۂ او خطا نباشد   این هم زجفش روا نباشد

اردو   جو چاہو سزا دے لو، تم اور بھی کُھل کھیلو

پر ہم سے قسم لے لو، کی ہو جو شکایت بھی

===XXX====

فارسی هیهات اگر فقیر هست منجمله اغنیا نباشد

اردو دل کہ مالا مال غم تھا کتنی بیدردی کے ساتھ

هم نے رو رو کر وہ سب دولت لٹائی آپ کی

====XXX====

فارسی دین نیز کہ پاک باز عشقت در زمرہ اصفیا نباشد

اردو کیا کام اسے طریقۂ ارباب زهد سے جو پیر و شریعت هوائے عشق هے

===XXX===

فارسی هم پایۂ مرحبا ست حسرت ازین " چه خوش و چرا نباشد "

اردو حسرت تری اس پختہ کلامی کی هے کیا بات

پایا هے کسی اور سخنور نے یہ کب رنگ

===XXX====

فارسی دردام غش حال دل زار چه گویم افسانۂ آن مرغ گرفتار چه گویم

اردو بے تجھ سے ملے گھر میں وهی حال هے میرا

هو صحن چمن میں جو گرفتار قفس کا

===XXX====

فارسی اندازۂ لطف ستم یار ندانم ای بے خبر از لذت آزار چه گویم

اردو آج تک یاد هیں صدمے جو دئے تھے تونے اے ستمگار تری کثرت احساس کی قسم

====XXX===

فارسی یک جلوۂ مستش ز جهان بے خبرم کرد از حال تماشائے رخ یار چه گویم

اردو نظارۂ مبهم کا صلا میں لیے هے هر سمت وہ رخ جلوہ نما میں لیے هے

====XXX====

اثر لکھنوی، جعفر علی خاں :

(١)

جعفر علی خاں نام اور اثر تخلص ہے، ١٢/ جولائی ١٨٨٥ء مطابق ١٣٠٢ھ کو لکھنو میں پیدا ہوئے - آپ قوم کے مغل ہیں اور خاندانی پیشہ طبابت رہا، آپ کو اسلاف میں نہایت حاذق اور نامور طبیب گذرے ہیں مرزا علی حسین مسیح الدولہ اور مرزا علی خاں حکیم الملک آپ ہی کے خاندان کے بزرگ تھے -

مروجہ دستور کے مطابق تعلیم کی ابتدا فارسی کی درسی کتب سے ہوئی -

اثر کو بچپن ہی سے شعر و سخن سے لگاؤ تھا اور انہوں نے وہی کچھ کہا جو کچھ محسوس کیا- ان کی شاعری احساسات قلبی کی آئینہ دار ہے -

اثر ٦/ جون، ١٩٦٧ء / ١٣٨٧ھ کو اس دنیائے فانی کو خیرباد کہا - (٢)

جناب اثر لکھنوی صاحب کا پہلا مجموعہ کلام" اثرستان" ١٩٢٣ء میں ، دوسرا مجموعہ کلام " بہاراں" ١٩٣٥ء میں طبع ہوا - جموں و کشمیر کے قیام کے دوران" رنگ بست" اور " لالہ و گل" جیسی بلند مرتبہ تصانیف وجود میں آئیں -

خصوصیات کلام :

آپ عزیز لکھنوی کے باقاعدہ شاگرد ہیں ، اثر نے اپنے استاد کے کلام کا بڑی حد تک اثر قبول کیا ہے اسی لیے اکثر جگہ استاد کےرنگ کا پرتو آگیا ہے - اثر کا شمار باکمال اور مشاق سخنوروں میں ہوتا ہے جملہ اصناف سخن پر اثر کو مکمل قدرت حاصل ہے - وہ غالب سے بھی متاثر نظر آتے ہیں اکثر غزلیں غالب کی بحروں میں کہی ہیں اور مرزا کی سی نازک خیالی و مضمون آفرینی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے - ذیل میں اپنا تعارف اس طرح کراتے ہیں :

اثر ہے نام ، وطن لکھنو، عزیز استاد (٣)
نکالتا ہوں نئے راستے زباں کے لیے

---

(١) عبدالوحید ، ڈاکٹر " جدید شعراء اردو" ، کراچی، لاہور، پشاور: فیروز سنز(س – ن)، ص ٣٢٨

(٢) " قومی زبان" کراچی، اکتوبر، ١٩٦٧ء ، ص ٤٣

(٣) عبدالوحید ، ڈاکٹر ، محولہ بالا ، ص ٣٨٠

اثر نے غزل میں نہایت سادہ اور بامحاورہ زبان استعمال کی ہے - دور جدید میں آپ دبستان لکھنو کے باکمال اساتذہ میں شمار کیے جاتے ہیں - انھیں غیر زبانوں کے منظوم تراجم میں ید طولیٰ حاصل ہے - وہ اس خیال کو اس خوبی سے نظم کرتے ہیں کہ زبان کا اصل لطف باقی رہتا ہے اور نزاکت زبان اور فصاحت بیان کا یہ عالم ہے کہ اس خیال کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے - اور کسی بھی وجہ میں ترجمہ کا گمان نہیں ہوتا -

انھوں نے مشرق و مغرب کے رنگین خیالات کے شگفتہ اور مہکتے پھولوں کو ترجمہ کے ذریعہ اردو زبان کے دامن میں سجانے کی مقدور بھر کوشش کی ہے - اور اس کام کو وہ جس خوبی سے انجام دیتے ہیں، انھیں کا حصہ ہے -

اثر نے انگریزی، سنسکرت اور بنگلہ زبانوں کی معرکتہ الآرا نظموں کا بھی منظوم اردو ترجمہ کیا ہے - اسالیب سخن میں وسعت دینے کے خیال سے نظم آزاد اور نظم معریٰ میں بھی منظوم تراجم کیے ہیں - جس سے ان کی جدت طبع کا پتا چلتا ہے - اثر کشمیر جنت نظیر " کے قدرتی مناظر سے بہت متاثر نظر آتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی نظموں میں وہاں کے حسین و دلکش مناظر کی عکاسی کی ہے -

اثر کا فارسی کلام اردو کلام کی طرح گوناگوں خصوصیات کا حامل نہیں ہے ، اور نہ انھیں فارسی زبان دانی کا دعویٰ ہے تاہم غنیمت ہے -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی	باش اے جان حزیں باش کسی از رہ لطف	گوش برلب بنہاد از پے افسانۂ ما
اردو	فسانۂ ستم اضطراب کیا کہیے	لب خموش پہ فریاد کا ہوتا ہے گماں (۱)

فارسی کے شعر میں شاعر نے جدت اور نازک خیالی سے کام لیا ہے - اپنی جان لبوں پر ہوتے بھی مراحظ نہیں بیان کیا اور دوست کا بھی نام نہیں لیا بلکہ باش اے جان حزیں باش کہہ کر تو کنائے کے ساتھ یہ بات کہہ دی ہے کہ دوست بالکل دم واپسیں پر آیا ہے اور

---

(۱) اصل نسخہ میں مصرع اس طرح ہے :
" لب خاموش پہ فریاد کا گماں ہوتا ہے "

کسی از رہ لطف ، گوش بر لب بنہاد کہہ کر طنزاً دوست کے لطف و عنایت کا ذکر کیا ہے - کیوں کہ دوست بالکل ایسے وقت آیا ہے کہ جب جان اور تن کا تعلق ختم ہونے والا ہے اور عاشق کے منہہ سے آواز بھی نہیں نکلتی - اور ایسے وقت میں دوست عاشق کے لب پر اپنے کان لگاکر اس سے کہتا ہے کہ اپنا افسانہ محبت سنائیے اس پر عاشق اپنی روح سے کہتا ہے کہ اے روح تھوڑا اور ٹھہر جا ، کیوں کہ دوست میرا افسانہ محبت سننے آیا ہے - ظاہر ہے کہ شعر تاثیر کے ساتھ ساتھ اپنے اندر بہت سی خوبیاں بھی رکھتا ہے -

اردو کے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ جب ہمارے دوست کو ہمارے خاموش رہنے پرفریاد کرنے کا گمان ہوتا ہے تو کہئیے کہ ہم اس سے اپنے ستم اضطراب کا افسانہ کیا بیان کریں -

معنوی اعتبار سے جو بات شاعر کہنا چاہتا ہے وہ اپنی جگہ پر موثر ہے لیکن دوسرے مصرع میں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ فریاد کا گمان کس کو ہوا - شعر کی یہ کمی نمایاں طورپر محسوس ہوتی ہے -

===XXX====

فارسی بود صد تسنیم و کوثر در کنار حسرتی ، کو راہ دل خوں کردہ ام

اردو یہ کون سی حسرت تھی رخصت جو ہوئی دل سے

خوں نابہ فشانی سی خوں نابہ فشانی ہے

فارسی کا شعر بہت رواں شگفتہ اور زبان کے اعتبارسے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی اہل زبان کا شعر ہے - معنی کے اعتبار سے حسرت کی یہ تعریف کتنی خوب ہے کہ میرے دل میں حسرت کیا تھی ، سیکڑوں تسنیم و کوثر اپنے پہلو میں لیے ہوئے تھا - پھر حسرت کی ایسی تعریف کرنے کے بعد یہ کہنا کہ ایسی حسرت کا میں نے اپنے دل میں خون کیا ہے ، کس قدر موثر ہے ، اس کی تاثیر کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا - اور شعر حقیقت میں تاثیر ہی کا نام ہے -

یہاں بھی حسرت کے خون ہوجانے کا ذکر ہے اور ایک دوسرے ہی انداز میں یہ بیان اگرچہ اتنا موثر نہیں ہے جتنا فارسی کا شعر موثر ہے - تاہم یہ کہنا کہ کس قدر خونناب فشانی ہوتی ہے

اس خونابہ فشانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بہت بڑی حسرت کا دل میں خون ہوگیا ہے اور وہی خون آنکھوں سے بہہ رہا ہے -

ندرت اور تاثیر دونوں اشعار میں موجود ہے لیکن فارسی کا شعر اردو کے شعر سے بہتر ہے -

====XXX===

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی   در رہ عشق دویدیم و گذشتیم از خویش   کیست یارا بکشاید در کاشانۂ ما

اردو   منزل جو کل تھی آج وہ جادہ ہے پیش پا

شاید طریق عشق میں منزل کہیں نہیں

====XXX====

فارسی   بدستیاری (۱) روح القدس کہ طبع مراست   بہ پارسی ہم اگر چند شعر تر دارم

اردو   ہر اثر میں ہے جلوہ فرما   صہبائے حافظ کی مہر تابی

====XXX====

فارسی   بخشودہ کہ مراہم ربودۂ از من   مپرس از غم دوری کہ بیشتر دارم

اردو   دل جسے کہتے ہیں مرا دل تھا   یادگار نگاہ قاتل تھا

===XXX====

فارسی   مستی من از مقام دیگرست   مے کشی از چشم می گون کردہ ام

اردو   اس کی چشم مست نے بے خود کیا   ہوش میں آؤں تو آؤں کس طرح

===XXX====

فارسی   در تپیدن لذتے دریافتم   عشق را این وضع قانون کردہ ام

اردو   دل بیتاب نہ کھاتا تھا تسلی کا فریب   درد لذت کش محرومی درماں نہ رہا

===XXX====

---

(۱) اصل نسخہ میں " طبع مراست " کی بجائے " طبع من است " لکھا ہے -

فارسی   حاصل است این شیوه هائے تو بتو   فکر ها در صنع پیچش کرده ام

اردو   حقیقت جلوه هائے توبتو اپنی دکھاتی هے   که هرشے دھیان تیرا نقش باطل دیکھنے والے

===XXX====

فارسی   خندید و خندید سوی گلشن   بیباده صد بہا بشکست

اردو   تری گفتار وهی اک تبسم مبہم   کلی کلی کی زبان پر هے جس کا افسانه

===XXX====

فارسی   صنع یکتاش هزار آئینۀ بر جلوه شکست   کس ندیدست و نه بیند رخ جانانۀ ما

اردو   شوخی جلوه دم آرائش گیسو نه پوچھ   آئینه اک پیکر رگہائے جوهر هوگیا

===XXX====

فارسی   شوخیش بین که بدل انجمن آراست و برفت   تانگوئید که نیست ترا خانۀ ما

اردو   دل کو اثر کے لوٹ لیا هے، شوخ نگه اک کافر ہے

کوئی نه اس کو رونے سے روکو، آگ لگی هے بجھانے دو

===XXX====

فارسی   بیاکه شور قیامت همه زیادم رفت   بیاکه آرزوئے جلوهٔ دگر دارم

اردو   بے نقاب اب تو نظر آ، که بہت دیکھا هے + پردے پردے میں تجھے چشم تماشائی نے

===XXX====

(۱)
فارسی   بیاکه جان به تماشائے یک نظر دارم   بیاکه فرصت یک خندهٔ شرر دارم

اردو   کبھی اس طرح بھی هو جلوه گر، که گمان هو تجھ پہ هے تو بشر

تجھے یوں تو دیکھا هزار بار، اسی بزم گاه مجاز میں

====XXX====

فارسی   پرس از محرمان، زهد چه داند این راز   کعبه افراخت همین کفر و صنمخانه ما

اردو   ماورائے کفرو دین هے مسلک اهل نظر   ماسوائے عشق هے جو کچھ، وہ هے باطل مجھے

---

(۱)   اصل نسخه میں "یک خندهٔ" کی جگه "گل خندهٔ" درج هے -

فارسی   مگر زنار جہنم زبانہا دزدید   حذر ز داغ فروزاں (۱) کہ در جگر دارم

اردو   شور فشاں تھیں جو آہیں تو خوں چکاں نالے   جناب عشق کی جب ہم پہ مہربانی تھی

===XXX====

فارسی   مرا بہ رشک چہ کاراست و چہ گفتارست   جز این قدر کہ ترا از توہم نظر دارم

اردو   میں نے تو بعض اہل نظر سے بھی سنا   احسان کے بھیس میں ترا دیدار ہوگیا

===XXX====

فارسی   حشر برچہرہ کشد دامن ویرانۂ ما   عرض وحشت چو دہد این دل دیوانۂ ما

اردو   حشر ہوا ہے حجابی جلوۂ مستورکی   کوئی ہنگامہ ضرور اک بار ہونا چاہئے

===XXX====

فارسی   چنانکہ نرگس مستانہ ات خرابم کرد   بہ فیض بے خودی از خویشتن خبردارم

اردو   ہمیشہ جام بکف و ہ نرگس مخمور   شراب خوار سے چھوٹے شراب مشکل ہے

====XXX====

فارسی   می چکد از خامہ ام لعل مذاب   گو ہمے شد ترک الفت (۲) کردہ ام

اردو   زبور محبت سناتا رہے گا   زبان قلم پر ترانہ رہے گا

====XXX====

فارسی   شعلہ جستہ زدل ، جوہر آئینہ گداخت   زمزمہ پرساز " اناالحق" زدہ دیوانۂ ما

اردو   " اناالحق" کفر ٹھہرا اور " انا لیلی" جنون بھی

یہ دل چاہے جسے دم بھر میں رسواکوبکو کردے

---

(۱) اصل نسخہ میں" حذر زداغ فروزاں " کی بجائے " حذر داغ فروزاں " لکھا ہے ۔

(۲) اصل نسخہ میں" ترک الفت " کی جگہ " ترک افسوں " درج ہے ۔

درد کاکوروی، مکرم احمد :

مکرم احمد عرف (۱) میر نذر علی درد آپ اپنے وطن کاکوری ضلع لکھنو میں ماہ شوال ، ۱۳۱۰ھ (مطابق ۱۸۹۲-۹۳ء) میں پیدا ہوئے - ان کے والد سید محمد حبیب علی علوی صاحب اٹاوے میں طبابت اور وکالت کرتے تھے - ابتدا ہی سے شاعری کا ماحول میسر آیا خود فرماتے ہیں :

" شاعری کی فضا میں آنکھیں کھولیں، سن شعور ہی سے شاعری کا شوق تھا - والد ماجد کے حقیقی ماموں زاد بھائی محسن کاکوروی شاعر دو بھائی شاعر - اس ماحول سے متاثر ہونا لازمی تھا -" (۴)

انھوں نے فارسی اور عربی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، مولانا قاری عبدالستار صاحب کاکوروی سے علم تجوید کی تکمیل کی، حضرت محسن کے فرزند مولوی نورالحسن صاحب نور سے عربی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی - جناب اخگر اور شریف کاکوروی کی اصلاح نے کلام کو تابندگی بخشی شروع میں ساغر و ممتاز تخلص کرتے تھے لیکن اپنے پیر و مرشد حضرت قلندر رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کے بموجب درد تخلص کرنے لگے -

درد کو رام پور میں بھی رہنے کا اتفاق ہوا - وہاں ہر طرف مشاعروں کا بازار گرم تھا - ایک طرف جناب محمود خاں صاحب (۲) (شاگرد داغ) کی بارش ہوتی اور دوسری طرف جناب شوق قدوائی کے شاگرد اپنے کلام کے جوہر دکھاکر مشاعروں میں سامعین سے داد حاصل کرتے - شعر و سخن کی اکھاڑے بازیاں اور انجمن آرائیاں اپنے شباب پر تھیں یہ وہ زمانہ ہے جب شاعر چولہ بدل رہی تھی - حضرت حالی کے مقدمہ شعر و شاعری کی بڑی دھوم تھی - ان مشاعروں کے علاوہ چار بیتوں کے مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے - کچھ عرصہ بعد درد کے بڑے بھائی حکیم مولوی ظہیر علی صاحب نے رام پور سے بغرض ملازمت دکن بلا لیا - (۳)

---

(۱) " میر نذر علی " ان کا تاریخی نام ہے - (۱۳۱۰ھ)

(۲) " جذبات درد "، لاہور : پاکستان پرنٹنگ ورکس، دسمبر، ۱۹۵۳ع ، ص ۷ (دیباچہ)

(۳) ایضاً ، ص ۸

(۴) میر نذر علی " جذبات درد " دیباچہ ص ۵

اورنگ آباد میں ایک مشاعرہ ہوا، مولانا محوی کے ایک شعر میں بکھر گیے کا قافیہ تھا سب نے داد دی جب حضرت درد نے اپنی غزل سنائی اور یہ شعر پڑھا :-

ہن ہن کے اشک آنکھوں سے نکلے جو لخت دل
شیرازہ حیات کے موتی ٹکڑ بکھر گیے

تو مولوی منظور صاحب نے بے ساختہ فرمایا : " واہ درد صاحب یہ قافیہ تو آپ کا حصہ ہوگیا-" (۱)

درد صاحب نے ۲۷/ جون، ۱۹۷۲ء / ۱۳ جمادی الاول، ۱۳۹۲ھ (۲) کو اس دارفانی سے کوچ کیا-

خصوصیات کلام :
==========

جناب درد صاحب نہایت قادرالکلام شاعر ہیں ان کے متعلق جناب وقار عظیم پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کی رائے ملاحظہ ہو :

" درد صاحب نے بھی اپنے دور کے باکمال شعرا کے اسلوب سے اثر قبول کیا اور اسے کام یابی کے ساتھ اپنایا - ان کے کلام میں حسرت اور جگر کا تغزل اور اقبال کے پیام جاوداں کا عکس بھی، لیکن ان گوناگوں اثرات کو انھوں نے اس طرح اپنایا ہے کہ ان کی انفرادیت چھپی نہیں رہتی-" (۳)

درد صاحب نہایت دیندار اور پاک باز انسان تھے - بعدہٗ مقالہ کے سلسلہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ حسنِ اخلاق سے پیش آئے اور اپنی چار مذکورہ ذیل تصانیف بھی عنایت فرمائیں :

۱- دیوانِ درد (۱۴۴ صفحات)

۲- جذبات درد (۱۲۸ صفحات)

---

(۱) درد کاکوروی: " جذبات درد " ، لاہور: پاکستان پرنٹنگ پریس، دسمبر، ۱۹۵۳ء، (دیباچہ جس میں خود نوشت سرگزشت ہے) ، ص: ۱۶

(۲) نبیرۂ درد کاکوروی محسن رضی علوی کے خط سے تصدیق ہوئی -

(۳) وقار عظیم ، پروفیسر سید ، " دیوان درد " کراچی: اسیوادورس آرام باغ، ۱۹۵۹ء ، (تعارف) ، ص: ۲

۳- قوالی (اردو خمسہ اردو فارسی غزلیں)
(۱۲۸ صفحات)

۴- اردو اور شمالی ہند (۱۱۲ صفحات)
(یہ اردو پر تحقیقی مقالہ ہے)

درد صاحب نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور کسی صنف کو تشنہ کام نہیں چھوڑا اور ہر صنف میں ان کا اپنا رنگ نمایاں نظر آتا ہے ۔ انہوں نے قدیم و جدید شعرا سے استفادہ کیا ان کے کلام میں حمد ، نعت ، سلام ، عشقیہ غزلیں ، ہندی گیت ، رباعیات ، قطعات ، مخمس اور مناظر فطرت سے متعلق نظمیں اور قوالیاں ہیں ۔ قوالی کی نظمیں معرفت الٰہی اور عشق رسول میں استغراقی کیفیت کا نتیجہ ہیں ۔ بلا شبہ اس تخلیق میں ان کے عاشقانہ جذبات و تاثرات ہی کارفرما ہیں ۔ کیوں کہ انہوں نے اپنی شاعری کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ جو کچھ کہا جذبات کی تسکین اور سکون قلب کی خاطر یا واقعات اور حالات سے متاثر ہوکر کہا ہے خلوص نیت کی جھلک ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب خوشی کے گیت گاتے ہیں تو سرور کی جذبات موج زن ہوتے ہیں اور حالت غم میں ان کے غمگین افکار ان کے دلی درد و کرب کے آئینہ دار ہوتے ہیں :

سینے میں قلب ہوتیاں نالہ دراز کیوں نہ ہو دل پہ گریں جو بجلیاں فاش یہ راز کیوں نہ ہو
شعلہ فشاں ہو کیوں نہ دل آتش غم ہے مشتعل لذت جاں گداز دل محو نیاز کیوں نہ ہو
یاس و الم کی بستیاں دل میں ہی جب بسی ہوئی سجدہ ریز ہوں تجھ سے ہر گرامی راز و نیاز کیوں نہ ہو
مستی جام کے لیے گیت دوام کے لیے تیری نگاہ دل نشیں درد نواز کیوں نہ ہو

ان کی نظمیں نہایت صدا ہیں " وقت " کی آواز میں ان کے بول ملاحظہ ہوں :

وقت کا گر ساتھ دوگے پھر تو بن جائیں گے کام
ورنہ ہو جائیں گے سب ناکام ، منصوبے تمام
قدر کی تم نے نہ میری ، تو سمجھ لو میں چلا
وقت ہوں میں ، آ نہیں سکتا دوبارہ ، جب گیا

درد نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ ایک روایتی غزل گوئی کا دور تھا ۔ اس دور

میں غزل اپنے اصل مرتبہ سے گرچکی تھی ۔ جگر مرادآبادی کی طرح انھوں نے بھی غزل کو حقیقی جذبات دیے ۔ حسرت موہانی کی طرح درد کے یہاں بھی معرفت الٰہی کا جوش قارئین کو لطف دے جاتا ہے ۔

اردو فارسی کے ایک شعر کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی پرتوِ حسن او جلوہ گرست سو بسو — شمس بہ شمس مہ بہ مہ ذرہ بہ ذرہ کوبکو

اردو — تابِ جمال کس میں ہے کس میں نہیں ہے وہ — جلوے دکھاکے ظرفِ نظر دیکھتے رہے

فارسی کے شعر میں کہتے ہیں کہ جلوۂ خداوندی کائنات کی ہر شے میں جلوہ گر ہے ۔ پہلے مصرع میں سو بسو کہہ کر جلوۂ حسن کی تعمیم بیان کی ہے ۔ پھر دوسرے مصرع میں مزید تشریح کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جو اس کے پرتوِ حسن سے فیض یاب نہ ہو زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے شعر میں جو شگفتگی اور دل کشی ہے وہ مذاقِ سلیم سے پوشیدہ نہیں ہے اور یہ ترتیب بھی لطف سے خالی نہیں ہے کہ اول سو بسو کہا ہے پھر شمس بہ شمس اس کے بعد مہ بہ مہ اور آخر میں ذرہ بہ ذرہ ۔ اور اصل میں ترتیب ذرہ پر آکر ختم ہوجانی چاہئے مگر قافیہ کی ضرورت نے مجبور کیا تو لامحالہ کوبکو لانا پڑا ۔

اردو کے شعر میں کسی قدر وقتِ نظر سے کام لیتے ہوئے یہ بات مزید پیدا کی ہے کہ اگرچہ جمالِ خداوندی ہرجگہ موجود ہے کوئی چیز اس کے پرتوِ جمال سے خالی نہیں ہے مگر وہ اپنے ان جلووں کو دکھاکر دیکھنے والوں کے ظرفِ نظر کا امتحان لے رہا ہے کہ کون اس کے جلووں سے کتنا اور کس طرح فیض یاب ہوتا ہے ۔

فارسی کے شعر میں جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں زبان اور بیان کی خاصی خوبیاں پائی جاتی ہیں لیکن اردو کے شعر میں ظرفِ نظر کا ذکر کر کے جمالِ خداوندی کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس کی اس تعمیم کو بامقصد بھی بنادیا ہے اس لیے معنوی اعتبار سے اردو کا شعر بھی قابلِ تعریف ہے ۔

====XXXX====

مزید چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی   از عکس حسن روئے تو اندر صدف، اندر صدف

دردانه ام، دردانه ام، از دو جهان بیگانه ام

اردو   ہے عکس تیرے حسن کا جب سے مرے دل پر پڑا

دردانہ ہوں، دردانہ ہوں، دارین سے بیگانہ ہوں

===XXX===

فارسی   بے زار گشتم آں چناں اے درد از کون و مکاں

بیگانه ام بیگانه ام، از دو جهان بیگانه ام

اردو   بے زار ہوں، بے زار ہوں، کون و مکاں سے درد میں

بیگانہ ہوں، بیگانہ ہوں، دارین سے بیگانہ ہوں

===XXX====

فارسی   فرزانه ام، فرزانه ام، از دوجهان بیگانه ام

از عقل چون بے گانه ام، از دو جهان بے گانه ام

اردو   مستانہ ہوں مستانہ ہوں دارین سے بے گانہ ہوں

دیوانہ ہوں، دیوانہ ہوں دارین سے بیگانہ ہوں

=====XXX=====

فارسی   از بادۂ دوسا قیا لبریز کن، لبریز کن   پیمانه ام پیمانه ام، از دوجهان بیگانه ام

اردو   بھردے شراب تو سے یہ بھردے شراب تو سے یہ

پیمانہ ہوں، پیمانہ ہوں ، دارین سے بے گانہ ہوں

=====XXX=====

فارسی   مارا چه کار از دو جهان، از بهر شمع حسن تو

پروانه ام پروانه ام ، از دو جهان بے گانه ام

اردو   کیا کام مجھ کو دہر سے ہیں تیری شمع حسن کا

پروانہ ہوں پروانہ ہوں، داریں سے بیگانہ ہوں

===XXX===

فارسی   ساقی ز چشم مست تو مستم چنان چنان

بے خانہ ام بے خانہ ام، از دو جہان بیگانہ ام

اردو   مخمور آنکھوں سے تری کچھ اس قدر میں مست ہوں

بے خانہ ہوں بے خانہ ہوں، داریں سے بیگانہ ہوں

====XXX=====

فارسی   لطف دہد بہ گل رخان راز و نیاز عاشقان

چشم بچشم دل بدل سینہ بہ سینہ رو برو

اردو   حق سے دی حق کا ہے راز و نیاز ہر گھڑی

چشم بچشم دل بدل سینہ بہ سینہ رو برو

====XXX===

فارسی   نشۂ جام معرفت جوش زن است در سرم   بے خود و مست می دوم دشت بدشت کوبکو

اردو   چشم رسول دیکھ کر پھرتے ہیں مست ہوکے ہم

خانہ بخانہ، در بدر، دشت بدشت کو بکو

====XX====

فارسی   دل نثار ساقی مے خوار باد   جان فدائے نرگس خمار باد

اردو   ساقی تری ان مست نگاہوں کے صدق   پیمانہ پلادے مجھے پیمانہ پلادے

===XX====

فارسی   مے بیکسے مدہ، بدہ رند خراب و خستہ را   بیکسے ببیں، ببیں حالت بے قرار من

اردو   مست ترا بہک گیا، ساقی چھلکتا جام لا   صدقہ نشیلی آنکھ کا تازہ بتازہ نو بنو

===XXX====

فارسی حاجت نباشد دردرا از بادهٔ گلرنگ شب

ساقی دو چشم مست تو مستانه را رنگین کند

اردو اس نگاه مست کے جب سے هم هوئے غلام روح مست هوگئی دل خراب هوگیا

●●●●●●●●●
●●●●●●●
●●●●●

د بستان طام

دبستان عام

بہار اور بنگال

بہار اور بنگال کے مسلم فاتحین کی زبان فارسی تھی اس لیے وہاں کی دفتری زبان برسوں تک فارسی ہی رہی - بنگال میں فارسی اور اردو امراء اور شرفاء کا اوڑھنا بچھونا بنی ہوئی تھی، اور محفلوں کی روح رواں سمجھی جاتی تھی ڈھاکہ اور مرشد آباد کے نواب صاحبان نے تو اردو کی ایسی سرپرستی فرمائی کہ ان کے گرد بے شمار شعراء جمع رہنے لگے تھے - جو ان کی سخاوت کے بیحد مداح رہے - اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بنگالی رسم الخط میں اردو نظمیں عام رواج پاگئیں اور وہاں کی نظم و نثر کی صاحبت میں عربی اور فارسی کے بے شمار الفاظ نظر آتے ہیں اور خوبی کی بات یہ ہے کہ یہ الفاظ خالص بنگالی بولنے والوں کے لیے غیر مانوس نہیں - محمد فقیہہ درد (متوفی ۱۷۴۷ء) جو بنگال میں اردو کے پہلے شاعر سمجھے جاتے ہیں نواب علی وردی خاں کے زمانے میں ہوئے ہیں - یہ مرزا جان جاناں کے شاگرد تھے ان سے ایک دیوان بھی یادگار ہے - نواب سراج الدولہ کے زمانے میں بھی فارسی اور اردو کو بہت فروغ ہوا اس کے دربار کے نامور شعراء میں قدرت اللہ قدرت اور فرحت اللہ فرحت زیادہ مشہور ہیں - یہ صاحب دیوان شعراء میر، سودا، آبرو، حاتم کے ہم عصر تھے - عبدالغفور خاں نساخ نے قدرت کو مظہر جان جاناں اور میر جعفر علی حسرت کا شاگرد بتایا ہے -

محمد شاہ والی دہلی کے عہد حکومت میں اردو زبان کے مشہور شعراء میر سوز، مرزا ظہور علی خلیق اور نواب نوازش محمد خاں وغیرہ دہلی سے ترک سکونت کرکے مرشد آباد تشریف لائے اور محمد خاں شہاب جنگ کے دامن دولت سے وابستہ ہوگیے - انشاء اللہ خاں انشا کے والد میر ماشا اللہ خاں مصدر زوال دہلی کے بعد مرشد آباد تشریف لے آئے تھے اور شاہی طبیب خاص ہوگیے تھے انشا نے بھی یہیں تربیت پائی - میر جعفر کے زمانے میں بہت سے اہل علم و فن یک جا ہوگیے تھے نواب میر محمد شرف اس زمانے کے مشہور شاعر ہوئے ہیں - یہ بزم جنگ پلاسی کے بعد اجڑ گئی -

غدر ۱۸۵۷ء کی باد خزاں سے دہلی اور لکھنو کے گلستان سخن اجڑ کر رہ گیے تھے -

واجد علی شاہ معزول کرکے لکھنو سے کلکتہ لائے گیے اور ان کے ساتھ اھل علم و فضل بھی چلے آئے جن کے ذوق شعر و ادب نے مٹیابرج کو (جو کلکتہ کے قریب ھی واقع ھے) لکھنو کا نمونہ بنادیا تھا ۔ اسی زمانے میں داغ دھلوی اور عظم طباطبائی دکن سے کلکتہ تشریف لائے اور یہاں کے مشاعروں کی جان بن گیے ۔ اس طرح بنگال ان باکمال شعرا کے جمع ھونے سے اردو ادب کا گہوارہ بن گیاتھا ۔ پھر بنگال کے مختلف مقامات پر عبدالغفور خان نساخ شہباز اور آزاد داد سخن دے رھے تھے ۔ جب عبدالغفور نساخ دھلی تشریف لے گیے تو مرزا غالب نے ان کے کلام کی بیحد تعریف کی ۔ دراصل تعریف کی وجہ یہ تھی کہ نساخ کے کلام پر دھلی رنگ غالب تھا ۔ جس نے غالب کو تعریف پر مجبور کردیا ۔

نساخ کے شاگرد اصغر بھی بڑے قادر الکلام شاعر ھوئے ھیں نساخ کے صاحبزادے شمس بھی بڑے باکمال شاعر تھے ۔ شمس کے شاگردوں میں رضا علی وحشت آتے ھیں جنھیں اردو شاعری میں بڑی مقبولیت حاصل ھے ۔ وحشت اپنے رنگ میں یگانہ رھے اور انھوں نے دھلی اور لکھنو کا ملا جلا رنگ اختیار کیا مگر دھلویت غالب نظر آتی ھے حقیقت یہ ھے کہ انھوں نے بنگال کا نام روشن کردیا ۔ اس سلسلہ میں مرآۃ الشعراء کے مصنف محمد یحیی تنھا کا خیال ھے کہ چوں کہ ان کے آبا و اجداد دھلوی تھے اس لیے ان کے کلام پر دھلویت غالب ھے ، لیکن اصل بات یہ ھے کہ وہ ایک عالم آدمی تھے اور انھوں نے نساخ اور شمس سے استفادہ کیا ، دھلوی اور لکھنوی شعراء کے کلام کا مطالعہ کیا ۔ غالب سے وہ زیادہ متاثر نظر آتے ھیں اور کہیں کہیں داغ کا رنگ بھی جھلکتا ھے اور یہی حال بہار کے شعرا کا ھے ان سے بھی جس قدر ھوسکا اردو ادب کی خدمت کی اور وھاں بھی دھلی اور لکھنو کا ملا جلا رنگ نظر آتا ھے ۔

راجستھان

نواب میر خان کے زمانے سے ٹونک میں اور نواب سردار دوست محمد خان کے زمانے سے بھوپال میں فارسی زبان دفتری زبان کی حیثیت سے رائج ہو گئی اور مغل حکمرانوں کی خوشنودی کی خاطر راجستھان کے دیگر راجے مہاراجے بھی فارسی زبان کی خاصی سرپرستی کرتے چلے آئے تھے اور ھندؤوں میں کایستھ قوم کے لوگوں نے تو فارسی زبان باقاعدگی سے حاصل کرکے

اپنے قومی وقار کو بہت بلند کرلیا تھا جس کی وجہ سے بڑی راجستھان میں فارسی زبان کا چرچا تھا اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اور یہ سلسلہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد تک جاری رہا۔

۱۸۵۷ء کے پر آشوب ہنگاموں کا سلسلہ دلی سے شروع ہوا رفتہ رفتہ اس نے لکھنو کی بساط بھی الٹ دی تو وہاں کے باکمال شعرا علماء اور صاحب فن حضرات نے راجستھان کا رخ کیا یہاں کے حکمراں نے ان کی خاطر خواہ قدر کی اور ان کی سرپرستی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیشتر حضرات نے وہاں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔

انگریزوں کا عمل دخل ہوتے ہی انھوں نے اردو کی نوشت و خواند کو عام کیا تو بھوپال اور ٹونک کی دفتری زبان فارسی کی بجائے اردو قرار پائی۔ قدردانی کا یہ حال تھا کہ مومن خاں مومن نے نواب ٹونک کی شان میں قصیدہ لکھا، میر مہدی مجروح نے نواب زادہ احمد علی خاں رونق کے دیوان کا قطعہ تاریخ لکھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شعرا کے واقعی قدرداں تھے۔ ٹونک کے تو بیشتر نواب اور نواب زادے شاعر گذرے ہیں سید اصغر علی آبرو نے جن کا مفصل ذکر تاریخ ٹونک میں کیا ہے اور نمونہ کلام بھی دیا ہے۔ خود ابراہیم علی خاں خلیل صاحب دیوان شاعر تھے۔ انکو حضور سے عشق تھا اس لیے ان کا لکھا ہوا منظوم میلاد شریف بہت مقبول ہوا۔ "میلاد خلیل" گھر گھر پڑھا جاتا تھا اور ربیع الاول کی بارہ تاریخ تک "نظر باغ" (شاہی محل) میں میلاد ہوتا تھا اس میں بھی "میلاد خلیل" ہی پڑھا جاتا تھا ایک بڑا جشن ہوتا تھا، جس پر نواب ٹونک کی طرف سے لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا تھا۔ یہ میلاد انھوں نے اردو زبان میں لکھا ہے زبان بہت صاف اور شستہ ہے۔ نواب سعادت علی خاں سعید (تحریروں میں رآج) تخلص کرتے تھے۔ عاشق ٹونکی داغ کے شاگرد تھے۔ رفتہ رفتہ فارسی شعر گوئی کا رواج کم ہوگیا مگر اکثر مشاعروں میں فارسی کلام بھی پسند کیا جاتا تھا اس لیے شعرا فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور یہ رواج تو اب تک چلا آرہا ہے۔

اسیر و اسد لکھنوی میر مہدی مجروح اور مومن دہلوی وغیرہ کا ٹونک آتے رہنا بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ ٹونک میں شعر و شاعری کا چرچا تھا اور ان کا فیض یہاں کے لوگوں کو پہنچ رہا تھا۔ جےپور میں عاقل دہلوی کی وجہ

سے شعر و شاعری کی مزید فروغ حاصل ہوا اور گھر گھر مشاعرے ہونے لگے (جن کا مفصل حال احترام الدین شاغل نے تذکرہ شعرا جیپور میں کیا ہے ۔) اسی طرح بھوپال بھی شعر و سخن کا مرکز تھا ۔ (بھوپال کے شعراء کا مفصل ذکر آثار الشعرا میں سید محمد سطوز علی حافظ نے کیا ہے) اس میں کوئی شک نہیں کہ شعر و سخن کا چرچا یہاں تک بڑھا کہ ہمہ وقت مشاعروں کا بازار گرم رہتا اور آئے دن مشاعروں کی محفلیں گرم رہتیں اور اچھے اشعار پر اس قدر داد ملتی کہ شاعر خوشی کے مارے پھولا نہ سماتا گویا شاعری یہاں کے لوگوں کا پسندیدہ مشغلہ بن چکی تھی ۔ شعرا دلی اور لکھنو کے فیض سے راجستھان میں بھی بڑے بڑے باکمال شعراء پیدا ہوئے جن کے کلام میں دلی اور لکھنو کا ملا جلا رنگ نظر آتا ہے۔

سندھ و پنجاب

مسلم فاتحین نے سب سے پہلے سندھ اور پھر پنجاب کی سر زمین پر قدم جمائے ان مسلمانوں کی زبان عربی اور فارسی تھی اس لیے کاروبار چلانے اور بہتر ملازمتیں حاصل کرنے کے لیے مقامی لوگوں نے عربی اور فارسی زبانیں سیکھیں ۔ ہندو مسلم اقوام کو قریب تر لانے اور تہذیب و ثقافت کو ہم آہنگ کرنے کے لیے بھی زبان بہت اہم کردار ادا کرتی ہے اس لیے محمود غزنوی سے لے کر مغل شہنشاہوں تک نے اس بات کی کوشش کی کہ ملک میں فارسی زبان عوامی زبان بن جائے اس مقصد کے حصول کے لیے دارالترجمے قائم کیے گیے جن میں ہندی کتابوں کے فارسی میں اور فارسی کتابوں کے ہندی میں تراجم ہوئے لغات لکھنے کا اہتمام کیا گیا ، مدارس و مکاتب کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ حکام رعایا سے قریب تر ہوجائیں اور انصاف کے ساتھ حکومت کرسکیں ۔ اس مقصد کی خاطر وہ خود بھی ہندی زبان سیکھتے تھے تاریخ شاہد ہے کہ خود محمود ہندی زبان جانتا تھا اس کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی جو عمال مقرر کیے جاتے تھے ان کا ہندی زبان سے واقف ہونا ضروری ہوتا تھا اس لیے قدرتی طور پر ایک مخلوط زبان کا ظہور میں آنا فطری امر تھا یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ سندھ و پنجاب ہی کی سرزمین ہے جہاں اردو زبان نے جنم لیا رفتہ رفتہ مختلف علاقوں میں پھیلتی گئی اور وہاں مختلف ناموں سے پکاری گئی اور کسی حد تک اس میں وہاں کے علاقائی الفاظ بھی شامل ہوتے تھے اس طرح وہ دیگر علاقوں

کی مخلوط زبان سے کسی قدر جداگانہ حیثیت رکھتی تھی -

یہ ایک نزاعی بحث ہے اس میں ہم الجھنا نہیں چاہتے صرف اتنا کہیں گے کہ زبان وہی ایک تھی صرف نام مختلف تھے اور یہ علاقائی اثرات مختلف علاقوں کے لوگوں کی اردو زبان میں آج بھی موجود ہیں وہ مخلوط زبان جو بعد میں اردو کے نام سے موسوم ہوئی سندھ و پنجاب سے لے کر دکن ، دلی اور لکھنؤ تک ایک تھی اور ہر علاقے نے اپنے وقت میں اس کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا پاکستان بننے کے بعد تو پھر یہ اپنے قدیم مقام پر لوٹ آئی ہے - اور اس کی خدمت کا سہرا اب سندھ و پنجاب کے سر ہے -

اس میں کوئی شک نہیں کہ دلّی اور لکھنؤ کے دبستان اجڑنے کے بعد اردو کی سرپرستی کسی حد تک انگریز حکومت نے کی اور ان کے زمانے میں دہلی اور لکھنؤ کے دبستانوں کی ادبی خدمات سے ہندوستان کے عرصہ کو روشناس کرایا گیا اردو کی تعلیم کو اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں عام کیا گیا - اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ یہ زبان ہندوستان کے مسلمانوں کا عظیم ورثہ ہے- اس میں عربی اور فارسی ادب کی روح موجود ہے یہی وجہ ہے کہ یہ زبان اسلامی تہذیب و تمدن کی آئینہ دار ہے - اسی وجہ سے ہندو اسے مسلمانوں کی زبان کہتے ہیں - اسی لیے ہندوؤں نے اپنے ملک میں اردو کی بجائے سنسکرت کو قومی زبان تسلیم کیا لیکن جو لوگ اردو زبان کی خصوصیات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اردو زبان ہندوستان میں ختم نہیں ہوگی بلکہ اس میں سنسکرت کے الفاظ شامل ہوجانے سے مزید وسعت پیدا ہوگی اور ہندومسلم تعصب کی بنا پر اسے نہ تو ختم کیا جاسکتا ہے اور نہ دیس نکالا دیا جاسکتا ہے -

زبان صدیوں کے ارتباط اور میل جول کا نتیجہ ہوتی ہے اور کوئی تعصب اسے صفحہ ہستی سے نہیں مٹاسکتا - وہ کسی نہ کسی روپ میں موجود رہتی ہے کیوں کہ وہ قانون فطرت کے اصولوں پر تشکیل پائی جاتی ہے اس لیے فطری قانونوں کے تحت باقی بھی رہتی ہے -

اس وقت ایران میں فارسی زبان نے جدید قانونوں کے تحت اپنی قدیم شکل و صورت بدل لی ہے - لیکن ہمارے یہاں وہی سنائی ، عطار ، رومی اور حافظ و سعدی وغیرہ کے زمانے کی فارسی رائج رہی ہے - سندھ کے مشہور شاعر گرا بھی سعدی سے بہت متاثر تھے [illegible] دراصل

فارسی ادبیات میں ہماری اسلامی تعلیمات اور تہذیب و ثقافت کا ایک عظیم سرمایہ موجود ہے اور اس کی حفاظت کرنا اسلامی تہذیب کی بقا کے لئے ضروری ہے ۔

اہل ایران نے جب اسلامی تہذیب و تمدن کو پس پشت ڈالا اور انہیں تہذیب یورپ میں فلاح کی راہ نظر آنے لگی تو علامہ اقبال کا حساس دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور وہ بے ساختہ کہہ اٹھے کہ اہل ایران کو اسلاف کی تقلید کرنی چاہئے جو اہل یورپ کی چال بازیوں سے بخوبی واقف تھے ۔

من فدائے آنکہ خودرا دیدہ است   عصر حاضر راَنکو سنجیدہ است

غربیان را شیوہ ہائے ساحری است   تکیہ بر خویش کردن کافریست

عربوں کے مغربی تہذیب کی طرف بڑھتے ہوئے قدم دیکھے تو انہیں اتنا افسوس ہوا کہ وہ خون کے آنسو رو دیے اور ان کے غمگین دل سے یہ شعر نکلے :

آنچہ تو با خویش کردی کس نکرد   روح پاک مصطفےٰ آمد بدرد

اے زافسون فرنگی بے خبر   فتنہ ہا در آستین او نگر

از فریب اواگر خواہی امان   اشترانش را زحوض خود بران

یہ اسی فارسی تہذیب کے اثرات ہیں جو آج ہماری تہذیب میں جلوہ گر ہیں اور جن کی وجہ سے آج ہماری تہذیب دنیا کی تمام تہذیبوں سے ممتاز ہے ۔ اسی بنا پر فارسی آج بھی ہمارے ملک میں اردو کے دوش بدوش ہے ۔

****

گدا ، سید غلام محمد شاہ (سندھی) :

جب دہلی اور لکھنو کے گلستان سخن میں طرح طرح کے پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے اور ان کی خوشبو سے صاحب ذوق حضرات کے مسام دماغ معطر ہو رہے تھے ۔ سندھ میں بھی غلام محمد شاہ گدا کے اردو فارسی کلام کی خوشبو سے سندھ کی سر زمین مہک رہی تھی سندھ کے شعرا میں سید غلام محمد شاہ کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے ۔ آپ گدا تخلص کرتے تھے۔ سندھ کے باشعور طبقہ کا ہر فرد آپ سے بخوبی واقف ہے ۔

"تاریخ تولدش از "مظہر حق" برمی آید" (۱)

غلام محمد شاہ ۱۲۴۳ھ /۲۸-۱۸۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ یہ حسینی سید تھے ان کا سلسلہ نسب حضرت امام علی بن موسیٰ سے ملتا ہے - ان کے جد امجد سید بچل شاہ بن سید کرم علی شاہ ایک عالم و فاضل اور کامل صوفی تھے - ان کا سلسلہ قادری تھا ، انہیں اپنے سلسلے کے بانی سید عبدالقادر جیلانی سے بڑی عقیدت تھی - - آپ کے آبا واجداد مشہد سے قندھار گئے وہاں سے نکل کر خدا آباد ضلع دادو سندھ میں آکر قیام کیا ، پھر کچھ عرصہ بعد حیدرآباد سندھ میں مستقل سکونت اختیار کرلی -

گدا نے اخوند احمد بن عبدالعلیم ہالائی سے تعلیم حاصل کی خاص طور پر اردو، فارسی اور عربی میں ایسا کمال پیدا کیا کہ اپنے معاصرین سے سبقت لے گئے - علم تاریخ اور فن خوشنویسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے - اوائل عمر ہی میں طبیعت شعر و سخن کی طرف مائل ہوئی محمد روشن حیدرآبادی سے اصلاح لینی شروع کی، اور ایسی مشق بہم پہنچائی کہ استاد کے لیے باعث افتخار ہوئے - مخدوم محمد ابراہیم تتوی فرماتے ہیں "در شعر گفتن بزبان فارسی، سندھی و اردو ید طولی دارد و در نثر نیز یکتائے عصر خود است ..... سید گدا در علوم دینی شاگرد اخوند احمد بن عبدالعلیم ہالائی بود و در شعر از محمد روشن حیدرآبادی (المتوفی ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء) فیض گرفت -"

اپنے استاد کے انتقال پر قطعہ تاریخ میں فرماتے ہیں :

چو استاد روشن بجنت روان شد
بگو اے گدا "آہ شیریں سخن" رفت
۱۲۸۶ھ

میر صبیر کے زمانے میں گدا کے والد سندھ میں ایک معزز عہدہ پر فائز تھے - گھر کا ماحول صوفیانہ تھا - سید بچل شاہ کے ہزاروں مرید تھے، شب و روز وعظ و نصیحت اور تذکیہ نفس کا درس جاری رہتا تھا آپ بھی اپنے جد امجد ہی کے ہاتھ پر قادری سلسلہ میں بیعت ہوئے - ایک مثنوی میں اپنے پیر کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :

بحق پیر صاحب من	بچل شاہ اکمل و احسن
گل باغ رسول اللہ	حبیب حق ولی اللہ

گدا نے اپنے زمانے کے بزرگوں ، درویشوں ، عالموں، مدبروں اور مفکروں کی صحبت سے

(۱) تتوی، خلیل ابراہیم محمد (المتوفی ۱۳۱۷ھ) (مولف): تکملہ مقالات الشعراء۔ کراچی سندھی ادبی بورڈ ص ۵۲۷

جو فیض حاصل کیا اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کی طبیعت میں حلم ، تواضع ، انکسار ، اور ملنساری جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوگئی تھیں -

جوانی میں میر محمد خان بن میر غلام علی خان کے پاس انہی کے گاؤں میں رہتے تھے- میر محمد خان اور ان کے صاحبزادے میر شہنواز خان کو گدا سے بڑی عقیدت تھی ، گدا نے ان کی شان میں قصائد لکھ کر بارہا خلعت فاخرہ اور انعامات حاصل کیے ، ان کی سرکار سے گدا کو وظیفہ بھی ملتا تھا - اس زمانے میں سندھ کے تمام باکمال شاعر گدا کے شاگرد تھے - حتیٰ کہ امیر عبدالحسین جو کہ بقول رشید احمد لاشاری اردو ، فارسی ، بلوچی اور سندھی کے باکمال شاعر تھے اور سندھ کے مقتدر سرداروں میں گنے جاتے تھے گدا کے شاگرد تھے - گدا نے خود بھی ان کی تعریف کی ہے :

بجز میر عبدالحسین سندھ میں کوئی شعر موزوں بناتا نہیں

گدا کو ان کے جودو سخا پر بھی ناز تھا ، ظاہر ہے جہاں ممدوح سخن فہم ہو اور دل کھول کر کے داد و دہش کرتا ہو تو شاعر کی جولانی طبع جوش پر آجاتی ہے :

سحاب جود و سخاوت امیر عبدالحسین

گدا ز فیض عطایش سخنوری آموخت

سندھ کے ملک الشعراء (۱) سید غلام محمد شاہ گدا نے ۳/ ذوالقعد ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۱ جنوری ، ۱۹۰۵ع کو اس دار فانی سے کوچ کیا اور حیدرآباد سندھ میں مدفون ہیں - (۲)

خصوصیات کلام :

در حقیقت گدا سندھی کی توجہ خاص سے سندھ کی سر زمین میں اردو فارسی ادب کا چراغ روشن تھا - وہ بات کو سیدھے سادے انداز میں کہدینے کے قائل تھے - ان کی نظر میں شاعری فطرت انسانی کی عکاسی یا واردات قلبی کی ترجمانی ہے - اسی لیے ان کے کلام میں ان کی شخصیت کا پرتو دیکھا جاسکتا ہے اگرچہ آپ کا اردو کلام بھی اچھا ہے

---

(۱) تتوی مخدوم خلیل مولف تکملۂ مقالات الشعرا نے گدا کو " سید الشعراء " لکھا ہے -

(۲) تتوی ، مخدوم خلیل محمد ابراہیم " تکملہ مقالات الشعراء " ص ۵۲۷

لیکن فارسی کلام معیاری ہے ۔ آپ کو شیخ سعدی سے بڑی عقیدت تھی اس لیے آپ نے فارسی میں سعدی کی تقلید بھی کی ہے ۔

ایک مقام پر گدا نے سعدی کی حمد کے اشعار سامنے رکھ کر سعدی کے رنگ میں حمد کہی ہے جس سے سعدی کی تقلید کا پتا چلتا ہے اور گدا کی قادرالکلامی کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے ۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں :

سعدی :- من بندۂ شرم سارم تو رحم کن رحیما — در فسق بے شمارم تو رحم کن رحیما
گدا :- از بس کہ پرگناہم تو رحم کن رحیما — از لطف وہ پناہم تو رحم کن رحیما

===XXX====

سعدی :- شرمندہ روئے زردم ، جرم عظیم کردم — خود را بتو سپردم تو رحم کن رحیما
گدا :- غم از دلم بدر کن برحال من نظر کن — از جرم من گذر کن تو رحم کن رحیما
سعدی :- یارب! گناہ گارم، پرعیب و شرمسارم — جز تو کسی ندارم، تو رحم کن رحیما
گدا :- غم خوار کس ندارم بیمار و غمگسارم — بیمار و بے قرارم تو رحم کن رحیما
سعدی :- عمرم گذشت باطل ، کردم گناہ حاصل — بر این فقیر غافل تو رحم کن رحیما
گدا :- از تست جملہ رحمت، یارب بکن توشفقت — شد عمر من بغفلت تو رحم کن رحیما

مقطع ملاحظہ ہو :

سعدی :- من سعدی ضعیفم بودین مصطفائیم — هردم همین بخواهم تو رحم کن رحیما
گدا :- یارب بہر دو عالم بخش از کرم گناہم — گوید گدا بہردم تو رحم کن رحیما

====XXX====

گدا نے حاجی جان محمد قدسی کی مشہور زمانہ نعت "مرحبا سید مکی مدنی العربی" پر بھی بصورت مخمس تضمین کہی ہے ، جس کے پہلے تین مصرع اردو میں ہیں اور آخر میں قدسی کا شعر نقل کیا ہے ۔ ان اردو مصرعوں سے مقابل کے لیے ہم گدا کا فارسی شعر بھی نقل کرتے ہیں :

فارسی : اے سرور دو عالم و سرخیل انبیاء — حق آفرید جملہ جہان از برائے تو

اردو:(مخمس کا بند)

شیدا! مجھ کو تری ذات مقدس کی قسم　　واسطے تیرے بنے ارض و سما لوح و قلم

نور سے تیرے منور ہوئے دونوں عالم　　"من بے دل بجمال تو عجب حیرانم

الله الله چه جمالست بدین بوالعجبی"

فارسی　شود زیب قدت قدر رفعت لولاک　　فزود قدر و مقام تو یا رسول الله

اردو:(مخمس کا بند)

واہ! کیا تیرے مراتب ہیں شہ صل علی　　شان میں تیری حق نے کہا" لولاک لما"

مجھ میں طاقت نہیں، تیری جو کروں مدح و ثنا　　نسبتی نیست، بذات تو بنی آدم را

برتر از عالم و آدم تو چه عالی نسبی

فارسی　تو بادشاه هر دو جهان بحکم حق　　بود کیقباد فخر شاید گدائے تو

اردو:(مخمس کا بند)

پس ازیں شان شہان شوکت جمشید شکست　　آگے رتبہ کے ترے سب کا ہوا رتبہ پست

واسطے تیرے ہوئیں پیدا یہی ہشت بہشت　　"شب معراج، عروج تو از افلاک گذشت

بمقامیکه رسیدی نرسد هیچ نبی"

غرض حمد اور نعت سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خدا و رسول کے حقیقی معنی میں شیدائی تھے - انھوں نے عشق خداوندی میں محو ہوکر حمد کہی ہے اور اسی طرح نعت میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار ہے ——[1]

مخدوم خلیل نے گدا کو " سید الشعراء " بالکل درست لکھا ہے اگر سعدی پر شیراز فخر کرسکتا ہے تو گدا پر سرزمین سندھ فخر کرسکتی ہے -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

==================================

فارسی　بوالے ناصح نادان مده درد سرم هرگز　　که مستان را چه پروائی ازین احوال باطلها

اردو　منع کرتا ہے مجھے عشق بتاں سے زاہد　　کیا کہوں اس کو کہ وہ واقف اسرار نہیں

====XXX====

فارسی کے شعر میں اپنی آزاد روی و بے پرواہی کا اظہار کیا ہے اور ناصح کو بھی نادان ٹھہرایا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے - فارسی اور اردو شاعری میں ناصح اور واعظ وغیرہ پر اسی قسم کی پھبتیاں کہی جاتی رہی ہیں اور اسی قسم کی آزادہ روی اور بے پرواہی کو عشق کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے -

اردو کے شعر میں ناصح کے مقابلہ میں زاہد کو اسرار محبت سے ناواقف قرار دیا ہے لیکن یہ لطیف اشارہ بھی موجود ہے کہ عشق بتاں جو عشق حقیقی کے لیے زینہ سمجھا جاتا ہے اس حقیقت سے زاہد بے چارہ چونکہ بالکل نابلد ہے اس لیے اعتراض کرتا ہے - کہ عشاق نے اپنے مجازی عشق کے جواز میں "المجاز قنطرة الحقیقة" کا خود ساختہ نظریہ بنالیا ہے حالانکہ یہی اس کی ناواقفیت کی دلیل ہے ، بہرحال فارسی اور اردو دونوں شعر بالکل صاف ہیں اور اپنی صفائی اور سادگی میں ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں -

===xxx===

فارسی در حریم خود طلب کن اے گدا مطلوب خویش

چون " و فی انفسکم " (۱) آمد کلام کردگار

اردو چشم دل سے اگر کوئی دیکھے نور خدا کا ظہور ہوجا ہے

فارسی کے شعر میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جہاں فرمایا گیا ہے " وفی انفسکم افلا تبصرون " یعنی تمہاری ذات کے اندر سب کچھ موجود ہے کیا تم دیکھتے نہیں - یعنی اگر خدا کو پہچاننا چاہتے ہو تو پہلے اپنی ذات کو سمجھنے کی کوشش کرو- جیسا کہ حدیث میں آتا ہے " من عرف نفسہ فقد عرف ربہ " شعر قرآن کی آیت کا بالکل ترجمہ ہے-

---

(۱) قرآن حکیم پارہ ۲۶ کا آخری رکوع ، پوری آیت اس طرح ہے :
" وفی الارض ایت للموقنین وفی انفسکم ط افلا تبصرون "
ترجمہ :- اور زمین میں نشانیاں ہیں ایمان لانے والوں کے لیے (حتی کہ) خود تمہارے اندر بھی ، سو کیا تم کو سوجھتا نہیں -

اردو کے شعر میں بھی بات وهی هے مگر اپنی ذات سے هٹ کر نور حق کا ظهور پر جگه بتایا هے - یعنی کائنات کے ذرے ذرے میں نور حق جلوه فگن هے مگر اس کے دیکھنے کے لیے چشم دل پیدا کرنے کی ضرورت هے، جب دل کی آنکھیں روشن هوجاتی هیں تو هر شے میں اسی ایک خالق مطلق کا جلوه نظر آنے لگتا هے - دونوں شعر بالکل صاف هیں اور سادگی اور صفائی کے لحاظ سے خوب هیں -

====XXX====

مزید چند اشعار ملاحظه هوں :

فارسی بیا ساقی بجام افگن شراب پرتگالی را که تا ازمن بسازد دُور این آشفته حالی را

اردو ساقی مجھے هے ساغر سرشار سے غرض شهد و شکر کا ذائقه کب هے مجھے لذیذ

===XXX====

فارسی شهید خنجر عشقت شدم اے سرور خوبان نگاهی لطف گاهی کن براین غلطان چوبسمل ها

اردو تیرے بیمار محبت میں رهی هے دو رمق آئیے آئیے ، یه وقت مسیحائی هے

====XXX====

فارسی بیاساقی شراب شوق ده در ساغر دلها که بے رهبر بسے مشکل بود ، اقطاع منزل ها

اردو کیاکروں کس سے کهوں، کون بجھائے تجھ بن آتش هجر جوهے سینۂ بریاں کے قریب

====XXX====

فارسی صرف کردی عمر خود در هرزه گردی اے گدا این و آن راترک کن تاترک یابی درگاه

اردو اگر حق کے طالب هو باطل کو چھوڑو که هے حرف باطل مٹانے کے قابل

===XXX====

فارسی (۱)

نه من تنها شدم در عشق تو دیوانه و رسوا بسے دیوانها گشتند در عشق تو ظالمها

اردو تیری فرقت میں جوادن چمن ملتے هیں هاتھ باغ میں جو برگ هے، وه اک کف افسوس هے

---

(۱) اصل نسخه میں یه شعر اس طرح هے :

من نه تنها شدم در عشق تو دیوانه و رسوا
بسیار دیوانها گشتند در عشق توظالمها

فارسی ای یار گلعذار چو بلبل ز هجر تو تاکے کشم ز سینۂ خود نالۂ ہائے غم

اردو غم دوری سے دلبر کی شب و روز لبوں پر میری فریاد و فغاں ہے

====xx====

فارسی بیا زاہد بکوی او ببین دار القرار این جا

بہشت این جا، عدن این جا، چمن این جا، بہار این جا

اردو تیری گلی میں لیے خلد بریں ہے اے پری میرے لیے ہے اے پری خلد بریں تری گلی (۱)

===xx===

فارسی دلم قمریٔ سرو قامت اوست مدام از چشم آن سردار مستم

اردو جس کا میں بلبل ہوں وہ رشک چمن ملتا نہیں

جس کا میں کمخواب ہوں وہ گلبدن ملتا نہیں

====xx====

فارسی دلم سودائے زنجیر زلفش کہ من از جلوۂ دیدار مستم

اردو مرغ دل جاکے پھنسا زلف پریشاں کے قریب

جیسے بلبل ہو کوئی سنبل ریحاں کے قریب

====xx====

فارسی گر کشم آہ شرر بار سحر گاہ ز دل چہ عجب چرخ زند چرخ صفت چرخ فلک

اردو یہ میری آہ کی ہے گر نہ تاثیر تو پھر چکر میں کیوں کر آسماں ہے

====xx====

فارسی ز دام زلف او مرغ دلم یکدم رہا نبود شب این جا، شام اینجا، صبح این جا زنگبار این جا

اردو بھلا میں جاؤں قفس چھوڑ کر کہاں صیاد اگر گماں ہے تجھے کرلے امتحان صیاد

===xx===

---

(۱) اصل نسخہ میں یہ شعر اس طرح ہے :

تیری گلی خلد بریں میرے لیے ہے اے پری

میرے لیے ہے اے پری تیری گلی خلد بریں

فارسی عجب نبود ز فیض حضرت پیر مغان مارا شراب این جا، کباب اینجا، نشاط این جا، نگار اینجا

اردو کیا ہے خود مجھے ساغر پلا کر یہ فیض صحبت پیر مغان ہے

===xx====

فارسی یا شاہ دستگیر، تو دست گدا بگیر اے سرو باغ حیدر و صفدر بیا بیا

اردو حضرت محبوب سبحانی گدا کا دستگیر غوث اعظم، قطب عالم صاحب بغداد ہے

===xx===

فارسی عشق تو اے دلبر شیرین سخن کرد مرا ہم مرتبۂ (۱) کوہکن

اردو کوہ کی سا کوہ کن خون مثل مجنون دشت دار

پھر بھی رشک لیلی شیرین سخن ملتا نہین

====xx====

فارسی یار شیرین کلام می خواہم سرو قد خوشخرام می خواہم

اردو قد جانا ہے یا سرو روان ہے رخ زیبا بہار بے خزان ہے

==========

شوکت، میان یار محمد خان :

میان یار محمد خان نام شوکت تخلص تھا - نواب فوجدار محمد خان بہادر کے چھوٹے صاحبزادے تھے - ۲۷ صفر ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء (۲) مین بھوپال مین پیدا ہوئے - آپ بھوپال کے رئیسون مین شمار ہوتے تھے فارسی اور عربی کی تعلیم مولوی سید محمد عبداللہ اور منشی احمدعلی بوہری سے حاصل کی - فنون ادب، آداب مجلس، طبابت اور شمشیر زنی کا فن میر اکبر علی خان سے سیکھا - اور گھوڑا سواری اور ہاتھی سواری کی تربیت سکندر محمد خان رسالدار رسالۂ خاص حضور سرکار سے حاصل کی - شعر و سخن مین مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی اور محمدعباس رفعت

---

(۱) اصل نسخہ مین یہ مصرع اس طرح ہے : ع

"کرد مرا ہمسر با کوہ کن"

(۲) حافظ سید محمد ممتازعلی، آثار الشعراء، مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۳۰۷ھ ص ۱۲۱

سے اصلاح لیتے تھے ۔ (۲)

سید محمد ممتاز علی حافظ کے قول کے بموجب وہ بہت ذہین و متین آدمی تھے ۔ ان کی کئی تصانیف ہیں ۔

دیوان شوکت اردو، نو طبع گلدستہ نرگس ، تذکرہ فرخ بخش ۔ انشاء نور چشم ، هفتخوان شوکت ، قرابادین شوکت ، ناز نامہ ، فیل نامہ ، فرسنامہ ، مراسلات شوکت ، چار باغ شوکت اور شہنشاہ نامہ ان سے یادگار ہیں ۔

حافظ فرماتے ہیں " شب و روز صحبت و تالیف ہی کا چرچا رہتا ہے فارسی و اردو خوب کہتے ہیں ۔" (۱)

آثار الشعرا چوں کہ ۱۲۹۶ھ میں لکھی گئی اس سے ظاہر ہے کہ ۱۲۹۶ھ/۷۹-۱۸۷۸ء کے بعد تک زندہ تھے ۔

آثار الشعرا میں موجود کلام مختصر ہے اس لیے مفہوم میں مطابقت کم ہی پیدا ہوسکی ہے۔

اردو فارسی کے صرف ایک شعر کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی ساغر غم دوفراق توبجایی می کشم خوں دل از بادۂ گلفام می باشد لذیذ

اردو چھوٹی سرد کبھی آتش غم سینے میں گرچہ سو بار بجھانے کو سمندر نکلا

عشاق کو محبت میں مصیبت اور تکلیف بھلی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اول تو وہ دوست کی طرف سے ہونے کی وجہ سے قابل قدر قرار دی جاتی ہے پھر تقاضائے عشق بھی یہی ہے کہ اس راستے کے کانٹوں کو بھی پھولوں سے کم نہ سمجھا جائے ۔ شوکت صاحب نے فارسی کے شعر میں خون دل کو بادۂ گلفام سے لذیذ تر قرار دیا ہے فرماتے ہیں کہ میں فراق یار میں بادہ غم پیتا رہتا ہوں مگر اس میں مجھے وہ کیف و سرور اور لذت حاصل ہوتی ہے جو بادۂ گلفام میں میسر نہیں آسکتی ۔ اردو کے شعر میں آتش عشق کی شدت [illegible] بیان کی ہے

---

(۱) حافظ، سید محمد ممتاز علی، " آثار الشعراء (تذکرہ شعرا بھوپال)، مطبع شاہجہانی، ماہ شعبان، ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء ، ص ۱۲۱

(۲) حافظ سید محمد ممتاز علی " آثار الشعرا " ص ۱۲۱ محولہ بالا

کہ یہ اس بلا کی ہے کہ سمندر بھی اس پر صرف کردیا جائے تب بھی اس کا بجھنا ممکن نہیں۔ شعر میں بظاہر مبالغہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سمندر سے بھی آگ نہیں بجھ سکتی مگر حقیقت یہ ہے کہ قطعاً مبالغہ نہیں صداقت ہی صداقت ہے کیوں کہ شاعر جس آگ کا ذکر کر رہا ہے وہ عشق کی آگ ہے جو پانی سے بجھنے والی نہیں :

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب

جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

بہرحال دونوں اشعار میں ہمارے نزدیک اردو کا شعر زیادہ بہتر ہے -

====xx====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی   مدت شمشیر کے باشد بسند خاطرم   زخم دل از ابروی خمدار می باشد لذیذ

اردو   دل جو بلبل کا تڑپ کر تہہ خنجر نکلا   طاہر روح رواں کھولے ہوئے پر نکلا

====xx====

فارسی   زخمیم کردی و از شور تکلم بے قرار   این نمک از مرہم زنگار می باشد لذیذ

اردو   یوں ہر اک کوچۂ سفاک سے باہر نکلا   کوئی بسمل کوئی زخمی کوئی مضطر نکلا

====xx====

فارسی   ذوقہا بردم دم نظارہ از سیب ذقن   کے بدینسان میوۂ بازار می باشد لذیذ

اردو   ہوگیا صبح کا عالم شب وصلت زاہد   چھپ کے زلفوں میں جب اس کا رخ انور نکلا

====xx====

فارسی   خستہ ام لیکن بہ بہشت رستہ ام ازخستگی   تسلّیہ در خاطر بیمار ہے باشد لذیذ

اردو   آگئی موت مگر ہم کو یہ حسرت ہی رہی   دم نہ بیمار کا عیسےٰ کے قدم پر نکلا

=======

نساخ ، میرزا ابواحمد عبدالغفور خالدی : - ۳۳۵ -

میرزا ابو محمد عبدالغفور خالدی نام (۱) ابو محمد کیفیت خان بہادر خطاب اور نساخ تخلص تھا - نساخ کی پیدائش مشرقی بنگال کے ایک ضلع فرید پور میں ۱۲۳۹ھ میں ہوئی - (۲) ان کے والد قاضی فقیر محمد بھی ذی علم اور قادرالکلام شاعر تھے - ان کا شجرہ نسب حضرت خالد بن ولید سے ملتا ہے - اسی لیے نساخ اپنے نام کے ساتھ خالدی لکھا کرتے تھے -

نساخ دس ہی سال کے ہوئے تھے کہ والدین کے سایہ سے محروم ہوگیے اور ان کے بڑے بھائی نواب عبداللطیف نے ان کی سرپرستی اپنے ذمہ لی اور اس ذمہ داری کو انھوں نے بطریق احسن انجام دیا -

نساخ کی زبان بنگلہ تھی اس کے باوجود عربی ، فارسی ، انگریزی ، ہندی اور اردو میں خاص مہارت رکھتے تھے - انھوں نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے اردو کا انتخاب کیا اور اپنی شاعرانہ صلاحیت اور علمی قابلیت کے ایسے جوہر دکھائے کہ غالب جیسے جلیل القدر شاعر کو معترف ہونا پڑا -

ان کی محنت اور جانفشانی اور نواب عبداللطیف کی کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ڈپٹی مجسٹریٹ اور ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے - نساخ نے اول رشید الدین وحشت سے اور بعد میں ذبیحم (شاگرد جرات) سے اصلاح لی ہے - (۳) اسی لیے دونوں شاعروں کا رنگ پایا جاتا ہے - ان کے سلسلۂ تلامذہ میں رضا علی وحشت کے استاد شمس کلکتوی (جو ان کے صاحب زادے بھی تھے) اور عصمت اللہ انسخ خاص طور پر ممتاز ہیں -

" انھیں شیفتہ ، منیر ، مجروح ، حالی ، داغ ، اور امیر وغیرہ کے ہم عصر ہونے کا فخر حاصل تھا -" (۴)

---

(۱) وفا راشدی ، " بنگال میں اردو" ، حیدرآباد سندھ : ۱۹۵۵ء ، مطبوعہ افتخار پریس ، ناشر — مکتبۂ اشاعت اردو ، ص ۳۱

(۲) ایضاً ص ۳۱

(۳) اقبال عظیم ، سید " مشرقی بنگال میں اردو" ، ڈھاکہ : اگست ، ۱۹۵۴ء ، ناشر — مشرقی کوآپریٹو پبلی کیشنز ، ۹۷ ، آغا صادق روڈ ، ص ۵۲

(۴) ایضاً ، ص ۵۵

صابر کی طبیعت میں ظرافت بھی بہت تھی ایک بار داغ سے ملاقات ہوئی - داغ نے ہنسی ہنسی میں کہا صابر آپ نے دغا دی، انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ صابر میں تو دغا نہیں بلکہ داغ میں دغا ہے -(۱)

صابر کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت دیندار فرض شناس ، بامروت انسان تھے۔ انہیں اسلام کے خلاف کوئی بات گوارہ نہ تھی - یہی وجہ ہے کہ غالب انہیں " مولوی صاحب " کہہ کر مخاطب کرتے تھے -

عبدالغفور خان صابر نے دو دیوان اردو میں مکمل کیے خود انہوں نے اپنی تصنیف "سخن شعرا" میں اپنے دونوں دواوین سے الگ الگ نمونہ کلام پیش کیا ہے -(۲)

صابر کی طبیعت میں تنوع تھا - انہیں غزل سرائی اور تاریخ گوئی سے خاص لگاؤ تھا۔ انہوں نے مثنویاں ، رباعیاں ، قطعات و غزلیات کے علاوہ حمد و نعت سب ہی میں طبع آزمائی کی ہے - فارسی غزلیات بہت کم کہی ہیں لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ انہیں فارسی سے لگاؤ نہ تھا - ایک بار ڈھاکے کے ایک زمیندار منشی دلاور صاحب نے قدسی کی غزل پر غزل کہنے کی فرمائش کی - قدسی کی غزل کا مطلع ملاحظہ ہو :

دارد دلے اما چہ دل صد گونہ حرماں در بغل

چشمے و خوں در آستیں اشکے و طوفاں در بغل

صابر نے قدسی کی غزل سامنے رکھ کر غزل کہہ ڈالی - ایک شعر ملاحظہ ہو :

رخسار پر نور ترا صبح وطن در آستیں

چشم سیہ مست تراشام غریباں در بغل

کنز التواریخ جو ۱۲۹۳ھ میں شائع ہوئی جس میں صرف تین قطعات اردو میں ہیں

---

(۱) دغا کے " الف " کو " د " اور " غ " کے درمیان لکھئے تو داغ بن جاتا ہے -

(۲) صابر ، عبدالغفور خان خالدی ، " سخن شعرا" لکھنو: ۱۸۷۴ع ، مطبع نول کشور، ص ۱۷-۵۰۷

باقی تمام فارسی میں ہیں - اس میں صاغ نے :" دل ز آدم رفت و روح از قدسیان" سے

قدسیان	روح	آدم	دل
۲۲۵	۲۱۴	۳۵	۳۴
-۲۱۴		-۳۴	
۱۱ھ		۱۱ھ	

حضور کی تاریخ وفات نکالی ہے - اور ایک دن خود بھی اس دار فانی سے رخصت ہوگئے -

سخن شعرا (تاریخی نام ہے ۱۲۸۱ھ) کی تصنیف کے پندرہ برس بعد ۱۳۰۲ھ میں صاغ کا انتقال ہوا - (۱)

عبدالروف وحید بنگالی نے :" مرثیہ صاغ دل بیدار گفت " سے مادہ تاریخ نکالا ہے- (۲)

خصوصیات کلام :
============

شروع سے صاغ کا طرز سخن لکھنوی رہا - وہ آتش کے مقابلہ میں ناسخ سے زیادہ متاثر تھے - یہی وجہ ہے کہ ناسخ کے کلام کی طرح صاغ کے یہاں بھی بجائے آمد کے آورد ہی کار فرما ہے - ان کے ابتدائی زمانے کا کلام ناسخ کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے - اس تقلید کا نتیجہ یہ ہوا کہ صاغ بھی ناسخ کی طرح بجائے دل کے دماغ سے شاعری کرتے تھے اور معنوی خوبیوں سے زیادہ ظاہری خوبیوں کے بڑے دلدادہ تھے - رعایت لفظی ، مراعات النظیر ، تشبیہات اور استعارات کو منتہائے شاعری سمجھتے تھے ، اور کثرت شعر گوئی کو بھی کمال شاعری تصور کرتے تھے دو غزلہ ، سہ غزلہ ، چہار غزلہ ، پنج غزلہ اور شش غزلہ تک کہتے تھے - پندرہ پندرہ بیس بیس اشعار کی غزل کہتے تھے اور اس بات کا خاص التزام رکھتے تھے کہ کوئی قافیہ چھوٹنے نہ پائے - اسی کے ساتھ ایک ہی قافیہ مکرر بھی لے آتے ہیں - اس سے بھی اگر طبیعت سیر نہ ہوتی تو ردیف یا قافیہ میں تبدیلی کر کے اسی زمین میں پھر شعر کہنے لگتے ، بعض مرتبہ سنگلاخ زمین ہونے کی وجہ سے پوری غزل میں ایک شعر بھی کام نہ ہوتا - مثلاً تنویر شعاع آفتاب ، تواہر شعاع آفتاب - تحریر کا پیچ ، تقدیر کا پیچ ، یار کج ، بے خوار کج - یار کی پازیب کی جھنکار ، دلدار کی پازیب کی جھنکار - رخسار ہیں یہ شمس و قمر ، تارے ہیں یہ شمس و قمر ، جلوت طاؤس ، صورت طاؤس - دماغ پر طاؤس ، چراغ پر طاؤس وغیرہ ظاہر ہے کہ جب سنگلاخ زمینوں میں قافیہ بندی ، صنائع لفظی اورالفاظ کی بازیگری

---

(۱) اقبال عظیم سید ، محولہ بالا ، ص ۵۶

(۲) تاریخ مسعود قلمی میں افسر امروہوی نے ڈاکٹر صدرالحق کے غیر مطبوعہ مقالے سے یہ مادہ تاریخ لکھا ہے-

کمال شاعری نہیں تو دماغی کاوش اور قافیہ پیمائی شاعری کا جزو اعظم قرار پائے گا۔

ضامن کے کلام میں روحانی کمالات اور قلبی کیفیات و تاثرات کے بجائے معشوق کے ظاہری اوصاف اور جمال جسمانی اور لوازمات آرائش زیادہ پائے جاتے ہیں ۔ مثلاً سبزۂ خط ، کاکل پیچاں، چشم میگوں کمر معدوم ، پان ، سرمہ ، مسی ، انگیا ، کرتی وغیرہ کے مضامین پائے جاتے ہیں ۔ فلسفیانہ خیالات اور تاثرات بیان قریب قریب مفقود ہے ۔ وہ صنائع لفظی کے ایسے چکر میں پڑے کہ فلسفیانہ خیالات اور حکیمانہ افکار ان کے دماغ میں آنے ہی نہ پائے اور اگر آئے بھی تو انھوں نے ضامن کے دماغ کو اپیل نہیں کیا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے اس خاص لکھنوی طرز میں ایسی چابک دستی اور فنکاری کا مظاہرہ کیا کہ کمال کر دکھایا۔

ضامن کی فطرت معرکہ آرائی اور نکتہ چینی کی عادی تھی ۔ اساتذہ کے کلام کی تقلید میں جوابی اشعار لکھنا ان کی طبیعت کا خاصہ بن چکا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا اپنا پہلا دیوان " دفتر بے مثل" ناسخ لکھنوی کے دیوان " دفتر پریشان" کا جواب ہے اور دوسرا دیوان اشعار ضامن بھی کچھ اسی جذبہ سے متاثر ہوکر مرتب کیا۔

تیسرا دیوان " ارمغان اور چوتھا دیوان ارمغانی " اساتذہ دہلی کے جواب میں تو نہیں بلکہ دہلوی رنگ میں ہے ۔ اس میں داد بھی وہ انھیں سے چاہتے ہیں :

ہوتے اے ضامن گر اُس عہد میں　　　　اِس غزل کی داد لیتے میر سے

مرگیے غالب‌و آزردہ رہا ہے اک تو　　　　ذات ضامن بہت اب ہے غنیمت تیری

یہاں خاص طور پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ مرزا غالب نے پہلے دیوان دفتر بے مثال کی تعریف میں ضامن کو لکھا تھا :-

" میں دروغ گو نہیں خوشامد میری خو نہیں ۔ دیوان فیض عنوان اسم بامسمی ہے ، " دفتر بے مثال" اس کا نام بجا ہے ، الفاظ متین ، معانی بلند ، مضمون عمدہ ، بندش دل پسند ، ہم فقیر لوگ اعلائی کلمتہ الحق میں بے باک و گستاخ ہیں ۔ شیخ امام بخش ناسخ طرز جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے آپ ان سے بڑھ کر بصیغۂ مبالغہ بے مبالغہ ضامن ہیں تم دانائے رموز

اردو زبان ہو، سوایۂ نازش قلمرو ہندوستان ہو -" (۱)

آپ کے کلام میں دہلی اور لکھنؤ کا ملا جلا رنگ پایا جاتا ہے - آپ نے غالب کے کلام کا بھی تتبع کیا اور غالب کی زمین میں شعر کہنے کی کوشش کی لیکن غالب کے رنگ میں کہنا کسی کے بس کی بات نہیں - ہاں مومن کے طرز میں ایک حد تک کامیاب ہوسکے - ان کے دہلوی طرز میں کہیں کہیں داغ کا رنگ بھی نمایاں ہے جو ان کے ہم عصر بھی تھے- صائغ بہت زود گو تھے - ہمیں افسوس ہے کہ صائغ کا فارسی کلام ہمیں زیادہ نہ مل سکا اس لیے اشعار میں مطابقت کم ہی پیدا ہوسکی ہے -

<u>اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :</u>
==============================

فارسی   خدایا شوخی ارنی عنایت کن زبانم را   بزن آتش ز شمع لن ترانی جسم و جانم را

اردو   لن ترانی سے بھی کان اپنے نہیں گے مستفیض

پردہ سے باہر نہ آئے گی کبھی آواز دوست

موسی علیہ السلام نے رب ارنی کہا تھا ، اس کے جواب میں اللہ کی طرف سے لن ترانی ارشاد ہوا- ارنی میں ایک قسم کی شوخی پائی جاتی ہے اس لیے کہ خدا کو بے حجاب کوئی نہیں دیکھ سکتا - لہذا وہاں سے جواب آیا کہ اے موسی" تم مجھے نہیں دیکھ سکتے " کیوں کہ موسی علیہ السلام نے فرط شوق میں " رب ارنی " کہہ دیا تھا شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ مجھے وہ شوق عطا فرما کہ میں بھی بے ساختہ ارنی کہہ اٹھوں اور جب ارنی کہوں اور جواب لن ترانی میں ملے تو اس جواب کی آگ میں جسم و جان کو جلاکر راکھ کردے -

ارنی اور لن ترانی کے مفہوم کو شاعر نے اپنی فکر کے مطابق بڑی ندرت کے ساتھ شعر میں ادا کیا ہے جو قابل تعریف ہے ورنہ عام طور سے لوگ اس قسم کے مضامین کو پیش پا افتادہ انداز میں بیان کرجاتے ہیں -

اردو کے شعر میں بھی ندرت سے کام لیا ہے فرماتے ہیں کہ موسی علیہ السلام نے

---

(۱)   اقبال عظیم ، سید" محولہ بالا ، ص ۵۳

مشاہدۂ ذات باری نہ کیا لیکن لن ترانی کی شکل میں آواز تو سنی مگر مجھے یہ بھی امید نہیں ہے کہ میرے کان اس نغمہ لن ترانی سے بھی لذت اندوز ہوسکیں گے - شاعر نے اردو میں بھی اس مضمون کو اپنے خاص انداز میں اور خاص ندرت کے ساتھ بیان کرکے شعر کو بڑا دل کش بنادیا ہے -

لفظ فردا بھی اردو کے شعر میں بے محل نہیں ہے بلکہ آواز کی مناسبت سے وہ بھی خاص لطف رکھتا ہے - بہرحال دونوں اشعار اپنی اپنی جگہ خوب ہیں - لیکن پھر بھی نسبتاً فارسی کا شعر بہتر ہے -

===XXX===

فارسی ای از خیال عارضت دارم گلستان در بغل وز تار زلف پرخمت شبستان(۱) در بغل

اردو خیال باغ روئے دلستان ہے دل پر داغ باغ بے خزاں ہے

شعرا عارض یار اور روئے یار کو گلستان سے تشبیہ دیتے ہیں - فارسی کے شعر میں پہلے مصرع میں عارض کو گلستان سے تشبیہ دی ہے اور دوسرے مصرع میں تار زلف کو شبستان سے کہنا یہ چاہتا ہے کہ خیال عارض کی وجہ سے میرے پیش نظر ایک باغ رہتا ہے اور تار پرخم کے تصور سے عالم شبستان اور عارض کی تشبیہ گلستان کے ساتھ ایک عام تشبیہ ہے جس میں کسی قسم کی جدت نہیں ہے لیکن دوسرے مصرع میں تار زلف کی تشبیہہ جو شبستان سے دی ہے وہ بے شک اپنے اندر ندرت رکھتی ہے - فارسی کا شعر زبان کی خوبی اور ترکیب الفاظ و تشبیہات کی شگفتگی کے اعتبار سے اہل زبان کا سا شعر معلوم ہوتا ہے -

اردو کے شعر میں بیک وقت دو باتیں کہی ہیں کہ ایک طرف روئے دلستان کے باغ کا خیال ہے تو دوسری طرف اپنے دل پر داغ کا باغ بے خزاں بھی پیش نظر ہے - دل پر داغ کو باغ بالعموم کہتے رہے ہیں - لیکن شاعر نے محض باغ ہی نہیں کہا ہے بلکہ دل پر داغ کو باغ بے خزاں کہا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جب عشق غیر فانی ہو تو داغہائے دل جو

---

(۱) اصل نسخہ میں "شبستان" کی جگہ "صد شبستان" لکھا ہے -

جو عشق کی بدولت حاصل ہوتے ہیں وہ فانی کیوں کر ہوسکتے ہیں اس لیے کہنا پڑتا ہے کہ صائب نے اس تشبیہ میں بھی جدت پیدا کی ہے - پھر یک وقت ہی دلستان کو باغ کہتے ہوئے اس کے خیال کے ساتھ ساتھ دل پر داغ کا خیال بھی پیش کرنا نازک خیالی اور طرفگی بیان کی اچھی مثال ہے - بہرحال دونوں شعر بہت خوب ہیں لیکن نسبتاً فارسی کا شعر بہتر ہے -

====XXX====

مزید کچھ اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی دل صائب را روزی نخستین برائے عشق خوبان آفریدند

اردو جب آغاز محبت میں یہ معلوم نہ تھا کہ بدل جائے گی دو دن میں طبیعت تیری

====XXX====

فارسی گر بشنود یک نغمہ کلک نوا سنج مرا منقار خود سازد نہان مرغ خوش الحان در بغل

اردو سچ مچ جو مجھ سے پوچھئے تو فن شعر میں
صائب اپنے وقت کے تم بھی امام ہو

====XXX====

فارسی چاک بر چاک سینہ ام چو کتان صحم رشک ماہ کرد و گذشت

اردو صبر و سکون کا حال کہوں کیا کہ اے ندیم قابو سے دل بھی یار کی صورت نکل گیا

====XXX====

فارسی ہر سرو کہ رست از گل ما آہی ست کہ خاست از دل ما

اردو گنجہ پے در دل محبوب ہے اپنے نالوں کی رسائی ہوچکی

====XXX====

فارسی شادی بہاریک ہیں کر پارہ ہائے لخت دل ہر طفل اشک لالہ گوں دارد گلستان در بغل

اردو آنکھوں میں اب بجائے بینائی یار کا انتظار ہوتا ہے

====XXX====

<u>فارسی رباعی :</u>

در میکدہ کشتی شرابی دیدم　　　　بر دوش ہلال، ماہتابی دیدم

آن کشتی مے نیست کہ دیدم ساقی　　　　در خانہ قوس آفتابی دیدم

اردو　تن رنگین ہے کہاں زیر قبا اے ساقی　　　　مے گلگون نظر آتی ہے بھری شیشے میں

===XXX====

فارسی　رخسار پرنور ترا صبح وطن در آستین　　　　چشم سیہ مست تراشام غریبان دربغل

اردو　کیا باغ میں رکھا ہے نہیں جو خیال میں　　　　ہم اور شوق سیر گلستاں غلط غلط

<u>عرشی و حسن، سید ابو حسن :</u>

سید ابوحسن نام تھا عرشی و حسن تخلص کرتے تھے - نواب رضی الدولہ حسام الملک میر محمد نوالحسن خان صاحب بہادر کے فرزند تھے - ۲۱/ رجب، ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء (۱) بمقام بھوپال پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی - اپنے والد بزرگوار سے احادیث وغیرہ کی خانگی طور پر تعلیم حاصل کی ساتھ ہی علوم معقول و منقول بخوبی حاصل کیا- فطری ذہانت و ذکاوت کے مالک تھے - ریاست بھوپال کے خاندانی رئیسوں میں شمار تھا، نہایت ذی جاہ اور بلند مرتبہ انسان تھے - آپ کی ذاتی صلاحیت اور خاندانی اثر کے پیش نظر آپ کو ریاست بھوپال کی طرف سے مدار المہام کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن آپ نے قبول نہیں کیا- دربار میں آپ کی چوتھی کرسی تھی - وایسرائے اور گورنر جنرل بہادر کے استقبال یا مزاج پرسی کا شرف آپ ہی کو حاصل تھا -

خود بھی عالم انسان تھے اور علم دوست بھی تھے - علم تصوف سے آپ کو فطری لگاؤ تھا - آپ نے اپنی زندگی میں تصوف سے متعلق ۲۰ رسائل لکھے جو مختلف اوقات میں

---

(۱)　رشیدالدین حسین مودودی، حافظ خواجہ سید، "دیوان عرشی" لکھنؤ: ۱۹۱۵ء مطبع ڈسٹ پبلشنگ ہاؤس، (دیباچہ)، ص ۱۲

طبع ہوچکے ہیں دنیا کی تمام نعمت حاصل ہونے کے باوجود انھیں دنیا سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا:

زندگی میں کوئی دم ذکر الٰہی کرلو
ایک دن کنج سوئے شہیر خموشاں ہوگا

ابتدا ہی سے شعر و شاعری کی طرف ان کی طبیعت مائل رہی - لیکن "تاریخ ہائے وفات" کے عنوان میں ایک قطعہ تاریخ بعنوان (۱) "از افتخار الشعرا جناب حافظ محمد خاں صاحب شہیر استاد عرشی مرحوم" جس میں شہیر نے اپنے شاگرد کی تاریخ وفات کہی ہے:

اے بادل ہر فرد یگانہ سید	اےچون کرم خویش فسانہ سید
در مرثیہ تاریخ فراقت گفتم	اے عرشی نادیدہ زمانہ سید
	۱۳۱۸ھ

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرشی کو شہیر سے تلمذ تھا - اور آثار الشعرا (ص ۱۳۳) میں سید محمد ممتاز علی نے شہیر کو مرزا غالب کا شاگرد بتایا ہے - بہرحال عرشی نے ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰-۱ء میں وفات پائی -

اردو فارسی کے چند اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ:

فارسی   فاش راز اندرون از گریہ خونی شداست   آنچہ درد دل داشتم پنہاں عیاں آوردہ ام

اردو   دل میں پوشیدہ کہیں عشق بتاں ہوتا ہے   آگ جس گھرمیں سلگتی ہے دھواں ہوتا ہے

فارسی اور اردو دونوں اشعار کی بنیاد اس مضمون پر ہے کہ راز عشق کسی نہ کسی طرح ظاہر ہوکر رہتا ہے - فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ راز دل بہت چھپایا لیکن بالآخر گریہ خونی سے ظاہر ہوگیا- اردو کے شعر میں اسی بات کو اس طرح کہتے ہیں کہ عشق بتاں بھی کہیں دل میں پوشیدہ رہ سکتا ہے - یہ بات ناممکن ہے اس لیے کہ جس گھر میں آگ جلتی ہے اس گھر سے دھواں ضرور اٹھتا ہے اسی طرح دل میں جب آتش عشق ہوتی ہے تو لب پر آہ و فغاں کا ہونا بھی لازمی بات ہے - اور یہی آہ و فغاں راز عشق کو فاش کردیتی ہے-

---

(۱) رشید الدین مودودی، محولہ بالا، ص ۳۶

دونوں اشعار میں اردو کا شعر فارسی کے شعر سے بہتر ہے - پہلے مصرع میں استفہام سے کسی قدر شعر میں لطافت پیدا ہوگیا ہے - دوسرے مصرع میں اس محاورہ سے کہ آگ جس گھر میں سلگتی ہے دھواں ہوتا ہے " شعر میں زور اور بلندی پیدا ہوگئی ہے -

====XXX=====

فارسی   از تیشه بهره و زخم دگر یا سود   جز بزدلی از سیرت فرهاد ندام

اردو   ہم گام ہے مجنوں نہ کوئی کوہ کن اپنا   ہے راہ محبت میں نرالا چلن اپنا

یہ مشہور قصہ ہے کہ فرہاد نے اپنے آپ کو تیشہ مارکر ہلاک کیا تھا چنانچہ مرزا غالب فرماتے ہیں :

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد

سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

اس بات کو شعراء نے مختلف انداز سے بیان کیا ہے - عرفی صاحب فرماتے ہیں کہ فرہاد نے جو تیشہ کے ذریعہ خود کشی کی یہ اس کی بزدلی کی دلیل ہے - اس لیے کہ وہ تاب غم عشق نہ لاسکا- تقاضائے عشق تو یہ تھا کہ وہ زندہ رہ کر عشق کی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتا - اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ ہمارا ہم سفر نہ مجنوں ہوسکتا ہے نہ کوہ کن اس لیے کہ مجنوں نے فرقت میں بیابانوں کی خاک اڑائی اور فرہاد نے پہاڑ کے پتھر توڑے اور فرقت کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے آپ کو ہلاک کرلیا- یہ باتیں نہایت فرسودہ اور بودی ہیں - ہمارا طریقہ بالکل نرالا ہے - ہم نے اپنی محبت کا راستہ اس قسم کے فرسودہ طریقوں سے ہٹ کر نکالا ہے -

دونوں اشعار میں ہم اردو کے شعر کو ترجیح دیتے ہیں اس میں صفائی اور سادگی بے نظیر ہے اور انداز بیان بھی نہایت دل کش ہے -

====XXX=====

فارسی   یک عالم دل بود که برهم زده عرفی   مشاطه که آشفت دگر زلف صنم را

اردو   آزاد وہ نہیں ہے تعلق کہ دام سے   وابستہ جو نہیں تیری زلف دراز کا

فارسی کے شعر میں اس خیال کو باندھا ہے کہ دوست کی زلف جس قدر پریشان ہوتی ہے اس سے اسی قدر عاشق کے دل کی دنیا درہم و برہم ہوتی ہے - اس لیے کہ آشفتگی زلف کی وجہ سے محبوب کے حسن کا عالم کچھ اور ہی ہوجاتا ہے -

اردو کے شعر میں اگرچہ مضمون زلف یار ہی کا ہے لیکن یہاں ایک دوسری بات کہی ہے وہ یہ کہ جو لوگ زلف یار میں قید نہیں ہوتے وہ دنیا کے بکھیڑوں میں جا پھنستے ہیں- یہ وہی مضمون ہے جو غالب نے اپنے مندرجہ ذیل شعر میں خوب صورتی سے باندھا ہے کہ اس کا جواب نہیں ہوسکتا - فرماتے ہیں :

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے

غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

اس لیے غم روزگار سے بچنے کے لیے غم عشق میں مبتلا رہنا ہی بہتر ہے - کیوں کہ پرخمی زلف میں زندگی کا حقیقی لطف ہے - اور وہ زندگی جو عشق کی لذت سے آشنا نہو بے کیف گذرتی ہے -

====XXX====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی نظار انتظار جلوۂ مژگاں جانانم بدلہامی خلد چوں خار گلباگ پریشانم

اردو شب کو جو میں ہلاک رہ انتظار تھا پہلو میں اک بلا یہ دل بے قرار تھا

====XXX====

فارسی شگفتی ہست از اہل بصیرت بوالحسن خاں را

اگر در چشم دل جائے دہند اوراق دیواں را

اردو سخن میں بھی میرے رنگ دل خونابہ افشاں ہے

مرا ہر حرف دیواں دانۂ تسبیح مرجاں ہے

====XXX====

فارسی　اے چشم فسون گر تو سرمایہ سخن را　　بے گیسوئے خوشبوے تو افسانہ ختن را

اردو　لکھتا تھا جب میں زانچہ زلف کی صفت　　مانند نافہ خامہ مرا مشکبار تھا

===xxx====

فارسی　اشک من رہجور چہ خوش جلوہ گر افتاد　　گوئیا کہ ہر سلک گہر از نظر افتاد

اردو　آہ دل سے جو شور نکلا وہ خالص زرہوا　　آنکھ سے ٹپکا جو قطرہ میں وہ گوہرہوا

===xxx====

فارسی　گرنالہ من از دل شیدا بر آورم　　آہ شرارہ خیز زخارا بر آورم

اردو　نہ ہم نے تجھ سے کچھ ہرگز دل وحشت قرین پایا

اگر پایا ~~کبھی~~ اک شور آہ آتشین پایا

========

شہیر، حافظ خاں محمد خاں :

حافظ خاں محمد خاں نام اور شہیر تخلص تھا ۔ ان کے والد مولوی غلام محمد خاں رام پوری ممالک متوسط میں تحصلدار تھے ، یہ بھی اپنے والد کے ساتھ ہی رہے تعلیم کی ابتدا قرآن مجید سے ہوئی ۔ اول قرآن مجید حفظ کیا بعد ازاں عربی اور فارسی پڑھی اور خوشت و خواط میں خاصی مشق بہم پہنچائی ۔ مرزا غالب سے تلمذ تھا ۔ (۱) شعر و سخن میں اپنے استاد ہی کے مقلد ہیں تذکرہ آثار الشعرا کی تالیف کے وقت (۱۳۰۷ھ) تک راست رام پور میں مقیم تھے اور بعوض مدح سرائی ساٹھ روپیہ ماہوار پاتے تھے اور افتخار الشعراء کے خطاب سے سرفراز تھے ۔

آپ کی تاریخ پیدائش اور وفات کا علم نہ ہوسکا ۔ لیکن آپ نے اپنے شاگرد سید ابوحسن عرشی و حسن کی وفات پر قطعۂ تاریخ لکھا ہے :

---

(۱)　ممتاز علی حافظ ، سید محمد ، محولہ بالا ، ص ۱۳۳

(۲)　رشید الدین مودودی ، محولہ بالا ، ص

اے بازل ہر فرد یگانہ سید ‏ ‏ ‏ ‏ اے چون کرم خویش فسانہ سید

در مرثیہ تاریخ فراقت گفتم ‏ ‏ ‏ ‏ اے غرہ ٔ نادیدہ ٔ زمانہ سید

۱۳۱۸ھ

اس سے ۱۳۱۸ھ تاریخ وفات نکلتی ہے جس سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ آپ ۱۳۱۸ھ مطابق [redacted] ۱۹۰۰-۱ء تک بقید حیات تھے -

" اے غرہ ٔ نادیدہ ٔ زمانہ سید " کے انداز تحریر سے یہ بات بھی آشکار ہوتی ہے کہ شہیر کی عمر عرشی کی عمر سے کم از کم دس پندرہ سال ضرور زیادہ رہی ہوگی - عرشی ۱۲۲۸ھ میں (۱) پیدا ہوئے اور ۹۰ سال زندہ رہ کر انتقال کیا تو اس اعتبار سے شہیر سوسال سے زیادہ زندہ رہے بہرحال یہ کہا جاسکتا ہے کہ شہیر ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء سے قبل تک پیدا ہوئے ہوں گے -

چون کہ شہیر کا کلام ہمیں وافر مقدار میں نہ مل سکا اس لیے زیادہ مطابقت پیدا نہ ہوسکی ہے -

اردو فارسی کے صرف ایک شعر کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی ‏ ‏ کس از بزمت نہ رفت امشب بہ سامانیکہ من رفتم

فغان برلب قلق دردل شکایت بر دھن رفتم

اردو ‏ ‏ پوچھو نہ اہل عشق کو کیا ہیں، کہاں کے ہیں

اچھے ہیں جس طرح کے ہیں، جو ہیں جہاں کے ہیں

فارسی کا شعر زبان انداز بیان اور روانی کے اعتبار سے خاصہ شعر ہے فرماتے ہیں کہ آج رات اے دوست تیری بزم سے جس طرح میں گیا کوئی مشکل سے گیا ہوگا - میں اس طرح گیا کونسی مشکل سے گیا ہوگا - میں اس طرح گیا کہ میرے لب پر فغاں دل میں قلق اور زبان پر شکایت تھی -

---

(۱) ‏ ‏ رشید الدین مودھمی، محولہ بالا ، کلکتہ (نہیا چہ) ص ۱۳

اردو کے شعر میں ایک بالکل سادہ انداز میں عشاق کا حال بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ اہل عشق کے بارے میں کیا پوچھتے ہو کہ وہ کیا ہیں - غریب جس حال میں ہیں اور جہاں بھی ہیں اچھے ہیں - بہرحال انداز بیان اردو کے شعر کا بہت اچھا ہے اور موثر ہے - تغزل کا رنگ بھی جیسا چاہئے موجود ہے ، تاہم نسبتاً فارسی کا شعر قابل ترجیح ہے -

====XX====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی   ز اظہار آن قدر بگریختم کز یار بگذشتم   ز غربت آن قدر دور اوفتادم کز وطن رفتم

اردو   میں نامدار ہجر، وعدہ کا حکار وصل   وہ کام کر گیا ہے تو میں نام کر گیا

===XX====

فارسی   فکر تو باصواب تمام آفریدہ اند   ہر تیر از کمان خطا بر نشاندہ

اردو   کوئی ہو ان کی وحشت دل کا علاج ہو   اک ہم اگر نہیں تو نہیں مدعی سہی

===XXX=====

فارسی   شہر آں ناتواں ہم رتبہ افسانہ خویشم   ز دل گرتا بلب بودم بدوش سخن رفتم

اردو   بزم جاناں میں جو جاتا ہوں تو فرماتے ہیں   ایک یہ بھی مرے ایام کی شامت آئی

===XX====

فارسی   در بزم روزگار بوصف طرب کند   بر ہر زبان چو نغمہ ، بہ ہر لب ترانہ

اردو   غیر تھا بدمست می ، ہم کام یاب   بارہا قسمت سے اچھے پڑ رہے

oooooooooo

آبرو، سید محمد اصغر علی :

سید محمد اصغر علی نام اور آبرو تخلص تھا - ۱۲۶۹ھ/ ۵۳-۱۸۵۲ء میں محمد آباد عرف ریاست ٹونک (راجپوتانہ) میں پیدا ہوئے - (۱)

---

(۱) اصغر علی، سید محمد ، "تاریخ ٹونک" آگرہ : ۲۵/ ماہ صفر المظفر، ۱۳۱۹ھ مطابق جون، ۱۹۰۱ء، مطبع ستارہ ہند ، (تفصیل سے حالات لکھے ہیں)

قطعہ تاریخ ملاحظہ ہو :

مشفق من حکیم و ہم سید   یافت فرزند مثل در جنت

ہاتفے گفت از پئے تاریخ   کہ بگو ، آفتاب برج شرف

۱۲۶۹ھ

آپ کے والد حضرت مولانا حکیم سید محمد انور علی صاحب ۱۲۱۳ھ میں رام پور سے ہجرت کر کے ٹونک تشریف لائے اور یہاں نواب امیرالدولہ بہادر شمشیر جنگ کے طبیب خاص مقرر ہوگیے - نواب امیرالدولہ کی بیگم یعنی والدہ صاحبزادہ حافظ محمد عباد اللہ خاں صاحب نے سید محمد اصغر علی کو متبنیٰ بنالیا تھا - ان کے واسطے ایک معلم اور ایک اتالیق مقرر فرمایا - تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن مجید اور کتب ابتدائیہ کی تعلیم حاصل کی - ۱۲۷۶ھ میں اپنے وطن مالوف رام پور تشریف لے گیے اور وہاں تین سال قیام کیا - دوران قیام حضرت سید نادر علی نادر رقم خاں سے خط تعلیق و نستعلیق کی اصلاح لی اور کچھ ہی عرصہ میں ایسی مشق بہم پہنچائی کہ استاد نے اپنے تمام شاگردوں کی موجودگی میں جواہر رقم خاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا - ۱۲۷۹ھ میں محمد آباد (ریاست ٹونک) تشریف لائے اور تحصیل علوم میں مشغول ہوگیے - اور اپنے پھوپھی حضرت میر نواب صاحب سے علوم متداولہ کی تکمیل کی، فن حکمت کی تعلیم اپنے والد کے شاگرد جناب مولانا حکیم عبدالعلی صاحب سے حاصل کی - جناب حکیم سید نثار علی صاحب امروہوی اور حکیم احمد جان خاں صاحب دہلوی سے نبض شناسی تشخیص امراض اور طریقہ مطب سیکھا -

آپ کو بچپن ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا - شعر و سخن میں بھی آپ نے خاصی مشق بہم پہنچائی ہے افسوس ہے کہ انہوں نے اپنے خودنوشت حالات میں اپنے تلمذ اور اصلاح سخن کے حال سے محروم رکھا -

خمخانہ جاوید میں لالہ سری رام دہلوی نے اعتبار الملک سید افتخار حسین مضطر خیرآبادی کا شاگرد لکھا ہے - (۱)

---

(۱) سری رام دہلوی، لالہ ، " خمخانہ جاوید " ، دہلی : ۱۵/ مارچ ۱۹۰۸ء مخزن پریس ، جلد اول ، ص ۹

تاریخ ٹونک میں انھوں نے اسیر لکھنوی کے انتقال پر ایک ترکیب بند لکھا ہے جس میں اسیر کی شاگردی کا اعتراف کیا ہے - ایک بند کے چار شعر ملاحظہ ہوں :

گفتگو می بمدعا کردم　　　حق استادیش ادا کردم
بر مزارش بہ لکھنو نشدم　　　بس کہ در ٹونک گریہ ہا کردم
صرف در خدمتش نشد عمرم　　　در جہان می ہمین خطا کردم
ہرچہ آموختم سخن از بے
ہم چو آئینہ رونما کردم

ان اشعار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آہو نے اسیر سے بھی استفادہ کیا ہے -

۱۳۰۵ھ میں والی ٹونک حضرت امین الدولہ وزیر الملک جناب نواب حافظ ابراہیم علیخان خلیل کی شان میں قصیدہ لکھ کر پیش کیا جس کی ابتدا اس طرح کرتے ہیں :

فروغ صبح جہنگ مطلع خورشید خاور ہو　　　سواد شام جہنگ صورت زلف معنبر ہو
قران مشتری وماہ جہنگ سعد اکبر ہو　　　درخشاں نجم دولت تا بہ برگ مہر انور ہو
کف نواب ابراہیم خاں گنجینۂ زر ہو
ضیاء ماہ حشمت آفتاب ذرہ پرور ہو

یہ قصیدہ سن کر نواب صاحب اتنے خوش ہوئے کہ فخر الشعرا معتمدالملک کے خطاب سے عزت بخشی -

کچھ عرصہ بعد نواب صاحب کے حکم سے مختلف مضمون سے متعلق قانون کی جلدیں مرتب فرمائیں -

نواب ابراہیم علی خان خلیل نے "میلاد خلیل" لکھا جو سات جلدوں میں مشتمل ہے- جس کی ہر ماہ محفل میلاد شریف منعقد ہوتی تھی اور ایک امین اللغات جو نواب صاحب کی تصنیف تھی- ان دونوں تصانیف کو آہو صاحب نے خوش خط لکھ کر دربار شاہی میں پیش کیا-

نواب صاحب نے ان کتابوں کے مرتب کرنے اور خوش خط لکھنے کے صلہ میں خلعت فاخرہ سے نوازا -

ٹونک میں آپ کے سیکڑوں شاگرد ہوئے - اور آپ کی وجہ سے آئے دن مشاعروں کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں اور شعر و سخن کا بڑا چرچا رہا کرتا تھے - آپ نہایت قادر الکلام شاعر تھے اور جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے -

۱۹۰۱ع / ۱۳۱۹ھ میں تاریخ ٹونک طبع ہوئی اس کے بعد تک آبرو زندہ رہے - خمخانۂ جاوید جلد اول (۱۹۰۸ع) کی طباعت تک زندہ رہے ہوں گے ورنہ لالہ سری رام ان کی وفات کا ضرور ذکر کرتے -

تاریخ ٹونک آبی کی نادر تصنیف ہے جس میں جنگوں کے حالات اور مختلف شعرا کا نمونہ کلام بھی درج ہے اس اعتبار سے ایک قابل دید کتاب ہے اس کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ٹونک میں شعر و سخن کا ایسا چرچا تھا کہ عوام سے خواص تک شعر گوئی سے شغف رکھتے تھے - بیشتر امراء شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے اس میں شعرا کے حالات اور مختصر نمونہ کلام بھی دیا گیا ہے - مولوی عنایت حسین عنایت نے تاریخ ٹونک پر قطعہ تاریخ کہا ہے:

مولوی اصغر علی تصنیف این تاریخ کرد کاندراں درج ست حال بزم و ہم غزوات ٹونک

فکر سالش چو عنایت از سواد پاک فہم این بگفتار دلربا مجموعۂ حالات ٹونک

۱۳۱۸ھ

خصوصیات کلام :

آبرو بڑے قادر الکلام شاعر تھے اور اپنے استاد مضطر خیرآبادی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے - نمونہ کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان ستھری ہے اور کلام میں صفائی ہے تصنع اور آورد نام کو نہیں ہے ، جو کچھ کہنا چاہتے ہیں نہایت برجستگی اور بے تکلفی سے کہہ جاتے ہیں - بڑے مشاق اور پرگو تھے ان کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے -

آبرو کے کلام میں شوخی اور ندرت بھی پائی جاتی ہے - آبرو کو محاورات باندھنے پر بڑی قدرت حاصل ہے - ٹھوکریں کھانا اور پاؤں پھولنا دو محاورے ایک شعر میں کس خوب صورتی سے لاتے ہیں :

کھائیں گے کبک ٹھوکریں رفتار یار سے

جائیں گے آنکھیں دیکھکے پاؤں ہرن کے پھول

نازک خیالی میں بھی آرزو اپنا جواب نہیں رکھتے :

پہلو میں خار بن گیا دل وہ بن خلش

غربت میں یاد آئے جو ہم کو وطن کے پھول

اردو فارسی کے صرف ایک شعر کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   چہ خوش ست داغ دل حزیں چہ خوش ست باغ دل حزیں

چہ خوش است گلشن دل کشا، بہ سیر رشک چمن درآ

اردو   آئے دل پر داغ میں اس رخ کا تصور   یہ باغ اسی حور شمائل کے لیے ہے

فارسی کا شعر بیدل کی زمین میں لکھا ہے اس زمین میں بیدل کی غزل بہت مشہور اور مقبول ہے اور بھی شعرا نے بیدل کے تتبع میں اس زمین میں غزلیں کہی ہیں لیکن بیدل کی بات کسی کو حاصل نہ ہوسکی - آرزو صاحب نے بھی کوشش کی پہلے مصرع میں داغ دل حزیں کہہ کر اسی کو باغ دل حزیں کہا ہے اور داغ کو باغ سے تشبیہہ دی ہے - پھر دوسرے مصرع میں باغ کو گلشن دلکشا کہا ہے اور دوست کو اس گلشن دلکشا کی سیر کی دعوت دی ہے-

اردو کے شعر میں بھی دل پر داغ کو باغ سے تشبیہہ دی ہے اور یہ تشبیہہ مکمل ہے - کہتے ہیں کہ میرا دل پر داغ ایسا باغ ہے کہ جو میرے دوست کے لائق ہے - اسی مفہوم کو داغ نے یوں بیان کیا ہے :-

وہ پہروں دیکھتے ہیں داغ کے داغ

کسی کی سیر ہو گلشن کسی کا

تاہم اردو فارسی کے دونوں اشعار و انداز بیان الفاظ کی بندش اور شگفتگی کے لحاظ سے خوب ہیں آرزو صاحب نے اپنے اسلوب نگارش سے ان میں بڑی دل کشی پیدا کردی ہے - دونوں اشعار اپنی اپنی جگہ خوب ہیں اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی -

===xx===

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں:

فارسی   من کجا و سیر خوش گل کجا اے عندلیب

دخل من پیش از بہاران برگ و برمی افگند

اردو   جسم گھٹ گھٹ کے بڑھا زور نقاہت میرا   ایک تصویر خیالی ہوئی صورت میری

===XXX====

فارسی   دوستاں گوہند بسم اللہ مجربہا کہ عشق   زورقم دروزطہ چندین خطر می افگند

اردو   وہ بہاروں پہ ہے یہ دوش صبا پر ہے سوار   گلشن حسن ترا ہوئے محبت میری

=====XXXX=====

فارسی   غضب است اگر غضبت ، بود کہ چرخ کہن درآ

بزہ جفا گرد بپا برد وفا بسخن در آ

اردو   مرا جوہر ہی لیتا ہے تو آجائے ادا بنکر   خیال یار آتا ہے مجھے تیغ قضا بن کر

===XXX====

فارسی   بخط حبیب چو مائلی ز سر کلالۂ او رہی   مگر دوراہ کہ گم شوی زخطا گذر بخشش درآ

اردو   ہے خیال زلف میں یاد خط ، ہیں تسلیاں مجھے پر خط

جو ہے دھیان بھی تو ہے یہ فقط کہ مقام ہے یہ کٹھن ذرا

========

شمس ، ابوالقاسم محمد :
================

ابوالقاسم محمد نام مظہر حق تاریخی نام شمس تخلص تھا ۔ عبدالغفور نساخ کے فرزند تھے ۔ نساخ نے شمس کی ولادت پر یہ قطعہ تاریخ کہا تھا :

زاد فرزندم و بعد ازش   شد دلم شاد و چشم من روشن

نام تاریخ او کہ می جستم   مظہرالحق یافت عقل من (۱)
۱۲۸۳ھ

---

(۱)   وفا راشدی ، محولہ بالا ، ص ۶۱

ابوالقاسم محمد مظہرالحق شمس ۱۲۸۳ھ/ ۶۸-۱۸۶۷ء میں بانکے میں پیدا ہوئے - ان کا آبائی وطن فرید پور تھا لیکن عمر کا بیشتر حصہ کلکتہ میں بسر کیا۔

اگرچہ شمس نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی- ان کی تمام تعلیم نجی طور پر ہوئی- وہ نہایت ذہین اور طباع تھے - انہوں نے اپنی ذاتی محنت اور مطالعہ کی وجہ سے اردو اور فارسی ادب میں مہارت حاصل کرلی تھی - ان کا اردو اور فارسی کلام ان کی علمی صلاحیت اور ذاتی قابلیت کا آئینہ دار ہے - انگریزی میں بھی ان کی معلومات خاصی تھی -

حضرت شمس جدید طرز خیال کے آدمی تھے -

شمس نے ۱۹۰۵ء / ۱۳۲۳ھ کو اس دارفانی سے کوچ کیا عبدالحکیم نشتر نے " شمس نامی تھے فخر بنگال" سے مادۂ تاریخ نکالا ہے -(۱)

خصوصیات کلام:- ان کا مسلک صلح کل تھا - باتوں سے نہایت زندہ دل معلوم ہوتے تھے لیکن حقیقت میں بڑے مذہبی اور نیک آدمی تھے - فقراء اور اہل اللہ سے بڑی عقیدت تھی - مسلم الثبوت استاد تھے اور کلکتہ میں ان کی شاعری کا طوطی بول رہا تھا - لیکن وہاں اس فن کا کوئی قدرداں نہ تھا اسی وجہ سے انہیں دکن کا قصد کرنا پڑا :

گھٹتی ہے اب وہیں کی شمس دل میں
دکن میں قدر اس فن کی بڑی ہے

خمخانہ جاوید کے مولف نے لکھا ہے ان کی طبیعت فطری طور پر شاعری کے لیے مناسب تھی - زبان پر اچھی دستگاہ رکھتے تھے - مضمون میں شوخی اور متانت کی گھلاوٹ ہے - جرات کا مذاق شاعری انہیں بہت پسند تھا - پر گو اور زود گو تھے - اپنے شباب کے زمانے میں دہلی تشریف لائے اور کچھ عرصہ قیام کیا، اور داغ، مجروح اور رشکی کے مشاعروں میں شریک ہوئے اور غزلیں پڑھیں غزلیں پڑھنے کاڈھنگ انداز نہایت دل کش تھا - (۲)

---

(۱) سری رام ، لالہ ، محولہ بالا ، جلد پنجم ، ص ۳۲

(۲) ایضاً ، ص ص ۳۲-۳۱

وفا راشدی شمس کے حالات میں لکھتے ہیں کہ شمس پہلے اپنی غزلیں اصغر کو پھر داغ کو دکھایا کرتے تھے ۔(۱) [illegible]

" [illegible]

شمس اپنے دہلی کے قیام کے تاثرات کس حسرت سے بیان کرتے ہیں :

ذوق و مومن ، غالب و آزردہ اور منیر کہاں
شمس سوچی کس قدر دلی کی گلیاں ہوگئیں

شمس کا دل قابو میں نہ تھا ۔ جذبات شعروں کے سانچے میں ڈھل کر خود بخود زبان پر رواں ہوجاتے تھے ۔ دہلی کے قیام کے بعد ہی سے شمس کے کلام میں داغ کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے ۔ شمس اپنے والد کے مقابلہ میں داغ سے بہت متاثر تھے ۔ اس لیے ان کے کلام میں داغ کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے ۔ جرات کے رنگ میں بھی اکثر غزلیں کہی ہیں چست بندشیں مضمون میں لطافت و گھلاوٹ ، زبان میں حلاوت و شیرینی پائی جاتی ہے ۔ داغ دہلوی نے اپنے ایک مکتوب میں شمس کی اس انداز سے تعریف کی ہے " تم اچھے ، تمہاری بات اچھی ، تمہاری زبان اچھی ۔" (۲)

داغ کا اس انداز سے اپنے شاگرد کو لکھنا اس کی قادرالکلامی کی دلیل ہے ۔ اور ان کے کلام کی جامعیت کی سند ہے ۔

ایک بار شمس نے اصلاح کی غرض سے اپنی ایک غزل لکھ کر بھیجی جس کا مطلع ہے :

خفقان خاک سے ہیں سلسلے ٹوٹے ہوئے
قافلے والوں سے ہیں بچھڑے ہوئے چھوٹے ہوئے

تو داغ نے تعریف کا یہ جملہ لکھ کر غزل واپس کردی کہ " داغ اس سے بہتر نہیں کہہ سکتا ۔" (۳)

---

(۱) وفا راشدی ، محولہ بالا ، ص ۷۲

(۲) ایضاً ، ص ۷۲

(۳) ایضاً ، ص ۷۲

اس وقت بنگال میں ان سے بڑا کوئی شاعر نہ تھا ۔ کلکتہ میں انھیں کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا تھا ۔ وہ ہر مشاعرے میں بلائے جاتے تھے ۔ وہ جب تک مشاعرے میں نہیں آتے تھے مشاعرے کا رنگ پھیکا رہتا تھا ۔ جب شمس مشاعرے میں غزل سناتے تھے تو مجلس پر محویت طاری ہوجاتی تھی ۔

شمس نے مرزا غالب اور داغ کے کلام کا تتبع کیا ہے ۔

غالب ایک غزل میں اس طرح گویا ہوتے ہیں :

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلاسکو

کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

اسی خیال کو شمس نے بھی باندھنے کی کوشش کی ہے لیکن غالب ہر لحاظ سے غالب ہے ۔ شمس کا شعر ملاحظہ ہو :

میں جس کو پی رہا ہوں وہ حاضر ہے واعظو

تم جس کو کہہ رہے ہو وہ کیسی شراب ہے

داغ ایک غزل میں فرماتے ہیں :

بھویں تن ~~ہوتی~~ ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں

کسی سے آج بگڑی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

شمس نے استاد کی اسی زمین میں یوں کہا :

اگر اللہ نے چاہا تو اس کافر کو شمس اک دن

مسلماں کر کے اٹھیں گے ، برہمن بن کے بیٹھے ہیں

تو ان کے شاگرد رشید بنگال کے غالب دوراں جناب رضا علی وحشت اپنے ایک مقالے میں اسی شعر کے متعلق لکھتے ہیں " کہ یہ میرے استاد کا بہترین شعر ہے ۔" (۱)

حضرت وحشت نے یوں قطعہ تاریخ کہا :

حضرت استاد شمس نکتہ داں   کز فیوضش کردہ ام کسب کمال

---

(۱) وفا راشدی ، محولہ بالا ، ص ۷۳

چون ازین دارفنا رحلت نمود   خاطرم خون گشت از فرط ملال
فکرس وحشت سن تاریخ خواست   گفت هاتف " شاعر عالی خیال"
۱۳۲۳ھ

دیوان شمس کا ایک نسخہ نیشنل لائبریری کلکتہ میں موجود ہے جس کو وحشت نے انتقال کے پندرہ سال بعد ۱۹۲۰ء میں طبع کرادیا تھا - غزلیات کے ایک ہزار چھ سو پچیس شعر ہیں- سات اردو قطعات اور ایک فارسی قصیدہ بھی ہے -

اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   نازمن بجناب تو بس سزاوار ست   دلم چون آئینہ وروئے تو چو بدر منیر
اردو   گھر بلایا ہے بت ماہ لقانے ہم کو   عید کا چاند دکھایا ہے خدانے ہم کو

فارسی کے شعر میں ایک خاص بات پیدا کی ہے وہ یہ کہ جو بات پہلے مصرع میں کہی ہے اس کو دوسرے مصرع میں شاعرانہ توجیہ کے ساتھ صحیح ثابت کیا ہے - پہلے مصرع میں فرماتے ہیں کہ اے دوست میں جو تیرے ساتھ نیازمندی رکھتا ہوں وہ بے وجہ نہیں ہے - مجھ کو تیرا نیازمند ہونا ہی چاہئے - اس لیے کہ میرا دل مثال آئینہ کے ہے اور تیرا چہرہ بدر منیر کے مانند ہے اور ظاہر ہے کہ آئینہ کی قدر و قیمت آئینہ دیکھنے والوں ہی کی وجہ سے ہوتی ہے- اس طرح آئینہ حسن دیکھنے والوں کا محتاج ہوتا ہے کہ کوئی اپنے حسن کو دیکھے تاکہ اس کے حسن کی قدر ہو اسی طرح اگر آئینہ دیکھنے والے نہ ہوں تو ایک آئینہ محض بے کار چیز ہے - اور پھر دیکھنے والا بھی حسین ہو تو آئینہ کو اور بھی چار چاند لگ جاتے ہیں - بہرحال شاعرنے شعر بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ لفظی اورمعنوی رعایتوں کی وجہ سے شعر بہت بلند ہوگیا ہے - اردو کا شعر بھی ایسی ہی مناسبت کی وجہ سے بہت کچھ دل کش ہوگیا ہے - بت ماہ لقا نے جو گھر بلایا ہے تو اس خوشی کے لیے اس سے بہتر کوئی تمثیل نہیں ہوسکتی کہ فرماتے ہیں ہم کو ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے عید کا چاند دیکھ کر خوشی ہوتی ہے -

دونوں شعر اپنی اپنی جگہ نہایت خوب ہیں - مگر اردو کا شعر اپنی روانی اور

شگفتگی کی کے اعتبار سے نسبتاً فارسی کے شعر سے بہتر معلوم ہوتا ہے -

===XXX===

فارسی   هزار سعی نمودم هزار جهد ولی   به هیچ گشته درد دلم علاج پذیر

اردو   کارگر جب نہوئی ایک بھی تدبیر اپنی   ہوکے مجبور یہ کہتا ہوں کہ تقدیر اپنی

فارسی کے شعر میں کوئی خاص بات نہیں کہی ہے ، ایک عام مضمون ہے جس کو شعراء کہتے چلے آئے ہیں وہ مضمون یہ ہے کہ درد عشق کا کوئی علاج نہیں لیکن اردو کے شعر میں بڑی خوب صورتی سے تقدیر و تدبیر کے مسئلہ کو بیان کردیا ہے وہ یہ کہ تقدیر کا حال کسی کو معلوم نہیں لہذا انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کسر اٹھا نہ رکھے اور جب امکانی کوشش کے باوجود بھی کام یابی نہو تو پھر قسمت پر شاکر رہے - شمس نے تقدیر و تدبیر کے اس مفہوم کو ایک شعر میں بڑی عمدگی سے بیان کردیا ہے اور پھر یہ کہنا کہ " ہوکے مجبور یہ کہتا ہوں کہ تقدیر اپنی " اس انداز بیان نے [illegible] تقدیر و تدبیر میں اور بھی خوبی پیدا کردی ہے ، بہرحال اردو کا شعر فارسی کے شعر سے بہتر ہے -

=====XXXX====

مزید چند اشعار پیش خدمت ہیں :

فارسی   بسا مراد که حاصل نشد بسعی کثیر   بسا عقود که نگشود ناخن تدبیر

اردو   چل چل کے بھی چلتی نہیں تدبیر ہماری   بن بن کے بگڑجاتی ہے تقدیر ہماری

====XXX====

فارسی   بسے نیاز که منت کش رقیبان گشت   بسے امید که از یاس شد طراز پذیر

اردو   ساتھ کیوں اغیار کو لاتے ہیں آپ   اور کیا طرز ستم کوئی نہیں

====XXX====

فارسی   نشاط عیش قلیل است و درد و غم بسیار   حیات هجر دراز ست و عمر وصل قصیر

اردو   شب وصل رہ رہ کے وہ پوچھتے ہیں   ذرا دیکھنا کیا بجا ہے گھڑی میں

===XXX===

فارسی توئی کہ ذات تو مجموعۂ کمال بود توئی کہ دست تو وقت عطاست ابر مطیر

اردو اس قدر تو ہے غنی، تجھ کو ہے اس درجہ عطا

حفت اقلیم کی دولت سے ہے دل تیرا نفور

===XXX===

فارسی چہ شبہ ماند بنغزان من کہ در شب غم ہزار نالہ رسید ست تا بر تاثیر

اردو اے نالۂ دل تیری تاثیر کے صدقے میں دروازہ پہ آآ کے وہ کان لگاتا ہے

====XXXX====

فارسی بیاز لطف نگاہے بہ شمس کن از مہر کہ درد مند وبرھین غم لست وہم دلگیر

اردو تری آرزو دم نکلنے نہ دے گی میں مرتا ہوں پھر بھی جئے ہی بنے گی

############

صحو، آغا محمد داؤد :
================

آغا محمد داؤد نام اور صحو تخلص تھا - (۱) ۱۲۵۳ھ/ ۳۸-۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے - آپ صوفی کامل گزرے ہیں نقشبندی سلسلہ کے حضرات شاہ محمد حسین صاحب سے بیعت تھے - اجمیر شریف میں ایک زبردست مدرسہ اور خانقاہ آپ کے سلسلہ کی یادگار ہے-

آپ نے ابتدا میں اپنے پیر بھائی جناب سید حسین علی صاحب سے فارسی میں انشاء خلیفہ ، سکندر نامہ اور طغرائے ظہوری کی تعلیم حاصل کی - پھر اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ حضرت شاہ محمد حسین صاحب کی خدمت اقدس میں تشریف لے گئے اور بیعت کی اس وقت آپ کی عمر ۱۳ برس کی ہوگی - باقی تعلیمات حضرت شاہ صاحب کے فیوض و برکات ہی کا ثمرہ ہے-

خصوصیات کلام :-

مولوی محمد عبدالقیوم حفظ نے ۲۲ شعبان ۱۳۰۱ھ میں آغا محمد داؤد کے ہاتھ پر بیعت کی اور وصال سے پہلے تقریباً بارہ برس تک روزانہ چار گھنٹے اپنے پیر و مرشد کی خدمت

---

(۱) صحو، آغا محمد داؤد، "دیوان صحو" ، آگرہ : ابوالعلائی اسٹیم پریس، ۱۳۳۲ھ ، ص۷
(دیوان صحو کا تاریخی نام دفتر رحمت " بھی ہے)
عمر گذری عشق و وجد و حال میں
جلو کو پہنچے اکہتر سال میں

میں گذارتے تھے تقریظ میں لکھتے ہیں :

" میری چشم دید زمانے میں کوئی وقت حضرت کا سکر و جذبہ سے خالی نہ تھا لیکن اس کے ساتھ صحو بھی غالب رہا کرتا تھا کشف و کرامات کو بے حد پوشیدہ فرماتے تھے، سر سے پاؤں تک عجز کے پتلے تھے - شعر گوئی کی حالت یہ تھی کہ کبھی ارادتاً شعر نہیں کہا بلکہ کیفیت غالب ہوئی اور اسی غلبہ میں جو کچھ کلام موزون فارسی ہو یا اردو بے اختیار نکل آیا- حاضرین میں سے کسی نے اس کو لکھ لیا- باعتبار فن ، شاعری سے کوئی تعلق نہ تھا - اکثر ایسا ہوا کہ اس کیفیت میں اشعار ناموزون بھی نکلتے تھے لفظ صحو آیا ہے وہ اپنے لغوی اسلوب پر نہیں ہے- اس دیوان کے اشعار درحقیقت انکا حال ہیں یا واردات یا واقعات جس کو تقاضائے کیف وقت نے موزون کردیا بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ آنکھ سے آنسو جاری ہیں داڑھی کے بال کھڑے ہوئے ہیں - آنکھ بے حد متوالیاں ہیں اشعار زبان سے بے ساختہ نکلے چلے جارہے ہیں -یہ حالات میری چشم دید ہیں-" (۱)

اگرچہ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے مگر اس قسم کی باتوں کو اشعار میں بیان کرنے سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے اور اکثر یہ اشعار پڑھتے تھے :

من و مستی و ذوق بے ہستی
چکار آید مرا کشف و کرامات

کلام میں اگرچہ کوئی نئی بات بیان نہیں کرتے پھر بھی اپنے خاص انداز سے اس میں نیا پن پیدا کردیتے ہیں -

محمد عاشق حسین نے حضرت آغا محمد داؤد صحو کی سیرت پر مثنوی کے چند شعر پیش کیے ہیں جس کے آخر مصرع " شد وفات زهیر دین نبی " سے مادۂ تاریخ انتقال (۲) ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء نکلتا ہے - دو شعر ملاحظہ ہوں :

---

(۱) حفظ، مولوی محمد عبدالقیوم (تقریظ) " دیوان صحو"، محولہ بالا ، ص: ۱۲

(۲) عاشق حسین، محمد (مادۂ تاریخ) " دیوان صحو" ، محولہ بالا ، ص: ۷

سر گرم عشق وجد و حال میں   خلد کو پہنچے اکہتر سال میں
(۷۱)

گفتہ ام سال وصال مرشدی   شد وفات رہبر دین نبی
۱۳۲۳ھ

اردو فارسی کے صرف ایک شعر کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   حضوری گر توئی خواہی مباشی یک دمی غافل

حقیقت فاش می گردد اگر یابی حضور دل

اردو   حقیقت میں حق ہے مرا رہنما دل   خدا دان، خدا بین، خدا آشنا دل

دونوں شعروں میں دل کی تعریف کی ہے اور دل کی طرف متوجہ رہنے کو معرفت حق کے لیے ضروری قرار دیا ہے ۔ تصوف کے حقیقت میں تزکیہ روح اور صفائی قلب ہی کا نام ہے ۔ دل مضغۂ گوشت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک لطیفہ غیبی ہے جس کا تعلق اس مادی عالم سے نہیں ہے ۔ اس لیے اہل حق اور صوفیہ کرام تزکیہ نفس میں کوشاں رہتے ہیں تاکہ وہ معرفت خداوندی کے حامل ہوسکیں ۔ دل میں جب یہ خوبی پیدا ہوجاتی ہے تو اس کے ذریعہ انوار حق اور تجلیات الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے ۔

فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں اگر تم حضوری حق چاہتے ہو یعنی دل کے آئینہ میں تمہیں خدا کا جلوہ نظر آئے تو دل کی طرف متوجہ رہو اور اس سے ایک دم کے لیے بھی غفلت نہ اختیار کرو ۔ اگر تم کو حضوری دل حاصل ہوگئی تو دل کے آئینہ میں تم پر حقیقت حق کا انکشاف ہوگا گویا حضور دل کے سوا اس عالم میں جمال حقیقت کے دیکھنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے ۔

اسی بات کو اردو میں بالکل صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ میرا دل جو خدا دان، خدا بین، خدا آشنا اور خداترس ہے حقیقت میں وہی میرا حقیقی رہنما ہے ۔ اسی دل کے ذریعہ میں حصول مقصد حیات میں کامیاب ہوسکتا ہوں ۔ اور مقصد حیات یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کو معرفت خداوندی حاصل ہوجائے ۔

دونوں اشعار بالکل صاف ہیں، نہ کسی قسم کی نازک خیالی ہے، نہ دقت معانی،

نہ فکر کی بلند پروازی، بلکہ ایک خیال کو دو زبانوں میں بالکل بے تکلف اور سادہ انداز میں بیان کردیا ہے -

===XXX===

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی   روئے من است آئینہ روئے یار ما   ما را ندید، دید کسے خوش نگار ما

اردو   ذات پاک آپ کی ہے وجہ اللہ   شش جہت آئینہ نما ہیں آپ

===XXX====

فارسی   شش جہت را ہمچو آئینہ منور می کند   نعرۂ "انی انا اللہ" خود بخود تنہا زدن

اردو   تیرا ہمشکل نہیں یار جہاں میں دیکھا   مثل خورشید تجھے کون ومکاں میں دیکھا

===XXX====

فارسی   سرّ "الست" یارم عالم عیاں بدانند   "قالوا بلیٰ" جواب شوریدگان بدانند

اردو   کہا پھر تو "قالوا بلیٰ" خود بخود   کیا پیش قدسی جواب الست

====XXX====

فارسی   بکوہ طور موسیٰ را نمودم دیے واصل   بہ موسیٰ نازمی سازم چگویم بس غیور دل

اردو   وہ جان جہاں جب سے جلوہ نما ہے   مرا عرش اعظم سے اعظم ہوا دل

===XXX====

فارسی   چوں الف قد وسراپا خال و خط زیر و زبر   حمد لعل یس آں روئے خوش قرآن من

اردو   ہے قیامت کا نمونہ قد بالا دیکھئے   سر سے پاتک ہے حرکت آپ کی رفتار میں

===XXX====

فارسی   مرغ دل اندر قفس بانگ انا الحق میزند   چوں موذن پنج اذان در حمد مطلق میزند

اردو   حق کہا منصور نے جو کچھ کہا حق کی قسم

چار جانب اوس نے دیکھا عشق کی صمصام ہیں

====XXX=====

فارسی   نیست تسکینم بخاطر جز بدین آن نگار   می پرستان را بود لازم مدارات شراب

اردو   جام ساقی آئینہ ہے محتسب سے خوف کیا   دیکھتے ہیں روئے دلبر ہم شراب ناب میں

****

فدائی ، شاہ محمد عثمان فاروقی :

شاہ محمد عثمان نام اور فدائی تخلص تھا ۔ آپ کے والد شاہ خادم علی مشہور وکیل تھے ۔ آپ کی ولادت بمقام آستانہ بھیرا موضع ولید پور دسمبر، ۱۸۶۰ء مطابق ۱۲۷۶ھ (۱) میں ہوئی ۔

آپ کی ابتدائی تعلیم موضع سلیم پور ضلع غازی پور میں ہوئی ۔ درس نظامیہ کی ابتدائی کتابیں جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب فتح پوری سے پڑھیں ۔ پھر مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری سے فلسفہ و منطق کی تعلیم حاصل کی ۔ ۱۸۷۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا ۔

خصوصیات کلام :- وہ ایک سچے اور پکے مسلمان تھے ان کا قول تھا کہ اخلاق حسنہ اور راستی مذہب کے دو درخشندہ گوہر ہیں ۔ عقیدہ کی استقامت اور مذہب کی پابندی کا ان دو صفتوں سے پتا چلتا ہے ان کو جھوٹ سے سخت نفرت تھی وہ دغا اور فریب کو ایمان کے منافی سمجھتے تھے ۔ ان کا کلام ان کی طبیعت کی عکاسی کرتا ہے ۔ انھیں اردو فارسی شعرا کے بہترین اشعار بکثرت یاد تھے ۔ دوران گفتگو موقع کے اشعار پڑھ کر گفتگو میں جان ڈال دیتے تھے ۔

فدائی حضرت آسی کے شاگرد تھے ۔ ایک نظم میں لکھتے ہیں :

حضرت آسی مقدس سے تھا تلمذ دم ازل سے مجھے

انہیں اس بات کا بہت افسوس تھا کہ زمانے میں کوئی سخن فہم اور سخندان نہیں ہے جو ان کے دل کی آواز سن کر داد سخن دے ۔ فرماتے ہیں :

اس زمانے میں فدائی ہے عجیب قحط رجال   نہ سخن فہم ہے کوئی نہ سخندان کوئی

---

(۱) کیفی چڑیاکوٹی، علامہ (مقدمہ) ، " فدائی " (مرتبہ) وکیل جونپوری، بدایوں : ۱۹۳۳ء نظامی پریس ، ص ۳

فدائی ایک خداترس اور خدا رسیدہ انسان تھے ان کے سینہ میں ایک درد مند دل تھا - جو دکھی لوگوں کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا :-

اس فقیر کے دل میں نہ دیوار نہ در ہے
جی چاہے چلے آؤ یہ اللہ کا گھر ہے

فدائی نے ۱۳ دسمبر ۱۹۱۹ء / ۱۳۳۸ھ بروز شنبہ داعی اجل کو لبیک کہا -(۱)

اردو فارسی کے صرف ایک شعر کا خصوصی تقابلی مطالعہ :
==

فارسی   دخت رزمایہ خوبیست بخوان اے ساقی   بزم مستان ہمگی عیش کمانی دارد

اردو   پیری میں دختر رز نوخیز چاہئے   دور آخر جام مے لبریز چاہئے

فارسی اور اردو کے دونوں شعروں میں شراب کی تعریف کی ہے - فارسی میں دختر رز شعرمیں نہیں آسکتا تھا اس لیے دخت رز کہا ہے - عیش کمانی سے مراد شاہانہ عیش و نشاط و بزم آرائی ہے - شراب رنگور کی تعریف کرتے ہوئے ساقی سے اس کا مطالبہ کر رہے ہیں اور مستوں کی بزم کو عیش کمانی کا مالک قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسی شاہانہ بزم میں اے ساقی دختر رز کو لاکر پیش کر کہ وہ سرتاپا حسن و جمال ہے -

شعر میں کوئی ندرت نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تکلف سے اپنے خیال کو فارسی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے -

اردو میں فرماتے ہیں کہ اب ہماری زندگی کا آخری دور ہے تو جام مے بھی ہم کو لبریز دینا چاہیے کیوں کہ پیری میں عمر کا جام بھی لبریز ہوکر چھلکنے کے قریب ہوتا ہے اس لیے شاعر نے یہ بات پیدا کی ہے کہ دختر رز بھی نوخیز ہونی چاہئے پھر پیری اور دختر رز کا تقابل بھی خوبی سے خالی نہیں ہے - ان وجوہ سے اردو کے شعر کو فارسی کے شعر پر ترجیح دی جاسکتی ہے-

=====XXX=====

مزید دیگر ~~xxxxxx~~ اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

فارسی   جان و دل ہردونثار یار لبر کردہ اند   دین و ایمان ہم فدائے آن ستمگر کردہ اند
اردو   جان و دل نذر یک نگہ کر کے   فتنۂ خط و خال سے چھوٹے

---

(۱) کیفی چڑیاکوٹی، علامہ، محولہ بالا، ص، ۲

فارسی مفت کش عشقم که یک دم نگاهی صد ناوک دلدوز بجان و جگر افتاد

اردو نیم بسمل کی طرح ترچھی نگاہ اے نگاہ ناز چشم نیم باز

====XXX====

فارسی شاهد و ساقی و مطرب همه مطلوب من است گوش من بسوی پیر مغان نے دارد

اردو وہ رندی و مستی و جوانی ساقی و شراب ارغوانی

===XXXX====

فارسی مجنون سبق دشت نوردی زمن آموخت از جوش مے عشق بجام دگر افتاد

اردو هم نہیں مجنوں کہ هوں آوارہ گرد کوئے جاناں منزل و ما وا هوئی

====XXX====

فارسی سوز غمهائے دروںم در فراقت چون کند پارہ هائے دل بچشم آرد سرشک ازخون کند

اردو دل میں مرے ایک آگ بھردے نالوں میں مرے شرار بھردے

===XXX====

فارسی آہ آتشبار من سوزد جهان رایکسان چشم طوفان زائے من ازگریہ صد جیحون کند

اردو آہ ناکامی دل، هائے هجوم اندوہ دیکھ کس طرح بسرهم شب غم کرتے هیں

===XXX====

فارسی درد تو بدل دارم بے چنگ و رباب اندر اے پردہ نشین عشقت دارد بحجاب اندر

اردو چھپاتا هوں میں راز درد دروں پسند آگئی خوئے پردہ نشین

====XXX====

فارسی قصۂ عشق و حدیث شب هجر سرگزشت من شیدا آمد

اردو هیں حاصل زندگانی درد جگر و غم نهانی

=============

رضا، مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں بریلوی :

عبدالمصطفیٰ عرف محمد احمد رضا خاں نام اور رضا تخلص تھا - ١٠/ شوال المکرم، ١٢٧٢ھ مطابق ١٣/ جون، ١٨٥٦ء میں شہر بریلی کے محلہ جسولی میں پیدا ہوئے -(١)

آپ کے آباء و اجداد قندھار کے موقر قبیلے بڑھیچ کے پٹھان تھے - مغلیہ عہد میں آپ کے بزرگ لاہور تشریف لائے اور ممتاز عہدوں پر فائز ہوئے - لاہور کا شیش محل آپ کی جاگیر میں تھا - پھر آپ کے بزرگ دہلی تشریف لائے اور یہاں بھی جلیل القدر مراتب پر فائز رہے آپ کے جد اعلیٰ محمد سعید اللہ خاں صاحب شش ہزاری منصب پر فائز تھے - اور اسی طرح آپ کے دیگر اہل خاندان ہمیشہ اپنی ذہانت، شجاعت، شرافت، تدبر اور علمی صلاحیتوں کی بنا پر ہمیشہ بلند مراتب پر مامور رہے -

آپ کے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب نے محمد آباد عرف ریاست ٹونک راجستھان (راج پوتانہ) میں علامہ خلیل الرحمن صاحب مرحوم کے مدرسہ سے (٢) ١٢٢٤ء میں فارغ التحصیل ہوئے - اس وقت ان کی عمر ٢٣ سال تھی - (٣)

حضرت مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب کی تعلیم کی ابتدا قرآن مجید سے ہوئی پھر ابتدائی دینی کتب کی تعلیم حاصل کی - ابتدائی تعلیم کے دوران انھوں نے جناب مرزا غلام قادر بیگ بریلوی جناب عبدالعلی صاحب رام پوری اور جناب سید شاہ ابوالحسین احمد نوری سے استفادہ کیا- اس کے بعد اپنے والد بزرگ وار حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی (متوفی ١٢٩٧ھ) سے جو کہ اپنے والد مولانا حضرت رضا علی خاں صاحب سے فیض یاب تھے- تمام دینی علوم کی تکمیل کی اور ١٢٨٦ھ میں فارغ التحصیل ہوئے - اس وقت آپ کی عمر تیرہ

---

(١) ظفرالدین قادری رضوی، (مرتب) " حیات اعلیٰ حضرت "، کراچی : مکتبہ رضویہ ، فیروز شاہ اسٹریٹ ، آرام باغ ، ١٩٣٨ء ، ص ١-٢

(٢) ٹونک کے علماء اس زمانے میں اپنے مکانوں پر طلباء کو تعلیم دیتے تھے، اور گھر گھر مکتب کھلے ہوئے تھے -

(٣) ظفرالدین قادری رضوی، محولہ بالا ، ص ٣

سال دس ماہ تھی (۱) اتنی کم عمری میں درس نظامیہ کی تکمیل کرنا آپ کی انتہائی ذکاوت و ذہانت کی دلیل ہے ۔ ایک بار آپ نے اپنی بیعت کے متعلق خود فرمایا کہ " میں جمادی الاول ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا۔" (۲)

آپ کے والد مولانا نقی علی خاں صاحب نے ۱۲۸۹ء میں ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی اور اس کا تاریخی نام " مصباح التہذیب" رکھا تھا لیکن وہ کچھ ہی عرصہ میں خود غرضیوں کا شکار ہوگئی تو آپ نے تعلیم سے فراغت کے بعد ایک دینی مدرسہ قائم کیا کیوں کہ اس وقت تک بریلی میں کوئی دینی مدرسہ ایسا نہ تھا جو صحیح معنی میں دین کی خدمت کر رہا ہو اور اسی کے ساتھ آپ نے تصنیف و تالیف کا کام بھی شروع کیا۔ آپ نے اس درس گاہ سے علم کا ایسا دریا بہایا کہ تشنگان علم دور دور کا سفر کر کے وہاں پہنچے اور سیراب ہوکر دوسروں کو سیراب کرنے کا عزم لے کر واپس ہوئے ۔ آپ کی تبحر علمی کا یہ عالم تھا کہ منتہی علماء بھی آپ سے استفادہ کرنے حاضر ہوتے ۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں ۔ آپ تقریر و تحریر کے فن کے بادشاہ تھے۔ آپ نے ۱۹۲۱ء (مطابق ۱۳۴۰ھ) میں انتقال [redacted] فرمایا ۔(۳)

خصوصیات کلام :

جوں کہ آپ کو علم کا فیض اپنے اسلاف سے پہنچا اور عشق رسول والدین کی طرف سے ورثہ میں ملا تھا اس عشق کا تقاضا یہ تھا کہ بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق بھی موجزن ہوا۔ کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قلبی واردات و کیفیات کا مظہر ہو اور جس میں بلاکم و کاست مطلب ادا کیا گیا ہو جس میں تکلف اور آورد کو قطعی دخل نہ ہو اسی خصوصیت کے متعلق ایک موقع پر ڈاکٹر غلام مصطفی خاں صاحب نے فرمایا " حضرت شاہ محمد احمد رضا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بہت شاندار کلام ہے وہ سب حال ہے قال نہیں ہے"۔ بلا شبہ ان کے کلام میں بڑی معنویت ہے وہ اشارات میں بڑے بڑے دینی مسائل بیان کرجاتے ہیں انھوں نے اپنے کلام میں

---

(۱) ظفرالدین قادری رضوی، محولہ بالا، ص ۳۳

(۲) ایضاً ، ص ۳۴

(۳) ظفرالدین قادری ، محولہ بالا ، (مقدمہ) ، ص (ز)

* اس آفتاب عالم تاب کو غروب ہوئے آج ۱۹۳۸ء میں سترہ سال ہوئے ہیں"

قرآن و حدیث کے رموز آشکار کیے ہیں - آپ کا کلام علم و حکمت سے پر ہے اس لیے تعریف سے بالاتر ہے - معراج میں اللہ تعالی سے ہم کلامی کا اس شعر میں اس طرح نقشہ کھینچتے ہیں :

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش " لن ترانی" کہیں تقاضے وصال کے تھے

کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ سے قلبی لگاؤ اور عقیدت تھی اورشاعری میں آپ نے حافظ سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے - انھوں نے حافظ کی ایک غزل پر تضمین بھی کہی ہے دو شعر ملاحظہ ہوں ہر شعر کا دوسرا مصرع حافظ کا ہے :

مگر دانی روازیں محفل رہ ارباب سنت رو
" کہ سالک بے خبر نبود کلا زراہ و رسم منزل ہا"
غریق بحر عشق احمدیم از فرحت مولد
" کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا"

ایک نعتیہ غزل کا مقطع ہے :

اے رضا خود صاحب قرآن ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

جب خدا خود ہی اپنے حبیب کا مدح خوان ہے یعنی جا بجا قرآن حکیم میں اللہ تعالی نے حضور کے مختلف اوصاف بیان فرمائے ہیں تو پھر بندہ کیا تعریف کرسکتا ہے کیا اللہ کے بعد انسان کی تعریف کی کیا حقیقت ہے اور بندہ سے کب ممکن ہے کہ وہ حضور کی تعریف کرسکے۔

مندرجہ ذیل اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ -

فارسی چو انگشت تو شدجولاں دہ برق قمر را بہر قربان آفریدہ

اردو چاند جھک جاتا جدھرانگلی اٹھاتےمہدمیں کیاہی چلتاتھا اشاروں پرکھلونا نورکا

فارسی اور اردو دونوں اشعار میں کل کائنات پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت ظاہر کرنے کے لیے یہ بتایا ہے کہ چاند آپ کی انگلیوں کے اشاروں پر ناچتا تھا - یہاں جز کہہ کر کل کائنات مراد لی ہے - فارسی کے شعر میں جہاں یہ بتایا ہے کہ آپ کی انگلیاں برق کو حرکت میں لے آتی تھیں وہاں " قمر را بہر قربان آفریدہ" کہہ کر حضور کے معجزہ

" شق القمر" کی طرف بھی اشارہ کردیا ہے - جس کا تفصیلی ذکر قرآن مجید کی " سورۃ القمر" میں ہے -

اردو کے شعر میں یہ بتایا ہے کہ آپ کو چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کا جو حکم ہوا تھا تو بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید حضور چالیس سال کی عمر سے پہلے نبی نہ تھے - حالاں کہ ایسا نہ تھا آپ تو پیدائشی نبی تھے اور تمام انبیا علیہم السلام بشمول قرآن مجید میں آپ کی آمد کی بشارت دیتے ہوئے آئے ہیں - اس بات کا جواب بڑے حسین پیرائے میں مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب نے دیا ہے کہ وہ معجزۂ شق القمر تو چالیس سال کے بعد رونما ہوا لیکن بچپن میں جس طرح بچے کھلونوں سے کھیلتے ہیں نبی آخر الزماں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چاند ایک کھلونا تھا جس سے وہ کھیلتے تھے - اور وہ نورانی کھلونا آپ کی انگلی کے اشارہ سے یوں اسی طرح گھومتا تھا جیسے بچے لٹو گھماتے ہیں - اور اس طرح مولانا نے آپ کو پیدائشی نبی ثابت کرنے میں جس فطری انداز میں دنیا سے قریب تر مثال دی ہے اس کی مثال دیگر نعت گو شعراء کے کلام میں ملنی مشکل ہے -

زبان اور انداز بیان کی خوبیوں کے لحاظ سے دونوں ہی اشعار اپنی اپنی جگہ خوب ہیں - اردو کا شعر عاشقانہ رنگ تغزل کے ساتھ زبان و انداز بیان کی لطافت بھی رکھتا ہے- اور فارسی کا شعر بھی اہل زبان کا سا شعر معلوم ہوتا ہے اور اپنے دامن میں فصاحت و بلاغت کی خوبی لیے ہوئے ہے اس لیے دونوں اشعار بہترین شعر کہلانے کے مستحق ہیں اور ہم دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتے -

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی   گنہ بر سر بلا بارد ، دلم درد ہوا دارد   کہ داند جز تو در ماندم اغثنی یا رسول اللہ

اردو   گنہ رضا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا

مگر اے عفو، تیرے عفو کا تو حساب ہے نہ شمار ہے

=====xxxxx=====

فارسی   خیر نور الہدی بدر الدجی شمس الضحی   اے رخت آئینہ ذات خدا امداد کن

اردو   شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا   تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

======xxxxx=====

فارسی — گل مست شد از بوئے تو بلبل فدائے روئے تو — سنبل نثار موئے تو طوطی بیادت نغمہ خواں

اردو — باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا — مست بُو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

=== XXXXXXX=====

فارسی — مولا زپا افتادہ ام دارم شہا چشم کرم — مہر عرب ماہ عجم رحمے بحال بندگاں

اردو — میں گدا تو بادشاہ بھردے پیالا نور کا — نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا

======XXXXXXX=====

فارسی — اے ملتجا شمع ھدیٰ نور خدا ظلمت ردا — مہرت فدا ماھت گدا نورت جدا از این وآں

اردو — یہ جو مہر و مہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا — بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

====XXXXXXXX====

فارسی — مرتضٰی شیر خدا مرحب کشا خیبر کشا — سرور لشکر کشا مشکل کشا امداد کن

اردو — شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن — پرتوِ دست قدرت پہ لاکھوں سلام

=====XXXXXXX X====

فارسی — اے جان من جانان من همدرد هم درمان من

دین من و ایمان من امن و امانِ اُمتاں

اردو — تجھ سے چھپاؤں منہ تو کروں کس کے سامنے — کیا اور بھی کسی سے توقع نظر کی ہے

=====XXXXXXXX=====

فارسی — یعقوب گریانت شدہ ایوب حیرانت شدہ — صالح حدی خوانت شدہ اے کہ نازِ لامکاں

اردو — ماو شما تو کیا کہ خلیل جلیل کو — کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے

=====XXXX=====

فارسی — شکر بدہ گو یک سخن تلخ است بے تو جان من

یار شتاب از رخ فگن بہر رضائے خستہ جاں

اردو — سرہانے ان کے بسمل کی یہ بے تابی کا ماتم ہے — شہ کوثر ترحم تشنہ جاتا ہے زیارت کا

====XXX====

فارسی

فارسی بنا کردند تا قصر رسالت ترا شمع شہنشاں آفریدند

اردو وہی سرور ہر رسول و ولی ہے وہی راز دارِ "مع اللہ لی" ہے

======xxx===

فارسی اے شافع ~~تر[illegible]~~ [دامان] ہے چارۂ درد جہاں جان و دل و روح رواں بحضرتہ عرش آستاں

اردو وہی رحمت شفیع امت رضا پہ للہ ہو عنایت

اسے بھی ان خلعتوں سے حصہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

=========xxxxxxx===

اقبال ، علامہ سر محمد :

محمد اقبال نام اور اقبال تخلص کرتے تھے ۔ ٢٢ فروری ١٨٧٣ء / ٢٣ ذی الحجہ ١٢٨٩ھ (١) سیالکوٹ میں (پنجاب) پیدا ہوئے ۔ آپ کے اجداد کا آبائی وطن کشمیر تھا ۔ آپ کے والد ماجد جناب نورمحمد صاحب نہایت دیندار ، قناعت پسند اور کٹر مذہبی آدمی تھے، جن کی زیر تربیت اقبال کی ابتدائی ذہنی نشو و نما ہوئی ۔ سیال کوٹ سے آپ نے ایف۔ اے پاس کیا پھر لاہور گورنمنٹ کالج میں داخل ہوئے اور فلسفے میں ایم اے پاس کر کے اورینٹل کالج میں پروفیسر مقرر ہوگئے ۔ بعد ازاں انگلستان گیے اور کیمبرج یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں سے فراغت کے بعد جرمنی گیے اور وہاں سے تعلیم کے اعلی مدارج طے کر کے واپس لاہور تشریف لے آئے اور وکالت کے کام میں مشغول ہوگیے ۔

اقبال نے سیال کوٹ میں قیام کے دوران اپنے وقت کے متبحر عالم جناب سید میر حسن سے عربی و فارسی ادب اور اخلاقیات کی تعلیم حاصل کی پھر لاہور میں پروفیسر ڈاکٹر آرنلڈ کی مشفقانہ تعلیم و تربیت نے علم و فضل کی ترقی میں مزید رہنمائی فرمائی ۔ اقبال خود معترف ہیں کہ جس جذبۂ شوق کی بنا سید میر حسن نے رکھی تھی اسے ڈاکٹر آرنلڈ کی رہنمائی نے تکمیل تک پہنچادیا ۔ اقبال کی ذہنی تعمیر اور علمی صلاحیت کے سلسلہ میں کیمبرج یونی ورسٹی کے اساتذہ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ ، پروفیسر براؤن، نکلسن اور سارلی کو حضرات کا سراسر کا اضافی ہوگی ۔ ان تمام اساتذہ کی خصوصی توجہات نے اقبال کو اقبال بنایا۔

اقبال کو بچپن ہی سے شعر و سخن کا شوق تھا اس کی ابتدا بھی عام شاعرانہ انداز پر ہوئی ۔ سیالکوٹ میں قیام کے دوران غزلیں کہنا شروع کیں اس زمانے میں ہر طرف داغ دہلوی کی شہرت کا ڈنکا بج رہا تھا ، دور دور سے لوگ خطوں کے ذریعہ اپنے کلام کی اصلاح لیتے تھے۔ علامہ اقبال نے بھی بذریعہ خطوط اصلاح لینی شروع کردی اور داغ کے زمرۂ تلامذہ میں

---

(١) فاضل ، سید عبدالرشید ، " ترجمان خودی " کراچی : مشہور آفسٹ پریس ، ١٩٥٦ء
ص ١٩

شامل ہوگئے - چنانچہ فرماتے ہیں :

نسیم و تشنہ ہی اقبال کچھ اس پر نہیں نازاں

مجھے بھی فخر ہے شاگردی داغ سخنداں کا

لیکن چند غزلیں دیکھ کر ہی داغ نے لکھ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

اقبال نے یورپ کے قیام کے دوران اپنے مطالعہ کی روشنی میں ایک نہایت محققانہ کتاب لکھی جو ایرانی فلسفہ کی مختصر تاریخ ہے - اسی کتاب پر جرمنی سے " ڈاکٹر" کا علمی اعزاز حاصل کیا، اور ہندوستان کی انگریز حکومت نے آپ کے علمی کمالات پر آپ کو " سر " کے عظیم خطاب سے سرفراز فرمایا۔

پروفیسر نکلسن نے اقبال کی مشہور فارسی نظم " اسرار خودی " کا انگریزی ترجمہ معہ توضیح و تشریح لکھ کر اہل مغرب کو اقبال سے روشناس کرایا۔ اس طرح اقبال مشرق و مغرب کے علمی حلقوں میں معروف و مقبول ہوگئے -

اقبال کی طبیعت نے ہندوستان کے غافل اور بے حس مسلمانوں کی ابتری اور زبوں حالی سے گہرا اثر قبول کیا۔ حالی ، شبلی اور اکبر الہ آبادی بھی ان حالات سے بہت متاثر تھے، ان سے تبادلہ خیالات کیے اگرچہ ان میں سے ہر ایک نے مسلمانوں کی اصلاح کی فکر کی ، لیکن مسلمانوں کی غیرت و حمیت کو جھنجوڑ کر ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں اقبال کا ولولہ انگیز کلام بہت موثر ثابت ہوا ، قوم نے انہیں "شاعر ملی " کا لقب دیا۔

اقبال نے قرآنی پیغام " انما المومنون اخوۃ " تمام دنیا کے مسلمانوں کو سناکر انہیں متحد کرنے کی کوشش کی - اور بتایا کہ اگر مسلمان صدق دل سے خدا کے سامنے جھک جائے تو پوری دنیا کو اپنے سامنے جھکاسکتا ہے - لیکن اس کے لیے احکامات الہی کے سامنے سرتسلیم خم کردینا شرط ہے - جس کے صلہ میں " شاعر مشرق" کے لقب سے ملقب ہوئے اور قوم کو پاکستان کا حقیقی تصور آپ ہی نے دیا تھا جس کو قائد اعظم نے عملی جامہ پہنایا -

انتقال سے چند گھنٹے پیشتر یہ رباعی کہی :

سرود رفتہ باز آید کہ ناید　　نسیمے از حجاز آید کہ ناید

سر آمد روزگار این فقیرے　　دگر دانائے راز آید کہ ناید

موت کے متعلق علامہ اقبال کا وہی تصور تھا جو ایک مومن کا ہونا چاہیے -

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی

ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

یہ مفکر اعظم آخر وقت تک اپنا پیغام ملت اسلامیہ کو سناتا رہا - اور اپریل ۱۹۳۸ع / ۱۳۵۷ھ کو مسلم قوم کا اپنے دل میں درد لیے [illegible] اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو کوچ فرما گئے - "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

ان کی منظوم تصانیف اردو میں :- بانگ درا ، بال جبریل ، ضرب کلیم ہیں اور ارمغان حجاز (اردو حصہ) - اور فارسی میں :- اسرار خودی ، رموز بے خودی ، پیام مشرق ، زبور عجم ، جاوید نامہ اور ارمغان حجاز (حصہ فارسی) ہیں -

خصوصیات کلام :

جب اقبال نے میدان شاعری میں قدم رکھا تو سب سے پہلے[1] ایک مشاعرہ میں غزل پڑھی جس کا یک شعر بہت مشہور ہوا :

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے

قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

اگرچہ اقبال کے کلام نے اتنی ترقی کی یہ ابتدائی شعر اس کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا تاہم یہ شعر ان کے کلام اور ان کی شخصیت پر پوری روشنی ڈالتا ہے - اس شعر کا تخیل پتا دیتا ہے کہ صاحب شعر قوت متخیلہ سے مالا مال ہے اور وہ خوف خدا اور شان

---

(۱)　تنہا ، محمد یحی ، " مراۃ الشعرا " حصہ دوم ، لاہور: ۳۰/ مارچ ، ۱۹۵۰ع ، مطبوعہ تعلیمی پریس ، ص ۱۸۳

رحیمی پر مکمل بھروسہ رکھتا ہے -

علامہ اقبال مولانا حالی کی منظومات سے بہت متاثر ہوئے اور ابتدا میں انھوں نے اپنی شاعری کو اسی نہج اور اسی طرز پر ڈھالنے کی کوشش کی اس میں کوئی شک نہیں کہ حالی کے کلام میں سادگی، صفائی اور دل آویزی ہے جسے پڑھ کر جو شیلی طبائع متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں اور ان کے دلوں میں اسلاف کی قدر اور اسلام کی عظمت جگہ کرلیتی ہے - " مسدس" ان کا شاہکار ہے جس کا اصل نام مد و جزر اسلام ہے، یہ ایک پیغام ہے - اس کے ذریعہ انھوں نے قوم کو بیدار کرنے اور حوصلہ و ہمت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے - چوں کہ حالی کا کلام جوش و رنگینی سے معرا ہے اس لیے قوم کی بے حسی اور پژمردگی دور کرنے سے قاصر رہا اس کے مقابلے میں علامہ اقبال کا کلام بہت زیادہ موثر ثابت ہوا -

اقبال نے افکار و خیالات کی بلند پروازی اور فارسی تراکیب کی ساخت و پرداخت مرزا غالب سے سیکھی لیکن ان کی فکر کا طائر علم و حکمت اور فلسفہ کی روشنی میں مرزا غالب سے بھی بلند پرواز ثابت ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے رفعت افلاک کی خبر لانے لگا- پھر " مثنوی مولوی معنوی" کے مطالعہ نے ان کے پاکیزہ افکار کو مزید جلا بخشی - پیر رومی کے فیض نے ان پر راز ہائے سربستہ آشکار کردیے - جس سے ان کا قلب معرفت الٰہی کا مظہر ہوگیا- اور یہی ان کے ذہنی ارتقا کا سبب ہے - خود فرماتے ہیں :

پیر رومی را رفیق راہ ساز | تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند ز پوست | پائے او محکم فتد در کوئے دوست
شرح او کردند و اورا کس ندید | معنی او چوں غزال از ما رمید

اقبال کے کلام کا زور ناظرین کو بھی اڑاتا ہے اور انھیں افلاک کی سیر کراتا ہوا مقام " لاھوت" تک پہنچاکر دیتا ہے ، تخلیق کائنات کا مقصد سمجھاتا ہے، اسرار خودی اور رموز بے خودی سے آشنا کرتا ہے - اس کو اولوالعزمی ، خودداری اور بلند حوصلگی کی تعلیم دیتا ہے اور اسے اس کائنات کا وارث خلیفہ اللہ فی الارض کے حقیقی مفہوم اور مقصد سے آگاہ کرتا ہے -

اقبال کی غزلیات میں فلسفیانہ خیالات، خودی، عصر حاضر کی ابتری، غلامی، آزادی، تصوف، اخلاقیات اور پند و موعظت وغیرہ سب ہی کچھ ہے جس سے غزل کی تنگیٔ داماں کا گلہ دور ہوگیا ہے۔ اور بیان اس قدر شستہ، نادر اور رنگین ہے کہ ہر نئے موضوع میں غزل کا کیف و سرور بھی نرالا ہوتا ہے۔

اقبال نے یورپ کی سیاحت کے دوران ان مقدس مقامات کی بھی زیارت کی جہاں کبھی اسلام نے اپنی عظمت اور شان و شوکت کے نقش جمائے تھے مگر آج وہاں کوئی اسلام کا نام لیوا بھی نہیں۔ ان مقامات میں ہسپانیہ، قرطبہ اور قسطنطنیہ شامل ہیں۔ جب تمام یورپ میں جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا تو یہاں علم و فضل کے ایسے چراغ روشن تھے جن سے یورپ اور دنیا کے دیگر تمام ممالک اکتساب نور کر رہے تھے۔ آج تہذیب حاضر کی روشنی بھی اسی ملت بیضا کے نور کا ظہور ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں اپنی قلبی کیفیات بڑے موثر انداز میں پیش کی ہیں۔

ظلمت مغرب میں جو روشن تھی مثل شمع طور　　　ہے زمین قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور

بجھ کے بزم ملت بیضا پریشاں کر گئی　　　اور دیا تہذیب حاضر کا فروزاں کر گئی

قبر اس تہذیب کی یہ سر زمین پاک ہے

جس سے تاک گلشن یورپ کی رگ نمناک ہے

اقبال ایک مقام پر نوجوانوں سے مخاطب ہیں:

تیرے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ہیں ایرانی

لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

دراصل جوانی ہی علم و حکمت اور معرفت حاصل کرنے کا بہترین وقت ہے۔ جس طرح دنیاوی کاموں میں بجز محنت کے کمال حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح نیکی کے کاموں میں بھی عمل پیہم کے بغیر سوز روشنی نا ممکن ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

علم و حکم از رزق جان آید بدست　　　هم زمین هم آسمان آید بدست!

فرد از وی صاحب جذب کلیم　　　ملت از وی وارث ملک عظیم!

رزق جان آموختن کار وی بود　　　غیر حق را سوختن کار وی بود

تاز از حرص و غم سوزد جگر | جان بوقر اندر ... ز جاید ای پسر
ضعف ایمان است و دلگیری ست غم | نوجوانا ! نیمهٔ پیری ست غم
می شناسی! حرص فقر حاضر است (۱) | من غلام آنکه برخود قاهر است

اقبال کا تمام کلام بصیرت افروز اور علم و حکمت سے مالا مال ہے - وہ انسانیت سے محبت رکھتے تھے اس لیے انھوں نے فلسفۂ انسانیت کے ترجمان اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے اپنا کلام پیش کیا ہے -

اردو فارسی کے چند اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی محکمی ها از یقین محکم است | وای من شاخ یقینم بی نم است

اردو خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

علامہ اقبال نے اپنے فارسی اور اردو دونوں اشعار میں یقین محکم کی ضرورت پر زور دیا ہے -

یقین اور ایمان تقریباً ایک ہی چیز ہے - یقین سے اقبال کی مراد وسیع معنی میں یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان کو اپنی پنہاں قوتوں کا یقین ہو کیوں کہ خدائے انسان کو اس کائنات میں اشرف المخلوق بنایا ہے اور اس منصب کے لیے جن صلاحیتوں اور قوتوں کی ضرورت تھی وہ اس کے اندر ودیعت کردی ہیں - اس کے بعد ان تمام چیزوں پر یقین کرنا جن کا ذکر ایمان مفصل میں کیا گیا ہے - تو ظاہر ہے کہ اس قسم کا یقین اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ پہلے انسان کو ان تمام باتوں کا صحیح علم ہو اس لیے کہ علم کے بغیر عمل ممکن نہیں ہے -

فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ ہر قسم کا استحکام خواہ وہ انفرادی ہو خواہ اجتماعی یقین محکم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا ، یہ حقیقت بیان کرنے کے بعد افسوس کرتے ہیں کہ میری

---

(۱) فقر حاضر - تلمیح بحدیث مشہور است :-

" ایا کم و الطمع ، فانه الفقر الحاضر "

یقین کی شاخ ابھی نم نہیں ہے یعنی میں کیفیت یقین بہت کمزور ہے - میں سے اقبال کی مراد مسلمان ہے - جو دولت یقین سے محروم ہوچکا ہے - اور یہی کمی اس کے ملی استحکام کے فقدان کا باعث ہے-

اردو کے شعر میں اسی بات کو اس طرح فرمایا ہے کہ اے مسلمان اگر تجھ کو یقین حاصل ہوجائے تو تیری قوت کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا - اس کے حاصل ہونے کے بعد تیرے دست و زبان خدا کے دست و زبان بن جائیں گے - لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ یقین کی بجائے اس پر گمان کا غلبہ ہے اور یہی بات کمزوری کا باعث ہے -

ایک اعتبار سے گویا اقبال نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اپنے آپ کو پہچاننا چاہئے خود شناسی کے دوسرے معنی خدا شناسی کے بھی ہیں اور جب انسان اپنی اور خدا کی معرفت سے بیگانہ ہوگیا تو پھر اس کا وقار اس کی عزت اور اس کا غلبہ بھی باقی نہ رہا۔

دونوں اشعار اگرچہ ایک ہی مضمون کو بیان کرتے ہیں لیکن اردو کے شعر میں جس قدر و زور اوریقین کی کیفیت پائی جاتی ہے وہ فارسی کے شعر میں نہیں ہے -

=====XXX====

فارسی   بہ پایاں نا رسیدن زندگانی ست   سفر مارا حیات جاودانی است

اردو   ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا   حیات ، ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

اقبال کے موضوعات میں سے ایک موضوع جہد مسلسل اور سعی ناتمام بھی ہے انسان جو کچھ حاصل کرلے اس پر قناعت کر کے نہ بیٹھے بلکہ ایک مقصد کے حصول کے بعد اس سے بڑے اور اعلیٰ درجہ کے مقاصد کو پیش نظر رکھنا چاہئے - اس موضوع پر اقبال نے اس قدر لکھا ہے کہ ان کے کلام کا ایک بہت بڑا حصہ اسی موضوع سے متعلق نظر آتا ہے - اور پھر اس مضمون کو اتنے اسالیب کے اندر بیان کیا ہے کہ اور ہر اسلوب بیان میں نئی جدت پیدا کی ہے - چنانچہ اپنے اس فارسی شعر میں جہد مسلسل کو سفر سے تعبیر کیا ہے - فرماتے ہیں کہ سفر ہی میں حیات جاودان کا راز پوشیدہ ہے اس لیے سفر کبھی ختم نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ سفر کا ختم ہونا گویا موت سے ہم کنار ہونا ہے - دوسرے الفاظ میں سعی و کوشش سے کبھی بے زاری کا اظہار

نہیں کرنا چاہئے - کوشش کام یابی کا ذریعہ اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب اس میں تسلسل قائم رہے -

اردو کے شعر میں بھی وہی مضمون اور وہی استعارہ موجود ہے فرماتے ہیں کہ اے مسلمان ہر اک مقام سے آگے تیرا مقام موجود ہے اس لیے کہ تیرے ذمہ اس قدر فرائض دیے گیے ہیں کہ ان کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا - اگر تو ایک مقام پر پہنچ گیا ہے تو اس سے آگے کا مقام تیرے انتظار میں ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا - گویا ایک مقصد کی تکمیل کے بعد اس سے آگے ہزار مقاصد ہیں جن کا حاصل کرنا تیرا کام ہے - اس اعتبار سے تیری زندگی ذوق سفر ہی میں مضمر ہے - یعنی حصول مقاصد میں کوشش کرتے رہنا تیرے زندہ ہونے کا ثبوت ہے - ظاہر ہے کہ جو شخص کسی ایک مقصد کو حاصل کرکے بیٹھ رہا تو اس کا مسلمان ہونا کیوں کر متحقق ہوسکتا ہے - اور اقبال کی نظر میں ایک مسلمان کا ان صفات سے معرا ہونا موت کے مترادف ہے - کیوں کہ ایسی صورت میں وہ شخص کچھ بھی ہو لیکن مسلمان نہیں ہوسکتا -

=====XXX=====

فارسی   ذات ما آئینہ ذات حق است   ہستی مسلم ز آیات حق است

اردو   مقام اس کا ہے دل کی خلوتوں میں   خدا جانے مقام دل کہاں ہے!

قرآن پاک میں ارشاد باری ہے " و فی انفسکم افلا تبصرون " اور اسی آیت کی ترجمانی " من عرف نفسہ فقد عرف ربہ " سے ہوتی ہے - یعنی جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا گویا اس نے خدا کو پہچان لیا - فارسی کے شعر میں اقبال نے یہی بات کہی ہے کہ ہماری ذات ذات حق کا آئینہ ہے ہم اگر خدا کو پہچاننا چاہتے ہیں تو اپنے آپ کو پہچانیں اس طرح ہم خود بخود خدا کو پہچان لیں گے - اقبال کے مصرع کے ایک دوسرے لطیف معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ مسلمان کی ذات ذات حق کا آئینہ ہوتی ہے یعنی مسلمان کے ہر قول اور فعل سے حق ظاہر ہوتا ہے - کیوں کہ مسلمان اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور اخلاق خداوندی اس کے اندر پیدا ہوجاتے ہیں - چناں چہ حدیث میں آتا ہے " تخلقوا باخلاق اللہ " یعنی تم اپنے

اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو - اور دوسرا مصرع اس لطیف نکتے کی تائید بھی کرتا ہے چونکہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی ہستی آیات حق میں سے ایک آیت ہے یعنی مسلمان کی ذات سے صفات الہیہ کا ظہور ہوتا ہے -

اردو کے پہلے مصرع میں وہی بات کہی ہے جو فارسی کے شعر میں بیان کی ہے یعنی خدا کا مقام دل کی خلوتوں میں ہے - دل کی خلوتوں سے مراد یہ ہے کہ مخصوص اوقات میں انسان تنہائی میں کامل یک سو ہوکر اپنے دل کی طرف متوجہ ہو اور اس توجہ کا مقصد احتساب نفس کے ذریعہ تزکیہ نفس ہو تو اس مسلسل کوشش سے تزکیہ نفس ہوجاتا ہے - اور اس وقت انسان کا دل بمنزل آئینہ کے ہوتا ہے اب وہ اس آئینہ دل میں انوار الہی کا فیضان دیکھتا ہے اور انسان پر اسرار و رموز منکشف ہونے شروع ہوجاتے ہیں -

اردو شعر کے دوسرے مصرع سے ایک لطیف بات یہ بھی نکلتی ہے کہ خدا کا مقام دل کی خلوتوں میں ہے لیکن دل کے مقام تک پہنچنا بھی کوئی آسان تو نہیں ہے - وہ دل جس کو آکہ غیبی کہتے ہیں اس کی عقدہ کشائی کوئی آسان بات نہیں ہے - لیکن تزکیہ نفس کے بعد دل تجلیات الہی کا مظہر بن جاتا ہے اس کیفیت میں علامہ فرماتے ہیں کہ " خداجانے مقام دل کہاں ہے "-

جہاں تک شعریت کا تعلق ہے اردو کے شعر کا جواب نہیں ہوسکتا - پھر جوبات اردو کے دو مصرعوں میں کہی ہے وہ اتنی بدیہی ہے کہ اس کا اعتراف ہر شخص بآسانی کرسکتا ہے - اگرچہ فارسی کے شعر میں بھی جو بات کہی گئی ہے وہ بالکل حق ہے مگر فارسی کا شعر صرف ایک مسلمان ہی کو اپیل کرسکتا ہے اس کے برخلاف اردو کے شعر میں جس حقیقت کا اظہار کیا ہے اس کا اعتراف بلا امتیاز مذہب و ملت ہر شخص کرتا ہے -

====xxx====

فارسی　　شادم کہ عاشقان را سوز دوام دادی　　درمان ناخریدی آزار جستجو را

اردو　　نہ پوچھو مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی

نشیمن سیکڑوں میں نے بناکر پھونک ڈالے ہیں

عشاق اپنے عشق کے سوز و گداز پر بھی فخر کرتے ہیں اور وہ آزار محبت کے دوام کی تمنا کرتے ہیں ، اور یہی بات عاشق کی زندگی سمجھی جاتی ہے - اقبال نے اپنے فارسی کے شعر میں اسی خیال کو پیش کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں اس بات پر خوش ہوں کہ خدانے عاشقوں کو سوز دوام عطا فرمایا ہے کیوں کہ ان کے آزار کا درمان پیدا نہیں کیا اور یہ بات باعث مسرت ہے -

اردو کے شعر میں اسی بات کو اس پیرائے میں پیش کرتے ہیں کہ خانما برباد رہنے کی لذت مجھ سے کیا پوچھتے ہو یہ تو وہ لذت ہے کہ میں نے سیکڑوں نشیمن بناکر پھونک ڈالے - ایک نشیمن بناتا ہوں اور اس کو نذر آتش کردیتا ہوں اس کے بعد دوسرے نشیمن کی تعمیر شروع کرتا ہوں اور جب وہ مکمل ہوجاتا ہے تو اس کو بھی آگ کے حوالے کردیتا ہوں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے -

فارسی کے شعر میں اس بات نے شعر میں ندرت و تازگی پیدا کی ہے کہ آزار جستجو کا درمان پیدا نہیں کیا اسی طرح اردو کے شعر میں بھی اس بات سے نئی ندرت اور طرفگی پیدا ہوگئی ہے کہ میں نے سیکڑوں نشیمن بناکر پھونک ڈالے ہیں - دونوں شعر اپنی اپنی خصوصیات اور خوبیوں کے اعتبار سے انتخاب ہیں -

====XXX====

فارسی جہان کوراست و آئینہ دل غافل افتاد است

ولے چشمی کہ بیناشد نگاہش بر دل افتاد است

اردو دل بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

فارسی کے شعر میں اقبال نے دل کو آئینہ سے تعبیر کیا ہے اور اس بات پر افسوس کیا ہے کہ لوگ اپنی کوری چشم کی وجہ سے آئینہ دل کی طرف سے غافل ہیں - ان غافل لوگوں میں سے جس کی آنکھ کھل جاتی ہے وہ دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے - اور اس کو جلا دینے کی کوشش کرتا ہے - اس لیے کہ اسی آئینہ دل میں انسان خدا کی تجلیات کا مشاہدہ کرسکتا ہے -

اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ یہ آنکھ کا نور صرف مادی اشیا کو دیکھ سکتا ہے

اور وہ بھی محدود فاصلہ پر ۔ حقیقت میں دل کا نور ہی وہ نور ہے جس کے ذریعہ معانی اور حقائق کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اس لیے دل بینا خدا سے طلب کرنا چاہئے ۔

دونوں اشعار میں دل کی تعریف کی ہے لیکن لفظی و معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ شعریت کی کیفیت کے اعتبار سے فارسی کا شعر اردو کے شعر سے بہتر ہے ۔

====xxx====

فارسی   چون خودی آرد بہم نیروی زیست   می گشاید قلزمی از جوئی زیست

اردو   یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی

کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی

اقبال اپنے اردو اور فارسی دونوں اشعار میں خودی کی قوت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ جب انسان میں خودی کی قوت پیدا ہوجاتی ہے تو اس کی جوئے تنک آب ، قلزم کی شکل اختیار کرلیتی ہے یعنی اس کے اختیار و اقتدار کی وسعتوں کی کوئی انتہا نہیں ہوتی ۔

اسی بات کو اردو کے شعر میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ مجھے باد صبح گاہی یہ پیغام دے گئی ہے کہ جو لوگ اپنی خودی سے واقف ہوجاتے ہیں اور خودی کے پوشیدہ امکانات کو بروئے کار لاکر وہ خودی کے عارف ہوجاتے ہیں ۔ تو وہ کسی معمولی مقام پر نہیں رہے ۔ بلکہ ان کا مقام پادشاہی ہوتا ہے ۔ گویا حقیقی پادشاہت خودی کی معرفت ہے ۔

===xxx=====

فارسی   کشتِ حق سیراب گشت از خون ما   حق پرستان جہان ممنون ما

اردو   نقش توحید کا ہردل پہ بٹھایا ہم نے   زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

فارسی کے شعر میں اقبال نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے باطل کو مٹایا اور دنیا والوں کو حقانیت کی تعلیم دی اور حق پرستی کے اصول دنیا میں عام کیے اس لیے اب دنیامیں جہاں کہیں بھی حق پرستی کے نقوش پائے جاتے ہیں وہ مسلمانوں ہی کی اشاعت حق کی یادگار سمجھے جاتے ہیں ۔ اور جب یہ بات مسلم ہے تو پھر دنیا میں جہان

کہیں بھی حق پرست موجود ہیں خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں انہیں مسلمانوں ہی کا ممنون احسان ہونا چاہئے -

اردو کے شعر میں مسلمانوں کی توحید پرستی کے ساتھ ان کی استقامت دینی کا بھی ذکر کیا ہے - محض یہی بات نہیں ہے کہ مسلمانوں نے توحید پرستی کو عام کیا بلکہ اس کام کے سلسلہ میں بڑی قربانیاں دیں اور سخت مصائب و آلام برداشت کیے حتی کہ فرزندان توحید نے زیر خنجر بھی پیغام سناکر ہی دم لیا -

دونوں اشعار نہایت شگفتہ اور رواں ہیں تاریخی حقائق نہایت موثر انداز میں بیان کیے گیے ہیں -

=====xxx=====

فارسی　عبد گردد یاوہ در لیل و نہار　　　در دل حُر یاوہ گردد روزگار

اردو　کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے　　مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

فارسی اور اردو دونوں اشعار ہم معنی ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ فارسی کے شعر میں عبد اور حر کا تقابل کیا ہے اور اردو کے شعر میں کافر مومن کا فرق بتایا ہے - لیکن یہ بھی محض لفظی فرق ہے ورنہ معنوی اعتبار سے کافر بھی عبد ہی کے حکم میں آجاتا ہے - کیوں کہ وہ بھی اپنی خواہشات یا مجازی معبودوں کا غلام ہوتا ہے اسی طرح مومن اور حر میں بھی لفظی فرق ہے ورنہ معنوی اعتبار سے جو مومن ہے وہ حر بھی ہے - کیوں کہ مومن اللہ کے سوا کسی کے حکم کا پابند نہیں ہوتا - اور خدا کے علاوہ ہر چیز کے مقابلہ میں اس کا سربلند رہتا ہے -

بہرحال فارسی کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ غلام اس عالم لیل و نہار میں گم ہوجاتا ہے اور جو وقت کا تقاضہ ہوتا ہے اسی کے مطابق کام کرتا ہے اور اپنی خودی کو فراموش کردیتا ہے اس کے مقابلہ میں حر زمانے میں گم ہونے کی بجائے گردش زمانہ کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال دیتا ہے یعنی اس کی مرضی مرکب نہیں بلکہ راکب کی سی ہوتی ہے -

اردو کے شعر میں بھی یہی بات کہی ہے لیکن کافر و مومن کے الفاظ کی وجہ سے

مضمون زیادہ واضح ، عام فہم اور دلنشین ہوگیا ہے - اس لیے کہ عبد اور حر کی تعریف اور اس کے فرق کو خاص لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں - اس لیے شعر کو عام فہم بنانے کے لیے پہلے عبد و حر کا فرق سمجھانے اور دل نشین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے - یہی وجہ ہے کہ اردو کا شعر اپنی مقبولیت کی وجہ سے زبان زد خاص و عام ہوگیا ہے -

==XXX====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہیں :

فارسی   خنک انسان کہ جا نشین بے قرار است   سوار راہوار روز گار است

اردو   عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث   مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں

====XXX====

فارسی   فصل بہاراین چنین ، بانگ ہزار این چنین

چہرہ کشا غزل سرا ، بادہ بیار این چنین

اردو   پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن   مجھکو پھر نغموں پہ اکسانے لگامرغ چمن

====XXX====

فارسی   بجانم رزم مرگ و زندگی است   نگاہم برحیات جاودانی است

اردو   برتر از اندیشۂ سود و زیان ہے زندگی   ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

====XXX====

فارسی   سینہ شاعر تجلی زار حسن   خیزد از سینائے او انوار حسن

اردو   شاعر دلنواز بھی بات اگر کہے کھری   ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرع زندگی ہری

===XXX====

فارسی   چہ نقشہا کہ نہ بستم بکار گاہ حیات   چہ رفتنی کہ نہ رفت و چہ بودنی کہ نبود

اردو   نظر میری نہیں ممنون سیر عرصۂ ہستی   میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں

=====XXXX====

فارسی   لالۂ کو خیزد از سوز جگر   هر کجا تاثیر او دیدم دگر

اردو   عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم

عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دمبدم

===XXX====

فارسی   قمری از تاثیر او واسوخته   بلبل از وی رنگ ها اندوخته

اردو   آدمی کے ریشے ریشے میں سماجاتا ہے عشق

شاخ گل میں جس طرح باد سحرگاہی کا نم

===XXX====

فارسی   به کسی عیان نه کردم ز کسی نهان نه کردم

غزل آن چنان سرودم که برو فتاد رازم

اردو   گلشن دہر میں اگر جوئے مئے سخن نہ ہو   پھول نہ ہو، کلی نہ ہو، سبزہ نہ ہو، چمن نہ ہو

=====XXX====

فارسی   چیست معراج؟ آرزوئے شاهدے   امتحانی رو بروئے شاهدے

اردو   ذوق ہے مسلماں ہدف اس کا ہے ثریا   ہے سِرّ سراپردۂ جاں نکتۂ معراج

===XXX====

فارسی   تاب خود را بر فزودن خوشتر است   پیش خورشید آزمودن خوشتر است

اردو   دے ولولۂ شوق جسے لذت پرواز   کرسکتا ہے وہ ذرۂ مہ و مہر کو تاراج!

====XXX=====

فارسی   چشم بکشا بر زمان و بر مکان   این دو یک حال است از احوال جان

اردو   تو معنیِ "والنجم" نہ سمجھا تو عجب کیا   ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج

====XXX====

فارسی   تو که از نور خودی تابندۂ   گر خودی محکم کنی پایندۂ

اردو   جس بندۂ حق بیں کی خودی ہوگئی بیدار   شمشیر کے مانند ہے برندہ و براق

===XXX====

فارسی   سخن از بود و نابود جہان باشن چہ می گوئی

من این دانم کہ من ہستم ندانم این چہ نیرنگ است

اردو   یہ کافر تونہیں، کافری سے کم بھی نہیں^{xx} کہ مرد حق ہوگرفتار حاضر و موجود

=====xxx=====

فارسی   دو عالم را توان دیدن بمینائے کہ من دارم   کجا چشمے کہ بیند آن تماشائے کہ من دارم

اردو   محروم تماشاکو پھر دیدۂ بینا دے   دیکھاہے جو کچھ میں نے اوروں کوبھی دکھلادے

====xxx====

فارسی   ذات ما آئینہ ذات حق است   ہستی مسلم ز آیات حق است

اردو   ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان   گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

====xxx=====

فارسی   مذہب عصر نو آئینے نگر   حاصل تہذیب لادینے نگر

اردو   ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم   کیاخبرتھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

====xxx====

فارسی   نہ یابی در جہان یاری کہ داند دلنوازی را

بخود گم شو، نگہ دار آبروئے عشق بازی را

اردو   منصور کو ہوا لب گویا پیام موت   اب کیاکسی کے عشق کادعوی کرے کوئی

====xxx====

فارسی   علم را مقصود اگر باشد نظر   می شود ہم جادہ وہم راہبر

اردو   علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے   تو خدا جو، خدا نما ہوں میں

====xxx====

فارسی   عشق صیقل می زند فرہنگ را   جوہر آئینہ بخشد سنگ را

اردو   علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لیے   لذت شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے

====xxx====

فارسی خیز که بنمایت مملکت تازۂ — چشم جہان بین کشا، بہر تماشا حرام

اردو بچۂ شاہین سے کہتا تھا عقاب سالخورد — اے ترے شہپر پہ آساں رفعت چرخ بریں

===XXX=====

فارسی بندۂ حق بندۂ اسباب نیست — زندگانی گردش دولاب نیست

اردو مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے — خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

=====XXX=====

فارسی بازوئے شاہین کشا، خون تذروان بریز — مرگ بود باز را، زیستن اندر کنام

اردو نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر — تو شاہیں ہے! بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

====XXX=====

فارسی بجہان بہ ضمیر من صد عالم رعنا بین — صد کوکب غلطان بین، صد گنبد خضرا بین

اردو مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے — وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

===XXX====

فارسی منزل مقصود قرآن دیگر است — رسم و آئین مسلمان دیگر است

اردو خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں — ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

====XXX====

فارسی چہ بگویمت ز جائے که نفس نفس شمارد — دم مستعار داری؟ غم روزگار داری؟

اردو کیا عشق ایک زندگی مستعار کا! — کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا

===XXX====

فارسی تو اے شاہین نشیمن در چمن کردی ازان ترسم — ہوائے او ببال تو دہد پرواز کوتاہی

اردو اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

===XXX====

فارسی مرا بنگر که در ہندوستان دیگر نمی بینی — برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

اردو یوں داد سخن مجھ کو دیتے ہیں عراق و پارس — یہ کافر ہندی ہے، بے تیغ و سناں خونریز

====XXX====

فارسی　چه بروئی خودمی کشی پردهٔ صبح و شام را　　چهره کشا تمام کن جلوهٔ ناتمام را

اردو　کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

که هزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

====XXX=====

فارسی　بلب رسید مرا آن سخن که نتوان گفت　　بحیرتم که فقیهان شهر خاموشند!

اردو　آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی　　الله کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

===XXX====

فارسی　من بندهٔ آزادم، عشق است امام من　　عشق است امام من، عقل است غلام من

اردو　جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی　　کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

===XXX====

فارسی　آن فقر که بی تیغ صد کشور دل گیرد　　از شوکت دارا به، از فر فریدون به

اردو　فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ　　فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ

===XXX====

فارسی　رزق زاغ و کرگس اندر خاک گور　　رزق بازان در سواد ماه و هور

اردو　پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں　　کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

===XXX====

فارسی　هر دو بمنزل روان، هر دو امیر کاروان　　عقل به حیله می برد، عشق برد کشان کشان

اردو　عقل کو تنقید سے فرصت نہیں ہے　　عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

====XXX====

فارسی　زندگی جز لذت پرواز نیست　　آشیان با فطرت او ساز نیست

اردو　احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ　　ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

===XXX====

فارسی   مکتب از مقصود خویش آگاه نیست   تا به جذب اندرونش راه نیست

اردو   یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

===XXX====

فارسی   ماه گردد ، تا شود صاحب مقام   سیر آدم را مقام آمد حرام

اردو   مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا   وہ مشت خاک ابھی آوارگان راہ میں ہے!

====XXX====

فارسی   شیوهٔ اخلاص را محکم بگیر   پاک شو از خوف سلطان و امیر

اردو   ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق   یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

====XXXX====

فارسی   مرد حق برنده چون شمشیر باش   خود جہان خویش را تقدیر باش

اردو   کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا   مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

=====XXX====

فارسی   بچشم اهل نظر از سکندر افزون است   گدا گری که مآل سکندری داند

اردو   نہ تخت و تاج میں ، نے لشکر و سپاہ میں ہے   جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

===XXX=====

فارسی   چه گویمت ز مسلمان نا مسلمانی   جز این که پور خلیل است و آزری داند

اردو   بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں   تھا براہیم پدر ، اور پسر آزر ہیں

====XXX====

فارسی   فقر را نیز جہان بانی وجہان گیری کند   که بایں راه نشین تیغ نگاهی بخشند

اردو   نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا   یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی!

===XXX====

فارسی شوق را راه دراز آمد دوگام این مسافر خستہ گردد از مقام

اردو عشق کی اک جست نے طے کردیا قصہ تمام

اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

====XXX=====

فارسی می شود پردهٔ چشم پرکاهی گاهی دیده ام هر دو جهان رابنگاهی گاهی

اردو چنھیں میں ڈھونڈھتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں

وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

===XX====

فارسی قلندراں کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

اردو مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے روش کسی کی گدایانہ ہوتو کیا کہیے!

====XXX=====

فارسی فرصت کشمکش مده این دل بی قرار را یک دو شکن زیاده کن گیسوی تابدار را

اردو گیسوے تابدار کو اور بھی تابدار کر ہوش و خرد شکارکر قلب و نظر شکار کر

====XXX===== =

فارسی توکہ از نور خودی تابندهٔ گر خودی محکم کنی پائندهٔ

اردو تری زندگی اسی سے ، تری آبرو اسی سے

جو رہی خودی تو شاہی ، نہ رہی تو روسیاہی

====XX====

فارسی وا نمودن خویش را خوئے خودی است خفتہ در ہر ذرۂ نیرو ی خودی است

اردو ہر چیز ہے محو خود نمائی ہر ذرّہ شہید کبریائی!

====XXX====

فارسی چون حیات عالم از زور خودی است پس بقدر استواری زندگی است

اردو خودی کیاہے ، راز درون حیات خودی کیاہے ، بیداری کائنات

===XXX====

فارسی من از فراق چه نالم که از هجوم سرشک ز راه دیده دلم پاره پاره می گذرد

اردو ہوائے صبح کا ھی نے جگر خون کر دیا میرا خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے ؟

فانی بدایونی، شوکت علی :

پیکر رنج و الم تصویر یاس و حرمان شوکت علی فانی ۱۸۷۹ء / ۱۲۹۷ھ میں بدایون میں پیدا ہوئے - ابتدا میں عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی سترہ سال کی عمر میں انگریزی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا - ۱۹۰۱ء میں بریلی سے بی اے کا امتحان پاس کیا- ۱۹۰۸ء میں علی گڑھ کالج سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا- کچھ عرصہ لکھنو، آگرہ اور اٹاوہ میں وکالت کی بعد ازاں حیدرآباد دکن چلے گیے اور باقی عمر وہیں گذاری-

آپ کو گیارہ بارہ سال کی عمر میں شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا - ۱۹۰۷ء تک کا شعری ذخیرہ جو دو دیوانوں پر مشتمل تھا ضائع ہوگیا، جس کا آپ کو اتنا افسوس ہوا کہ تقریباً گیارہ سال تک آپ کے لب پر مہر سکوت لگی رہی - اس کے بعد ایک مختصر مجموعہ کلام شائع ہوا جسے فانی کا پہلا دیوان سمجھنا چاہئے - دوسرا باقیات فانی کے نام سے ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا -

فانی کے تلف ہونے والے کلام میں شدت غم و یاس کا یہ عنصر نہیں پایا جاتا ہوگا جو موجودہ کلام میں ہے - کیوں کہ وہ حادثہ ، محبت بعد میں پیش آیا ہے جس نے فانی کے دل کو نہ مٹنے والا داغ دیا، یہی داغ محبت شعلہ بن کر چمکا اور ان کے خیالات یاس و حرمان کے سانچے میں ڈھل کر منظر عام پر آنے لگے، اور یہی فانی کا خاص رنگ ہے جس نے قبول عام بخشا اور فانی کو لافانی بنادیا - گویا وہ ساز جو عرصہ سے بے آواز پڑا تھا دل پر ذراسی چوٹ نے اس کے لیے مضراب کا کام کیا اور اسی سے یہ درد و غم کی آواز پیدا ہونے لگی -

فانی کے جگری دوست قاضی عبدالغفار کلیات فانی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :

"اس کے بعد شاید اقلیم سخن کو یہ تاجدار نصیب ہی نہوتا - لیکن مقدر یہ تھا کہ ان کی جوانی میں عشق کا شعلہ بھی جگہ پائے - وہ اپنے ساتھ ایک افسانۂ محرومی و مہجوری لے کر آیا- یہ افسانہ اتناہی دراز تھا جتنی ان کی عمر اسی مقام سے ان پر غم کا فلسفہ منکشف ہوا، اور غم کی پرچھائیاں ان کی شاعری کے آئینہ میں، یعنی ان کے دل کے آئینہ میں نقش و نگار پیدا کرنے لگیں -" (۱)

فانی نے ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۴۱ء میں اپنی وفات سے چند دن پہلے اپنا یہ قطعہ تاریخ بھی کہدیا تھا :-

او از جہاں گزشت کہ آخر خدا نہ بود !
او ایں چنیں بزیست کہ گوئی خدا نداشت
طفلیان ناز بیں کہ بہ لوح مزار او
ثبت است سال رخصت فانی "خدا نداشت" ۱۳۷۰ھ

قاضی عبدالغفار صاحب کو جب فانی نے یہ قطعہ تاریخ سنایا تو انھوں نے بے ساختہ کہا کہ یار! یہ کہہ دیا، فرمانے لگے "خدا نہ داشت" سے گھبرا گیے "طفلیان ناز" کو نہیں دیکھتے -" (۲) فرماتے ہیں :

کیا ہوئیں داور محشر وہ خطائیں میری
کچھ نہیں فرد عمل میں، تری رحمت کے سوا

انتہائی افسوس ہے کہ ایسے عظیم شاعر کا حیدرآباد، دکن میں نہایت کس مپرسی کے عالم میں انتقال ہوا-

---

(۱) عبدالغفار، قاضی ، (مقدمہ "کلیات فانی"، حیدرآباد دکن: عبدالحق اکیڈمی، اپریل ، ۱۹۳۶ء ، ص ۷

(۲) ایضاً ، ص ۲۹

خصوصیات کلام :

فانی نے اپنے استاد داغ کے کلام کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ پھر غالب کے کلام سے خوشہ چینی کی ، اور میر کے کلام کو بھی باامعان نظر پڑھا اور دوسرے استادوں کے کلام کے خصوصیات کو بھی مخصوص انداز میں اپنے کلام سے زینت بخشی ہے ۔ جیسا کہ محمد یحیی تنہا اپنے تبصرہ میں لکھتے ہیں:

" فانی کے یہاں داغ کا بھی رنگ ہے اور غالب کا بھی، کلام میں سوز و گداز بھی ہے اور یاس و حسرت بھی، چوں کہ ان کی زندگی آلام و مصائب میں گذری اس لیے ان کے یہاں میر جیسا درد بھی ہے ۔" (۱)

فانی کے ہر شعر سے یاس و حسرت ٹپکتی ہے ان کا کلام نوحۂ غم ہے ۔ ان کا دیوان رنج و محن اور فرقت و الم کا ایسا لالہ زار ہے جس میں داغہائے دل جا بجا شگفتہ ہیں اور اپنی بہار دکھا رہے ہیں ۔ جو غمگین انسانوں کے دلوں کی تسکین اور ان کے درد کا درمان بنتے ہیں ۔ انھیں نغمہ شادی بھی نوحۂ غم سنائی دیتا ہے ، اس کا واضح سبب یہ ہے کہ انھیں زندگی نے کوئی مسرت نہیں دی ۔ فانی کے مخصوص انداز میں میر کے رنگ کا ایک شعر پیش خدمت ہے۔

محشر میں جبر دوست سے طالب ہوں داد کا
آیا ہوں اختیار کی تہمت لیے ہوئے

حقیقت میں سحر الفت نے فانی کو زندۂ جاوید بنادیا :

زندۂ جاوید فانی نام اپنا ہوگیا
سحر الفت، رشک اعجاز مسیحا ہوگیا

---

(۱) تنہا ، محمد یحیی، " مراۃ الشعراء"، لاہور : تعلیمی پریس ، ۱۹۵۰ء، حصہ دوم، ص ۴۲۷

اردو فارسی کے چند اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   شکوۂ بختم چراست ، کام دلم چون دہد   ناشدہ شام وصال ، صبح پگاہم رسید

اردو   صبر شایان محبت تو نہیں ہے لیکن   شکر اگر بن نہ پڑے شکوۂ بیداد نہ کر

فارسی کے شعر میں اس عاشقانہ کیفیت کا بیان ہے کہ عاشق کو وصل بھی راس نہیں آتا کیوں کہ وصل کی خوشی فراق کے خوف سے ختم ہوجاتی ہے اور یہ بالکل نفسیاتی بات ہے کہ جب آدمی کو عیش کے دن نصیب ہوتے ہیں تو عیش کی خوشی میں اس حالت سے محروم ہوجانے کا اندیشہ بھی موجود رہتا ہے - قاضی اپنے شعر میں اسی کیفیت کو کس اچھوتے انداز میں بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے نصیبے کی کیا شکایت کروں نصیبہ مجھے کیوں کر مقصد میں کام یاب کرے جب کہ میری حالت یہ ہے کہ ابھی شام وصل شروع بھی نہیں ہوئی ہے کہ مجھے صبح فراق کی فکر دامنگیر ہوگئی ہے کہ اگر شب وصل نصیب ہو تو اس شب کی صبح نہیں ہونی چاہئے تاکہ عیش میں دوام ہو -

شعر میں تغزل کا رنگ اپنی پوری لطافت اور اثر انگیزی کے ساتھ موجود ہے - اگرچہ شعر کا مضمون نیا نہیں ہے لیکن قاضی کے انداز بیان نے اس میں جدت ضرور پیدا کردی ہے-

اردو کے شعر کا مفہوم اس سے ذرا مختلف ہے - فرماتے ہیں کہ بیداد یار پر شکر کرنا چاہئے اور چوں کہ بیداد یار اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ وہ عاشق سے جدا رہ کر اپنی جدائی سے عاشق کو فراق کی تکلیف میں مبتلا کرتا ہے ظاہر ہے اس بیداد پر عاشق کو صبر تو نہیں ہوسکتا لیکن تقاضائے عشق یہ ہے کہ اگر بیداد یار پر شکر نہ بن پڑے تو کم سے کم شکوہ تو زبان پر نہیں لانا چاہئے -

اردو کے شعر میں صبر و شکر اور شکوے کے الفاظ تو وہی ہیں جو عام طور سے شعرا کے یہاں استعمال ہوتے ہیں لیکن قاضی نے انہیں الفاظ کے ذریعہ شعر میں بڑی کیفیت پیدا کردی ہے - تاہم اگر فارسی اور اردو کے اشعار کا تقابل کیا جائے تو اردو کا شعر عشق و محبت کی لطیف کیفیت کے بیان کی وجہ سے فارسی کے شعر سے کچھ بہتر معلوم ہوتا ہے-

===XXX====

فارسی   برق جمال ز دل صبر بتاراج برد   آنچه از و باز ماند ، شعلۂ آهم ربود

اردو   نگاہ دلدوز کی دھائی، جمال جانسوز کی دھائی

رہ محبت میں غم نے لوٹا شکیب و صبر و قرار میرا

دونوں شعروں میں صبر و شکیب کے باقی نہ رہنے کا ذکر کیا ہے - عشق میں صبر و قرار باقی نہیں رہتا - شاعر نے عشق کی اس انتہائی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عشق میں انسان کے ہوش و حواس اور عقل و خرد کا تعلق اس کے دماغ سے اور صبر شکیب کا رشتہ اس کے دل سے منقطع ہوجاتا ہے -

فارسی کے شعر میں خرمن صبر و قرار کی بربادی کا باعث برق جمال یار کو قرار دیا ہے اور برق جمال یار سے باقی ماندہ صبر و قرار کی تاراجی کا سبب اپنے شعلۂ آہ کو بتایا ہے - ظاہر ہے کہ یہ تاراجی صبر و قرار کا مضمون اس انداز سے قدسی سے پہلے اور کسی شاعر نے شاید ہی باندھا ہو - انداز بیان اور اظہار خیال کی یہ طرفگی داد و تحسین کی سزاوار ہے -

لیکن اسی مضمون کو اردو میں جس والہانہ اور خود سوز انداز میں بیان کیا ہے اس نے اردو کے شعر میں جس قدر تاثیر اور درد انگیزی پیدا کی ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور یہی وہ چیز ہے جس کو غزل کی جان کہا جاتا ہے - پھر یہ ندرت اور پرکاری قابل غور ہے ، کہ شکیب و صبر و قرار سے محرومی کے ذمہ دار ہیں انہیں کی دھائی دی جارہی ہے - اس میں ایک لطیف عاشقانہ شان خودداری بھی پائی جاتی ہے کہ رہ محبت میں غم نے جو شکیب و قرار کو لوٹا ہے اس تاراجی کا شکوہ کسی اور کے آگے کرنا عشق کی توہین سمجھتے ہیں اور یہ شکوہ بھی دوست ہی سے کرتے ہیں کیوں کہ درد بھی اسی نے دیا ہے تو درمان بھی وہی کرسکتا ہے -

===xxx====

فارسی   شرار برق کجائی کہ گوشۂ قفسم   بہ التفات تو ارزد ، کہ آشیان من است

اردو   بنایا تھا نشیمن شاخ گل پر کس گھڑی یارب   بھٹکی جاتی ہے پھر برق بلا ، شاخ نشیمن پر

فارسی کے شعر میں ایک مفہوم تو یہ ہے کہ عاشق عشق میں اپنی تباہی و بربادی کو

بہت پسند کرتا ہے اس لیے برق کو آواز دیتا ہے کہ اے شرار برق تو کہاں ہے - آ، اور میرے گوشۂ قفس کی طرف التفات کر کیوں کہ وہ تیری التفات کے لائق ہے گویا گوشہ قفس میں لیے ایسا ہی آرام دہ بن گیا ہے جیسا میرا آشیانہ تھا - اس لیے اس کو گوشۂ قفس نہ سمجھ بلکہ میرا آشیانہ سمجھ کر جلاکے خاک کردے -

دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ طنزاً برق کی آواز دیتا ہے کہ اے شرار برق تری نظر التفات ہمیشہ میرے آشیانہ پر رہی ہے اب یہ گوشۂ قفس بھی تو میرے لیے آشیانہ بن گیا ہے تو آ اور اس کو بھی جلاکر خاکستر کردے -

بہرحال شعر نازک خیالی کا بہترین نمونہ ہے گوشہ قفس گویا :

ع " مشکلیں مجھ پر پڑی اتنی کہ آساں ہوگئیں"

کا مصداق ہے - پھر شرار برق کو بلانا کہ اس کو ہمیشہ اس کے آشیانہ سے چشمک رہی ہے پھر " بالتفات نوازد" - کے جملے نے شعر میں نازک خیالی کی بہترین خوبی پیدا کردی ہے- بہرحال بلند پایہ شعر ہے اور نازک خیالی کی بلند پروازی کے علاوہ لفظی و معنوی بہت سی خوبیوں کا حامل ہے -

اردو کے شعر میں اس خیال کو کہ ہم بھی کس منحوس گھڑی میں پیدا ہوئے تھے کہ بس زندگی بلاؤں اور مصیبتوں ہی میں گرفتار رہے - اس بات کو اس انداز سے بیان کرنا کہ ہم نے شاخ گل پر نہ جانے کس گھڑی اپنا نشیمن بنایا تھا کہ اب ہر برق بلا ہمارے نشیمن پر پھٹی جاتی ہے -

شعر میں ندرت اور تازگی خیال کے ساتھ ساتھ بلاکی تاثیر پیدا کردی ہے - لیکن اردو کے شعر میں کتنی ہی خوبیاں سہی فارسی کا شعر اردو کے شعر پر برتری کا حق رکھتاہے-

=====XXX======

فارسی   دل را بہ نیم جنبش مژگاں فروختیم   دیوانہ ، مفت نیست ، کہ ارزاں فروختیم

اردو   جاں سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں

آگے مرضی گاہک کی ان داموں تو سستی ہے

دونوں شعروں کا مفہوم بالکل یکساں ہے - فارسی میں دل کو ادنٰی سی جنبش مژگان کے عوض میں فروخت کیا ہے اور اردو میں جان سی شے کہہ کر اس کو دوست کی ایک نظر کے بدلے میں پیش کردیا ہے - فارسی میں دل کو دیوانہ کہہ کر دوست سے کہا ہے کہ یہ آپ کے لیے مفت ہے - اور ارزاں ہے - اردو میں اس کے مقابلہ میں یہ کہا ہے کہ آگے مرضی گاہک کی، ان داموں تو سستی ہے - بہرحال ایک ہی خیال کو تقریباً ایک جیسے الفاظ کے ذریعہ بیان کرنے کے باوجود اردو کے شعر کو اس کے اسلوب خاص نے بہت بلند کردیا ہے - اور پھر جوتاثیر اور تغزل کا رنگ اردو میں پایا جاتا ہے وہ فارسی میں اس درجہ کا نہیں ہے -

====XXX====

فارسی　　غالب درین صحیفۂ امکان بنام تو　　　　ہرجا کہ ہست خانہ خرابی نوشتۂ ایم

اردو　　خاک وطن بھی راس نہ آئی غربت تو پھر غربت ہے

غالب اپنی خانہ بدوشی، خانہ خرابی کیا کہئے!

دونوں اشعار میں شاعر نے اپنی مصیبت کا حال بیان کیا ہے - ایسی مصیبت کہ اس سے کہیں بھی چھٹکارہ نہیں ملتا - لیکن اردو کے شعر میں اس مضمون میں سوز و گداز اور اثر انگیزی کے ساتھ ساتھ دوسرے مصرع میں جو بے ساختگی اور ترنم پیدا کیا ہے اس نے شعر میں جان ڈال دی ہے - اور شعر منہ سے بولنے لگا ہے اس لیے فارسی کے شعر سے بہتر معلوم ہوتا ہے -

====XXX ====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی　　از راحت زمانہ، جراحت، عبارت است　　　　آیے نوشتہ اند و سرابی نوشتہ ایم

اردو　　ممکن نہیں ہے راحت دنیا کی آرزو　　　　غم پر گمان راحت دنیا کئے بغیر

====XXX====

فارسی　　بہ جویتم ، کہ بہرقریہ ام، وطن پیداست　　　　بہر زمین کہ شدم ، زیر آسمان من است

اردو　　باغ دنیا کوئی اپنا گھر نہ تھا　　　　آئے تھے گل گشت کرنے، کرچلے

===XXX===

فارسی   از بخت واژگون، به دل و دیده ام رسید   آسودهٔ وصال تو، مهجور زیستن

اردو   جو غم بے اثر نہو، جو شب بے سحر نہو

وہ غم انتظار کب ، وہ شب انتظار کیا !

===XXX====

فارسی   فتنهٔ عشق به لبها سر زد   حسن عالم به تماشا ارزد

اردو   عشق عشق ہو شاید ، حسن میں فنا ہوکر

انتہا ہوئی غم کی دل کی ابتدا ہوکر

===XXX=====

فارسی   از جلوتیان، لذت عیش شبے ، بپرس   برخلوتیان، فرصت نظاره حرام است

اردو   غم خانه دل کا کھاکھٹ ، وہ کچھ بھی سہی پہ بات کہاں

خلوت میں یہاں جوجلوت تھی وہ آج تری محفل میں نہیں

===XXX====

فارسی   غیب است شبهدم زدیار دگر استم   عالم عدم ماست ، که از عالم مانیست

اردو   چراغ کشتهٔ آرام گاه بے نشانی ہوں   میں‌رودائے پریشان فنا ہوں، پھٹی قاتی ہوں

===XXX====

فارسی   زحسن و عشق چگویید ، داستان من است

غم تو، جان من است، و وفا جہان من است

اردو   غم اسرکی امانت ہے انعام محبت ہے   بیگانگی غم کو، محرومی غم کہئے

====XXX=====

فارسی   خاک پائے بندگان در کعبه عشقیم ، ما   هرکجا صیدے بدام اوست ، صیادمن است

اردو   دلربا، دلبر و دلدار و دل آرا تم ہو   عاشق‌ووالہ و دلداده و شیدا میں ہوں

====XXX====

فارسی   خواهان کرم نیست ، پرستار کرم هست   قدسی به درت ناصیه فرساست ، گدا نیست

اردو   هم نه ازل سے آج تک سجده سے سر اٹھاسکے

چھپ رهے جلوه هائے دوست کب کے حریم ناز میں

===XXX====

فارسی   حسن یک پرتو عشقی است، که از ما خیزد   صنمے ساخته ام، برهمنے ساخته ام

اردو   عشق کی دعا زمین سے آسمان تک شوق تھی

تھا جو کچھ تیرے سوا آغوش هی آغوش تھا

===XXX===

فارسی   در مسلک ما ، لغزش باخضر طریق است   از میکده تاکعبه کوش ، دو سه گام است

اردو   وه پائے شوق دے که جہت آشنا نه هو   پوچھوں نه خضر سے بھی که جاؤں کدھر کو میں

===XXX====

فارسی   حیف است درفراق تو مسرور زیستن   آوخ ، به یاد چشم تو ، مخمور زیستن

اردو   هائے وه تیرے ذکر میں ، یه بھی هے آرزو که کاش

کوئی کہے که بزم ناز ، تو جو نہیں اداس هے

===XXX====

فارسی   نازم به جمال تو که برق است و بلانیست   سازم به غم عشق ، که درد است و دوا نیست

اردو   انسان کی ساری هستی کا مقصود هے فقط ایک نظر

یعنی وه نظر، جو دل میں اترکر زخم بھی ، مرهم نه هوئی

===XXX====

فارسی   خامه را زبان هستم ، لوح راعنوان هستم   حرف کن فکان هستم ، راز عالم ازمن پرس

اردو   شعر میں عکس موجودات عالم هم نے دیکھا هے

وه دریا هے نه قطره ، لیکن اس قطره میں دریا هے

===XXX====

فارسی　نعمتے ست عیش، امّا نعمت پایانی　　نعمتے است بی‌پایان، لذت غم ازین بیش

اردو　یہ نوید گردش جام کیا! یہ صلائے عیش مدام کیا

که ہزار لطف کی صحبتیں ہیں نثار، اک غم یار پر

=====XXX=====

فارسی　نمی دانم تا بہ محشر، اعتبار سجدہ چیست　　این قدر دانم کہ ہیچ است وجبین زادمی است

اردو　اک عمر سے ہوں ناصیہ فرسائی درپر　　اتنا تو کبھی پوچھ، کہ تو کون ہے، کہاں ہے ؟

===XXX====

فارسی　از دل فانی چہ گفت؟ گفت کہ ما بُردہ ایم

باز زبان گفتنش، گفت کہ، خواہم ربود

اردو　یہ دل ہے کیا، جو دے مجھے پروردگار دل　　دل مانگئے پہ آپ کے، قربان ہزار دل

====XXX====

فارسی　فانی زحیات می آشفتہ چہ پرسد　　مرگیست، کہ ازہستی جاوید پیام است

اردو　فانی سکون موت نے دل سے مٹادیا　　وہ حشر بیقرار کہ دنیا کہیں جسے

====XXX====

فارسی　بہ ذکرش، صبح ما، سیما، بہ فکرش شام ما ایمن

مرا صبحیست وہم شامے، خوشا صبحے، خوشا شامے

اردو　شام وصال، شام خط یار، شام زلف　　کہئے فدا ہزار سحر، ایسی شام پر

====XXX===#

فارسی　نقش ما بستہ ام، ازخون شہیدان بہ چمن　　ورق لالہ، زخونین کفنے ساختہ ام

اردو　اشک رنگین کے سواہے خون دل بھی نذر دوست

ان میں جو درکار ہو تزئین جاں کے لیے

====XXX====

فارسی　بہ رنج خستگیم بخش، وازگناہ مپرس　　بگوکہ فانی عاصی، زخستگان من است

اردو　کیا ہوئیں داورمحشر وہ خطائیں میری　　کچھ نہیں فردعمل میں، تری رحمت کے سوا

====XXX====

اختر شیرانی، محمد داؤد :

محمد داؤد خاں نام اور اختر تخلص تھا - ۳/ مئی، ۱۹۰۵ء مطابق ۲۸/ ربیع الاول، ۱۳۲۳ھ[1] میں ریاست ٹونک راجپوتانہ کے محلہ مہندی باغ میں پیدا ہوئے -

مہندی باغ کی رنگینیوں کا ایک شعر میں ذکر کرتے ہیں :

بہت رنگینیاں ہیں یوں تو مہندی باغ میں لیکن

فرید آباد کی رنگین حنا کچھ اور کہتی ہے

اختر کے والد پروفیسر حافظ محمود شیرانی کا شمار علمی و ادبی دنیا کی عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے - ان کے دادا مولوی محمد اسمعیل خاں صاحب والی ریاست ٹونک نواب محمد علی خاں کے مختار تھے - آپ کے اسلاف افغانستان سے آکر ریاست ٹونک راجپوتانہ میں آباد ہوگیے تھے- اختر اپنے افغانی ہونے کا ذکر نہایت فخریہ انداز میں اس طرح کرتے ہیں :

من شہر دوستوادم و میدادم آرزوست

افغانم و شجاعت افغانم آرزوست

خون افغانی تری رگ رگ میں طوفاں خیز ہے

جوش قومی تیرے دل میں ولولہ انگیز ہے

اختر کی تعلیم کا آغاز عربی و فارسی سے ہوا- ریاست ٹونک کا بڑا مذہبی علمی و ادبی ماحول تھا اسی ماحول میں اختر نے تربیت پائی - پندرہ سولہ سال کی عمر میں اختر نے اردو فارسی اور فن خطاطی میں خاصی مہارت بہم پہنچائی - پروفیسر محمود شیرانی ان دنوں اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے - انھوں نے اختر کو ۱۹۲۰ء میں اپنے پاس بلالیا اور اورینٹل کالج لاہور میں داخل کرادیا- جہاں سے ۱۹۲۱ء میں اختر نے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا -

---

(۱) اختر شیرانی، (مقدمہ)، " شہرود "، لاہور: انشا پریس، ۱۹۳۹ء، (ادارہ ادبیات اختر کا غیر مطبوعہ)، ص ۱

ٹونک چوں کہ علم و ادب کا مرکز تھا ہر طرف شعر و سخن کے چرچے ہوتے تھے اور آئے دن مشاعروں کی مجالس منعقد ہوتی رہتی تھیں - اختر کی شاعری کی ابتدا اسی ماحول میں ہوئی - پھر لاہور کے علمی ماحول سے اس شوق کو تقویت پہنچی - انھوں نے قیام لاہور کے زمانے میں اپنی چند غزلوں پر علامہ تاجور نجیب آبادی سے بھی اصلاح لی، جو اس وقت " مخزن" کے ایڈیٹر تھے - رفتہ رفتہ شعر و شاعری ان کی زندگی کا دل چسپ مشغلہ بن کر رہ گئی - اسی زمانہ سے انھوں نے رسائل کے لیے ادبی مضامین بھی لکھنا شروع کیے پھر رسالہ " ھمایوں" کی ادارت سنبھال لی، چند ماہ " انتخاب " کے مدیر رہے - ۱۹۲۸ء میں اختر نے " خیالستان" نکالا جو کچھ عرصہ جاری رہ کر کارکناں کی بد دیانتی کی نذر ہوگیا- اس کے بعد " رومان" جاری کیا لیکن وہ بھی اھل غرض کی ہوس کا شکار ہوگیا- ۱۹۳۱ء میں " شکار" کی ادارت سنبھالی لیکن نا مناسب حالات کی بنا پر اس سے بھی دست بردار ہونا پڑا - اگرچہ اختر انتہائی نیک نیتی اور شرافت کی بنا پر اس مشغلہ میں کام یاب نہ ہوسکے لیکن لوگوں کے دلوں پر ان کے زور قلم اور زور بیان کا سکہ بیٹھ گیا- ان رسالوں میں ان کا کلام بھی چھپتا تھا جس کی وجہ سے وہ عوام و خواص میں یکساں مقبول ہوئے -

انھوں نے اپنے کلام کی مقبولیت کے باعث " شاعر رومان" کا لقب حاصل کیا- (۱) ۹/ستمبر، ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۸ھ میں اردو کا یہ بلند مرتبہ ملک بقا کو کوچ کر گیا-

خصوصیات کلام :

اختر کے کلام کا خاصّہ جدت اور معنی آفرینی ہے ، زبان نہایت شیریں اور بے تکلف استعمال کی ہے - فرماتے ہیں :

کبھی اغیار کے خوابوں میں چھپ چھپ کے دہ جاتے ہوں
وہ پہلو میں ہیں لیکن بدگمانی اب بھی ہوتی ہے

ھلال و بدر کے نقشے سبق دیتے ہیں انساں کو
کہ ناکامی بنائے کامرانی اب بھی ہوتی ہے

---

(۱) اختر شیرانی، محولہ بالا ، ص ۱۵

اختر کے کلام کا جائزہ لینے سے پتا چلتا ہے کہ ان کا کلام فلسفہ اور تصوف کے خیالات سے جدا حسن مجازی کے لطیف جذبات اور وجد انگیز غنائیت کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے - وہ ایک رومانی شاعر ہیں اور ان کی شاعری سدا بہار ہے - ان کی نظمیں حسن و جوانی کی ولولہ انگیز داستانیں ہیں - ان کی شاعری کی روح تغزل ہے جس میں ان کی نازک خیالی جدت تراکیب اور حسن ادا نے اور بھی جان ڈالدی ہے ان کے کلام میں شدت احساس ، کے ساتھ ایسی سرمستی اور ایسا جوش و خروش پایا جاتا ہے کہ پڑھنے والے کو ان کی نظموں اور غزلوں میں بھی زندگی رقصاں نظر آتی ہے اگرچہ ان کے کلام میں کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے تاہم ان کی جادو بیانی قدرت کلام اور سہلابی کیفیات کا معترف ہونا پڑتا ہے -

جہاں تک اسلوب بیان کا تعلق ہے اختر کو زبان پر مکمل قدرت حاصل ہے اور انتخاب الفاظ ، تراکیب اور تشبیہات و استعارات میں اکثر جدت اور خوش آہنگی و ہم آہنگی سے خیالات میں حسن اور نکھار پیدا کردیتے ہیں جس سے پڑھنے والے پر وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے - خود باندازِ تعلی فرماتے ہیں :

کلام جس کا ہے معراجِ حافظ و خیام
یہی وہ اختر خانہ خراب ہے ساقی

رسوائی شعر و عشق نے وہ رتبہ ہمیں اختر بخشا ہے
فخرِ دکن و بنگال ہیں ہم، ناز اودھ و پنجاب ہیں ہم

اگرچہ بعض غزلیں ان کی بالکل سپاٹ بھی ہیں جن میں کوئی نیا تخیل پیش نہیں کیا گیا پھر بھی ان میں بلاوجہ کی پیچیدگی اور الفاظ کا الٹ پھیر نہیں ہے - اختر کی ذاتی صلاحیت اور کوشش کی وجہ سے ان کے کلام میں بہت جلد پختہ کاروں کا سا رنگ پیدا ہوگیاتھا - ۳۳ سال کی عمر میں نہایت عمدہ اور لطیف نظمیں اور غزلیں لکھیں اور اپنی طبیعت کی رنگینی کے ایسے کمالات دکھائے کہ آج ادبی حلقوں میں "شاعر رومان" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں -

انہیں نفسیاتی کیفیات اور معاملات پر بھی قدرت حاصل تھی ان کی شاعری تصویری حیثیت رکھتی ہے جس میں حسن و عشق کے شرارے پائے جاتے ہیں - وہ حسن و عشق کے بغیر انسانی زندگی کو بے روح تصور کرتے ہیں - محبت ان کی نظر میں دنیا کی اعلیٰ ترین چیز ہے -

اگر زندگی میں حسن و عشق کی کارفرمائی نہیں تو زندگی بیکار ہے -

اردو فارسی کے چند اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   اختر بگیر تیغ و دلیرانہ باز گو   من شیر نوجوانم و میدانم آرزو ست

اردو   پھر اٹھالے ہاتھ میں شمشیر جوہر دار چل

طاشقانہ موت مرنا ہے تو چل قندھار چل

فارسی کا شعر اختر شیرانی کی اس غزل سے ماخوذ ہے جو انھوں نے مولائے روم کے تتبع میں لکھی ہے - اسی زمین میں اقبال کی بھی غزل ہے - فرماتے ہیں کہ تلوار ہاتھ میں لے کر میدان کارزار کی طرف چل - کیوں کہ میں شیر نوجوان ہوں اور مجھے میدان کی آرزو ہے -

اردو کے شعر میں بھی اپنی دلیری اور ہمت مردانہ کا بیان کیا ہے - فرماتے ہیں کہ تلوار اٹھالو اور طاشقانہ موت مرنے کے لیے قندھار کی طرف روانہ ہوجاؤ -

یہ غزل اختر شیرانی نے اس وقت کہی ہے جب امان اللہ خاں کابل سے بھاگ کر قندھار چلے گیے تھے اور کابل کے تخت پر بچہ سقہ بیٹھ گیا تھا - ان حالات کو دیکھ کر نادر شاہ جو ان دنوں یورپ میں تھے کابل جاکر بچہ سقہ سے خود آزما ہونے کے لیے لاہور آئے ہوئے تھے -

ان اشعار سے اختر کا جوش جہاد ظاہر ہوتا ہے - اس وقت ہر شخص جذبۂ جوش جہاد سے سرشار تھا - اور لاہور کا ہر فرد نادر شاہ سے یہ درخواست کر رہا تھا کہ بجائے کابل کے ان کو قندھار جاکر امان اللہ خاں کی مدد کرنی چاہئے - اختر کے دونوں اشعار اپنے اندر جوش اور ولولے کی کیفیت رکھتے ہیں اور اس اعتبار سے اچھے اشعار ہیں - لیکن اردو کا شعر اپنی ندرت کے لحاظ سے فارسی کے شعر سے بہتر معلوم ہوتا ہے -

=====XXX=====

فارسی   دوچیز آنکہ جوان ست وہم جوان سازد   نگاہ شوخ فسوں ساز و بادۂ عنبی است

اردو   جوانی بھی تو اک موج شراب تند و رنگیں ہے

برا کیا ہے اگر ہم مشرب رندانہ رکھتے ہیں

فارسی کے شعر میں نگاہ شوخ اور بادۂ عنبی کو جوان اور جوان ساز کہا ہے - یہ بات شعراء نے زیادہ تر شراب کے متعلق کہی ہے اکثر شعراء نے شراب کی اس صفت میں نگاہ شوخ یار کو بھی شریک کرلیا ہے - لیکن "نگاہ شوخ ، فسوں ساز و بادۂ عنبی" میں سوائے تکلف اور آورد کے اور کوئی خوبی نظر نہیں آتی اردو کے شعر میں اپنے مشرب رندانہ کے جواز میں ایک نئی بات پیدا کی ہے وہ یہ کہ جب جوانی خود ایک موج شراب تند ہے تو پھر اگر ہمارا مشرب بھی رندانہ ہے تو اس میں کیا قباحت ہے - جوانی اور مشرب رندانہ تو دونوں لازم و ملزوم ہیں -

اردو کا شعر بہت اچھا ہے اور کئی اعتبار سے فارسی کے شعر سے بہتر ہے -

===XXX====

مزید چند اشعار پیش خدمت ہیں :

فارسی   رخ سوئے ساغر و مے و مینا نہادیم   تیر و سنان و خنجر و پیکاں آرزواست

اردو   بوالہوس آکہ بادۂ ہمت خوش ہوں   برگ و گل تیری لیے تیغ و تیر میری لیے

===XXX=====

فارسی   اے آنکہ زخم تیغ حریفاں نہ خوردہ ای   نوک سناں بخون رگ جانم آرزو است

اردو   کیا ڈروں موت سے اے ہمدم آرام پسند   خون اور خاک تجھے شہد و شکر میری لیے

====XXX====

فارسی   حقوق ارادت ادا کردہ ایم   بگلکتہ جشنے بپا کردہ ایم

اردو   سوئے کلکتہ جوھم بادل دیوانہ چلے   گنگناتے ہوئے اک شوخ کا افسانہ چلے

====XXX====

فارسی ای آنکه سربه کنج سلامت نهاده ای! باش مباکه شیر جهادم آرزو است

اردو جان جائے که رہے ملک کی خاطر ہمدم دشمن ملک کوتو بے سرو بے جان کردیں

===XXX====

فارسی هم صفیران رانوید نو بهار باز طبعم گلفشانی می کند

اردو خزاں کی طرح فکر رنج خانه ویرانی بہار بن کے سکھا رنگ گلفشانی کے

====XXX====

فارسی باز وحشت سوئے صحرا می برد باز عشقم سر گرانی می کند

اردو مقصد فصل جوانی تھا یہی عشق میں ساری جوانی کھوچکے

====XXX====

فارسی باز عکس جام هائے لاله رنگ چهره غم را ارغوانی می کند

اردو چمن کی هر کلی آمادۂ تبسم هے بہار بن کے مری جان نوبہار آئے

===XXX====

فارسی باز صهبائے محبت می چشم باز زهدم سر گرانی می کند

اردو اس چشم مے فروش کی تاثیر کیا کہوں آنکھوں تک آج آپ هی پیمانه آگیا

====XXX====

فارسی من شیر نوجوانم و میدانم آرزو است افغانم و شجاعت افغانم آرزو است

اردو خون افغانی تری رگ رگ میں طوفان خیز هے

جوش قومی تیرے دل میں ولوله انگیز هے!

====XXX====

فارسی شیران جنگ پیشه به مکتب همی روند اختر بیار توسن و تیغ و سنان کجاست ؟

اردو جذبۂ غیرت تری سینے میں آتش ریز هے تیرا تیغه صاف و روشن تیرا خنجر تیز هے

===XXX====

فارسی   باساقی و مغنی و دلبر مواجہ کار   تیغ و تفنگ و خنجر و دام آرزو است

اردو   اوشیں توسن کی ہے برق آشنا رفتار چل   عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل قدمغار چل

===XXXX=====

(۱)

فارسی   زبان شوق و بیان گلہ چہ بوالعجبی است   کہ در حضور تو عرض گلہ بے ادبی است

اردو   صاف اقرار محبت ہو زباں سے کیوں کر   آنکھ میں آگئے یوں شرم کے مارے آنسو!

====XXX=====

فارسی   غرور عشق گدارا مجال شکوہ نداد   ستارۂ سر مژگان ، دعائے نیم شب است

اردو   نالۂ نیم شبی ہو کہ دعائے سحری   مضطرب ہیں پئے دیدار دیار شیریں

====XXXX=====

فارسی   طوطی اشعار شیریں کار من   باعنادل ، هم زبانی می کند

اردو   وہ شیریں تکلم وہ رنگیں صدا   بہشتوں کی موسیقی شرماگئی

====XXX====

فارسی   اسیر پنجۂ اہرمنی است ملک خدا   کجاست تیغ کہ باخاک و خون بپردازم

اردو   عشق پرکردوں فدا میں اپنی ساری زندگی   لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قرباں ہے

====XXX====

فارسی   باز طبع نکتہ سنجم همچو یار   شرح اسرار نہانی می کند

اردو   پوچھتے منزل سلمیٰ کی خبرهم جس سے   وادی نجد میں ایسا کوئی انساں نہ ملا

====XXX====

فارسی   باز دل باساز و سامان دگر   میل خونابہ فشانی می کند

اردو   میری آنکھوں سے ظاہر خونفشانی اب بھی ہوتی ہے

نگاہوں سے بیان دل کی کہانی اب بھی ہوتی ہے

====XXX=====

---

(۱)   اصل نسخہ میں " بیان گلہ " کی بجائے " گلہ بیان" درج ہے -

فارسی باز رسوائی شوقم آرزو است باز شوق بہین جوانی می کند

اردو بدمستی میں تم نے اسے کیا کہدیا اختر کون شوخ نگاھوں میں حیا کھیل رہی ہے

====XXX====

فارسی چه طور ضبط کند راز ربط پنہاں را نگاه شوق که مست ادائے بے ادبی است

اردو دل مرا سوہسر گداز ، تیری حیا عدوے راز

مجھ سے بھی ضبط غم نہو تو بھی حفظ چراغ ہوا

====XXX====

فارسی شہادتی است بر آئین اختصار کرم جفائے دوست که آئینہ وفا طلبی است

اردو کوئی کیوں کر بھلا دے جانے ایسے کی محبت کو

وفائیں دلنواز اس کی ، جفائیں خوشگوار اس کی

====XXX====

فارسی دو چیز آن که جوان است وهم جوان سازد

نگاه شوق و فسون ساز ، و باد) ه عنبی است

====XXX====

اردو شباب کے لیے توبہ عذاب ہے ساقی شراب لا ، مجھے پاس شباب ہے ساقی

====XXX====

فارسی آزادی وطن که به ایمان برابر است ایمان من همین فقط ایمانم آرزو است

اردو عشق و آزادی بہار زیست کاسامان ہے عشق میری جان ، آزادی مرا ایمان ہے

****

وحشت ، رضا علی :

رضا علی نام اور وحشت تخلص تھا ۱۸۰/ نومبر ۱۸۸۱ء / ۱۲۹۸ھ(۱) میں کلکتہ میں پیدا ہوئے آپ کے جد امجد حکیم غالب علی دھلی کے معززین میں شمار ہوتے تھے - ۱۸۵۷ء میں جب شہر دھلی اجراد تو یہ بھی ترک سکونت کرگیے اور شہر ھگلی (جو مغربی بنگال میں کلکتہ کے نزدیک واقع ہے) میں رہائش اختیار کی - ان کے والد مولوی شمشاد علی کلکتہ میں

(۱) تحریر تنہا، "مراۃ الشعراء" جلد دوم - شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور - ص ۲۹۰

مقیم ہوگیے تھے اس لیے رضاعلی کی تعلیم کی ابتدا مدرسہ عالیہ کلکتہ سے ہوئی وہیں سے ۱۹۰۱ء میں انٹرینس کا امتحان پاس کیا ، اگرچہ نامساعد حالات کی بنا پر مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے لیکن کچھ والد بزرگوار کی خصوصی توجہ ، کچھ ذاتی مطالعہ سے عربی ، فارسی اور اردو زبانوں پر خاصی قدرت حاصل ہوگئی تھی -

آپ امپیریل رکارڈ ڈیپارٹ منٹ کے دفتر کے " چیف مولوی" مقرر ہوئے ۱۹۳۱ء میں " خان بہادر " کے خطاب سے سرفراز فرمائے گیے - ۱۹۲۶ء میں جب اسلامیہ کالج کلکتہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے اور ۱۹۳۶ء میں پنشن پاکر سبکدوش ہوئے -

وحشت کو شعر گوئی سے فطری لگاؤ تھا اس لیے بچپن ہی سے شعر کہتے تھے - ۱۸۹۸ء میں مولوی ابوالقاسم محمد شمس بن عبدالغفور خان بہادر نساخ سے جو کہ داغ کے مایہ ناز شاگرد تھے اصلاح لینی شروع کی - اصلاح کا سلسلہ استاد کی حیات تک جاری رہا۔ وفات پر وحشت نے قطعۂ تاریخ کہا ہے فرماتے ہیں :

حضرت استاد شمس نکتہ داں	کز فیضش کردہ ام کسب کمال
چوں ازیں دار فنا رحلت نمود	خاطرم خوں گشت از فرط ملال
فکر می وحشت سن تاریخ خواست	گفت ہاتف " شاعر عالی خیال" ۱۳۲۲ھ

۲۰/ جولائی ۱۹۵۶ء /۲۶ - ۱۳۷۵ھ کو اس عالم فانی سے رحلت فرما گیے۔

خصوصیات کلام :

وحشت فطرتاً جدت پسند ، نہایت طباع اور فکر رسا کے مالک تھے اس لیے انکا رجحان طبع غالب کی طرف تھا - استاد کے انتقال کے بعد ان کے ذوق سلیم نے رہبری کی ، غالب کے [illegible] انداز پر انھوں نے اپنی شاعری کو ڈھالنے کی کوشش کی اور جس کامیابی کے ساتھ وحشت نے غالب کے انداز میں شعر کہے ہیں اس کی مثال ملنی مشکل ہے جہاں تک زبان اور اظہار خیال کا تعلق ہے آپ نے پورا پورا اتباع کیا ہے لیکن تخیل کی بلندی اور اعلی مضامین کے لحاظ سے غالب، غالب ہیں ، وہ جذب و مستی و بے خودی ، وہ کیف و سرور اور جدت جو غالب کے کلام کی

جان ہے ناقابل تقلید ہے - پھر بھی لوگوں نے انتہائی حیرت اور دل چسپی سے آپ کے کلام کا مطالعہ کیا۔ محمد یحیٰ تنہا فرماتے ہیں :

" ہم آپ کو بالکل بنگالی سمجھتے تھے اور حیران تھے کہ غالب کے طرز میں ایک باشندۂ کلکتہ ایسے شعر کیوں کر کہہ سکتا ہے لیکن اب یہ معلوم ہوکر کہ خاک پاک دہلی سے ایام غدر میں آپ کے دادا صاحب کلکتہ جاکر آباد ہوگیے تھے ، ہماری حیرت کا خاتمہ ہوگیا۔" (۱)

وحشت اردو زبان کی ہمہ گیری اور وسعت سے بخوبی واقف تھے، ان کا خیال تھا کہ اردو زبان ہی پاکستانی زبان (State language) بننے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے اور اس حقیقت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کرسکتا -

زبان اردو :

ہراک دیار میں روشن ہے نام اردو کا
ہرایک گوشے میں پہنچا پیام اردو کا

ہراک طرف طرب افزا شراب اردو کی
ہر ایک شخص کو مطلوب جام اردو کا

مفر نہیں ہے حریفوں کے واسطے کوئی
بچھا ہوا ہے ہر اک سمت دام اردو کا

ہے جن کے مد نظر احترام پاکستان
ضرور کرتے ہیں وہ احترام اردو کا

اسی زبان سے ہے ارتباط اہل وطن
کفیل نظم وطن ہے نظام اردو کا

عرب ملا ہے عجم سے عجم سے پاکستان
کہہ اس طرح اسے ہواہے قوام اردو کا

کشاں کشاں ادھر آجائیں گے سبھی وحشت
ہے میرے ہاتھ میں پر کیف جام اردو کا

مرزا غالب کے تتبع سے انھوں نے اپنے کلام میں فارسی الفاظ اور فارسی تراکیب کی حسین بندشوں سے عجیب لطافت پیدا کی ہے - مضامین عمدہ اور خیالات بلند ہیں :

---

(۱) تنہا ، محمد یحیی ، محولہ بالا ، (حصہ دوم) ، ص ۲۳۰

" تنہا نے خود رضا علی وحشت سے خط کے ذریعہ حالات دریافت کرکے لکھے ہیں -"

سخن آموخت غالب از ظہیر ، وحشت از غالب

چراغے را کہ دودے ہست در سر زود در گیرد

وحشت نے غالب کے کلام سے جس قدر استفادہ کیا اس کا اندازہ وحشت کے کلام سے بخوبی ہوتا ہے -

وحشت نے ایک مقطع میں میرتقی میر اور غالب کے اتباع کو اپنی برتری کی دلیل قرار دیا ہے ، چنانچہ فرماتے ہیں :

خامہ وحشت کا کیا کہنا ، جہاں شعر میں

ہم کلام میرزا ہے ، ہمنوائے میر ہے

وحشت کے کلام کا مقام علامہ اقبال کی نظر میں :

" میں ایک عرصہ سے آپ کے کلام کو شوق سے پڑھتا ہوں ، اور آپ کا غائبانہ مداح ہوں - دیوان قریباً سب کا سب پڑھا اور خوب لطف اٹھایا - ماشا اللہ آپ کی طبیعت نہایت تیز ہے اور فی زمانہ بہت کم لوگ ایسا کہہ سکتے ہیں - آپ کی مضمون آفرینی اور ترکیبوں کی چستی خاص طور پر قابل داد ہے - فارسی کلام بھی آپ کی طباعی کا ایک عمدہ نمونہ ہے - شعر کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ ایک مستقل اثر پڑھنے والے کے دل پر چھوڑ جائے - سو یہ بات آپ کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہے -" (۱)

وحشت نے فارسی زبان کے مشہور شعرا عرفی اور فغانی کی فارسی تراکیب اور اسلوب بیان سے بھی اپنے کلام کی تزئین کی ہے ، چنانچہ فرماتے ہیں :

ہمارے ریختہ میں فارسی کی شان ہے وحشت

کہیں ترکیب عرفی ہے ، کہیں طرز فغانی ہے

وحشت کا فارسی کلام بھی نہایت عمدہ ہے - اس میں بڑی پختگی ہے ، اکثر جگہ حافظ شیرازی کے کلام کا گمان ہوتا ہے - کلام میں رفعت تخیل ، فارسی تراکیب کی بندش ، سوز و گداز

---

(۱) اقبال ، سر محمد ، " ترانۂ وحشت " ، لاہور : مکتبہ جدید ، " چند شعرا کی آراء " کا ایک صفحہ دیوان چھپ جانے کے بعد چسپاں کیا گیا ہے -

جذب و مستی، حسن و عشق اور ساقی و جام ، خم خانۂ حافظ کا فیض نظر آتے ہیں جس کا انھیں خود بھی اعتراف ہے :

وحشت بداں کہ مشرب حافظ گزیدہ ایم

اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

وحشت کے کلام کے بلند پایہ ہونے کے لیے غالب کا یہ کہنا کافی ہے کہ :

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید

مرگیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :
==================================

فارسی   چمن بے رحم گوش گل گران صیاد مستعجل

بجان خویش آتش می زنم ز آتش نوائی ہا

اردو   توقع مجھ کو ہمدردی کی آخر کس سے ہو وحشت

یہاں تو ایک بھی دل کے درد کے قابل نہیں ملتا

دونوں اشعار میں اس بات کا شکوہ کیا ہے کہ دنیا میں غم گساری اور ہمدردی مفقود ہے اور جب یہ بات ہے تو ایک غم زدہ اس کے سوا کیا کرے کہ اپنی آگ میں جلتا رہے اور کسی کو مدد کے لیے نہ پکارے -

فارسی کے دوسرے مصرع میں یہ لطیف بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ آتش نوائی کا اثر ہونا چاہئے لیکن یہاں یہ حال ہے کہ ہماری آتش نوائی خود ہماری جان کو نقصان پہنچا رہی ہے - اس آتش نوائی سے خود ہمارے دل و جان وقف آتش ہوکر رہ جائیں اس کے سوا اس آتش نوائی کا اور کوئی فائدہ نہیں -

اردو کے شعر میں بھی اسی فقدان ہمدردی و غم گساری کا افسوس کیا ہے لیو یہاں بھی دوسرا مصرع شاعر کی بے کسی اور مایوسی کی موثر تصویر پیش کرتا ہے - فرماتے ہیں کہ: ع

" یہاں تو ایک بھی دل درد کے قابل نہیں ملتا "

اور جب یہ حال ہو تو اے وحشت ہم کس سے ہمدردی کی توقع رکھیں - دونوں شعر

تغزل کے رنگ میں بہت خوب ہیں مگر تاثیر کے اعتبار سے اردو کا شعر زیادہ قابل تعریف ہے۔

===xxx===

فارسی　بس از آن آشنائی ها، رسید این بیوفائی ها

فغان از بی وفائی ها دریغ از آشنائی ها

اردو　مری بے قراریوں کا ہے سبب ترا تغافل　تری بے رخی ہے سرخی مرے دل کی داستاں کی

دونوں اشعار میں عاشق کی وفاداری اور معشوق کی بے وفائیوں کا ذکر ہے - فارسی کے شعر میں الفاظ کے رد و بدل سے لفظی صنعت گری بھی کی ہے اور شعر میں معنوی خوبی اور لطافت بھی پیدا کی ہے - انھوں نے دوست کی بے وفائی کو زیادہ تکلیف دہ ثابت کرنے کے لیے یہ نئی بات کہی ہے کہ دوست کی یہ بے وفائیاں ہمارے لیے انتہا درجہ کی تکلیف دہ اس لیے ہیں کہ یہ ایک مدت تک دوستی اور آشنائی کے ساتھ نباہ کرنے کے بعد کی گئی ہیں اور ظاہر ہے کہ عیش و آرام اور ناز و نعم کے بعد جو تکلیف اور ناقدری ہوتی ہے وہ انسان کے لیے اس تکلیف سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جس میں کوئی شخص شروع سے ہی مبتلا ہے اسی لیے وحشت دوست کی سابقہ آشنائی اور دوستی کی باتوں کو یاد کر کے روتے ہیں - شعر بہت خوب ہے ، تاثیر میں ڈوبا ہوا اور ایک نئے انداز کے ساتھ دوست کی بے وفائیوں کی شکایت کا بیان ہے - شعر کے دونوں مصرعوں میں صنعت عکس و تبدیل بھی نہایت بے ساختگی کے ساتھ پیدا ہوگئی ہے اور اس سے شعر کی خوبیوں میں مزید اضافہ ہوگیا ہے -

اردو کے شعر میں دوست کے تغافل کا شکوہ کیا ہے اور اس کو اپنی بےقراریوں کا سبب ٹھہرایا ہے - دوسرے مصرع میں یہی بات کچھ اس انداز سے کہی ہے کہ اس سے شعر کی تاثیر میں بڑا اضافہ ہوگیا ہے - فرماتے ہیں کہ اے دوست تیری بے رخی میرے دل کی تمام داستان کی سرخی ہے - یہ انداز بیان اپنے اندر خاصی ندرت رکھتا ہے - بہرحال اردو اور فارسی کے دونوں اشعار میں ایک ہی بات مختلف طرز بیان کے ساتھ پیش کی گئی ہے - دونوں اشعار خوبی میں اپنا جواب نہیں رکھتے -

===xxx===

فارسی   زبان را در دہان افشرد ہم خشمگیں چشمش   نگاہ الفتے باید کہ باز آید بہ گفتارم

اردو   زبان بے زبانی کہ رہ ہے داستاں میں   شکایت سنج ہوں میں کس کے جوربےنہایت کا

فارسی کا شعر اچھی زبان اور انداز بیان کے ساتھ ساتھ معنوی لطافت اور نازک خیالی کا ایک عمدہ نمونہ ہے فرماتے ہیں - دوست کی خشمگیں آنکھوں کے خوف سے میری زبان میری منہ میں گنگ ہوکر رہ گئی - اب اس زبان کو اس قابل بنانے کے لیے کہ یہ گفتگو کرنے لگے اورکوئی تدبیر اس کے سوا نہیں کہ دوست میری طرف محبت بھری نگاہ سے دیکھے - نہایت نادر دل کش اور موثر انداز بیان ہے - اور ایسے ہی اشعار غزل کی جان ہوتے ہیں -

اردو میں اسی بات کو ذرا سا پیرایہ بیان بدل کر کہا گیا ہے - فرماتے ہیں کہ میری بے زبانی خود ہی میری داستان بیان کر رہی ہے - وہ یہ کہ میں کسی کے جور بے نہایت کا شکوہ سنج ہوں - جور بے نہایت کہہ کر اس بات کو بھی شامل کرلیا ہے کہ اس کی طرف سے مجھے شکوہ سنجی کے لیے زبان کشائی کی بھی اجازت نہیں -

فارسی کا شعر بہت سی خوبیوں کا حامل ہے جو الفاظ اور معانی دونوں سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے فارسی کے شعر کو اردو کے شعر پر ترجیح حاصل ہے -

=====xxx=====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی
سرت گردم، کرادہ بود ہوائے دیدن رویت   کہ باچندیں جمال آوردۂ ایں خودنمائی ہا

اردو   حسن ہے سورگ میں تحسین طالب   دیدۂ حیران سے کیا کیا دیکھئے

====xxx====

فارسی   عنوان عشق باشد آں حسن خود نما   مشہور گشت در ہمہ سو داستان ما

اردو   ہائے، اے ذوق تماشائے جمال   خود تماشاہوں تماشا دیکھئے

====xxx====

فارسی   از بادۂ الست کہ جامے بما رسید   برکت ہست بے خودی جاودان ما

اردو   میں ہوں اس ساقی کا دیوانہ جسے   دیکھئے جب مست صہبا دیکھیے

====XXX====

فارسی   مردمک پرنور شد وحشت ز دیدار کسے   درسواد دیدہ نقشے دلنشین داریم ما

اردو   نور تیرا واقع آثار ظلمت ہوگیا   ایک عالم کے لیے شمع ہدایت ہوگیا

===XXX====

فارسی   نگاہ لطف سہیم کردی و ناوک زدی در دل

چہ انداز ست این ظالم ستم پنہان کرم پیدا

اردو   ہوگئی تیر آہ اور دل کے پار ہوگیا   یہ خونسوگان کی توبہ اے نگاہ شرمگیں بکش

====XXX====

فارسی   چون زفراق سرخوشم وصل کنم چرا طلب   درد چوجان بود مرا، ازچہ کنم دوا طلب

اردو   میں کیا کہوں چمن آرائیاں تصور کی   خیال یار ہے گویا وصال یار مجھے

====XXX====

فارسی   خوشا ذوق حریم جلوۂ او   کہ رقص سجدہ بر پیشانی ما

اردو   سجدہ کو بیتاب ہوتی ہے جبیں   شوخی نقش کف پا دیکھئے

===XXX====

فارسی   ہمت عالی دگر در قعر دریایم برد   عافیت رسوا شود، برساحلم افگندہ است

اردو   میں اور نکلوں تلاطم سے قعر دریا کے   کنارے چھوڑ کے آیا ہوں آب ساحل کو

====XXX====

فارسی   دل و عکس تجلائے جمالت   ببین آئینہ حیرانی ما

اردو   حسن آفرین ہوا ہے تصور جمال کا   دل کو ہوائے گل نے گلستاں بنادیا

====XXX====

فارسی پریشان گردست الفت از نشان ماںجوی   پیوطن گردست وحشت، از دیار مایوس

اردو ہر اک عضو بدن ماتم کناں ہے دل کے جانے سے

ہوا پیوست جوگم تو کارواں کا کارواں رویا

====XXX====

فارسی زہے صفائے زبان وحشت کہ شعر شیرین نہاد گوید

زداستان وفا پرستان ہر آنچہ اوراست یاد گوید

اردو ہماری طبع جب ہوتی ہے جدت آفرین وحشت

نیا انداز فن شعر میں ایجاد ہوتا ہے

====XXX====

فارسی بیو خرام کہ وحشت رسید بر در تو   بیا بگیر غلام گریز پائے را

اردو دیکھ لے تو بھی کہ تیرا کیسی وحشت تو دیکھیں   کوئی دیوانہ کھڑا ہے تری دیوارکے پاس

===XXX====

فارسی فریبش دادۂ، صد بار، اما سادہ لوحی بین   دل وحشت چو گل بشگفت تا عہد وفا بستی

اردو وفاداری کا وعدہ مستند ہوتا تو بہتر تھا   ہمارا امتحان تم، ہم تمہارا امتحان کرتے

===XXX====

فارسی خوشا بربادئ، گرد ست آن شیرین ادا خیزد   محبت می تراود از نگاہ فتنہ سامانش

اردو ہلاک شیوۂ بیگانگی ہوں، اور وہ شوخ   نہال تازہ ہے گلزار آشنائی کا

===XXXX=====

فارسی خوش آن روزی کہ در رنج محبت مبتلا بودم   جفا می دیدم و با بی وفایان آشنا بودم

اردو ازل میں درد محبت کی جب پڑی بنیاد   ہماری قلب نے آواز دی "مبارک باد"

===XXX=====

فارسی کہ خواہد داد، داد حسن آن خوبی کہ من دادم

تجلی ہائی جانان را جواب از سوختن دادم

اردو   نظر نظارہ خو میں ، جبین ہنگامہ جو میں   سامان ہے مراشوق سجود آستاں مجھ سے

===XXX====

فارسی   بہ زعم غمزہ کہ مشق ستمگری می کرد   نگاہ لطف تو خوش بندہ پروری می کرد

اردو   نظر بھی ڈالی نہیں اور اڑالیا دل کو   کہیں جواب ہے اس طرز دل ربائی کا

===XXX====

فارسی   لطف آزادیم اکنون بقفس می آید   کہ کنم فکر رہائی کہ گرفتار توام

اردو   ہوئے پہلے وہ ہم کیوں واقف لطف گرفتاری   یہ کہہ کر ہو گرفتار قفس فریاد کرتا ہے

====XXX====

فارسی   اگر راہ حرم رفتم وگرد ردیر جاکردم   ہماں از شوق دیدارتو آتش زیر پا بودم

اردو   کوئے جاناں کے لیے میں ہی نہیں ہوں مضطرب   کوئے جاناں بھی ہے آتش زیر پا میرے لیے

====XXX====

فارسی   کجا بودی تو اے تسکین جان بے قرار من   کہ امشب شبنم آسا سوخت چشم انتظار من

اردو   تسکین ترا بتاؤ ، تغافل تری ادا   اور اپنے دل کو تاب نہیں انتظار کی

=========

جگر مراد آبادی ، علی سکندر :
==================

علی سکندر نام اور جگر تخلص کرتے تھے ، آپ کی جائے پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے ، اکثر تذکرہ نویس مراد آباد لکھتے ہیں - شمس الہدی قیسی رامپوری نے " حیات جگر " لکھتے وقت خود جگر سے ان کے حالات دریافت فرمائے تھے اور اسی حوالے سے لکھا ہے کہ جگر بنارس میں ۱۸۹۰ء / ۸- ۱۳۰۷ھ میں پیدا ہوئے - جگر کے خط کا متن یہ ہے :

" میری جائے پیدائش بنارس ہے - بنارس میں والی جنگ (غالباً موجودہ نواب کے پردادا) کے ساتھ والد ماجد علی نظر صاحب مرحوم رہتے تھے ، میں وہیں [1]

---

(۱) عبدالسلام ، ڈاکٹر : " جگر مراد آبادی ، حیات اور شاعری " ، لکھنو ، سرفراز پریس ، ۱۹۶۶ء ، ص: ۵۳

گ پیدا ہوا۔ والد ماجد پھر مرادآباد تشریف لے آئے - اس وقت میری عمر چھ ماہ ہوگی۔ مرادآباد اجداد کا وطن تھا وہیں بارہ چودہ سال کی عمر تک رہا۔ اس وقت میری عمر ستر سال کی ہوگی - مجھے دن، تاریخ سنہ اور مناصب یاد نہیں رہتے -"

مولانا علی نظر صاحب بھی صاحب دیوان شاعر تھے اور خواجہ وزیر سے اصلاح لیتے تھے۔ جگر کی تعلیم بہت معمولی تھی - فارسی میں یوسف زلیخا اور سکندر نامہ پڑھا تھا کچھ انگریزی بھی جانتے تھے مگر بعد میں مطالعہ کے ذریعہ فارسی میں غیر معمولی قابلیت پیدا کرلی تھی - جگر کا انتقال ۱۹۶۰ع / ۸۰-۱۳۷۹ھ میں ہوا -(۱)

خصوصیات کلام :
==========

شاعری کا شوق ابتدائی عمر ہی میں پیدا ہوگیا تھا۔ اول تسلیم سے اصلاح لینے کا ذکر ملتا ہے ، حسرت موہانی سے بھی استفادہ کیا ہے - جب تک ہر مکتب فکر کے کلام سے استفادہ نہ کیا جائے عظیم شاعر نہیں بن سکتا - اسی لیے جگر نے ہر استاد کے کلام سے محاسن کا انتخاب کر کے اپنے کلام کی زینت بنایا لیکن انہیں حضرت اصغر گونڈوی سے بہت فیض پہنچا ہے ، خود فرماتے ہیں :

حریم حسن معنی ہے جگر! کاشانۂ اصغر
جو بیٹھو با ادب ہوکر، تو اٹھو باخبر ہوکر

اسی طرح انہیں حافظ شیرازی سے بھی بےحد عقیدت تھی - فارسی غزل گوئی میں جگر نے روحانی طور پر حافظ سے فیض پایا ہے ، فرماتے ہیں :

ہر روز فیض گیرم از اوج قدس حافظ
بوس جگر گواہ است این جوش و این معانی

(صفحہ گزشتہ کا بقیہ فٹ نوٹ) ٹونک کے موجودہ نواب محمد اسمعیل علی خاں بن نواب ابراہیم علی خاں بن نواب مولوی محمد علی خاں مرحوم ہیں جو موجودہ نواب کے دادا تھے لاوہ کے راجپوتوں کو بے دریغ قتل کرانے کے الزام میں انگریزی حکومت نے انہیں بنارس میں نظربند کردیا تھا لہذا جگر کے والد علی نظر صاحب ان کی خدمت میں میں رہتے ہوں گے - راقم الحروف اس بات سے بخوبی واقف ہے - کیونکہ بندہ کا آبائی وطن بھی ٹونک ہی ہے -

(۱) عبدالسلام، ڈاکٹر، محولہ بالا ، ص ۱۱۳

جگر نے جوانی میں شراب بہت پی لیکن بعد میں ترک کردی اور ایسی ترک کی کہ کبھی اس کو منھ نہ لگایا۔

یہ ترک شراب حافظ ھی کا روحانی فیض معلوم ھوتا ہے :

تاکے جگر این مستی، بشنو سخن حافظ

" رندی و خراباتی در عہد شباب اولی"

جگر بہت زندہ دل، باخلاق اور عاشق مزاج آدمی تھے - حسن مجازی کی تلاش میں بہت سرگردان رہے، دوست باش، منکسر المزاج ، بامروت اور پروقار انسان تھے - نام و نمود کی قطعی پروا نہیں کرتے تھے - ہمیشہ محویت اور استغراق کے عالم میں رہتے تھے - شاعری کو طرۂ امتیاز اور سرمایۂ حیات تصور کرتے تھے - فرماتے ھیں :

وہ حلم اور وہ تواضع اور وہ طرز خود فراموشی

خدا بخشے جگر کو، لاکھ انسانوں کا انسان تھا

جگر نے اپنے کلام میں قافیہ پیمائی کی بجائے خیال آرائی کو اھمیت دی ھے - انداز بیان بالکل اچھوتا ھے - خیالات تو وھی ھیں جو اسلاف کے یہاں ھیں لیکن انھیں اس طرح بیان کیا ھے کہ ان میں ندرت اور دلفریبی کی نئی شان پیدا ھوگئی ھے ان کے کلام میں ایک ایسا سحر ھے جس سے لوگوں پر وجدانی کیفیت طاری ھوجاتی ھے - جگر قلبی کیفیات اور قلبی واردات کو اپنے خاص انداز میں بیان کردینے پر بڑی قدرت رکھتے ھیں - وہ اپنے کلام سے لوگوں کے دلوں کو گرماکر ان میں زندگی کا جوش و ولولہ پیدا کردیتے ھیں، ہر پڑھنے والا ان کے کلام کو اپنے دل کی آواز تصور کرتا ہے - اس کے دل میں زندگی کی حسین آرزوئیں کروٹیں لینے لگتی ھیں -

ان کا کلام عشق و محبت کی تند و تیز شراب ھے جگر کی اردو، فارسی غزلیات حافظ کی خمریات کا لطف دیتی ھیں -

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   ما ہیک نظارۂ نقش و نگار حسن خویش   شاہد طناز فطرت ، آئینہ پردار من

اردو   یہ حسن ، یہ شوخی ، یہ کرشمہ، یہ ادائیں   دنیا نظر آئی مجھے تو کیا نظر آیا

فارسی کے شعر میں وحدت الوجود کے مضمون کو تغزل کے انداز میں نہایت خوب صورتی سے بیان کیا ہے - فطرت کو شاہد طناز قرار دے کر آئینہ بردار کہا ہے اور اس آئینہ میں اپنے حسن کے نقش و نگار کا نظارہ کرتے ہیں -

بات یہ ہے کہ مظاہرہ قدرت کی ہر شئ میں کیا چاند سورج ، کیا تارے کیا دریا اور کیا باغ و بہار غرض ہرچیز میں اسی محبوب حقیقی کا جلوہ مختلف انداز میں نظر آرہا ہے - نظریہ وحدت الوجود کا ماننے والا اپنے آپ کو خدا سے الگ نہیں سمجھتا بلکہ وہ وحدت وجود کے اعتبار سے اپنے آپ کو بھی خدا ہی سمجھتا ہے لہذا جگر صاحب نے بھی اس شعر میں یہی خیال ظاہر کیا ہے -

بجائے اس کے کہ ہرچیز میں خدا کا جلوہ نظر آرہا ہے ان کا یہ کہنا مظاہر قدرت کے آئینے میں، میں اپنے نقش و نگار حسن و جمال دیکھ رہا ہوں - یہ تصور اسلامی تعلیمات کے منافی ضرور ہے لیکن شاعری کی رو سے زبان انداز بیان تشبیہات و استعارات ، رنگینی و شوخی اور شگفتگی ہر اعتبار سے شعر لاجواب ہے -

اردو کے شعر میں مسئلہ وحدت الوجود نہیں ہے - شاعر دوست سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے دوست ہم نے تیرا یہ حسن یہ شوخی یہ کرشمہ اور یہ ادائیں کیا دیکھی ہیں کہ ایک دنیا دیکھ لی ہے - یعنی تو اپنی ذات سے ایک جہان حسن و خوبی ہے اور جہان حسن و خوبی میں جو باتیں ہونی چاہئیں وہ تیری ذات میں موجود ہیں -

زبان اور تغزل کے اعتبار سے شعر اپنی جگہ خوب ہے - لیکن فارسی کا شعر زیادہ بلند ہے -

====xxx====

فارسی   لب بہ بستند و بہر مو زبانم دادند   پا شکستند و بہر سوئے نشانم دادند

اردو   ہو آلودۂ لفظ و بیان شرح محبت کو   محبت ہی بجائے خود زبان بے زبانی ہے

فارسی کے شعر میں اس خیال کو ظاہر کیا ہے کہ جب عارف ترقی کرکے مقام حیرت میں داخل ہوجاتا ہے تو وہ زبان سے کچھ نہیں کہتا : ع

" کان را کہ خبر شد ، خبرش باز نیامد "

کا مصداق بن جاتا ہے لیکن اس کے وجود زبان حال سے خدا کا ذکر کرتا ہے - اسی خیال کو جگر نے پہلے مصرع میں بیان کیا ہے - دوسرے شعر میں اسی بات کو ایک دوسرے شاعرانہ اسلوب سے پیش کیا ہے وہ یہ کہ مقام حیرت میں جب حسن حقیقی کے دیدار میں محو ہوکر رہ گیے تو گویا بظاہر ایک پا شکستہ شخص کی سی حیثیت ہے لیکن اس مقام محویت میں پاشکستہ ہونا بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے کیوں کہ دیدار دوست تو حاصل ہے - اسی کے حسن کی تابانیوں نے تو محو حیرت بناکر رکھ دیا ہے - اسی بات کو دوسرے مصرع میں اس طرح ادا کیا ہے کہ اگرچہ مجھے پا شکستہ کردیا ہے لیکن اس حالت میں مجھے ہر طرف محبوب حقیقی اپنا جلوہ دکھا رہا ہے یعنی پاشکستگی میں ہر طرف نشان منزل میرےسامنے کردیا ہے - بہت اچھا شعر ہے اور اس پامال مضمون کو جسے لوگ ہمیشہ باندھتے آئے ہیں جگر صاحب نے بڑے طرفہ اور نئے انداز سے ادا کیا ہے -

اردو کے شعر میں یہی بات ایک دوسرے انداز میں بیان کی ہے - فرماتے ہیں کہ محبت کے بیان کو الفاظ اور عبارت سے آلودہ نہ کرو کیوں کہ شرح محبت الفاظ میں بیان نہوسکے گی- قلبی محسوسات اور جذبات کو جب الفاظ کے ذریعہ بیان نہ کیا جاسکے تو غلط انداز میں محبت کی کیفیات کو بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ عاشق تو محبت کی جیتی جاگتی تصویر ہوتا ہے - اس کو ہر ایک چیز زبان حال سے اپنی شرح آپ ہی کردیتی ہے - اس لیے جذبات محبت کی تقدیس کو لفظ و بیان سے آلودہ نہیں کرنا چاہئے -

مطلب یہ ہے کہ محبت کی باتیں کہنے کی نہیں ہوتیں - اہل نظر خود ہی اس کا ادراک کرلیتے ہیں - اردو کا شعر بھی خاصی ندرت رکھتا ہے اور پیرایۂ بیان بھی بالکل نیامعلوم ہوتا ہے تاہم مذکورہ بالاخوبیوں کے اعتبار سے فارسی کا شعر بہتر ہے -

فارسی   در مقام فنائے عشق از خضر چه کار اے دل   این راہ که پیمائی ، ازسایه خود دارد

اردو   فکر منزل ہے نہ ہوش جادۂ منزل مجھے   جارہا ہوں جس طرف لے جارہا ہے دل مجھے

عشق و محبت یا دوسرے الفاظ میں تصوف میں فنا بھی ایک اہم مقام ہے - وہ یہ کہ عاشق کو چاہیے کہ اپنے آپ کو دوست کی ذات میں ایسا فنا کردے کہ " من تو شدم تو من شدی ، من تن شدم تو جاں شدی " کا مصداق ہوجائے ، ظاہر ہے کہ جب عاشق فنائے عشق کے اس مقام پر پہنچ گیا ہے تو اسے خضر سے کیا سروکار کیوں کہ اس راستے میں انسان اپنے سائے سے بھی اجتناب کرتا ہے - کیوں کہ خضر تو اس کی رہنمائی کریں گے جس کا کوئی جداگانہ وجود
اس طرح فنا کردیا کہ دوئی کا فرق ہی باقی نہ رہا
ہوگا - لیکن جب عاشق نے اپنے آپ کو تو اب خضر کی رہنمائی کی ضرورت باقی نہیں رہی -

اردو کے شعر میں وارفتگی عشق کو بیان کیا ہے کہ میں اب اس قدر از خود رفتہ ہوگیا ہوں اور کہ مجھ پر وارفتگی عشق کا انتہائی غلبہ ہے تو اس کے نتیجہ میں میری زمام اختیار میرے دل کے ہاتھوں میں ہے وہ جدھر لے جارہا ہے چلا جارہا ہوں - اب نہ مجھے منزل کا ہوش ہے نہ جادۂ منزل کا پتا ہے -

اردو کا شعر اپنے اندر بہت سی خوبیاں رکھتا ہے وارفتگی عشق کا یہ بیان صداقت سے خالی نہیں ہے جب انسان پر عشق کا غلبہ اس قدر ہوجائے جس کا ذکر اس شعر میں ہے تو اس کی یہی کیفیت ہوگی - فارسی کے شعر میں جس فنا کا ذکر کیا ہے وہ تکلف سے خالی نہیں ہے اس لیے اردو کا شعر مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر فارسی کے شعر سے بہتر ہے -

====XXX====

فارسی   الفراق اے دل ! که پیر درد ، می باید مکان   الوداع اے جان ! ازآن نیز حظمی آید

اردو   اب زبان بھی دے ادائے شکر کے قابل مجھے   درد بخشا ہے اگر تونے ، بجائے دل مجھے

فارسی کے دونوں مصرع متناسب الفاظ کی ترکیب روانی ، زور ، اور بالکل متوازن ہونے کے اعتبار سے اور اپنی معنوی خوبیوں کے لحاظ سے بھی " ان من البیان لسحرا " کا صحیح مصداق ہے - شعر کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ملتے بلکہ یہ شعر پڑھنے اور سمجھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے - اس کو پڑھ کر جو کیفیت حاصل ہوسکتی ہے اس کا احاطہ الفاظ نہیں کرسکتے - دل سے خطاب

اور جان سے خطاب کرکے یہ کہنا کہ اے جان

کر کے یہ کہنا کہ اے دل اب رخصت ہو مجھے درد کے لیے مکان کی ضرورت ہے/- اور جان سے اب الوداع ہو اس لیے کہ مجھے دوست کے لیے جگہ کی ضرورت ہے، کس قدر لطیف اور موثر انداز بیان ہے اور ساتھ ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالکل نیا مضمون ہے یا کم از کم اس انداز سے کسی نے اب تک نہیں باندھا ہے -

اردو کے شعر میں درد اور دل کا تلازمہ اور درد کی دل پر ترجیح کا مضمون بے شک ہے مگر اردو کے شعر کا پیرایہ بیان بھی مختلف ہے اور مضمون بھی کلیتاً وہی نہیں ہے جو فارسی کے شعر میں بیان ہوا ہے لیکن درد کی تعریف اور دل کے مقابلے میں اس کو افضل سمجھا گیا ہے پھر اس نعمت کے ملنے پر خدا سے یہ التجا کرنا کہ اے خدا جب تونے مجھے اتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے تو اس کے اظہار شکر کے قابل زبان بھی عطا فرمادے اس انداز بیان نے اردو کے شعر میں بھی جداگانہ ندرت اور دل کشی پیدا کردی ہے -

دونوں اشعار اعلی درجے کے ہیں لیکن اس کے باوجود فارسی کا شعر نسبتاً بہتر ہے-

====XXX====

فارسی	حسن و خون عاشق عشق و خوئے تسلیم	او تیغ ناز درکف ، من سر بہ پا نہادہ
اردو	دل محو محبت ہے، آتا ہے نہ جاتا ہے	اب تیر چلا قاتل ، اب زد پہ نشانہ ہے

فارسی کے شعر میں دونوں مصرعوں میں دو دو ٹکڑے بالکل متوازن ، متناسب اور معنوی اعتبار سے باہم دگر متقابل ہیں جن کی وجہ سے شعر میں سحر پیدا ہوگیا ہے اور اسی کو حقیقت میں شعر کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک طرف حسن دریۂ خون عاشق ہے ، تو دوسری طرف عشق تسلیم و رضا کا پیکر بنا ہوا ہے - اگر حسن اپنی عادت دیرینہ کے مطابق تیغ ناز درکف ہے تو میں نے بھی خوئے عشق کے مطابق اس کے قدموں میں سر رکھ دیا ہے - کیا اس مضمون میں درو بست الفاظ، شگفتگی اور خوبی زبان کے ساتھ ساتھ نزاکت معنی اور لطف شعریت اور کمال تغزل نہیں پایا جاتا؟

اردو کے شعر میں اسی مضمون کو بالکل ایک اور ہی انداز میں اس طرح ادا کیا ہے کہ بادی النظر میں یہ وہ مضمون معلوم نہیں ہوتا جو فارسی میں ادا ہوا ہے - یہ بھی شاعر کا کمال ہے - فرماتے ہیں کہ اے دوست تیرا کام تیر چلانا ہے اور ہمارا کام تیرے تیر کے نشانہ

پر سر تسلیم خم کردیا ہے - اب میرا دل محو محبت ہے اور اس عالم محویت میں کہیں جانے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ، وہ تیرے تیر کی زد میں ہے اے قاتل تو اپنا تیر چلا -

دونوں شعر انتخاب ہیں اور تعریف و توصیف سے بے نیاز ہیں - دونوں اپنے اندر لفظی و معنوی انفرادی خوبیاں رکھتے ہیں - تاہم فارسی کا شعر اردو کے شعر کے مقابلے میں قابل ترجیح ہے -

====XXX====

مزید چند اردو فارسی اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی　اے کہ می پرسی زکار ما و چند کارہا　　چاک شد از دست ماهرپردۂ اسرار ما

اردو　دل نے اگر چھپا بھی لیا داغ آرزو　　آنکھوں سے، تیرے راز چھپایا نہ جائیگا

====XXX====

فارسی　شراب و ساغر وسبو، گل و بہار ، و آب جو

دو صد جہان رنگ و بو، شود یک جہان ما

اردو　بہار لالہ و گل ، شوخی برق و شرر ہوکر　　وہ آئے سامنے ، لیکن حجابات (1) نظر ہوکر

====XXX====

فارسی　پیدا زهرنگاه خریدم هزار حسن　　پنهان به یک نگاه ندیم نگاه کیست

اردو　تری جلووں میں گم ہوکر ، خودی سے بے خبر ہوکر

تمنا ہے کہ رہ جاؤں ، ز سرتا پا نظر ہوکر

====XXX====

فارسی　اے جان بے قراران! تاکہ زدر درون آ (2)　　کز سوز اشتیاقت کار آمدہ بجانی

اردو　کہاں جاتی ہے مل کر اونگاہ ناز بے پروا　　مرے پہلو میں رہ جا ، لذت درد جگر ہوکر

====XXX====

---

(1) اصل نسخہ میں " حجابات نظر" کی جگہ " حجاب نظر" لکھا ہے -

(2) اصل نسخہ میں " زدر درون آ [illegible]" کی جگہ " زدرد دل آ " لکھا ہے -

فارسی همت اگر تو داری ، در عشق کوش اے دل این جان تازہ برگیر، از بارگاہ جانی

اردو هر تڑپ کے ساتھ آجاتی ہے مجھ میں تازہ روح

شکر ہے اتنا اثر تو اضطراب دل میں ہے

=====xx=====

فارسی جان از دل و دل ازجان بیگانہ و مستغنی گاہے بہ چنین درجان ، گاہے بہ چنان دردل

اردو اللہ اللہ، انتہائے درد دل! اب تم ہی تم ہو بجائے درد دل

=====xx=====

فارسی ہرآنچہ نہاںست این، سازد عیان برخلق ہرآنچہ عیانست آن، گردد نہان دردل

اردو کہاں کی دید اور کس کا عرفان ، حواس گم ہیں نظر پریشان

جو ایک پردہ اٹھارہے ہیں تو لاکھ پردے گرارہے ہیں

====xx====

فارسی مے و جام و سرخوشی ز سرخوشی (۱) شگفتگی شگفتگی و سرخوشی زسرخوشی‌استشان ما

اردو عجب جوش پر ہے شباب محبت محبت ہے مست شراب محبت

====xx====

فارسی اے خسرو خوبان! نظرے کن ز سر مہر افتادہ بکویت جگر سینہ فگارے

اردو زندگی جس سے عبارت ہے جگر وہ کسی کی اک نگاہ ناز ہے

====xx====

فارسی عالم ہمہ نگاہ و صدائے زہر نگاہ این عالم نگاہ ، فریب نگاہ کیست

اردو حجاب نے انہیں رکھا حجاب میں ورنہ جب آئے سامنے، اپنا ہی سامنا کرتے

====xx====

فارسی دلم از سوز تغافل ، ہمہ تن شعلہ بجانست ورکنم شکوہ، ازان ہم خموشی آید

اردو درد محرومی سہی‌احساس ناکامی سہی اس نے سمجھاتوبہرصورت کسی قابل مجھے

---

(۱) اصل نسخہ میں یہ شعر اس طرح ہے :

گلے و جام سرخوشی، خوشی و صد شگفتگی

شگفتگی و صد خوشی، زسرخوشی شان ما

فارسی   آن کیست جہان در غم؟ اینکیست جہان در دل   دل رقص کنان در غم، غم رقص کنان در دل

اردو   ذرہ ذرہ دیدہ و دل ہے، گوشہ گوشہ ہستی ہے

عشق ہے جب تک سلسلہ جنباں دل کی ہستی ہستی ہے

===XXX====

فارسی   اے کہ زروئے عاشقاں پردہ برخ کشیدہ   جامہ صبر و عقل و ہوش ازہمہ جادریدہ

اردو   نگاہ شوق ہی کچھ جانتی ہے راز مستی   وہ خود جلوہ ہے ان کا، سب جسے پردا سمجھتے ہیں

===XXX====

فارسی   از بارگہ حسنش یک شمہ مپرس! از من   رازیست، کہ می فہمد، چشم نگراں اولی

اردو   کوئی پوچھے نہ پوچھے ہم تو جان دیتے ہیں   پھر ایسی چشم توجہ ہوتی ہوتی نہ ہوتی

===XXX====

فارسی   در عاشقی و مستی، ہشیار بہائے دل!   ہر ذرہ، درین صحرا، طوفان شرر دارد

اردو   ہمہ تن وجد میں آ، رقص میں آ، جوش میں آ

عشق کو ہوش میں لاتا ہے تو خود ہوش میں آ

===XXX====

فارسی   عشقم چہ کارکردہ (۱) و حسنت چہ گل شگفتہ   این راز اولین ست من دانم و تو دانی

اردو   یہی حسن و عشق کا راز ہے، کوئی راز اس کے سوا نہیں

کہ خدا نہیں تو خودی نہیں جو خودی نہیں تو خدا نہیں

===XXX====

فارسی   صد حقیقت عرض می کرد این سکوت بے خودی   پردہ دار حرف مطلب شد لب گفتار ما

اردو   درحقیقت ہے خود مری ہستی   جس حقیقت کا پردہ دار ہوں میں

====XXX====

فارسی   من بہ پنہاں جگر تلاش کنم   او مگر آشکار می آید

اردو   تو خوب جانتا ہے اوجانیو دل کے مالک   ہر حال میں جگر نے تیری ہی آرزو کی

---

(۱)   اصل نسخہ میں عشقم چہ کلکو کارکردہ " کی بجائے " عشقم کارکرد " لکھا ہے

فارسی   این نظم جگر گفتی، گل گفتی و درسفتی   این رنگ زبان بہتر، ہم حسن بیان اولی

اردو   واہ کیا مست غزل تونے پڑھی آج جگر   ایک اک لفظ چھلکتا ہوا پیمانہ ہے!

===XXX====

فارسی   یک نگاہ کارفرما از جہان دلبری   کز فنائے خویشتن ملک بقا پیدا کنم

اردو   ہے مآل کار فنا یہی کہ اسی کا رنگ عیاں رہے

وہ نظر ہماری نظر رہے، وہ زبان ہماری زبان رہے

===XXX=====

فارسی   ہشیار بگذر اے دل! در راہ عشق و مستی   ہر موج مے درین جا، بحریست بیکرانی

اردو   اے دل! جو راہ عشق میں رکھا ہے تونے پاؤں   کرنا وہ تنگ دائرۂ اختیار کو

===XXX====

فارسی   آن تیغ ابرو، وآن تیر [illegible] مژگان   آمادہ ہر یک بر قتل ماے

اردو   سفاک چتونیں بھی ہیں، قاتل نظر بھی ہے   کیا چیز ہوگئے ہو، تمہیں کچھ خبر بھی ہے؟

====XXXX====

فارسی   کوئی بسوئے مانگر، بہ رنگ و بوئے مانگر   بہ حسن روئے مانگر، چہ حاجت بیان ما

اردو   خبر نہیں مجھے، میں کیا ہوں، آرزو کیا ہے   کسی نے جب سے یہ سمجھا دیا کہ "تو کیا ہے"

====XXX====

فارسی   نگاہ عشوہ طراز توچہ گذشت بر دل من کہ من

نہ بہ نالۂ سحری خوشم نہ بہ آہ نیم شبی خوشم

اردو   کیا چیز تھی کیا چیز تھی ظالم کی نظر بھی

اف کر کے وہیں بیٹھ گیا، درد جگر بھی

ooooooooooo

عاصم ، محمد عبدالوہاب :

محمد عبدالوہاب خاں نام ہے ابتدا میں عاصی تخلص کرتے تھے پھر جب یہ معلوم ہوا کہ اس قسم کے تخلص رکھنے کی شریعت میں ممانعت ہے تو عاصم تخلص کرنے لگے - [1] ۱۹۰۰ء/ ۱۳۱۷-۱۸ھ بروز جمعہ ریاست جے پور راجپوتانہ میں پیدا ہوئے - ان کے والد محمد وارث خاں نہایت دیندار آدمی تھے ، جب عبدالوہاب کی عمر چار سال چار ماہ کی ہوئی تو خاندانی روایات کے مطابق رسم " بسم اللہ " ہوئی قرآن مجید ختم کرنے کے بعد ۱۹۱۸ء میں مہاراجہ ہائی اسکول میں داخل کرایا گیا جہاں سے آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا- اس کے بعد بیمار ہوگیے جس کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ منقطع رہا لیکن گھریلو طور پر عربی ، فارسی اور سنسکرت کی تعلیم جاری رہی - ۱۹۲۳ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے " منشی فاضل " کا امتحان پاس کیا - ۱۹۲۷ء میں لاہور تشریف لے گیے اور اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے - ۱۹۲۹ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے ایم - اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۳۵ء میں یونی ورسٹی سے ایم ، او ، ایل کی ایک اعزازی ڈگری بھی حاصل کی - طالب علمی کے زمانے میں کرکٹ ، فٹبال اور گھوڑے کی سواری سے بھی خاص دل چسپی رہی -

۱۹۸۱ء سے ۱۹۲۷ء تک محکمہ مردم شماری میں سپروائزر اور پھر پی ، ڈبلیو ڈی میں افسر انچارج ہاؤس [illegible] وائز ڈپارٹمنٹ رہے یہ وہ زمانہ ہے جب وہ عربی ، فارسی ، ہندی اور سنسکرت کی تعلیم خانگی طور پر حاصل کر رہے تھے -

۱۹۲۹ء میں نواب غلام معین الدین خاں صاحب والی ریاست مانادور کے اتالیق مقرر ہوئے ، ۱۹۳۶ء میں ریاست جے پور میں نائب آفیسر خزانہ مقرر ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں اسی عہدے سے پنشن حاصل کی -

عاصم صاحب نہایت محنتی ، مخلص ، دیانتدار اور ایماندار آدمی تھے یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں وہ بسلسلہ ملازمت رہے بڑی عزت کی نظر سے دیکھے گیے - ان کے دوستوں کی فہرست

---

(۱) شاغل ، احترام الدین ، " تذکرہ شعرا جے پور " ، علی گڑھ : انجمن ترقی اردو ہند ، ۱۹۵۸ء ، (مملوکہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو ، الف ۹/۷) ، ص ۳۲۲

میں ، مسلم ، ہندو ، عیسائی ، سکھ ، جینی اور پارسی غرض ہر عقیدے کے لوگ رہے اور ان سے دوستانہ ماحول میں مباحثے اور مناظرے بھی رہے لیکن کبھی کسی سے سخت کلامی یا ناراضگی کی نوبت نہیں آئی -

بحث و مباحثہ ان کا دل چسپ مشغلہ رہا اس شوق کی تکمیل کے لیے انھوں نے نہ صرف اسلامی تعلیمات کو مکمل طور پر حاصل کیا بلکہ دیگر مذاہب کی کتابوں کا بھی بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا۔

عقائد کے لحاظ سے وہ سنی المسلک ، نہایت عابد و زاہد اور متقی پرہیزگار انسان تھے - ان میں ریاکاری اور دکھاوا نام کو بھی نہ تھا - خود فرماتے ہیں -

مردان خدانے رندجانا ہم کو　　رندوں نے خدا پرست مانا ہم کو

ہم اپنی سمجھ میں کچھ نہ آئے عاصم　　سمجھا کیا کچھ نہ کچھ زمانہ ہم کو

تقسیم ہند کے بعد پاکستان تشریف لائے اور ١٩٦٦ء / ١٣٨٥-٨٦ھ (١) میں اس دار فانی کو خیر باد کہہ گیے۔

عاصم صاحب کا ایک مجموعہ کلام جس میں " مناجات عاصی" بھی ہے شائع ہوچکا ہے - راقم کے پیش نظر ان کا غیر مطبوعہ کلام ہے - یہ کلام اردو غزلیات ، رباعیات ، منظومات حمد و نعت اور فارسی غزلیات پر مشتمل ہے جو طباعت کے لیے تیار ہے -

خصوصیات کلام :

عاصم صاحب کا مزاج لڑکپن سے شاعرانہ تھا اس لیے شعر و سخن کا چسکا بھی بچپن ہی سے تھا۔ اول تو دیگر شعراکے کلام سے اپنی پسند کے اشعار زبانی یاد کرلیا کرتے تھے - پھر ان یاد شدہ اشعار کے ردیف و قوافی پر شعر کہنا بھی شروع کردیا۔

تم نے دل دے کر بچالی جان تو عاصم مگر

کیا کیا کشتی ڈبودی بادباں رہنے دیا

---

(١) ان کے صاحب زادی عبدالتواب صاحب سے سال انتقال معلوم ہوا -

ابتدا میں کلام کی اصلاح مولوی اساس الدین تسنیم سے لی بعد میں مولانا ظہیر حسین سخا دہلوی نے تربیت فرمائی اور علم عروض و قوافی اور علم بیان و صنائع و بدائع کے علاوہ سخن گوئی کے ایسے لطائف و محاسن تعلیم فرمائے کہ جو تمام زندگی مولانا عاصم کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے - سخا جب دکن تشریف لے گیے تو مرزا مائل دہلوی سے اصلاح کا سلسلہ جاری رہا -

عاصم کے کلام میں سخا کی بلند پروازی اور نازک خیالی اور مائل کے کلام کی لطافت اور زبان کی چاشنی بدرجۂ اتم موجود ہے - فارسی کی ایک غزل مسلسل میں محبوب کا سراپا بیان کیا ہے - کلام میں زور اور انداز بیان میں لطافت اور جدت ہے ایک شعر ملاحظہ ہو:

جمالش آیۂ خوبی ، نگاهش وحی محبوبی

لبش موجے مئے طہبے ، نقش سرتاقدم جانے

عاصم صاحب نے ایک مناجات استغراقی کیفیت میں کہی ہے اس لیے کلام میں بڑا درد ہے - شعر ملاحظہ ہو :

غم عشق دے الٰہی غم زندگی کہاں تک

غم زندگی ذہیں ہے غم زندگی کا چارہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی نہایت خلوص سے نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں - شعر ملاحظہ ہو :

غار حرا سے عرش علی تک حرف دعا انفاس مبارک

بخشش امت ان کا مقصد ، صلی اللہ علیہ وسلم

<u>چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :</u>

فارسی عاصم نگار من بہی آمد نشست و رفت گل می کند بہشت زکاشانہ ام ہنوز

اردو اے خوشا لطف جدائی کہ اب ان کی صورت مستقل زینت آغوش ہوئی جاتی ہے

فارسی کے شعر میں دوست کی آمد و رفت کا بیان ایک خاص جدت سے کیا ہے - فرماتے ہیں کہ میرا دوست میرے پاس آیا ، بیٹھا اور چلا بھی گیا لیکن میرے گھر میں بہشت کا

منظر اب بھی موجود ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا گھر بہشت بنا ہوا ہے اور اس میں رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں ۔ ظاہر ہے یہ تصور کی بات ہے اور ہر شخص نے تجربہ کیا ہوگا کہ جب کسی تیز روشنی کو دیکھتے ہوئے کسی تاریک جگہ میں داخل ہوجاتے تو کچھ دیر تک اس کی آنکھوں میں روشنی کا اثر باقی رہتا ہے بس یہاں بھی یہ سمجھ لیجئے کہ دوست سراپا بہشت پر بہار تھا جب وہ گیا تو اس کا جلوہ حسن بعد تک اسی طرح آنکھوں میں سمایا رہا ۔

کیا زبان کیا انداز بیان ، کیا نزاکت معنی اور شعری لطافت کے اعتبار سے فارسی کا شعر بہت بلند ہے ۔

اردو کے شعر میں بھی تقریباً یہی بات کہی ہے مگر فارسی زبان میں جو جامعیت ہے کہ تھوڑے سے الفاظ میں بہت بڑا مفہوم بیان کردیا ہے وہ بات اردو کے شعر کو حاصل نہیں ہے۔ تاہم ایک بات خاص پیدا کی ہے وہ یہ کہ دوست آیا اور چلا بھی گیا لیکن اس کی صورت ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مستقل طور پر میری آغوش کی زینت بن گئی ہے ۔ زینت آغوش کہہ کر یہ لطیف اشارہ بھی کردیا ہے کہ دوست کافی دیر تک ان کی آغوش میں رہ کر گیا ہے ۔ بہرحال دونوں شعر خوب ہیں ۔ لیکن فارسی کے شعر کو کئی اعتبار سے اردو کے شعر پر ترجیح حاصل ہے۔

====XXX====

فارسی   دل را بہ گل و غنچہ نہ بستیم و گذشتیم   روسوئے کسے از ہمہ رستیم و گذشتیم

اردو   لالہ و گل ہوں تو کیا صحن چمن   وادی پرخار ہے تیری بغیر

فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ اس باغ ہستی میں ہم نے یہاں کے گل و غنچہ سے دل نہیں لگایا کیسی ہی حسین و جمیل چیز ہماری سامنے آئی مگر ہم بے نیازانہ گزرگئے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ہماری توجہ اس صانع مطلق کی طرف رہی جس نے اس باغ ہستی کو ایسا خوش نما بنایا ہے ۔ فارسی کا شعر بہت خوب ہے لفظی اور معنوی اعتبار سے اعلی درجہ کے منتخب اشعار میں شمار ہونے کی خوبی رکھتا ہے ۔ یہ بات اس شعر میں بڑی خوبی سے ادا کی ہے کہ اگر انسان کا دل خدا کے ساتھ وابستہ نہ ہو تو دنیا کی ہر چیز اس کو

اپنی طرف مائل کرسکتی ہے -

اردو کے شعر میں یہ بات کہی ہے کہ اگر دوست ہمارے ساتھ ہے تو صحرا اور بیابان بھی ہمارے لیے باغ کا لطف رکھتے ہیں لیکن اگر دوست نہ ہو تو صحن چمن میں لالہ و گل بھی ہمارے لیے خار ثابت ہوتے ہیں - یعنی جس دل میں خدا کی محبت ہو اور وہ خدا کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو تو صحیح معنی میں اطمینان قلب اور طمانیت خاطر اسی کو حاصل ہوتی ہے - جیسا کہ قرآن پاک میں ہے -

" الا بذکر اللہ تطمئن القلوب " بہرحال دونوں شعر خوب ہیں لیکن ان دونوں اشعار میں فارسی کا شعر خوب تر ہے -

====xxx====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں:

فارسی بسکہ فریب خوردۂ خویشتن است جان من دیدہ نگاہ شوق راحسن و جمال نام کرد

اردو تجلی اس کو کہتے ہیں کہ جب آجائے یاد ان کی

فضا کا ذرہ ذرہ مطلع انوار ہوجائے

===xxx====

فارسی حیا کیشے ، وفاکوشے، ادیبے ، خاطر آشوبے جمالش جلوۂ رازے ، حجابش جلوہ سامانے

اردو جمال ان کا ، حجاب ان کا ، کرم ان کا ، عتاب ان کا

ہمارے جلوۂ الفت کے بھی ہیں ترجماں کیا کیا

===xxx====

فارسی بوئے زکاکلش رسید عکس رخش بدل دمید دامن اگر زدیدہ چید جلوۂ از مشام کرد

اردو تصور میں جب ان کو ہم دیکھتے ہیں منور شبستان غم دیکھتے ہیں

===xxx====

فارسی دل گفت گذشتن ز تمنائے تو بہتر دل را بہ تمنائے تو بستیم و گذشتیم

اردو تمناؤں سے دل زندہ ہے لیکن میں یہ ڈرتا ہوں

تمناؤں سے دل کی زندگی مشکل نہ ہوجائے

===xxx====

فارسی آئینہ در عکس او گم کردہ ام عکس در آئینہ گم شد بارہا

اردو ہرعکس تماشائی ہیروہ نگاہوں میں ہر آئینہ در پردہ پردے کے گواہوں میں

====XXX====

فارسی جنون از دیدنش گیرد نشاط نغمہ ننزی خرد از ملذتش یابد سرور حسن وجدانے

اردو عاصم جنون ہے راہ محبت میں ناگزیر منت کش خرد نہیں وہ دیوانے ہم نہیں

====XXX====

فارسی جامم ازان نظر کہ بود حاصل سوز آرزو رنگ نشاط بست وہم ساز غم دوام کرد

اردو الفت کا ماحصل ہی وہ غم ہی سہی راحت نہ سہی

ہوتا ہے عجب شے وہ غم بھی جو چارہ گر غم ہوتا ہے

====XXX====

فارسی تنکیں خیالش چہ بلا بود کہ عاصم در بزم جمالش نہ نشستیم و گذشتیم

اردو نظر آئی ادا اس میں جب اپکی برھمی کی سی

گوارا کرلیا عاصم و بال زندگی میں نے

=============

محروم ، منشی تلوک چند :
==================

منشی تلوک چند محروم کا اردو کے مایہ ناز شعرا میں شمار ہوتا ہے - اردو ادب سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص ایسا نہیں جو آپ سے واقف نہ ہو - تلوک چند دریائے سندھ کے کنارے ایک گاؤں عیسی خیل ضلع میان والی میں ۱۸۵۷ء / ۳ - ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے -(۱) وادی سندھ میں خدا نے ایک ایسے پھول کھلایا جس کی مہک دھلی اور لکھنو تک پہنچی - یہاں شعر و سخن کا چرچا دور دور تک نہ تھا - بالکل دیہاتی ماحول تھا ہرطرف نہایت

---

(۱) جگن ناتھ آزاد (مرتب) ، " تلوک چند محروم " ، لاھور : ادارہ فروغ اردو ، ۱۹۵۹ء ص ۲۳۶ - (تلوک چند محروم جگن ناتھ آزاد کے والد تھے آزاد نے اپنے والد سنہ ولادت متذکرہ بالا ہی لکھا ہے -)

خوب صورت لہلہاتے کھیت اور ان میں پرندوں کی مترنم آوازیں محروم کے دل کو لبھاتیں۔ شاعر نے اپنا بچپن انہی قدرتی مناظر میں گذارا۔ انہی فطری مناظر سے ان کی فطرت نے پہلا درس حاصل کیا، جس سے اس کے قلب و نظر میں وسعت اور افکار و خیالات میں فطرت سے آہنگی پیدا ہوئی -

ان کے والد ین متوسط درجہ کے زمیندار تھے ١٩٠٥ع میں عیسی خیل سے مڈل کا امتحان پاس کیا، ١٩٠٧ع میں میٹرک کا امتحان پاس کیا، پرائیویٹ انٹر کا امتحان دیا پھر ١٩٢٠ع میں بی اے پاس کیا۔ معلمی کا پیشہ پہلے ہی اختیار کرچکے تھے - اس معلمی کے پیشے سے پینتیس سال منسلک رہے - فرماتے ہیں :

" سی و پنج سال عمرم بہ ملازمت بسر شد

سحر شباب خودرا ہمہ تیرہ شام کردم "

یہ ایک تنومند و توانا آدمی تھے - بچوں کے لیے ورزش کی اہمیت پر ایک نظم لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بھی ورزش کے شوقین رہے ہوں گے - ان کے صاحب زادے جگن ناتھ آزاد کے قول کے مطابق ١٩٥٦ع تک بغیر لکڑی کے سہارے کے خوب اچھی طرح چل پھر سکتے تھے اور کام کرتے تھے - ٦/ جنوری، ١٩٦٦ع کو اس دار فانی سے کوچ کر گیے (١)

خصوصیات کلام :

محروم کو شروع ہی سے نظم گوئی سے دل چسپی تھی - غزل بھی ان کی نظر میں بڑی اہمیت رکھتی تھی لیکن اس صنف کو وہ نوجوانوں کے لیے زیادہ موزوں سمجھتے تھے - ان کا قول ہے کہ نوجوانی میں فطری طور پر ہر شخص کی طبیعت عشق کی طرف مائل ہوتی ہے - اگر اس کو غزل کی طرف راغب کیا جائے تو یہ صنف اس کی تسکین قلبی کا باعث بن جاتی ہے اور وہ غلط راہ پر پڑنے سے بچ جاتا ہے - اس لیے ہر نوجوان کو پہلے غزل سے روشناس کرانا چاہئے - غالباً محروم نے یہ بات اپنے تجربات کی روشنی میں کہی ہے - ان کی شاعری کی ابتدا بھی غزل ہی سے ہوئی لیکن بعد میں اقتضائے وقت کے مطابق ادبی، اخلاقی اور قومی نظمیں کہنا

---

(١) " قومی زبان" بابت مارچ ١٩٦٦ع، ص ...

شروع کردیں۔

انگریزی اور فارسی زبانوں کے بعض پاکیزہ اور مفید خیالات کو اردو میں نظم کیا۔ سعدی شیرازی کے زرین اقوال کا ترجمہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انھیں شیخ سعدی سے قلبی لگاؤ تھا اور وہ ان کے ناصحانہ انداز کو نہ صرف پسند کرتے تھے بلکہ ان سے مکمل استفادہ کیا ہے۔

مولانا اسمعیل میرٹھی کو بچوں کے لیے نظمیں لکھنے میں کمال حاصل تھا ۔ ان کی پیروی میں محروم نے بھی بہت اچھی نظمیں کہی ہیں ۔ یہ سب نظمیں " بہار طفلی " میں جمع کردی گئی ہیں ۔

قومی نظمیں بھی لکھی ہیں جن سے خلوص و محبت کا بھی اظہار ہوتا ہے ، سلاست و روانی بھی ہے لیکن جوش و خروش کی کمی ہے ۔

نیاز فتح پوری لکھتے ہیں :

" یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حالی کا اثر (ہندوستان میں) سب سے زیادہ محروم ہی نے قبول کیا ، وہی سادگی بیان ، وہی پرخلوص لہجہ ، وہی صداقت جذبات اور وہی سب کچھ جو ایک مخلص دوست کہہ سکتا ہے ۔ ان کے یہاں نہ مجاہدانہ جوش و خروش ہے نہ سرفروشانہ تبلیغ ۔ لیکن صداقت اتنی زبردست پائی جاتی ہے کہ اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں ۔"

اکبر الہ آبادی محروم کے کلام سے متاثر ہوئے اور انھوں نے محروم کی تعریف میں ایک رباعی لکھی :

ہے داد کا مستحق کلام محروم — لفظوں کا جمال اور معانی کا ہجوم
ہیں ان کا سخن مفید و دانش آموز — ان کی نظموں کی ہے بجا ملک میں دھوم

محروم نے جواب اکبر کا ایک رباعی میں شکریہ ادا کیا۔ جس سے ان کی حق گوئی اور فکر سلیم کا پتا چلتا ہے ۔

طبع موزوں خدائے برتر سے ملی — تاثیر کلام قلب مضطر سے ملی
آیا مجھ کو یقین کہ شاعر ہوں میں — جب داد سخن جناب اکبر سے ملی

سر عبدالقادر لکھتے ھیں :

" جناب محروم ان آدمیوں میں سے ھیں جنھوں نے اپنی عمر بھر کی کوششوں سے یہ ثابت کیا ھے کہ اردو ، ھندو اور مسلمانوں کا ایک بیش قیمت سرمایہ ھے جس سے دونوں کو فائدہ اٹھانے کا حق ھے اور جس کی خدمت دونوں کے ذمے ھے ۔"

اسی لیے مرتے دم تک محروم اردو زبان کی خدمت کرتے رھے ۔

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی	کمال صنعت بت ساز کرد حیرانم	مآل عشق بتان غیر ازین ھمی دانم
اردو	ترک عشق بت خود کام غلط	ھم یہ واللہ یہ الزام غلط

جو لوگ عشق مجازی میں گرفتار ھوجاتے ھیں وہ اس کے جواز میں یہ کہتے ھیں کہ ھم کسی حسین کے عاشق نہیں بلکہ ازصانع مطلق کی صنعت کے عاشق ھیں جس نے ایسے حسین پیدا کیے ھیں ۔ فارسی شعر میں ٹلوک چند محروم نے اسی خیال کا اظہار کیا ھے ۔ اور چونکہ وہ ھندو تھے اور اپنی بت پرستی کو جائز قرار دینے کے لیے بھی اس بات کو جو بت پرستی کے جواز میں کیا کرتے ھیں ، لطیف پیرائے میں کہہ گیے ھیں ۔ شعر میں زبان اور بیان کے اعتبار سے شعری خوبیاں موجود ھیں ۔ اور اس مذکورہ بالا لطیف ایمائیت کی وجہ سے اس کی خوبی میں اور اضافہ ھوگیا ھے ۔

اردو کے شعر میں اگرچہ مکمل طور پر وہ بات نہیں ھے جو فارسی شعر میں کہی گئی ھے تاھم بت اور بت پرستی کا تلازمہ یہاں بھی موجود ھے ۔ اور عشق صنم کے ترک کرنے کا مطلق خیال نہیں رکھتے ۔

شعر میں بت خودکام کے لفظ نے کسی قدر لطف دیا ھے اور بت کے مقابلہ میں لفظ اللہ بھی خوبی سے خالی نہیں ھے ۔ اس شعر میں بھی یہ لطیف اشارہ موجود ھے کہ میں بہرحال اپنے مسلک بت پرستی پر قائم ھوں اگر کسی کو میری شاعرانہ باتوں سے ترک بت پرستی کا خیال ھوتا ھو تو وہ سراسر غلط ھے بلکہ مجھ پر الزام ھے ۔ دونوں اشعار میں اپنی اپنی جگہ زبان و بیان کی خوبیاں موجود ھیں تاھم فارسی کا شعر اردو کے شعر پر ترجیح کا حق

رکھتا ہے -

====xxx====

فارسی   چرا اے آسمان کردی غریب ناتوانی را   حریف فتنۂ چشمی کہ آشو بد جہانی را

اردو   جو ادا ہے تیغ پلک ہے وہ، جو سخن ہے خنجر جاں ستاں

تری فوج ناز سے تاکجا ، کریں چشم و گوش مقابلہ

فارسی کے شعر میں چشم یار کی فتنہ سامانی کا بڑے اچھے پیرائے میں بیان کیا ہے- فرماتے ہیں کہ آسمان بھی کیسا ظالم ہے کہ اس نے مجھ جیسے غریب و ناتواں کو اس چشم یار کا حریف بنادیا جو ایک جہان کے لیے سامان آشوب رکھتی ہے - یعنی جس چشم فتنہ زا کی وجہ سے ایک جہان مبتلا ئے آشوب ہے بھلا اس کا مقابلہ مجھ جیسا غریب و ناتواں کس طرح کرسکتا ہے -

اردو کے شعر میں دوست کی ناز و ادا اور گفتگو کی تعریف کی ہے - ادا کے مقابلے میں چشم لائے ہیں اس لیے کہ ادائے یار کو آنکھیں ہی دیکھتی ہیں اور سخن کے لیے گوش، اس لیے کہ کلام دوست سے کان ہی لطف اندوز ہوسکتے ہیں - اس اعتبار سے شعر میں بالکل بے ساختگی کے ساتھ صنعت لف و نشر پیدا ہوگئی ہے - فارسی کے شعر میں اپنے آپ کو حریف چشم قرار دیکر اپنی بے بسی اور محرومی کا اظہار کیا ہے تو اردو کے شعر میں اپنے چشم و گوش کو ادا اور سخن یار کے مقابلہ میں حریف ناتواں ٹھہرایا ہے - پھر درمیان میں دوست کے مختلف انداز و ادا کو فوج ناز کہہ کر اپنی بے کسی اور عجز کا مزید اعتراف کیا ہے-

دونوں اشعار کا مرکزی خیال تقریباً ایک ہے لیکن اردو کے شعر میں جو روانی اور جوش بیان پایا جاتا ہے وہ فارسی کے شعر میں نہیں ہے - اس لیے ہمارے نزدیک اردو کا شعر کسی قدر بہتر ہے -

====xxx====

مزید چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں :

فارسی   رہزن عقل و ہوش می باہم   بے خیالت بہر چہ در نگرم

اردو   خود اس کے حسن کا بھی تماشا کرے کوئی   صانع جو روئے گل کا ہے چشم غزال کا

===xxx====

فارسی　هزاران دل ستانان دل بشارت می برند این جا

نگو کردی، اگر دادی به رغبت دل ستانے را

اردو　چشم بتان میں ہے کوئی فسخیر کا عمل　　جس پر پڑی نگاہ وہی رام ہوگیا

====XXX====

فارسی　مه و مهر و ثریا آفریدی　　چه صورت های زیبا آفریدی

اردو　بانی ہے تجھ سے چشم کواکب کی روشنی　　تحفہ دیا ہے بدر کو تونے کمال کا

====XXX====

فارسی　همین است آرزوئے من که بوسم آستانے را　　زمین سجدهٔ صد شوق سازم آستانے را

اردو　خلوت نشین حرم کے ہیں یا دیر کے مکین　　سب سجدہ کرنے والے اسی آستاں کے ہیں

====XXX====

فارسی　غزل تازه ام بخوان محروم　　تا نگوئی که مغل بی ثمرم

اردو　مطلب غزل سے ہے مجھے اظہار مدعا　　محروم آرزو نہیں کچھ آہ و واہ کی

====XXX====

فارسی　موسم گل رسید و باهوشم　　چه قدر غافلم، چه بی خبرم

اردو　نظر کر خندهٔ گل پر ریاض دہر میں غافل

نہایت مختصر ہے، جو گھڑی ہے یاں مسرت کی

====XXX====

فارسی　می کشم انتظار بر تو مهر　　هم عنان ستارهٔ سحرم

اردو　دیتا ہے ناتوان کو توانائی عروج　　اوج فلک سے ہے یہ اشارہ ہلال کا

====XXX====

فارسی　صحبت شیخ و برهمن نه بوم　　بی نیازم ز خلوت دیر و حرم

اردو　مجھے کیا ہے جو میں شیخ و برہمن کی طرح بھٹکوں

بنا لیتا ہوں دل کو گاہ کعبہ گاہ بت خانہ

====XXX====

فارسی   زمرگ چشم ندارم سکون خاطر را   هلاک غمزۂ آن چشم فتنہ سامانم

اردو   وہ ہرگز تشنگی شوق میں دل سے نکلے گی   اگر نکلے گی آب خنجر قاتل سے نکلے گی

ⵙⵙⵙⵙⵙⵙⵙⵙⵙⵙⵙⵙ

ضیاء ، ضیاء احمد :

ضیاء احمد نام اور ضیاء تخلص ہے - آپ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ[1] مطابق ۱۸۹۴ء کو شہر بدایوں میں پیدا ہوئے ، جو ایک قدیم تاریخی مقام ہونے کے ساتھ ساتھ مدینۃ الاولیا کے لقب سے مشہور ہے - اس وقت آپ کی عمر قمری حساب سے ۸۱ سال اور شمسی حساب سے ۷۹ سال ہوتی ہے - آپ کا سلسلۂ نسب محمدی صدیقی ہے - آپ کا خاندان علمی اعتبار سے ممتاز ہے - ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی پھر مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں باکمال اساتذہ سے اکتساب فیض کرکے فارغ التحصیل ہوئے - پھر گورنمنٹ اسکول بدایوں میں اس کے بعد بریلی کالج میں داخلہ لیا اور بعد ازاں ۱۹۲۲ء میں الہ آباد یونی ورسٹی سے ایم - اے درجۂ اول سے پاس کیا - اور وہیں دوسال تک " ارتقائے ادب فارسی ، عہد اکبری میں" تحقیق کا موضوع رہا - دیگر امتحانات میں بھی ہمیشہ امتیازی شان سے کامیابی حاصل کرتے رہے - ۱۹۲۶ء میں علی گڑھ یونی ورسٹی سے منسلک ہوئے اور بتدریج لیکچرر ، ریڈر ، پروفیسر اور صدر شعبۂ فارسی تک ترقی کی - ۳۳ سال ملازمت کرنے کے بعد ریٹائر ہوئے - مختلف علمی و ادبی انجمنوں سے وابستہ رہے - ریٹائر ہونے کے بعد چند سال دہلی یونی ورسٹی میں شعبۂ تدوین لغت اردو و ہندی کے ڈائریکٹر رہے - اب سبک دوش ہوگئے ہیں - آپ کے مضامین و تصانیف شائع ہوکر قبول عام حاصل کرچکے ہیں - قصائد مومن مع مقدمہ و شرح - دیوان مومن مع مقدمہ و شرح - یادگار حالی ، لمحات ، تذکار سلف - تجلیات قول سدید (رد خلافت معاویہ و یزید) مکتوبات ، سخن زار (انتخاب شعرائے فارسی مع ترجمۂ اردو) پنجاب ساہتیہ اکاڈیمی - مباحث و مسائل (مضامین اردو) اور " کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے -" یہ جملہ کتب شائع ہوچکی ہیں اور مناہج و منازل (مضامین فارسی) اور جلوۂ حقیقت (مذہبی مضامین) زیر طبع ہیں -

---

(۱) پروفیسر ضیاء احمد ضیاء صاحب نے خط کے ذریعہ راقم الحروف کو اپنے حالات اور نمونۂ کلام سے مشرف فرمایا -

آپ نے دارالعلوم بدایوں میں حضرت مولانا محب احمد قادری سے جو معقولات میں ممتاز حیثیت کے حامل اور مولانا فضل حق خیر آبادی کے خاص شاگرد تھے معقولات کی تعلیم حاصل کی، جناب قاضی محمد ابراھیم قادری اور شیخ وقت مولانا عبدالمقتدر عثمانی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ محدث عالی مرتبت جناب سید یونس علی صاحب سے حدیث کی اجازت حاصل کی، اس کے باوجود آپ کی طبیعت کے انکسار کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں" تاھم محسوس کرتا ہوں کہ میرا علم ناقص ہے اور عمل ناقص تر" اپنی شعر و سخن سے دلچسپی کے بارے میں لکھتے ہیں " شعر و سخن سے کافی ذوق رہا ہے، مگر اب آن قدح بشکست" ۔ گویا زیادہ وقت یاد الٰہی میں صرف کرتے ہیں ۔ راقم کی درخواست پر انھوں نے اپنے حالات اور نمونہ کلام بھی دھلی سے ارسال فرمایا ۔

خصوصیات کلام :
==========

آپ نے مومن پر بڑا کام کیا اور اس کو اردو غزل میں غالب کا ھمسر قرار دیا ہے ۔ مومن سے آپ کو والہانہ عقیدت ہے، یہی وجہ ہے کہ مومن کے کلام کی خصوصیات آپ کے کلام میں صاف نظر آتے ہیں ۔ آپ کو مختصر بحر میں نہایت اچھوتے اور نادر مضامین ادا کردینے پر بڑی قدرت حاصل ہے ۔ مومن کے رنگ میں آپ کے چند شعر ملاحظہ ہوں :

مومن	مومن از بس ہیں بے شمار گناہ	غم روز حساب نے مارا
ضیا	رکھ لے اے دامن کلی پردہ	انفعال گناہ نے مارا
مومن	یاد ایام وصل یار افسوس	دھر کے انقلاب نے مارا
ضیا	چاہ کی ابتدا تو آسان تھی	جس کو مارا نباہ نے مارا
مومن	ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے	نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بیجان ہونگے
ضیا	ادھر ترچھی نگاہ فتنہ گرمعلوم ہوتی ہے	ادھر دنیائے دل زیر و زبر معلوم ہوتی ہے

بہرحال ضیاء صاحب کے کلام میں ندرت ہے، جہاں انھوں نے مومن ہی کے خیال کو باندھا ہے وہاں بھی اپنے خیال کی امتیازی شان برقرار رکھی ہے ۔ کہیں کہیں تو ان کے اشعار رفعت کی انتہائی بلندیوں پر نظر آتے ہیں اور ان میں اقبال کے رنگ کی جھلک عیاں

نظر آتی ہے - فرماتے ہیں :

خودی کا پردۂ حائل اٹھاکر دیکھ اے مجنوں

اسی محمل میں لیلی جلوہ گر معلوم ہوتی ہے

چند اردو فارسی اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی تو بکشا رخت تا دل ما کشاید تو بنشین دمے کاتش دم نشیند

اردو خودی کا پر دہ حائل اٹھاکر دیکھ اے مجنوں

اسی محمل میں لیلی جلوہ گر معلوم ہوتی ہے

فارسی کا شعر ہر اعتبار سے بہت خوب ہے - دونوں مصرعوں میں الفاظ کا خاص التزام رکھا ہے اور دوسری بات کو پہلی بات کے ساتھ لازم و ملزوم قرار دیا ہے - مثلاً پہلے مصرع میں مصدر کشودن کے مشتقات کا مصرع کے دونوں ٹکڑوں میں اہتمام کیا ہے - فرماتے ہیں تو اپنا چہرہ کھول تاکہ میرے دل کی کلی کھلے یعنی میرا انبساط تیرے بے نقاب ہونے پر موقوف ہے اسی طرح دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں کہ اے دوست تو ایک دم کے لیے میرے پاس بیٹھ تاکہ میری آتش غم فرو ہوجائے - پہلے مصرع میں بکشا اور کشاید اور دوسرے مصرع میں بنشین اور نشیند ، یہ لفظی التزام ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بالکل برجستہ اور بلا ارادہ قائم ہوگیا ہے - بہرحال فارسی کا شعر کیا زبان اور کیا انداز بیان نیز مذکورہ بالا خوبیوں کے اعتبار سے نہایت اعلی درجہ کا شعر ہے -

اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ خدا ـــ اور بندے کے درمیان اگر کوئی پردہ حائل ہے تو وہ تو بندے کی خودی یا انانیت کا پردہ ہے - جہاں اس پردے کو اٹھادیا یعنی اپنی انانیت کو خدا کی مرضی اور مشیت میں فنا کردیا تو پھر بندہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے بارے میں مولانا روم نے فرمایا ہے کہ :

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

شاعر نے عبد و معبود کے اس اتحاد و اتصال کے لیے مجازاً لیلی اور مجنوں کے الفاظ استعمال کیے ہیں ورنہ وہ کہنا یہی چاہتا ہے کہ بندہ جس قدر اپنی خواہش اور اپنے فعل

کو خدا کی خواہش اور فعل میں گم کردے گا اسی قدر وہ خدا سے زیادہ قریب ہوگا - اور جس قدر وہ خدا کی مرضی اور ارادہ کے علی الرغم اپنی مرضی اور ارادہ کو کار فرما بنائے گا اسی قدر خداسے دور ہوتا چلا جائے گا بہرحال اردو کا شعر بھی لفظی اور معنوی اعتبار سے خوب ہے لیکن فارسی کا شعر خوب تر ہے -

=====xxx=====

فارسی کسی را کہ بسمل کند تیغ نازت نشاید کہ در فکر مرہم نشیند

اردو ہوہی جاتے ستم کے خوگر ہم کرم گاہ گاہ نے مارا

فارسی کا شعر اپنی زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے استادانہ شان رکھتا ہے بلکہ بالکل اہل زبان کا سا شعر معلوم ہوتا ہے - نشاید کہ در فکر مرہم نشیند ، الفاظ کی بندش اور جدتِ ترکیب، روانی اور طہارت کے بامحاورہ ہونے کو دیکھئے تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی اہل زبان کا کہا ہوا شعر نہیں ہے - مطلب یہ ہے کہ دوست کی تیغ ناز کا بسمل اگر فکر مرہم کرلے تو یہ امر کو زیب نہیں دے گا اس لیے کہ یہ بات تقاضائے عشق کے خلاف ہے - یہاں تو زخم پرزخم کھاتے ہیں اور زخم لگانے والے کو دعائیں دیتے ہیں - اس لیے کہ محبت کی دنیاہی کچھ اور ہے بہرحال فارسی کا شعر بہت خوب ہے -

اردو کا شعر بھی اسی طرح زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے اعلی پائے کا شعر ہے- فرماتے ہیں کہ ہم تو ستم یار کے خوگر کبھی کے ہوگیے ہوتے لیکن کیا کریں دوست کے کرم گاہ گاہ نے ہماری عادت ہی بگاڑ کر رکھ دی ہے - اور آج تک ہم ستم کے خوگر نہ ہوسکے -

اس بیان میں جو ندرت اور لطافت پائی جاتی ہے وہ مذاق سلیم سے پوشیدہ نہیں - بہرحال فارسی اور اردو کے دونوں اشعار اپنی اپنی انفرادی خوبیوں کے اعتبار سے اعلی پائے کے اشعار ہیں دونوں اشعار کی خوبیوں نے ہم کو یکساں طور پر اپیل کیا ہے اس لیے ہم دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے سے قاصر ہیں -

=====xxx=====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی — عالم خراب نرگس مستانہ کسی ست — ماہم خراب نرگس مستانہ بودہ ایم

اردو — ادھر ترچھی نگاہ فتنہ گر معلوم ہوتی ہے — ادھر دنیائے دل زیر و زبر معلوم ہوتی ہے

===XXX====

فارسی — مشکل کہ این سان صحبت خوش افتد — خارا دل او، مینا دل من

اردو — چاہ کی ابتدا تو آسان تھی — جس کو مارا نباہ نے مارا

===XXX====

فارسی — گیتی ست نقش باطل وما اصل گیتی ایم — اندر فسانہ سرخی افسانہ بودہ ایم

اردو — جلوہ محسوس نظر ہو تری رعنائی کا — پردہ اٹھ جائے اگر چشم تماشائی کا

===XXX====

فارسی — از مے فروش لذت دنیا شد دنیا عجیب — آخر دہ کہنہ جاکر مے خانہ بودہ ایم

اردو — کہوں کس سے شراب بیخودی میں جو مزہ پایا — کہ اس لذت سے دنیا بیخبر معلوم ہوتی ہے

===XXX=====

فارسی — در عشوہ سازی یکتا دل او — در عشق بازی یکتا دل من

اردو — غمزہ بے پناہ نے مارا — تیر بن کر نگاہ نے مارا

=========

افسر، شیخ منظور احمد :

شیخ منظور احمد نام اور افسر تخلص ہے آپ کے والد شیخ شمس الدین صدیقی نے آپ کا تاریخی نام منظور حسن رکھا ۔ ۹/ دسمبر ۱۸۹۶ء / ۱۳۱۳ھ کو آپ امروہہ میں پیدا ہوئے(۱)

آپ کے والد بزرگ وار نے اول آپ کو قرآن حکیم کی تعلیم دی اس کے بعد اردو فارسی کی تعلیم کا آغاز ہوا ۔ ۱۹۱۵ء میں آپ شفقت پدرانہ سے محروم ہوگئے ۔ لیکن آپ کو علم کا اس قدر شوق تھا کہ آپ نے مصائب و آلام کے باوجود تعلیم کی طرف پوری توجہ مرکوز رکھی ۔ آپ نے مقامی مڈل اسکول میں داخلہ لیا اور اردو فاضل کا امتحان پاس کر کے امروہہ میں مدرس

(۱) سید ارشاد علی صابری خاکسار (مقدمہ) "شباب تخیل" از افسر امروہوی، بلوچ لیتھو پریس کراچی ۱۹۳۹ء ص ۱

ہوگیے چوں کہ آپ کو اردو فارسی شعر و سخن سے فطری لگاؤ تھا مزاج میں بذلہ سنجی اور ظرافت تھی اس لیے تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ یہ شوق بھی پروان چڑھتا رہا۔

خصوصیات کلام:-

۱۹۱۴ء میں آپ کی غزل " طالب دیدار" میرٹھ میں پہلی بار شائع ہوئی - آپ نے اول مضطر سے بعد ازاں شوق قدوائی سے اصلاح لی - آپ کو مصحفی کے ہم وطن ہونے پر بھی ناز ہے چناں چہ ایک مقام پر بانداز تعلی فرماتے ہیں :

جناب مصحفی کا ہم وطن ہوں میں بھی اے افسر

سند ہے ایک عالم کو بیاں میرا زباں میری

آپ کو اقلیم معانی پر افسری کا بھی دعوی ہے جس کا اظہار انھوں نے اپنی غزل کے مقطع میں اس طرح کیا ہے :

خدا کے فضل سے قبضہ ہے اقلیم معانی پر

تعجب کیا اگر افسر کو دعوی ہے فصاحت کا

۱۹۲۶ء میں امروہہ سے کراچی تشریف لے آئے اور سندھ میں اردو ادب کی گرانقدر خدمات انجام دینے میں مشغول ہوگیے۔

۱۹۳۹ء میں آپ پراویشنل انجمن ترقی اردو کراچی کے سکریٹری منتخب ہوئے - آپ کی کوششوں سے حیدرآباد سندھ اور کوئٹہ میں انجمن ترقی اردو کی شاخیں قائم ہوئیں - چناں چہ آپ فرماتے ہیں :

زمیں سندھ سے نسبت تھی کیا مجھے افسر

خدا نے بھیج دیا خدمت زباں کے لیے

آپ نہایت قادر الکلام شاعر ہیں غزل کے علاوہ جملہ اصناف سخن میں آپ نے طبع آزمائی کی ہے - آپ متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں - آج کل تذکرہ فروغ دہلی و " شعرائے سلسلۂ مصحفی" کی ترتیب وتدوین میں کوشاں ہیں - یوں تو سیکڑوں تذکرے لکھے گیے لیکن ایسا تذکرہ جو حرف مصحفی کے سلسلۂ تلامذہ پر مشتمل ہو ابھی تک وجود میں نہیں آیا۔ اس لیے آپ کی یہ کاوش باعث صد ستائش ہے - یہ کام اب عملی مراحل میں ہے -

آپ کے تین دیوان " برق تخیل" و " تابش خیال" اور شہاب تخیل طبع ہوچکے ہیں - آپ نہایت حلیم الطبع

منکسر المزاج خوش مذاق زندہ دل اور خود دار آدمی ہیں - اور بڑے رحم دل ہیں آج کل آپ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے کتب خانہ خاص میں مخطوطات پر انجمن ترقی اردو کی طرف سے کام کرتے ہیں - اب تک آپ مخطوطات کی دو جلدیں مرتب کر کے شائع کرچکے ہیں -

فن شعر و سخن میں آپ کی شخصیت مسلم ہے - آپ کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے - آپ اٹھتر سال عمر ہونے کو آئی ہے بفضلہ آپ کام میں بڑے مستعد ہیں - اردو ادب پر آپ کی بڑی گہری نظر ہے -

اردو فارسی کے چند اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

================================

فارسی   شکر شاد باش اے دل وفا پرور   باقتی زندگی غم آلود

اردو   اے دل غم الفت سے نہ مایوس ہو اتنا   اس ساز کے ہر تار میں راحت کی نوا ہے .

عاشق اپنی وفاؤں پر فخر کیا کرتے ہیں اور ساتھ ہی راہ عشق میں جن صعوبتوں کا ان کو سامنا ہوتا ہے ان کا مردانہ وار مقابلہ کرنے پر بھی فخر کرتے ہیں - ان دونوں اشعار میں شاعر نے اسی خیال پر اپنے اشعار کی بنیاد رکھی ہے - فارسی کے شعر میں اپنے دل کو سمجھاتے ہیں کہ اے دل تجھ کو خوش ہونا چاہئے کہ تیری غم آلود زندگی باقی ہے اور ساتھ ہی تو وفا پرور بھی ہے - یہ دونوں باتیں مایوس ہونے کی بجائے خوش ہونے کے لائق ہیں-

اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ غم الفت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے غم الفت تو ایسا ساز ہے کہ اس کے ہر پردے سے راحت کی آواز پیدا ہوتی ہے - اس خیال کو دونوں اشعار میں نہایت صفائی اور سادگی سے بیان کردیا ہے تاہم اردو کا شعر فارسی کے شعر سے بہتر ہے-

====XXX====

فارسی   یہ جمال خداست صرف شہود   جلوۂ بے مثال ہر موجود

اردو   یہ سب گلکاریاں ہیں تابش حسن شگفتہ کی   نظر آتی ہیں جو رنگینیاں گلزار امکاں میں

اہل تصوف اس مضمون کو طرح طرح سے باندھا کرتے ہیں دنیا کی ہر شے میں اسی ذات واحد کا جلوہ یا حسن نظر آتا ہے مگر دیکھنے والی آنکھوں کی ضرورت ہے - فارسی اور اردو کے دونوں اشعار کی بنیاد اسی خیال پر ہے - فارسی شعر کے برعکس اردو کا شعر صاف ہے -

اردو کے شعر میں اس خیال کو بڑی حد تک خوب صورتی کے ساتھ ادا کیا ہے اس لیے اردو کا شعر قابل ترجیح ہے -

===xxx===

فارسی   نظرم سوخت از فروغ رخش   حائل افتاد بخت نامسعود

اردو   نظر سے حوصلہ کام یاب ہو نہ سکا   نقاب اٹھاکے بھی وہ بے نقاب ہو نہ سکا

دوست کے حسن بے حجاب کو دیکھنے کی تاب عاشق کی نگاہ نہ لاسکے تو اس کے بےنقاب ہوتا بھی زیر نقاب ہونے ہی کے برابر ہے - دونوں اشعار میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے- فارسی کے شعر میں اپنی ناکامی مشاہدہ کو اپنی بد بختی قرار دیا ہے کہ دوست بے نقاب ہے پھر بھی ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے اس لیے کہ ہماری نظر اس کے جمال کو دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی -

اردو کے شعر میں فرماتے ہیں کہ نظر کی خیرگی کی وجہ سے ہمارے دل کا ارمان پورا نہ ہوسکا- کیوں کہ اس کو بے نقاب ہوتے ہوئے بھی ہم نہ دیکھ سکے - یہ ہماری خیرگی چشم ہی کا سبب ہے - اردو کے شعر میں دوسرا مصرع بہت ہی خوب ہے جس کی وجہ سے اردو کے شعر کو فارسی شعر پر ترجیح حاصل ہے -

===xxx===

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی   چشم بکشا و لذتے دریاب   بے حجاب است چہرۂ مقصود

اردو   صحرا میں کیا نہیں صحن چمن میں کیا ہے   آنکھیں اگر ہوں پیدا ہر شے خدانما ہے

===xxx===

فارسی   چیست ترکیب امتزاج اثر   عشق محدود حسن لامحدود

اردو   کس طرح حسن و عشق ہوں یکجا   ایک باقی ہے ایک فانی ہے

===xxx===

فارسی   نظرم سوخت از فروغ رخش   حائل افتاد بخت نا مسعود

اردو   کیا علم تھا کہ وقت پہ ہو جائے گی حجاب   کرتا شرنگ دید وہ اپنی نظر کو میں

===xxx====

فارسی   مرحبا اضطراب شوق وصال   کہ شکستند قید ھائے وجود

اردو   مرحبا اے وفور ناکامی   اب تو امید کامرانی ہے

====xxx====

فارسی   تابہ بینند اہل کلہ دل شکل مآل آرزو   تربت محروم الفت آئینہ بردوش است

اردو   بہارستان ظاہر سے نظر پلٹی تو کیا دیکھا   کہ لاکھوں گلشنوں کی روح اک پژمردہ دل ہے

====xxx=====

فارسی   ادھر ادھر سے نظر کو بچاکے دیکھ ذرا   حجاب ناز سے باہر ہے چہرہ مقصود

اردو   چشم بکشاد لذتے دریاب   بے حجاب است چہرہ مقصود

==========

ذہین، محمد طاسین :

محمد طاسین نام اور ذہین تخلص ہے - بچپن میں کچھ عرصہ طاسین بھی تخلص رہا - آپ کے قلمی تعارف کے بموجب آپ کی ولادت ۱۹۰۲ء / ۲۰-۱۳۱۹ھ میں بمقام جھنی جھنوں (جے پور[۱] ٹونٹی) - " کوئی پینسٹھ سال پہلے میں تو مولود کی حیثیت سے دنیا میں آیا -" (۲) آپ خواجہ حمید الدین ناگوری کی اولاد سے ہیں - آپ کا خاندانی سلسلہ حضرت فاروق اعظم سے ملتا ہے - حضرت ذہین شاہ صاحب کا خانوادہ اپنے علم و فضل کی بنا پر بہت مشہور رہا، اس خاندان میں بے شمار ادیب، شاعر، واعظ، خطیب اور مبلغ اسلام ہوئے جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں عربی، فارسی کے علاوہ دین اسلام کی بھی زبردست خدمات انجام دیں - خود آپ کے

---

(۱) شاغل احترام الدین احمد، " تذکرہ شعرا " جے پور، محولہ بالا، ص ۲۳۲

(۲) ذہین، محمد طاسین، " آیات جمال (اردو غزلیات)، مکتبہ تاج، جنوری ۱۹۶۷ء (تعارف)، ص ۱

والد عربی، فارسی اور اردو کے نہایت قادرالکلام شاعر تھے اور فراقی تخلص کرتے تھے - ذہین صاحب نے اپنے کلام میں جا بجا ان کا ذکر کیا ہے - ایک جگہ فرماتے ہیں :

این ذہین ابن فراقی جز غریب نام نیست

توبہ کن از شرک اے زاہد خدارا، من ہیم

محمد طاسین صاحب کی تعلیم کی ابتدا خاندانی روایات کے مطابق قرآن حکیم سے ہوئی- سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن کی تعلیم مکمل کی - پھر عربی فارسی زبان و ادب کی تحصیل کا سلسلہ شروع ہوا، خود فرماتے ہیں :

" یوں تو زندگی میں بہت سی منزلیں ایسی آئیں کہ تکمیل تحصیل کی اسناد نے مجھے فارغ التحصیل ہونے کا یقین دلایا اور کہنے والوں نے مجھے عالم، فاضل، مولوی، مولانا، علامہ، ادیب، شاعر اور نہ جانے کیا کیا خطابات دیے - مگر علم کی پیاس نہ بجھنی تھی نہ بجھی بلا تصنع آج پینسٹھ ۶۵ سال کی عمر میں[۳] بھی میں ایسا ہی طالب علم ہوں جیسا کہ سات سال کی عمر میں تھا-"

بچپن میں آپ کو خوش خطی سے بھی طبعی لگاؤ تھا، خود آپ کے والد صاحب اپنے مضامین اور نظموں کے مسودات ان سے خوش خط لکھوایا کرتے تھے ان مسودات کو نقل کرنے کا یہ اثر ہوا کہ انہیں بھی شعر گوئی کا شوق ہوگیا - چوں کہ محمد طاسین نام تھا اس لیے طاسین تخلص رکھ کر شعر کہنے لگے - (۱)

طاسین صاحب کی تعلیم و تربیت میں ان کے جد امجد خواجہ معزالدین نے بھی اہم کردار ادا کیا چناں چہ خود فرماتے ہیں :

" در تعلیم و تربیت من جہد بلیغ نمودند از فیض تربیت ایشان بود کہ در صغر سنی شعر می گفتم - یاد دارم کہ چوں بزرگوارم رحلت نمود، تاریخ رحلتش گفتہ بودم"[۲]

---

(۱) ذہین" آیات جمال" محولہ بالا، (تعارف) ، ص ۳

(۲) ایضاً ، ص ۲

(۳) ذہین صاحب کی یہ تحریر "جالستان" سے مرقوم ہے جس کا سال طباعت ۲۲ دسمبر ۱۹۶۶ء ہے اس سے موجودہ عمر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے -

چون معزالدین جدم رفت در دار المعاد

از سر آہ و بکا گفتا ذہین، مغفور باد (۱)

۱۳۳۳ + ۱ + ۲ = ۱۳۳۶ھ

بچہ کی ذہنی نشو نما اور افعال و کردار کی تعمیر میں خاندانی ماحول کو بڑا دخل ہوتا ہے - چوں کہ ذہین صاحب کا خاندان نہایت پختہ مذہبی خیالات اور صوفیانہ روایات کا حامل تھا، بچوں سے لے کر بوڑھے تک نعت گوئی اور میلاد خوانی کے دلدادہ تھے، چناں چہ اکثر محفلیں منعقد ہوتیں جن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نذرانہ عقیدت پیش کیا جاتا، چناں چہ فرماتے ہیں :

" بزرگوں کے ساتھ نوجوان بھی میلاد خوان ہوتے تھے ، یہ مجلسیں خوش آہنگی بلند آہنگی اور ہم آہنگی میں جہاں بے مثال اور نادر تھیں وہاں ہمارے خاندان کے نعت گو کثیر شعرا کی فنی استعداد کی بھی مظہر تھیں -"

عورتیں بھی نعتیں اور میلاد سننے کی شوقین تھیں، یہاں بچے نعت خوان ہوتے تھے، طالب علم یہاں خوش الحالی کے سبب اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس قسم کی مجالس کی روح رواں ہوتے تھے، اس دلدادگی کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ طالب علم خود نعت کہنے لگے -

خصوصیات کلام :

خود فرماتے ہیں " نو دس سال کی عمر میں شعر و شاعری کا شعور ہی کیا ہوگا مگر میں شعر کہنے لگا تھا -" (۲) ابتدا میں اردو فارسی میں نعتیں اور غزلیں کہتے تھے لیکن والد صاحب کو ان کی شعر گوئی کا علم نہ تھا، ایک دن گھر کے کمرہ میں ایک طرف بیٹھ کر غزل کہہ رہے تھے، شعر مکمل کرنے کے لیے ایک مصرع گنگنا رہے تھے - اتفاق سے فراقی صاحب کا گذر اس کمرہ میں ہوا، جوں ہی ان کی نظر والد صاحب پر پڑی انھوں نے غزل چھپالی والد صاحب نے

---

(۱) " مغفور باد " کے اعداد ۱۳۳۳ ہوتے ہیں ان میں "آہ" کے " الف " اور " بکا " کی " ب " کا تعمیہ کرکے ۳ عدد بڑھائے تو ۱۳۳۶ھ حاصل ہوئے -

(۲) ذہین، " آیات جمال " محولہ بالا ، ص ۲

نے فرمایا ایسے اشعار کیوں کہتے ہو جن کو چھپانے کی ضرورت پیش آتی ہے ، لیکن جب کلام دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا ماشا اللہ بہت ذہین ہو، ذہین ہی تخلص کیا کرو، لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ اشعار ایسے ہونے چاہئیں جو ہر محفل میں سنائے جاسکیں کیوں کہ شاعر کا کلام اپنی بقا کے ساتھ شاعر کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھتا ہے - اسی دن سے ذہین تخلص کرنے لگے -

آپ کو حضرت مولانا عبدالکریم عرف بابا یوسف شاہ تاجی سے شرف بیعت حاصل ہوا - جو ایک کامل بزرگ تھے اور حضرت بابا تاج الدین ، تاج الاولیا ناگپوریؒ سے مستفیض تھے - آپ کے کلام میں تصوف کے مسئلہ وحدت الوجود کی وہی کیفیت ہے جو ہر سالک راہ طریقت کو پیش آتی ہے - جب منصور پر اس کیفیت کا غلبہ ہوا تو انھوں نے " اناالحق " کا نعرہ بلند کیا ، ذہین صاحب جب اس کیفیت سے مغلوب ہوئے تو فرماتے ہیں :

اے ذہین این فراقی من نیم اصلا نیم

ظاہرم عبدالکریم ، وباطنم رب الکریم

آج بھی خدا کے فضل سے بقید حیات ہیں ۷۱ سال کی عمر ہونے کے باوجود ماشاءاللہ صحت بہت اچھی ہے - تصوف میں آپ کا بہت بلند مقام ہے ، تصوف کی چاشنی نے آپ کے کلام کو پرکشش بنادیا ہے -

ذہین صاحب نہایت پرگو اور قادر الکلام شاعر ہیں آپ کے اردو دواوین لمعات جمال ، (منظومات) اجمال جمال (رباعیات) اور آیات جمال (غزلیات) ہیں - اور فارسی دیوان جمال آیات (فارسی غزلیات، رباعیات ، منظومات ، حمد ، نعت اور منقبت وغیرہ کا مجموعہ) ہے- یہ تمام دواوین طبع ہو چکے ہیں

تصوف آپ کے رگ و پے میں سرایت کرگیا ہے اور یہی تصوف آپ کے کلام کی روح رواں ہے - حضرت جوش ملیح آبادی فرماتے ہیں :

" شاہ صاحب تصوف کے شاعر ہیں ، میں تصوف سے کوسوں دور ہوں- لیکن ان کے بعض اشعار میں اس بلا کی جاذبیت پاتا ہوں کہ بےساختہ داد دینا پڑتی ہے اسی کو کہتے ہیں" جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے " تصوف کے دوش بدوش حضرت کے

وہاں حسن مجازی کی جھلکیاں بھی پائی جاتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے سینے میں ایک چوٹ کھایا ہوا دل ہے جس کو انسانی جمال کی صیقل نے بنادیا ہے - اور دراصل یہ حسن مجازی ہی ہے جو سیرت کو جمال ، شاعری کو خد و خال اور نطق کو کمال عطا کرتا ہے -" (۱)

ان حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا
کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

گویا عشق مجازی نے حقیقت کا روپ دھارا تو " اللمجاز قنطرة الحقیقة " کا مصداق ہوا ، اور جب تک کلام میں مجاز کی آمیزش نہ ہو حقیقت میں حسن اور حسن میں نکھار پیدا نہیں ہوتا بقول غالب :

ہرچند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

اس حقیقت کا مشاہدہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ کلام میں جہاں حقیقت اور مجاز ایک مرکز پر جمع ہوگئے ہیں وہاں ذہین صاحب اپنے معاصرین میں ممتاز نظر آتے ہیں -

غزل میں تصوف کے بانی رومی اور عطار سمجھے جاتے ہیں ان کی مکمل تقلید کا ذہین صاحب کو دعوی ہے چناں چہ فرماتے ہیں :

بہ بزل رومی و عطار شعرِ احسنت ست
خوشا ذہین غزلہائے عارفانۂ ما

رومی اور عطار کے اردو میں پہلے مقلد حضرت مولانا خواجہ میر درد ہیں - ان کا کلام مجاز و حقیقت کی آمیزش کا مرقع ہے دوسرے درجہ میں اصغر گونڈوی آتے ہیں جن کا کلام اپنی عمدگی اور دل کشی کے لحاظ سے فقید المثال ہے - ذہین صاحب کے کلام میں حقیقت ہی

---

(۱) ذہین ، " آیات جمال " ، (اضداد کی ہم آغوشی) ، ص ۳۱

حقیقت ہے، شاذ و نادر ہی کہیں مجازی پہلو آگیا ہے کلام عشق حقیقی میں ڈوبا ہوا ہے - ان کی عارفانہ باتیں زاہد خشک کی طرح بے مغز نہیں ہوتیں اس لیے لذت دیجاتی ہیں - انہیں کلام پر بڑی قدرت حاصل ہے -

منظومات کے اعتبار سے ذہین صاحب کا مقام بلند ہے - نظمیں مختلف موضوعات سے متعلق ہیں - کہیں کہیں طبیعت کی شوخی بھی ان سے ظاہر ہوتی ہے اور ساتھ ہی یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ شاہ صاحب کو مسلسل مضمون باندھنے پر بڑی قدرت حاصل ہے ایک بار پیر زادہ صلاح الدین فاروقی عشقی یوسفی تاجی نے لفافہ میں ایک سادہ کاغذ رکھ کر آپ کو روانہ کیا، اس پر ذہین صاحب نے ایک لاجواب نظم " ایک سادہ خط " کے عنوان سے لکھی جس کے چار شعر بطور نمونہ ملاحظہ ہوں :

ورق سادہ استعارہ ہے　　　صاف دل ہونے کا اشارہ ہے

دل میں اب ان کے کوئی میل نہیں　　　ورق سادہ کوئی کھیل نہیں

ورق سادہ کا یہ مطلب ہے　　　حال آگاہی قال میں کب ہے

بے زبانی زبان ہوتی ہے　　　خاموشی ہی بیان ہوتی ہے

۷/ مئی ۱۹۳۹ء کو اجمیر میں یوم اقبال منایا گیا اس موقع پر " زندگی" کے عنوان سے ایک نظم پڑھی جس میں زندگی کی اصل حقیقت کو ظاہر کیا ہے - دو شعر بطور نمونہ ملاحظہ ہوں :

ہے فقط وہم زوال زندگی تیرا جمود　　　دم بدم بام ترقی پردواں ہے زندگی

دل بغیر رنگ و بو افسردہ ہے ورنہ ذہین

ہر خزاں میں اک بہار بے خزاں ہے زندگی

ستمبر، ۱۹۶۵ء میں جب ہندوستان اپنے ناپاک عزائم کے ساتھ سر زمین پاک پر حملہ آور ہوا تو جذبۂ حب الوطنی کے جوش میں ایک قومی نظم " بھارتی سورماؤں سے کہدو" کے عنوان سے کہی تھی جس کا ایک بند ملاحظہ ہو :

فتح و نصرت ہمارے لیے ہے　　　عزم و ہمت ہمارے لیے ہے

ہمچ ، کثرت ہمارے لیے ہے　　　دیوں، دیوتاؤں سے کہدو

بھارتی سورماؤں سے کہدو

اردو میں ذہین مرزا غالب سے متاثر ہیں" یو۔ این۔ او" کے عنوان سے ایک مسدس لکھا ہے جو مرزا غالب کی غزل پر تضمین ہے ایک بند ملاحظہ ہو :

مدعی ہے جو ادارہ امن عالمگیر کا | جنگ کا باعث، بہانہ اس کی تدبیر کا
ہے مرقع عالمی تلبیس کا تزویر کا | روئیداد اس کی، کفن ہرلاشہ کشمیر کا

" نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا" (غالب)

فارسی میں حافظ شیرازی سے متاثر ہیں" کشمیر" کے عنوان پر ایک مسدس لکھا ہے جو حافظ کی مشہور زمانہ غزل پر تضمین ہے ۔ ایک بند ملاحظہ ہو :

اس جرم میں کہ بولے، کشمیر ہے ہمارا | کشمیریوں کو پکڑا، کشمیریوں کو مارا
یہ بھارتی تشددِ، ظالم یہ آشکارا | کشمیریوں نے ہوکر مجبوریوں پکارا

" دل می رود ز دستم صاحبدلان خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا " (حافظ)

بہرحال اردو فارسی کے ذی اچھے شاعر ہیں ۔

اردو فارسی کے چند اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی ذکر تو باخود فراموشی ست جفت | معنی یاد تو نسیان من است
اردو تم ہی تم ہوتے ہو میرے سامنے | سوچتا ہوں جب کبھی میں کون ہوں

فارسی کے شعر میں یہ بات بیان کی ہے کہ دوست کی یاد کے ساتھ اپنا خیال باقی رہنا دوست کی یاد کے منافی ہے ۔ عشق کا کمال اس بات میں ہے کہ وہ ہمہ وقت دوست ہی کو یاد رکھے اور اسے اپنا ہوش تک نہ رہے ۔ دوسرے مصرع میں اس بات کو کسی قدر اور بھی زیادہ لطافت کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ خدا کی یاد کا مطلب بھی اپنے آپ کو بھلا دینا ہے یعنی خدا کی یاد کی تکمیل اسی وقت ممکن ہے کہ جب اس کی یاد کے ساتھ اپنا ہوش تک باقی نہ رہے کیوں کہ خود کا ہوش ہوتے ہوئے خدا خدا کرنا دو متضاد باتیں ہیں جو معرفت خداوندی حاصل نہ ہونے کی دلیل ہیں ۔

شعر کا یہ مطلب ہم نے اپنی فکر کے مطابق بیان کردیا ہے ورنہ وحدت الوجود کے ماننے

والے اس کا مطلب یہ بتائیں گے کہ ہر وحدت ہی وحدت ہے دوئی کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے ۔ اگر کوئی شخص توحید ذاتی کا قائل ہوتے ہوئے اپنا خیال بھی رکھتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ وحدت کے ساتھ دوئی کا بھی قائل ہے ۔ اور اس لیے اس کی توحید پرستی کا دعوی غلط ہے ۔

اردو کے شعر میں اس نظریۂ وحدت الوجود کو صاف صاف بیان کردیا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ جب میں یہ سوچتا ہوں کہ میں کون ہوں تو میرے سامنے تم ہی تم ہوتے ہو یعنی جب اس کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں ہے تو پھر میرا وجود کیا معنی رکھتا ہے ۔

دونوں اشعار میں فارسی کا شعر اس اعتبار سے بہت بہتر ہے کہ اس کے وہ معنی بھی نکلتے ہیں جو ہم نے شروع میں بیان کیے ہیں ۔

====xxx====

فارسی   زہی بندۂ تست و ز دو جہاں آزاد   گدای تو زشاہی دو جہان بہتر

اردو   مقام فخر ہے اپنا محل فقر زہی   کہ اس دیار میں دریوزگی ہے دارائی

فارسی شعر کے پہلے مصرع میں بھی تضاد نے لطف دیا ہے ۔ اور دوسرے مصرع میں بھی ۔ پہلے مصرع میں بندہ و آزاد میں تضاد ہے اور دوسرے مصرع میں گدائی اور شاہی میں اور چوں کہ اس صنعت میں آورد وتکلف نظر نہیں آتا اس لیے یہ لطف سے خالی نہیں ہیں۔

اردو کے شعر میں حضور کی حدیث کے اتباع میں فرماتے ہیں کہ اے زہی فقر میرے لیے مقام فخر ہے اس لیے کہ مقام فقر میں گدائی بادشاہی کا درجہ رکھتی ہے ۔ جو لوگ بظاہر حقیر و نادار نظر آتے ہیں اگر غور کیا جائے تو وہی لوگ اپنی گدڑی میں لعل چھپائے ہوئے ہوتے ہیں ۔

دونوں اشعار میں فقر کی تعریف کی ہے اور فقر کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہوتے ہوئے بھی نہایت موثر اور دل نشیں انداز رکھتے ہیں ۔ تاہم اپنے انداز بیان کے اعتبار سے فارسی کا شعر اردو کے شعر پر ترجیح رکھتا ہے ۔

====xxx====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی   کاروانے بعدم قافلۂ تو بوجود   منزل جملہ رہ ہستی ہموارۂ ما

اردو   زندگی کیا ہے موت زیر نقاب   موت میں ہے حیات پوشیدہ

===XXX====

فارسی   زہے این فراقی من حریم حسن او گشتم   کنون درجان جانانہ بدل دلداری بینم

اردو   نظر سے اٹھتے اٹھتے اٹھ گئے پردے جدائی کے

تصور بنتے بنتے بن گیا تصویر جاناں کی

====XXX====

فارسی   بہر سو آشکارا جلوۂ دلدار می بینم   مثال آئینہ خانہ در و دیوار می بینم

اردو   زہے اللہ کو میں دیکھتا ہوں حسن جاناں میں

نظر خورشید کے جلوے مہ کامل میں آتے ہیں

====XXX====

فارسی   در حقیقت مباش تشنہ نگاہ   تو بہار مجاز سیر ببین

اردو   بزم یکتائی جمال ہے یہ   اک حقیقت کے بے شمار مجاز

====XXX=====

فارسی   در صورت او صورت خوبان جہان است   اوکعبہ من بود کہ بت خانۂ من بود

اردو   محبت میں ہے معیار پرستش ہی جداگانہ   مری دنیائے طاعت میں نہ کعبہ ہے نہ بت خانہ

===XXX====

فارسی   ہوش آن حسن بے حجاب رود   دل بیک جنبش نقاب رود

اردو   یہ دیوانہ سمجھ کر التفات بے محابانہ   کوئی ہشیار بھی ہوتا توہوجاتاوہ دیوانہ

====XXX=====

فارسی   این چہ نوریست کہ درکون و مکان می بینم   روی اجسام درین نور نہان می بینم

اردو   نظارۂ حسن زہیں کہیں پردوں میں الجھ کر رہتا ہے

مانا کہ ہزاروں پردے ہیں کیا کیجئے حائل ایک نہیں

====XXX====

فارسی   دلم شد برق سیمائی درین دنیاکه من هستم

تجلی شد تجلائی درین دنیا که من هستم

اردو   جمال حسن حقیقی نظر میں ہو تو ذہین   فروغ سجدہ سہنا ہے لالہ روی مجاز

===XXX====

فارسی   نہ بینی خویشتن راهم نہ بینی غیر خودرا هم

چو روزی جلوہ فرمائی درین دنیا کہ من هستم

اردو   حسن کی حقیقت ہوں عشق کا نظارا ہوں

میں نگاہ مجنوں ہوں یا جمال لیلے ہوں

====XXX=====

فارسی   حجاب و بے حجابی هر دو شان یار می بینم

نقاب یار راهم بر تو رخسار می بینم

اردو   ہم اہتمام جلوہ گری میں شریک ہیں   زیر نظر ہماری نظر ہے نقاب میں

====XXX====

فارسی   چہ دردیر و حرم در شش جہت ، چہ شش جہت ہرسو

بہم کافر اگر غیر از جمال یار می بینم

اردو   جلوہ آرائی نہ چھوڑی انجمن آرا رہا   وہ نظر سے دور ہوکر بھی نظر آتارہا

====XXX====

فارسی   آدم بہ جہاں ست نہ اصلا ابلیس   پیداست سلیمان نہ هدهد ا بلقیس

اردو   کونین میں آدم ہے نہ کوئی ابلیس   کیا ملک سلیمان ، کہاں کی بلقیس

===XXX====

فارسی   این جملہ عبارت اند و معنی توئی دوست   اے آنکہ برائے دل توئی مقناطیس

اردو   یہ ساری عبارتیں ہیں ، توہے معنی   اے وہ کہ دلوں کے لیے ہے مقناطیس

===XXX====

فارسی   یا علی نفس مصطفے هستی   بخدا معنی خداهستی

اردو	یا علی مثل مصطفیٰ ہیں آپ	بخدا معنی خدا ہیں آپ

====XXX====

فارسی	بہر مشکل کشائی عالم	چارۂ درد لا دوا ہستی
اردو	بہر مشکل کشائی عالم	چارۂ درد لا دوا ہیں آپ

====XXX====

فارسی	درۃ التاج ، صاحب معراج	گوہر درج ہل اتی ہستی
اردو	درۃ التاج ، صاحب معراج	گوہر درج ہل اتی ہیں آپ

====XXX====

فارسی	تو شہنشاہ ہفت اقلیمی	تاج دیں، تاج اولیا ہستی
اردو	تاجور آپ ہفت کشور کے	تاج دیں، تاج اولیا ہیں آپ

====XXX====

فارسی	توئی مولائے بندگان خدا	مظہر شان کبریا ہستی
اردو	آپ مولائے بندگان خدا	مظہر شان کبریا ہیں آپ

====XXX====

فارسی	در فتوت کسے مثال تو نیست	عین فتویٰ لا فتیٰ ہستی
اردو	آپ بے مثل ہیں فتوت میں	عین فتوائے لا فتی ہیں آپ

====XXX====

فارسی	قبلۂ قلب حق پذیر توئی	کعبۂ چشم حق نما ہستی
اردو	کعبۂ دل کا آپ کعبہ ہیں	قبلۂ چشم حق نما ہیں آپ

====XXX====

فارسی	[illegible] چہ شود گر کرم کنی بہ زمیں	اے کہ بندہ نواز ما ہستی
اردو	آپ بندہ نواز وہ بندہ	کیا بتائے زمیں کیا ہیں آپ

====XXX====

فارسی   اللہ اللہ اے زہے شان علی   مظہر پیغمبر شدہ جان علی

اردو   اللہ اللہ اے زہے شان علی   مظہر پیغمبر ہوئی جان علی

===XX====

فارسی   جلوۂ حق ، حسن جانان علی   حق نما روئے درخشان علی

اردو   جلوۂ حق حسن جانان علی   حق نما روئے درخشان علی

===XX====

فارسی   از خدا دوراست کے دست خدا   طالب حق ہست خواہان علی

اردو   کب خدا سے دور ہے دست خدا   طالب مولی ہیں خواہان علی

===XX====

فارسی   آن امام و پیشوائے انس و جان   اے خوشا ، مازیر فرمان علی

اردو   وہ امام و پیشوائے انس و جان   اور ہم ہیں زیر فرمان علی

====XX====

فارسی   ہست آن مشکل کشائے این و آن   ہر کسے ممنون احسان علی

اردو   کس کی مشکل ہیں نہیں مشکل کشا   ہیں سبھی ممنون احسان علی

===XX====

فارسی   عاشقان رانیست جز این چارہ کار   بادل و جان اند قربان علی

اردو   جنت نظارہ ہے روئے جمیل   جان ہر عاشق ہے قربان علی

===XX====

فارسی   چون بدوش خود نہادہ پائے او   مصطفی شد ، مرتبہ دان علی

اردو   دوش اقدس پر اٹھا یا آپ کو   مصطفی ہیں مرتبہ دان علی

====XX====

فارسی   از خدا و از رسول اللہ بپرس   عزت حلقہ بگوشان علی

اردو   جانتے ہیں صرف اللہ و رسول   عزت حلقہ بگوشان علی

===XX====

فارسی — از عجب سوی من ای رضوان مبین — یک غلامم از غلامان علی

اردو — ان کو اے رضوان حیرت سے نہ دیکھ — اهل جنت هین غلامان علی

===XXX=====

فارسی — حصه ات شد کوثر و نعمائے خلد — اے ذهین هستی ثنا خوان علی

اردو — تیری قسمت کوثر و تسنیم و خلد — اے ذهین هے تو ثنا خوان علی

====XX====

فارسی — ز ابر دیده و دریائے دل گهر باری است — نزول رحمت باری بصورت زاری است

اردو — چشم نم، قلب تپاں، شدت غم، جوش طلب — تھے یہ سب ظرف دعا حرف دعا ھونے تک

===XXX====

فارسی — جہان دیده و دنیائے دل بعالم عشق — دیار دوست که ازهر دیار نزدیک است

اردو — جوجلوه گاه یارهے وه دل بهی تو هے — هم جس جگه هین حسن کی منزل بهی توهے

====XXX====

فارسی — ذهین دور فتاده ز کفر و دین چه کنم — مرا ز دیر و حرم کوی یار نزدیک است

اردو — خدا کی راه نهین بند پارسا کے لیے — اگر بتوں کی پرستش کرے خدا کے لیے

===XXX====

فارسی — کمال عقل و کمال جنون بهم آمیخت — ذهین بر رخ دیوانگی و هشیاری است

اردو — اس دنیا کے اهل خرد بهی کب کم هین دیوانوں سے

یه تشریح راز محبت، کرتے هین افسانوں سے

===XXX====

فارسی — خبر کنید به باغ خزان رسیدهٔ ما — که موسم گل و فصل بهار نزدیک است

اردو — دل برباد مین آباد هے کوئی جیسے — موسم گل کا گمان فصل خزان مین گذرے

===XXX====

فارسی — خیال یار که از من هزار نزدیک است — سوار دور گذشت و غبار نزدیک است

اردو وہ دور دور نہیں ہے جو پاس آیا ہے مرا خیال بدل کر لباس آیا ہے

====xxx====

فارسی کلام دوست شنیدم جمال او دیدم عجب خواب محبت تمام بیداری است

اردو جمال یارکی موجودگی میں کہنے کی خاطر دل و نظر کے سفینے ڈوبتے جاتے ہیں

===xxx====

فارسی خرد ، نظر بر رخ تو محال می گوید مگو کہ این سخن از اعتبار نزدیک است

اردو نظارۂ جمال محال نظر نہ جان یہ اور بات ہے کہ مجال نظر نہیں

===xxx====

فارسی نہ حسن دوست نظیر و نہ عشق دوست شفیع گناہ گار نبودن عجب گناہ گاری است

اردو گناہ شرک محبت ، خدا معاف کرے تمہاری یاد سے تسکین پا رہا ہوں

==========

فاضل ، پروفیسر سید عبدالرشید :
====================

سید محمد عبدالرشید نام فاضل تخلص والد کا نام نثار حسین تخلص نثار -
۱۹۰۷ء / ۱۳۲۵ھ میں قرولی راجستھان میں پیدا ہوئے[(۱)] ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم مولوی لطافت حسین صاحب سے اور اعلی تعلیم حکیم سید محمد عبدالرزاق اور اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی - ۱۹۲۷ء سے ۱۹۲۹ء تک لاہور میں رہے اور وہیں سے ایف اے اور بی اے کے امتحانات پاس کیے - لاہور میں شفاء الملک حکیم فقیر محمد صاحب چشتی نظامی کی صحبت و سرپرستی حاصل رہی - حکیم فقیر محمد صاحب مرحوم کی نسبت سے فاضل صاحب کو مولانا عبدالمجید سالک ، غلام رسول مہر اور مولانا ظفر علی خاں صاحب وغیرہ کی نوازشات اور فیوض

---

(۱) شاغل ، محولہ بالا ، ص: ۳۲۷

(شاغل صاحب نے اپنی متذکرہ کتاب میں سید عبدالرشید فاضل صاحب کی تاریخ پیدائش ۱۹۰۵ء لکھی ہے جو قطعی درست نہیں ہے میں نے خود پروفیسر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے حالات اور نمونۂ کلام حاصل کیا ہے- اس کی رو سے ۱۹۰۷ء ان کی تاریخ پیدائش ہے -)

صحبت سے استفادہ کا موقع ملا ۔ لاہور ہی میں طالب علمی کے زمانے میں دو مرتبہ علامہ اقبال کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا اور ایک مرتبہ ان کا انگریزی لیکچر بھی سنا۔ جو علامہ نے انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں دیا تھا ۔ چنانچہ فاضل صاحب نے علامہ کے متعلق اپنے ذاتی تاثرات جا بجا اپنی متعدد تصانیف میں بیان کیے ہیں۔

ایم اے فارسی اور ایم اے اردو آگرہ یونی ورسٹی سے پاس کیے ۔ اپنے ذاتی مطالعہ و شوق سے دینیات میں مکمل قدرت حاصل کی ۔

۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۹ء تک فاضل صاحب جے پور (راجستھان) میں ملازم رہے اور مئی ۱۹۳۹ء میں پاکستان تشریف لے آئے۔ جب انجمن ترقی اردو ، پاکستان نے کراچی میں اردو کالج قائم کیا تو آپ فارسی کے لیکچرار مقرر ہوگئے۔ جب کالج کا باقاعدہ سندھ یونی ورسٹی سے الحاق منظور ہوگیا تو ۱۹۵۰ء میں لیکچرار کے منصب سے ترقی کر کے پروفیسر اور صدر شعبۂ فارسی کے منصب پر فائز ہوگئے اور بیس سال تک تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد اکتوبر ۱۹۶۹ء میں ریٹائر ہوگئے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے آپ کی علمی صلاحیت اور معیاری تصانیف و تراجم کو دیکھتے ہوئے آپ کو اعزازی پروفیسر کی حیثیت سے دوبارہ اسی منصب و خدمت پر مامور کیا۔ چنانچہ مزید دو سال اعزازی پروفیسر رہنے کے بعد اپنی تدریسی مصروفیات سے سبکدوش ہوگئے۔ کراچی کی

آپ ہمہ تن تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف ہیں ۔ تصنیف و تالیف کا شوق شروع ہی سے رہا چنانچہ آپ کا سب سے پہلا مضمون اقبال بحیثیت ایک مصلح قوم کے "نیرنگ خیال" کے اقبال نمبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا ۔ اس کے بعد سے برابر سلسلۂ تصنیف و تالیف جاری رہا اور اب تک آپ کی سات کتابیں طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں اور اتنی ہی کتابیں زیر تکمیل ہیں اور امید ہے کہ بہت جلد شائقین علم و ادب کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گی۔

فاضل صاحب کو اولاً غالب سے والہانہ تعلق خاطر رہا چنانچہ آپ نے غالب کی فارسی اور اردو نثر و نظم کی تصانیف کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور وقتاً فوقتاً غالب کے متعلق اپنے خیالات ملک کے مشہور رسائل اور اخبارات میں شائع کرتے رہے ۔ غالب کے بعد دوسری شخصیت جس نے فاضل صاحب کی توجہ کلیتاً اپنی طرف مبذول کرلی وہ علامہ اقبال ہیں چنانچہ آپ نے سب سے زیادہ کام اقبالیات ہی کے سلسلہ میں کیا ہے ۔ آپ کے متعدد مضامین مختلف ادبی رسائل

میں اقبال پر شائع ہوچکےہیں اور چار کتابیں بھی طبع ہوچکی ہیں اور کئی کتابیں زیر طباعت ہیں ۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف یہ ہیں :

۱- " علامہ اقبال بحیثیت ایک مصلح قوم کے" (یک کتابچہ جو ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا) ۔

۲- " ترجمانِ خودی" ، علامہ اقبال کی شہرۂ آفاق مثنوی اسرار خودی کا منظوم اردو ترجمہ ہے ۔

۳- شرح لوائح جامی ، جو ۱۹۵۳ء میں کراچی سے شائع ہوئی ۔

۴- اقبال اور عشق رسالت مآب ، یہ کتاب ۱۹۵۸ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔

۵- علامہ اقبال اور تصوف ، یہ کتاب ۱۹٦۸ء میں شائع ہوئی ۔

٦- ترجمہ مہر نیم روز ، مرزا غالب کی کتاب مہر نیمروز کا ترجمہ ہے جو غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر انجمن ترقی اردو پاکستان نے ۱۹۷۱ء میں کراچی سے شائع کیا۔

۷- شرح بال جبریل ، جو ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی ۔

آپ کی غیر مطبوعہ تصانیف یہ ہیں :

۱- اقبال ، ایک مطالعہ

۲- ترجمۂ دستنبو (مرزا غالب کی مشہور تصنیف)

۳- شرح دیوان غالب ،

۴- مجموعہ کلام فاضل

۵- مجموعہ مضامین نثر (جو مختلف رسائل میں شائع ہوچکے ہیں) ۔

٦- تصور خودی ، فارسی شاعری میں ۔

خصوصیات کلام :
===========

فاضل صاحب کو شاعری سے فطری اور پیدائشی لگاؤ ہے ۔ چنانچہ آپ نے پندرہ سولہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیے ۔ ابتدا میں حکیم سید محمد عبدالرزاق صاحب سے اصلاح لیتے رہے ۔ شفیق استاد نے اپنے شاگرد میں شعر گوئی کی اعلیٰ استعداد کا مشاہدہ کرتے ہوئے

فاضل صاحب کی حوصلہ افزائی کی اور اصلاح شعر کا کام اپنے ذمہ لیا ۔

فاضل صاحب پر شروع ہی سے مرزا غالب کا اثر تھا اور بعد میں اقبال کا رنگ غالب ہوگیا۔ اس لیے ابتدائی اشعار پر رنگ میں کہے مگر تراکیب زیادہ تر فارسی ہی کی اختیار کیں۔ بعد میں سوائے مشاعروں کی طرحی غزلوں کے باقی کلام قومی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے ۔ اور ان میں اقبال کا اثر نمایاں نظر آتا ہے ۔ اقبال سے والہانہ عقیدت کا ایک ثبوت یہ بہت کافی ہے کہ آپ نے اقبال کی مثنوی اسرار خودی کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ اتنا کام یاب ثابت ہوا کہ ملک کے مشاہیر، شعرا اور نقادوں نے اس کی بڑی تعریف کی ہے ۔ مولانا ظفر علی خان نے لکھتے ہیں " کیا ہی اچھا ہوتا کہ ترجمے کے ساتھ" اسرار خودی" کو بھی شامل کردی جاتی تاکہ آئینے کے جوہر کا اندازہ جلوے کی نگاہوں سے لگایا جاتا۔" ترجمہ کے دو شعر ملاحظہ ہوں :

اسرار خودی	ترجمان خودی
زیر گردوں آں جوان ارجمند	اس جہان آب وگل میں وہ جوان ارجمند
میرود مثل صنوبر پوسر بلند	فخر سے چلتا ہے مانند صنوبر پوسربلند
در تہی دستی شود خود دار تر	جوتہی دستی میں ہوجاتا ہے کچھ خود دار اور
بخت او خوابید و او بیدار تر	بخت گو سوتا ہے توہ ہوتا ہے کچھ بیدار اور

اردو فارسی کے چند اشعار کا خصوصی تقابلی مطالعہ :

فارسی   افسر اقبال بر سر داشتم   می حوالت کشتۂ ادبار ما

اردو   ہوائے خاک نشیں عرش پہ تھا جس کا دماغ

اور کیا اس سے سوا حشر کے سامان ہوں گے

فارسی اور اردو دنوں اشعار کو مسلمانوں کی حالت کا مرثیہ سمجھنا چاہیے ۔ فارسی کے شعر میں اقبال اور ادبار کا مقابلہ کیا ہے کہ یا مسلمانوں کے اقبال کا وہ عالم تھا کہ آدھی سے زیادہ دنیا ان کے زیر نگیں تھی اور جدھر کا رخ کرتے تھے فتح و نصرت ان کے قدم چومتی تھی ۔ یا اب مسلمانوں کا ادبار اس حد تک پہنچ گیا کہ اس وقت زمین پر شاید ہی کوئی قوم پستی اور زبوں حالی میں ان کا مقابلہ کرسکے ۔

۱ اسی بات کو اردو کے شعر میں بہت زیادہ موثر اور واضح الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ قوم جس کا کبھی اپنی کامرانی اور اقبال مندی کی وجہ سے دماغ افلاک پر تھا آج وہی قوم خاک مذلت پر پڑی ہے - اور دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بن گئی ہے - یہ معمولی انقلاب نہیں ہے ، بہت بڑا دردناک اور الم انگیز انقلاب ہے -

دونوں اشعار میں تقابل کرنے سے اردو کا شعر فارسی کے شعر کے مقابلے میں شعر کی دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ موثر ہونے میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا -

===xxx===

فارسی متاع صبر میں بودی ، بدست دیگران رفتی

شدی آرام جان دیگران ، جان جہاں من

اردو جو شمع مرے گھر کا اک روز اجالا تھی روشن ہیں اسی سے اب اغیار کے کاشانے

اردو اور فارسی دونوں اشعار مجازی معنی بھی رکھتے ہیں اور حقیقی بھی ، مجازی اس طرح کہ اپنے محبوب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ محبوب جو میری متاع حیات تھا اب دوسروں کا ہوگیا - جو میرے لیے آرام جان ہونا چاہیے تھا وہ دوسروں کے لیے سامان راحت بنا ہوا ہے - حقیقی پہلو یہ ہے کہ اسلام کی وہ اعلی درجہ کی اقدار جو مسلمانوں کے لیے سرمایہ حیات تھیں ان اعلی اقدار کو مسلمانوں نے ترک کر کے اپنے لیے خود مصیبت اور ذلت کے سامان کرلیے اور انہیں اقدار کو دوسری اقوام نے اپناکر عزت اور آسائش کا مقام حاصل کرلیا -

دونوں اشعار اپنی اپنی خوبیوں کے اعتبار سے انتخاب ہیں ایسے کہ ایک کو دوسرے پر کسی طرح بھی ترجیح نہیں دی جاسکتی -

====xxx====

فارسی حیف از کوری خود نہ شناختم پیش من دلدار آمد بارہا

اردو سفر زیست ہوا ختم ، مگر تم نہ ملے کس قدر دور ہو نزدیک رگ جاں ہوکر (۱)

دونوں اشعار میں خدا کی معرفت میں ناکام رہنے کا بیان کیا ہے - فارسی کے شعر میں

---

(۱) القرآن ، پارہ ۲۶ ، سورۃ " ق " رکوع ۲ ، " ونحن اقرب الیہ من حبل الورید "
ترجمہ :- اور ہم تمہاری شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں -

اس حقیقت کا بیان ہے کہ تمام موجودات میں خدا کا جلوہ بالکل عیاں ہے - کائنات کی ہرایک چیز وجود باری تعالی کو ثابت کر رہی ہے اور کبھی تو مناظر قدرت اور اشیائے موجودات کو دیکھ کر دل اس صانع مطلق کی ہستی پر شہادت بھی دینے لگتا ہے مگر انسان نفس کے تقاضوں اور اپنی غفلت کی وجہ سے اس شہادت کو نظرانداز کردیتا ہے - اسی بات کو شعر میں ان الفاظ سے ادا کیا ہے کہ دوست بارہا میرے سامنے آیالیکن افسوس میں نے ہی اپنی کوری چشم کی وجہ سے اسے نہیں پہچانا - اردو میں اسی بات کو اور بھی زیادہ موثر انداز میں پیش کیا ہے- فرماتے ہیں کہ اے دوست تیری تلاش میں زندگی ختم ہوگئی مگر افسوس کہ تو نہ ملا اور یہ بات اس وجہ سے اور بھی زیادہ تکلیف دہ اور افسوسناک ہے کہ تو رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہوئے اس قدر دور نکلا -

دونوں اشعار میں مرکزی خیال لفظی و معنوی خوبیوں کے ساتھ مکمل طور پر بیان ہوگیا ہے - لیکن جوتاثیر اور حسرت اردو کے شعر میں پائی جاتی ہے اس قدر فارسی میں نہیں ہے-

===XXX====

فارسی   بادہ بہار ساقیا موسم گل مگر رسید   ایں دل غم نصیب من باز ہوائے جام کرد

اردو   وحشت دل کا عجب حال ہوا جاتا ہے   کیا خبر آج یہ باد صبا لائی ہے

شعرا بہار کی آمد کے لیے مختلف قرائن و آثار بیان کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ دل میں شراب کی طلب معمول سے زیادہ ہورہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسم بہار آگیا ہے- کبھی کہتے ہیں کہ وحشت دل بہت زیادہ ہوگئی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بہار کا موسم آچکا ہے -

اردو اور فارسی کے ان دونوں اشعار میں بھی بہار کی آمد کے متعلق یہ دو آثار بیان کیے ہیں -

فارسی کے شعر میں بہار کی آمد پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ دل میں پھر ساغر و مینا کی خواہش پیدا ہورہی ہے - اور اردو کے شعر میں اس بات سے بہار کی آمد کا قیاس کیا ہے کہ وحشت دل بہت زیادہ ہوگئی ہے - دونوں اشعار میں اگرچہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے تاہم اردو کے شعر میں کسی قدر ندرت اور جاذبیت زیادہ ہے -

فارسی   مگر درپیش داور خود فروشی ہائے ما ہیچ ست

نصیبی گر بود این زاہد طاعت فروش او

اردو   پھر ہجر بتاں میں مجھے کیوں داغ دیے تھے

زاہد کے مقدر میں اگر باغ ارم تھا

یہ بھی فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کا ایک مستقل موضوع ہوگیا ہے - فارسی کے شعر میں خود فروشی اور طاعت فروشی کا تقابل کیا گیا ہے - خود فروشی کے معنی ہیں عبادات اور ریاضات میں خلوص کے ساتھ عمل کرنا اور یہی چیز خدا کے ہاں مقبول ہوتی ہے - اس کے برعکس طاعت فروشی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت و ریاضت نمود و ریا کے ساتھ کی جائے تاکہ لوگ تعریف کریں اور متاثر ہوں - ظاہر ہے یہ ریا و نمائش کی عبادت بالکل بے کار چیز ہے - شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اگر قیامت کے دن طاعت فروش زاہد کو بخش دیا گیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے جو زندگی بھر اپنے اعمال کی بنیاد خلوص اور بے ریائی پر رکھی تھی وہ ہیچ تھی - مطلب یہ ہے کہ زاہد اپنی طاعت فروشی اور ریاکاری کی بنا پر ہرگز کسی اجر کا مستحق نہیں ہے - اردو کے شعر میں بھی تقریباً اسی قسم کی بات کسی قدر ایمائی اور اشاراتی انداز میں کہی ہے فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہجر بتاں میں ہم نے داغ کھائے تھے تو آخرت میں جنت کے مستحق ہم تھے، اگر دنیا میں ہجر بتاں میں بھری زندگی گزاری ہوتی تو مرنے کے بعد جنت میں حوروں کے مستحق ہم قرار پاتے نہ کہ زاہد جس کی پوری زندگی عیش و نشاط اور خود کامی میں بسر ہوتی ہے -

دونوں اشعار اپنی اپنی جگہ خوب ہیں - مگر فارسی کا شعر زبان اور انداز بیان کی خوبیوں اور عام فہم ہونے کے اعتبار سے اردو کے شعر سے بہتر ہے -

===xxx====

فارسی   من کہ صد خورشید اندر سینہ پنہان داشتم

چشم ہا دادی کہ در یک ذرہ حیران کردہ ای

اردو   یہ مانا آفتاب علم و حکمت ہوں زمانے میں   نگاہیں دے کے اک ذرے میں حیران کردیا تونے

دونوں اشعار کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس قدر علم و حکمت میں ترقی کرتا ہے اسی قدر

اس کو اپنی کم مائیگی علم کا احساس ہوتا چلا جاتا ہے - یہاں تک کہ علم و حکمت کی انتہائی تک منازل پر پہنچنے کے بعد اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھے کچھ معلوم نہ ہوا - اسی بات کو فارسی کے شعر میں " چشمہا وادی کہ دریک ذرہ حیران کردہ ای " کے پیرائے میں ادا کیا ہے اور اردو کے شعر میں اسی بات کو اس طرح کہا ہے کہ " نقاشیں دے کے اک ذرہ میں حیران کردیا تونے " -

گویا علم کی انتہائی منازل پر پہنچنے کے بعد کائنات کی ہر ایک چیز اس کو اپنی طرف متوجہ کرتی اور دعوت نظارہ دیتی ہے جب وہ اس چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو خداکی حکمت اور صناعی کا مشاہدہ کر کے محو حیرت ہوجاتا ہے اور یہیں سے معرفت خداوندی کا راز اس پر آشکار ہوتا ہے یہ حیرت وہ نہیں ہے جو عقل استدلالی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کیوں کہ ایسی حیرت مذموم ہوتی ہے اور یہ حیرت محمود ہے - اس لیے کہ یہ اشیائے کائنات میں صنعت و حکمت خداوندی کے مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے -

دونوں شعر بالکل ہم معنی ہیں لیکن فارسی کا شعر لیے اپنی معنوی خوبیوں اور [illegible] مناسبات الفاظ کی وجہ سے اردو کے شعر پر ترجیح رکھتا ہے -

===XXX=====

مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں :

فارسی زندہ باشی چشم خوں افشاں من   در اسیری دیدہ ام گلزار ہا

اردو خدا رکھے سلامت دیدۂ خونناب افشاں کو   گلستاں درگلستاں کردیا ہے میں زنداں کو

===XXX====

فارسی وائے قسمت جنس ناپرساں شدم   من کہ بودم رونق بازار ہا

اردو آگیا ہوں میں بھی کس بازار ناپرساں میں آہ

ماتھے میں خاک جب اکسیر دکھلاتا ہوں میں

====XXX====

فارسی کس نمی داند ز مشکل سہل تر   بس کہ آساں کردہ ام دشوار ہا

اردو بصیرت ہم کو حاصل ہے وہ امکانات فطرت میں

کہ ہم مشکل تو کیا ، دشوار کو آساں سمجھتے ہیں

فارسی　پیر مغان ما را آب حلال نام کرد　　آن که غم زمانه را بوس و تو حرام کرد

اردو　مآل کار کی فکروں سے جب غافل سا ہوتا ہوں　　تو فال نیک کہتا ہے اسے پیر مغان میرا

====XXX====

فارسی　ہستی ما تمام من بود بے ہستی مرا　　جلوۂ بے حجاب او، کار مرا تمام کرد

اردو　نہیں ملتا میں اپنے آپ کو بھی اب نہیں ملتا　　مری غفلت سے قائم تھا کبھی وہم وگمان میرا

===XXX=====

فارسی　من کہ نمی شناختم بعد بلائے را کہ چیست　　کاکل خم بخم مرا دام نہاد رام کرد

اردو　خوب جمعیت عشاق کے سامان ہوں گے　　اس طرح آپ کے گیسو جو پریشان ہوں گے

===XX====

فارسی　کاش بیاید آن نگار، تا شب من سحر شود　　آنکہ ز ہجر خویشتن روز مرا چو شام کرد

اردو　شب کی تاریکی میں ہم نور سحر دیکھیں گے　　جب تلک دل میں خیال رخ جاناں ہوگا

====XXX====

فارسی　برائے خاطر او کرد غارت یک جہان من　　عدو را یار بود ستی نگار دلستان من

اردو　مجھ سے اگر نہیں قریب غیر سے گر نہیں ہے راہ

رو برو اس کے بیٹھ کے میری وفا ستائے کیوں

====XXX====

فارسی　جور و جفائے او مگر لطف و عنایتی نبود　　ازچہ جفائے خویش را بوس و غیر نام کرد

اردو　ہوتے ہیں وار غیر پہ کھاتا ہوں زخم میں　　میرا جگر بھی رشتہ مژگان یار دیکھ

===XXX====

فارسی　نگار من بیا، حال پریشانم تماشا کن　　کہ از ہجر من مسکین زمین شد آسمان من

اردو　دیکھتے اے کاش تاریکی شب ہجران کی تم　　اور اس شب میں مرا تاریک اختر دیکھتے

======XXX=====

فارسی　نہ من غافل نہ من از عقل و دانش بہرۂ دارم

نہ بیخبر احوال جنون اندر بیان من

اردو	خداکی شان ہے اب وہ بھی ہوگیے فاضل	حصول جہل خودی جن کاکام ہے ساقی

====xxx====

فارسی	چہ افسونست یارب درگس حیرت فروش او	کہ باخود رفتگی دارم ہمہ انداز ہوش او

اردو	اس تغافل پر بھی ہم مرتے ہیں تیری یاد پر	حوصلہ اٹھائے دل کا اور بھی بیداد پر

======xxx======

فارسی	دو عالم گر نظر دارد کہ در کف ساغری دارد

چہ پروای کسی دارد کنون پیمانہ نوش او

اردو	یہ ہم کو تیری محبت سے کام ہے ساقی	کہ ذکر کوثر و جنت حرام ہے ساقی

====xxx====

فارسی	دریغ آید ترا در قتل ، ورنہ عاشق زارت	چہ پروای سری دارد کہ باشد بار دوش او

اردو	یاالہی کیا کمی مجھ سے وفاؤں میں ہوئی	خنجر اس کا رک گیاکیوں آکے گردن کے قریب

===xxx====

فارسی	عجب ہنگامہ ہا برپاشود این نظر خود کامم	کجا آید بگوشم غافل آواز سروش او

اردو	صدائیں آرہی ہیں آسمانوں سے کہ اے احسان

زمیں گیری پہ نازاں طائر عرش آشیاں ہوکر

====xxx====

فارسی	من کہ صد خورشید اندر سینہ پنہاں داشتم

چشم ہا دادی کہ در یک ذرہ حیران کردہ ائی

اردو	یہ مانا آفتاب علم و حکمت ہوں زمانے میں	نگاہیں دیکے اک ذرے میں حیران کردیا تونے

====xxx====

فارسی	بسکہ جاں دادن بہجرت مشکلی افتادہ بود

اے سرت گردم ز وصل خویش آساں کردہ ای

اردو	جب موت ہجر یار میں دشوار تھی مجھے	اب زندگی بھی ہوگئی آساں وصال میں

=====xxx======

فارسی　داد سامان جنون مہر عالم تاب عشق　　ذرۂ برداشتی قافل بیابان کردہ ای

اردو　کائنات دل میں کر قافل بیابان کی تلاش　　درخور خوش جنون صحراکی ویرانی ہمیں

===XXX====

فارسی　غلط است این سراسر کہ کہی زمن جدائی　　کہ بسوی دل چو بینم زدرون جان برآئی

اردو　جلوہ افزا ہے سراسر ترا پنہاں ہونا　　میں نظارہ مرا بیخود و حیران ہونا

====یا====

نشاں کیسے بیاں ہو دیکھنے والی نگاہوں کو

نظر کس کس طرح وہ آگہی میں بے نشاں ہوکر

===XXX====

فارسی　نسیم شادہ کش آمد بطرہ سنبل　　ز خواب شب شدہ بیدار نرگس مخمور

اردو　جب خواب میں کرلیتا ہے سیر ارم سبزہ　　نرگس کو بھلا کیوں کر حاصل نہو بینائی

===XXX====

فارسی　چمن چمن بشگفتند نافہ ہائے ختن　　بہ بوئے گل شدہ یکسر دماغ ہا معمور

اردو　ڈھونڈتے ہیں مست ہوہوکر جوانان چمن　　نکہت گل میں ہے وہ کیف شراب ارغواں

===XXX====

فارسی　آنکہ صد مہفادہ ہائے علم و حکمت در سرش　　آنکہ از عشق الہی سینۂ او شعلہ زار

ق =　گرچہ صرے دریغے سیما وفارابی دو بد　　لیکن با جنید و بایزید افتاد کار

اردو　آہ وہ مرد یگانہ و حکیم عبدالرزاق　　وہ کہ علم و فضل میں اس کا نہ تھا کوئی جواب

ق =　معرفت میں گر جنید و بایزید وقت تھا　　بو علی عصر تھا حکمت میں وہ عالی جناب

===XXX====

فارسی　آنکہ در علم معانی و بیان مثلش نبود　　آنکہ در شعر و ادب لاریب فخر روزگار

اردو　شعر میں، علم معانی و بیان، بے مثال　　اور تقریر مطالب میں خطیب کام یاب

====XXX====

فارسی نثر او را سلک مروارید آمد سفتہ گوش نظم اورا بر فلک عقد ثریا هم نثار

اردو نثر اس کی، سلک مروارید بھی جس پر نثار نظم اس کی، کہکشاں کو رشک سے سو پیچ و تاب

===XXX====

فارسی در تصوف یک نشان اولیائے کاملین در تو رّع زاهدان پارسا را یادگار

اردو ایسا زاهد، پارسائی کو هزاروں جس پہ ناز

ایسا صوفی، جس کے آگے راز هستی بے نقاب

===XXX====

فارسی هم زبان فارسی، هم ریختہ را مفتخر هم زبان تازی و شعر عرب را مایہ دار

اردو فارسی دانی میں تھا وہ همسر اهل زبان اور علوم دین میں، صد حافظوں میں انتخاب

====XXX====

فارسی طرفہ بہاری کہ زرنگینیش دیدۂ نظار گیان لالہ زار

اردو پھولوں نے گلستاں میں وہ رنگ نکالا هے

قربان هے سو جان سے رعنائی و زیبائی

●●●●●●●●●
●●●●●●●
●●●●●
●●●●
●●

کتب حوالہ و استفادہ

۱- ابوالخیر محمد اشرف لکھنوی (مقدمہ) " کلیات نظیر اکبر آبادی " ،
لکھنؤ: راجہ رام کمار پریس ، ۱۹۵۱ع

۲- ابوتراب محمد عبدالجبار خان صوفی حیدرآبادی ، " محبوب الزمن (تذکرہ شعرائے دکن)"
حصہ اول و دوم ، حیدرآباد دکن : مطبع رحمانی، ۱۳۲۹ھ

۳- ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر ، " لکھنؤ کا دبستان شاعری "، لاہور: اردو مرکز، ۱۹۶۷ع

۴- اثر لکھنوی ، " بہارانؔ(مع فارسی کلام، انتخاب اثرستان (غزلوں کا مجموعہ)"
اگست ، ۱۹۳۹ع

۵- احمد فاروقی، ڈاکٹر خواجہ ، " میر تقی میر"، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۳ع

۶- اختر جعفری، انیس ، " اختر شیرانی اور اس کی شاعری "، لاہور: اشرف پریس ، ۱۹۶۳ع

۷- اختر شیرانی ، " اخترستان" ، لاہور: آفتاب پریس ، ۱۹۳۶ع

۸- اختر شیرانی ، " شہرود" لاہور: ادارہ ادبیات ، جولائی، ۱۹۳۹ع

۹- اختر شیرانی ، " شہناز " ، لاہور : علمی پرنٹنگ پریس ، ۱۹۳۸ع

۱۰- اختر شیرانی ، " صبح بہار" ، لاہور : علمی پرنٹنگ پریس ، ۱۹۳۶ع

۱۱- اختر شیرانی ، " طیور آوارہ " ، لاہور : علمی پرنٹنگ پریس ، ۱۹۳۶ع

۱۲- اختر شیرانی ، " لالہ طور" ، لاہور : علمی پرنٹنگ پریس ، ۱۹۶۳ع

۱۳- اسلم پرویز (ایم اے) ، " انشا اللہ خان انشا" ، دہلی: مکتبہ شاہراہ ، جولائی، ۱۹۶۱ع

۱۴- اسیر لکھنوی، " دیوان اسیر (اردو) " لکھنؤ : نول کشور ، ۱۸۷۰ع م ۱۲۸۶ھ

۱۵- اسیر لکھنوی، " گلشن تعشق اسیر"(کلیات فارسی) ، لکھنؤ : مطبع طوطی علی بخش خان، ۱۲۷۰ھ

۱۶- اصغر گونڈوی، اصغر حسین، " سرود زندگی" (مقدمہ ، سرتیج بہادر سپرو) ، (س - ن)

۱۷- اصغر گونڈوی، " نشاط روح " ، لاہور : ملک بک ڈپو، ۱۶/ اکتوبر، ۱۹۵۳ع

۱۸- اعجاز حسین ، سید ، " تاریخ ادبیات اردو" ، الہ آباد : انڈین پریس ، ۱۹۳۰ع

۱۹- اعظم، نواب محمد غوث خان بہادر ، " تذکرہ گلزار اعظم" ، سرکاری پریس ، ۱۲۷۲ھ

۲۰- افسر صدیقی، " شہاب تخیل" کراچی : لیتھوپرنٹنگ پریس ، لارنس روڈ ، ۱۳۵۸ھ
کراچی

۲۱- افسر صدیقی و سرفراز علی رضوی، " مخطوطات انجمن ترقی اردو" (جلد اول)، کراچی: انجمن پریس، ۱۹۶۵ء

۲۲- اقبال، علامہ سرمحمد اقبال، " اسرار خودی" لاہور: پاکستان ٹائمز پریس، ۱۹۵۹ء

۲۳- اقبال، " بال جبریل" لاہور: کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، ستمبر ۱۹۳۷ء

۲۴- اقبال، " بانگ درا" ، لاہور: پاکستان ٹائمز پریس، اگست ۱۹۵۵ء

۲۵- اقبال، " جاوید نامہ " لاہور: پاکستان ٹائمز پریس لاہور، ۱۹۲۳ء

۲۶- اقبال، " زبور عجم " ، لاہور: پاکستان ٹائمز پریس، ۱۹۵۹ء

۲۷- اقبال، " زبور عجم " لاہور: کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، ستمبر ۱۹۳۸ء

۲۸- اقبال، " ضرب کلیم " لاہور: پاکستان ٹائمز پریس، اگست ۱۹۵۵ء

۲۹- اقبال عظیم، سید " مشرقی بنگال میں اردو" ، ڈھاکہ: مشرقی کوآپریٹو پبلیکیشنز، ۹۷- آغا صادق روڈ، ڈھاکہ اگست ۱۹۵۳ء

۳۰- اقتدا حسن، " کلیات قائم" (جلد اول و دوم) ، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء

۳۱- اکبرالہ آبادی، " کلیات اکبرالہ آبادی" (جلد اول) ، کراچی: بزم اکبر، ۱۹۵۱ء

۳۲- اکرام، شیخ محمد " ارمغان پاک" : ادارہ مطبوعات پاکستان، ۱۹۵۹ء

۳۳- اکرام، شیخ محمد " ارمغان پاک" (مقدمہ سعید نفیسی) ، کانون معرفت تہران، ۱۳۳۳ھ

۳۴- امیر احمد علوی، منشی " بہادر شاہ ظفر" (حالات زندگی اور شاعری پر تبصرہ) " لکھنو: نامی پریس، ۱۹۳۵ء

۳۵- انشا، انشاللہ خان " کلیات انشاء " لکھنو: نول کشور (س ن)

(پنجاب یونیورسٹی، لاہور، لائبریری نمبر یو - آئی / ۱۳-

۳۵- الف:- ابوالنصر محمد خالدی " تقویم ہجری و عیسوی" ناشر انجمن ترقی اردو دھلی ۱۹۳۹ء

۳۶- آبرو، سید اصغر علی، " تاریخ ٹونک " آگرہ: مطبع ستارہ ہند ۱۳۰ جون، ۱۹۰۱ء

۳۷- آزاد بلگرامی، میر غلام علی " مآثر الکرام " (دفتر دوم) لاہور: رفاہ عام پریس، ۱۹۱۳ء

۳۸- آزاد، محمد حسین، " آب حیات " ، لاہور: ۱۹۰۷ء

۳۹- آسی، عبدالباری، (مقدمہ) ، " دیوان خواجہ میر درد" ، ـــــ : ۱۹۲۸ء

۴۰- آسی، (مقدمہ) ، " کلیات سودا" (جلد اول و دوم) (جلد دوم و سوم) لکھنو: نول کشور، ۱۹۳۲ء

-۳۱ آہ ، محمد ممتاز علی ، " امیر مینائی (حیات اور شاعری) "، (معہ فارسی کلام) ، لکھنو: ادبی پریس ، ۱۹۳۱ع

-۳۲ بھگوان داس ہندی" سفینہ ہندی" (مرتبہ عطا الرحمن کاکوی، سید شاہ ، پٹنہ : ۱۹۵۹ع

-۳۳ بیدار ، " دیوان بیدار " (قلمی،اردو و فارسی) کراچی : کتب خانہ خاص نمبر $\frac{۳}{۱۳۵}$۱

-۳۴ تبسم نظام ، " جگر مرادآبادی" ، حیدرآباد دکن : نفیس اکیڈمی، نومبر ۱۹۳۷ع

-۳۵ ٹھٹوی ، مخدوم محمد ابراهیم (مولف) ، (مقدمہ ، پیرحسام الدین راشدی) ، " تکملۂ مقالات الشعراء" ، کراچی : سندھ ادبی بورڈ ، ۱۳۱۷ھ

-۳۶ تمکین، سید عبدالکریم ، " سخنوران دکن " ، حیدرآباد دکن : عہدآفرین پریس ۱۹۳۸ع

-۳۷ تنویر احمد علوی، " کلیات ذوق" (جلد دوم) ، لاهور :مجلس ترقی ادب، ـــ

-۳۸ تنہا ، محمد یحیی، " مراۃ الشعراء " (جلد اول) ، لاهور :عالمگیرالیکٹرک پریس، ۱۹۳۵ع

-۳۹ تنہا ، محمد یحیی، مراۃ الشعراء " (جلد دوم) ، لاهور:شیخ برکت علی تاجرکتب ، ۱۹۵۰ع

-۵۰ جگر مراد آبادی، " آتش گل" ، لاهور :یوسف برکس ، (س ن)

-۵۱ جگر مراد آبادی، " شعلہ طور"، لاهور : ادارہ فروغ اردو، (س ن)

-۵۲ جگن ناتھ آزاد ، " طوق چند محروم" ، : ۱۹۵۹ع

-۵۳ حالی، خواجہ الطاف حسین: دیوان حالی" (معہ مقدمہ شعر و شاعری) ، دهلی :مطبع انصاری ، ۱۸۹۳ع

-۵۳ حبیب اشعر دهلوی (مرتب) ، شیفتہ ، نواب مصطفی خان ، " دیوان اردو" ، لاهور :مکتبہ جدید ، ۱۹۶۵ع

-۵۵ حبیب الرحمن خان شروانی ، محمد (مقدمہ) ، " دیوان خواجہ میردرد "، بدایون :مطبع نظامی، ۱۹۲۲ع

-۵۶ "حدائق بخشش " ، کراچی : مدینہ پبلشنگ کمپنی ، ۱۳۲۵ھ

-۵۷ حسرت ، مرزا جعفرعلی، " دیوان حسرت " (مرتبہ : فضل حسن حسرت موهانی) ، علی گڑھ: مطبع احمدی ،

۵۸- حسرت ، مرزا جعفر علی، "کلیات حسرت" (قلمی نسخہ نمبر ۳/۱۱۱) ، کراچی: کتب خانہ خاص ، انجمن ترقی اردو ۔

۵۹- حسرت موہانی ، فضل حسرت ، "دیوان حسرت" (مرزا جعفر علی) ، سلسلہ اردوئے معلی نمبر ۱ ، علی گڑھ : مطبع احمدی ۔

۶۰- حسرتی و شیفتہ ، نواب مصطفی خاں "دیوان فارسی" ، بدیوان: نظامی پریس ، ۱۹۱۵ء

۶۱- داغ دہلوی ، نواب مرزا "آفتاب داغ" ، لکھنو : انوار محمدی پریس ، ۱۳۰۲ھ

۶۲- داغ دہلوی ، نواب مرزا ، "مہتاب داغ" حیدرآباد دکن: عزیز دکن پریس ، ۱۳۱۰ھ

۶۳- درد ، خواجہ میر ، "دیوان خواجہ میر درد" دہلی : انصاری پریس ، ۱۳۰۹ھ

۶۴- درد کاکوروی ، "اردو اور شمالی ہند" کراچی : کتاب گھر عزیز آباد ، ۲۵/نومبر ۱۹۶۶ء

۶۵- درد کاکوروی ، "جذبات درد" ، لاہور : پاکستان پرنٹنگ ورکس اچھرہ ، ۱۹۵۳ء

۶۶- درد کاکوروی ، "دیوان درد کاکوروی" (سے کہ ہ محشی) ، کراچی: امین برادرس ، ۱۹۵۹ء

۶۷- درد کاکوروی ، "دیوان درد معہ قند پارسی" ، کراچی : امین برادرس آرام باغ ۔

۶۸- درد کاکوروی ، "قوالی" (معہ فارسی غزلیات) ، (دیگر شعرا کے کلام پر اردو خمسے) ، کراچی : ضیا پریس ، ۱۲ ذی الحجہ ، ۱۳۸۴ھ

۶۹- ذہین ، طاسین ، "اجمال اجمال (اردو رباعیات)" کراچی : مکتبہ تاج ، ۲۲ دسمبر ، ۱۹۶۶ء

۷۰- ذہین طاسین ، "آیات جمال (اردو غزلیات)" ، کراچی : مکتبہ تاج ، جنوری ۱۹۶۷ء

۷۱- ذہین طاسین ، "جمال آیات (فارسی کلام)" ، کراچی : مکتبہ تاج ، ۲ مارچ ، ۱۹۶۷ء

۷۲- ذہین طاسین ، "جمالستان" ، کراچی : مکتبہ تاج ، ۲۲ دسمبر ، ۱۹۶۶ء

۷۳- ذہین طاسین ، "لمعات جمال (اردو منظومات)" ، کراچی: مکتبہ تاج ، ۲۲ دسمبر ، ۱۹۶۶ء

۷۴- رام بابو سکسینہ ، "تاریخ ادب اردو" (مترجم ، مرزا محمد عسکری) ، لکھنو : نول کشور ، ۱۹۲۹ء

۷۵- رشید احمد لاشاری (مولف) ، "کلیات گدا" ، کراچی : سندھ ادبی بورڈ ، ۱۹۵۷ء

۷۶- رشید الدین حسینی مودودی ، سید (مولف) "یادگار عرشی" ، لکھنو : پرنٹنگ ہاؤس ، ۱۹۱۵ء

۷۷- سراج ، "قلمی کلیات سراج (معہ فارسی)" کراچی: کتب خانہ خاص ، نمبر ۲/۱۱۳ ، انجمن ترقی اردو

۷۸- شادان، چندو لعل، " دیوان شادان(اردو قلمی) "، کراچی :کتب خانہ خاص ، ق ۱۳/۱۲۲ ، انجمن ترقی اردو

۷۹- شادان ، چندو لعل،" دیوان شادان(قلمی فارسی) "، کراچی :کتب خانہ خاص، ق ۳ ط/۲۱۵ ، انجمن ترقی اردو

۸۰- شاغل، احترام الدین احمد ، " تذکرہ شعرائے جمہور" ، علیگڈھ :انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۸ء

۸۱- شاہ تراب علی ، " کلیات اردو" ، لاہور : مطبع نظامی، ربیع الاخر، ۱۲۸۰ھ

۸۲- شبلی نعمانی، " کلیات شبلی (فارسی) "، (باہتمام مولوی مسعود علی ندوی) ، اعظم گڑھ :مطبع معارف ،

۸۳- شفیق بریلوی(مرتب) ، " دیوان حافظ" ، کراچی : ۱۳۸۹ھ

۸۴- شور، مسٹر جارج پیش " دیوان شور"(دیوان دوم) ، (الف ۴/۲۰/۲۶۱) ، میرٹھ : ستار المطابع ، ۱۸۷۷ء

۸۵- شور، مسٹر جارج پیش " دیوان شور" (دیوان پنجم) ، (الف ۴/۲۰/۲۶۲) ، میرٹھ : جگت پرکاش پریس ، ۱۸۸۹ء

۸۶- شور، مسٹر جارج پیش " گلشن فرنگ المعروف ، دیوان شور فارسی"، میرٹھ : مطبع شگوفہ فیض ، ۱۳۰۷ھ

۸۷- شوق ،غلام محمد " آتش پارہ ھائے شوق"، (دیوان شوق فارسی) ، حیدرآباد دکن : مفید دکن پریس ، ۱۳۳۲ھ

۸۸- شوق ، غلام محمد ، " بوستان بے خار" ، (اردو کلام) ، حیدرآباد دکن : مطبع حسنی ، ۱۳۳۲ھ

۸۹- شیر علی سرخوش ، " تذکرہ اعجاز سخن " (حصہ اول) ، لاہور: پرنٹنگ پریس، (س ن)

۹۰- شیفتہ ، نواب مصطفی خان ، " گلشن بے خار" کراچی :نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۳ء

۹۱- شیفتہ ، نواب مصطفی خان، گلشن بے خار"، لکھنو :مطبع نول کشور، ۱۹۱۰ء

۹۲- صابر علی خان، ڈاکٹر " سعادت یارخان رنگین"، کراچی:انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۶ء (رنگین و انشاء ، نظامی پریس بدایون)

۹۳- صاحب و شفیق ، لچھمی نرائن ، " دیوان صاحب اورنگ آبادی" ، (قلمی)
صبر ق ۳ / ۱۶۸ ، کراچی : کتب خانہ خاص ، انجمن ترقی اردو

۹۴- صاحب و شفیق ، لچھمی نرائن ، " کلیات صاحب اورنگ آبادی" ، (قلمی) ،
ق ۳ / ۱۱۸ ، کراچی : کتب خانہ خاص ، انجمن ترقی اردو

۹۵- صالحہ عابد حسین " یادگار حالی" ، دہلی : مکتبہ جامعہ ، (س ن)

۹۶- صبا ، مظفر حسین ، " تذکرہ روز روشن" تہران : کتاب خانہ داری ، ۱۳۴۳ھ

۹۷- صبا ، محمد مظفر حسین ، " روز روشن" ، بھوپال : مطبع شاہجہانی ، ۱۲۹۷ھ

۹۸- صحو ، آغا محمد داؤد ابوالعلائی ، " دیوان صحو" دفتر رحمت" ، آگرہ :
اسٹیم پریس ، ۱۳۳۲ھ

۹۸ الف :- عرشی - ضمیر الدین احمد "حیات مومن" ناشر سید اشتیاق حسین دریبہ کلاں دہلی سنہ ۱۹۲۷ء

۹۹- ضیاء ، ضیا احمد (مرتبہ) " دیوان مومن" ، الہ آباد : شانتی پریس ، ۱۹۳۴ء

۱۰۰- ظفر الدین قادری رضوی ، ظفیر ، " حیات اعلی حضرت " ، کراچی :
مکتبہ رضویہ ، آرام باغ ، ۱۹۳۸ء

۱۰۱- ظفر الملک علوی (مرتب) ، " مجموعہ کلام شبلی (اردو) " ، لکھنو : الناظر پریس ، ۱۹۲۳ء

۱۰۲- ظفر ، بہادر شاہ ، بادشاہ ، " دیوان ظفر" (جلد سوم و چہارم) ،
لکھنو : نول کشور ، ۱۸۸۷ء

۱۰۳- عاصم ، عبدالوہاب ، " دیوان عاصم" ، (قلمی) ، کراچی : (مملوکہ عبدالتواب پسر عاصم ، حال لکچرار این ای ڈی کالج)

۱۰۴- عبادت بریلوی ، ڈاکٹر " کلیات مومن" ، لاہور : کتابی دنیا ، ۱۹۵۵ء

۱۰۵- عبادت بریلوی ، ڈاکٹر " کلیات میر" ، لاہور ، اردو دنیا ، ۱۹۵۸ء

۱۰۶- عبدالحق ، مولوی (مرتبہ) ، " ذکر میر" ، حیدرآباد دکن : انجمن ترقی اردو ، ۱۹۲۸ء

۱۰۷- عبدالحق ، بابائے اردو مولوی (مقدمہ) ، " گلشن ہند" ، لاہور : ۱۹۰۶ء رفاہ عام اسٹیم پریس

۱۰۸- عبدالرحمن شیروانی ، محمد (مرتب) میر حسن (مصنف) " تذکرہ شعراء اردو" ،
علی گڑھ : مطبع مسلم پریس ، ۱۹۲۲ء

۱۰۹- عبدالروف عروج ، " فارسی گو شعرا اردو " کراچی : انجمن پریس ، اکتوبر، ۱۹۷۱ء

۱۱۰- عبدالسلام، ڈاکٹر " جگرمرادآبادی، حیات اور شاعری"، لکھنو : سرفراز پریس، دسمبر، ۱۹۶۶ء

۱۱۱- عبدالواحد خان، محمد " دیوان وزیر(دفتر فصاحت) " ، :مطبع مصطفائی، ۱۸۳۷ء

۱۱۲- عبدالواحد ، ڈاکٹر (چیف ایڈیٹر) ، " جدید شعرا اردو" لاہور: فیروز سنز، (س ن)

۱۱۳- عرشی، ضمیرالدین احمد " حیات مومن" ، دہلی : ۱۹۳۷ء

۱۱۴- عشق ، حکیم عبدالباسط ، " دیوان عشق(ترانہ عشق) " ، حیدرآباد دکن :
اعظم پریس ، ۱۳۶۵۹ھ

۱۱۵- عشقی، حکیم عبدالباسط ، " دیوان عشقی" (محامد محمدی عرف توصیف مصطفوی) ،
حیدرآباد دکن: شمسی پریس ، ۱۳۳۲ھ

۱۱۶- علی حیدر ، حافظ محمد " تذکرہ مشاہیر کاکوروی" ، لکھنو :مطبع اصح المطابع، ۱۹۲۷ء

۱۱۷- عیشی، " دیوان عیشی (اردو قلمی)" کراچی : قلمی ۱۳/۱۷۳ ، کتب خاص ، انجمن ترقی اردو

۱۱۸- عیشی " کلیات عیشی(فارسی قلمی) "، کراچی : قلمی ۳/۱۹۶ ، کتب خانہ خاص، انجمن ترقی اردو

۱۱۹- غالب، اسداللہ خان،" اردوئے معلی"، (مقدمہ) میر مہدی مجروح ، دہلی :
مطبع مجتبائی ، ۱۸۹۹ء

۱۲۰- غالب، مرزا اسد اللہ خان ، " انتخاب غالب "، بمبئی :مطبع قیمہ ، ۱۹۳۲ء
(نواب رام پور کی فرمائش پر مرزا غالب نے طبع کرایا تھا)

۱۲۱- غلام عباس ، " کلام شبلی" ، لاہور : کریمی پریس ، (س ن)

۱۲۲- غلام مصطفے خان، ڈاکٹر ، " تحقیقی جائزے"، سکھر :بزم غالب ، ۱۹۶۸ء

۱۲۳- غلام مصطفے خان، ڈاکٹر " علمی نقوش " ،

۱۲۴- فاضل، سید عبدالرشید " ترجمان خودی"، کراچی :مشہور آفسٹ پریس، ۱۹۵۶ء

۱۲۵- فانی بدایونی، " کلیات فانی" لاہور: قومی پریس ، جولائی ، ۱۹۶۵ء

۱۲۶- فائق ، کلب علی خان ، " کلیات سالک " ، لاہور :مجلس ترقی ادب ، ۱۹۶۶ء

۱۲۷- فائق ، کلب علی خان (مرتب) " کلیات نظام" لاہور :مجلس ترقی ادب ۲۰۰ جولائی، ۱۹۶۵ء

۱۲۸- فائق، کلب علی خاں، " مومن" ، لاہور : مجلس ترقی ادب ، ۱۹۶۱ء

۱۲۹- فدائی، شاہ محمد عثمان فاروقی، " فدائی(مجموعہ کلام) "، بدایوں : نظامی پریس ۱۹۳۳ء

(مقدمہ ، علامہ کیفی چریا کوٹی)

۱۳۰- فورٹ ولیم کالج ، " کلیات میر" ، کلکتہ : ہندوستانی پریس، ۱۸۱۱ء

۱۳۱- فیض، میر شمس الدین " دیوان فیض(مرقع فیض) "، حیدرآباد دکن: اسلامیہ پریس ، ۱۳۰۰ھ

۱۳۲- قاضی عبدالغفار " اجمل اعظم" ، لاہور : مجلس یادگار اجمل ، ریلوے روڈ ، (س ن)

۱۳۳- قاضی عبدالغفار، " حیات اجمل" ، علی گڑھ : انجمن ترقی اردو

۱۳۴- قاضی عبدالغفار (مقدمہ) ، " دیوان شیدا" ، دہلی : مکتبہ دہلی، ۱۳۳۳ھ

(مطبع شرکت " کاویانی" ، برلن نے شائع کیا)

۱۳۵- قاضی عبدالغفار (مقدمہ و مرتبہ) " کلیات قاضی "، حیدرآباد دکن : عبدالحق اکیڈمی،

اپریل ، ۱۹۳۶ء

۱۳۶- قائم ، قیام الدین " تذکرہ مخزن نکات "، لاہور: مجلس ترقی ادب ، ۱۹۶۶ء
۱۳۶ - الف - کریم الدین مولوی - (مؤلف) "طبقات الشعراء" دہلی - مطبع العلوم - ۱۸۴۸ء
۱۳۷- گدا ، غلام محمد شاہ ، " کلیات گدا" (مولفہ) رشید احمد لاشاری ،

کراچی : سندھ ادبی بورڈ ، ۱۹۵۷ء

۱۳۸- گردیزی، سید فتح علی حسینی ، " تذکرہ ریختہ گویاں"، حیدرآباد دکن: انجمن ترقی

اردو ، ۱۹۳۳ء

۱۳۹- گویا ، فقیر محمد خاں ، " دیوان گویا" کانپور : نظامی مطبع ، ۱۲۸۰ھ

۱۴۰- گویا ، فقیر محمد خاں، " طلوع سحر" (مضمون کا مجموعہ)" بدایوں : نظامی پریس، ۱۳۶۲ھ

۱۴۱- لالہ سری رام ، " خم خانۂ جاوید" (جلد اول) ، دہلی : مخزن پریس ۱۵۰/مارچ، ۱۹۰۸ء

۱۴۲- لچھمی نرائن، شفیق ، " تذکرہ گل رعنا" (جلد دوم ، قلمی) ، (از شین تا می)

کراچی : قف ۳ / ۱۷۰ ، کتب خانۂ خاص ، انجمن ترقی اردو

۱۴۳- لچھمی نرائن ، شفیق " تذکرہ گل رعنا(فصل دوم) ، حیدرآباد دکن : عہدآفرین پریس

۱۴۴- لچھمی نرائن ، شفیق " چمنستان شعر "، (مرتبہ عبدالحق ، بابائے اردو مولوی،

: انجمن ترقی اردو ، ۱۹۲۸ء

-۱۴۵ لچھمی نرائن، شفیق ، " گل رعنا" لاہور :عشرت پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۳ء

-۱۴۶ لالہ سری رام بہادر ، " خمخانۂ جاوید" (جلد پنجم) ، دہلی : ۱۹۴۰ء

-۱۴۷ لطیف الرحمن ، سید " صبح سے وحشت تک "، کلکتہ : ۱۹۵۹ء

-۱۴۸ محروم، تلوک چند ، " کاروان وطن"، : یونین پرنٹنگ پریس، ۱۹۲۰ء

-۱۴۹ تلو محروم، تلوک چند " گنج معانی" ، : دہلی کتاب گھر، ۱۹۵۷ء

-۱۵۰ محسن کاکوروی، " کلیات نعت " (مرتبہ) مولوی محمد نورالحسن ، لکھنؤ الناظر پریس، ۱۳۳۳ھ

-۱۵۱ محمد علی، سید " اقبال و شعر فارسی" حیدرآباد دکن : اعظم اسٹیم پریس،
۱۵۱ - الف :- محوی ، محمد حسین (مرتب) " دیوان بیدار" میر محمدی بیدار دہلوی شاہی مطبع ۱۲۳۵ھ، مدراس
-۱۵۲ محمود شیرانی ، حافظ " پنجاب میں اردو" مطبع کریمی : انجمن ترقی اردو، ۱۹۲۸ء لاہور

-۱۵۳ محمود علی خان جامعی ، " تذکرہ جگر" کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، اپریل ، ۱۹۶۱ء

-۱۵۴ محی الدین قادری زور ڈاکٹر " شاہ ظہورالدین حاتم" : ہندوستانی اکیڈمی، ۱۹۳۲ء

-۱۵۵ مرزا مظہر ، " دیوان مرزا مظہر معہ خریطۂ جواہر" (قلمی) ، فن ۳/۲۲۸ انجمن ترقی اردو -

-۱۵۶ مسعود حسن، سید " دیوان فائز" دہلی :انجمن ترقی اردو(ہند) ، ۱۹۳۶ء

-۱۵۷ مسکین مدراسی حیدرآبادی، " دیوان مسکین" مدراس :مظہر عجائب پریس، ۱۲۷۸ھ

-۱۵۸ مسکین مدراسی حیدرآبادی، " دیوان مسکین" (روضۂ رضوان) تتمہ ، تک
مدراس : عظیم الاخبار پریس، ۱۲۷۳ھ

-۱۵۹ مصحفی، غلام ہمدانی، " دیوان مصحفی(قلمی) " لاہور :پنجاب یونی ورسٹی ،
کے - یو- ا- ۷۱ - ۸۰

-۱۶۰ مصحفی، غلام ہمدانی، " ریاض الفصحا" (مرتبہ) عبدالحق ، بابائے اردو مولوی ،
دہلی:جامع برقی پریس ، ۱۹۳۳ء

-۱۶۱ مصحفی، غلام ہمدانی، " عقد ثریا" (مرتبہ) عبدالحق ، بابائے اردو مولوی،
دہلی :جامع برقی پریس ، ۱۹۳۴ء

-۱۶۲ مطلوب حسین لکھنوی، سید " انتخاب کلیات سودا"، الہ آباد : ۱۹۲۷ء

-۱۶۳ مظفر حسین خاں " نامۂ مظفری" (جلد دوم) ، لکھنؤ : مطبع مجتبائی، ۱۳۲۶ھ

۱۶۴- مظہر جان جاناں، " دیوان مظہر جان جاناں" (مجموعہ خریطۂ جواہرفارسی، قلمی)، کراچی : ف $\frac{۳}{۲}$/۲۲۳ ، کتب خانۂ خاص، انجمن ترقی اردو

۱۶۵- مظہر جان جاناں، " دیوان مظہر جان جاناں" کان پور: مطبع مصطفائی، ۱۸۴۷ء

۱۶۶- معاصر، (سہ ماہی رسالہ)، جولائی، ۱۹۶۷ء ، پٹنہ : سلوکہ افسر امروہوی ایڈیٹر عبدالمنان

۱۶۷- معاصر(سہ ماہی رسالہ)، پٹنہ : جولائی، ۱۹۶۲ء ، سلوکہ افسر امروہوی ایڈیٹر عبدالمنان

۱۶۸- ممتاز علی، حافظ سید محمد (مولف) ، " آثار الشعرا" ، : مطبع شاہجہانی، ۱۳۰۷ھ

۱۶۹- مومن، مومن خان، " دیوان مومن(فارسی) " :مطبع سلطانی ، ۱۲۷۱ھ
(پنجاب یونی ورسٹی لائبریری)

۱۷۰- مومن، مومن خان، " کلیات مومن" (جلد اول) و (دوم)، " لاہور، مجلس ترقی ادب ، ۱۹۶۴ء

۱۷۱- مہر، غلام رسول، " کلیات غالب " لاہور : ۱۹۶۵ء

۱۷۲- میر حسن دہلوی، " تذکرہ شعرا اردو" علی گڑھ: مطبع مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۲۲ء

۱۷۳- میر، میرتقی، " نکات الشعرا" (مرتبہ) عبدالحق بابائے اردو مولوی : ۱۹۵۳ء

۱۷۴- مینائی، امیر احمد، " انتخاب یادگار" حیدرآباد دکن: تاج المطابع، ۱۲۹۰ھ

۱۷۵- مینائی ، امیر احمد، " صنم خانۂ عشق" حیدرآباد دکن: محبوب پریس، ۱۳۰۶ھ

۱۷۶- ناسخ لکھنوی، " دیوان ناسخ(جلد اول) و (جلد دوم) ، کان پور : نول کشور، ۱۸۹۳ء

۱۷۷- نثار احمد فاروقی، " میر کی آپ بیتی" (ترجمہ ذکر میر "، دہلی: مکتبہ برہان ، اردو بازار، ۱۹۵۷ء

۱۷۸- نساخ ، عبدالغفور خان" تذکرہ الشعراء " (عبدالعزیز عرشی کی لائبریری میں ہے، چند ابتدائی صفحات ندارد ہیں)

۱۷۹- نساخ ، عبدالغفور خان، " سخن شعراء " لکھنو : نول کشور، ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء

۱۸۰- عبدالغفور خان، " قند پارسی" ، لکھنو : نول کشور، ۱۸۷۲ء

۱۸۱- نصیرالدین ہاشمی، " دکن میں اردو" ، لاہور : سپر آرٹ پریس، ۱۹۵۲ء

۱۸۲- نصیرالدین ہاشمی(مرتبہ) ، " کتب خانہ نواب سالار جنگ مرحوم" ، حیدرآباد دکن : مطبع ابراہیمی، ۱۹۵۷ء

۱۸۳- نورالحسن خاں، سید ، " تذکرہ طور کلیم " ، آگرہ : مفید عام پریس ، ۱۲۹۸ھ

۱۸۴- نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر ، " دلی کا دبستان شاعری" ، دھلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۹ء

۱۸۵- نورالحسن ہاشمی، سید " کلیات ولی" کراچی : انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۴ء

(مرتبہ گارسن دتاسی)

۱۸۶- نیاز فتح پوری، " نگار مومن نمبر " ، جنوری، ۱۹۲۸ء

۱۸۷- واصف ، محمد مہدی ، " دیوان واصف (فارسی) " مدراس : مظہرالعجائب ، ۱۲۷۸ھ
۱۸۸- وحشت کلکتوی، رضا علی، " ترانہ وحشت " ، لاہور : مکتبہ جدید ، (س ن)

۱۸۹- وحید قریشی ، ڈاکٹر کلا جہاندار مرزا جوان بخت کلا، دیوان جہاندار شاہ"

لاہور : مجلس ترقی ادب ، جنوری، ۱۹۶۶ء

۱۹۰- وحید قریشی، ڈاکٹر ، " دیوان سودا (انتخاب) " ، لاہور : بک لینڈ ، ۱۹۳۲ء
۱۹۰- الف :- وزیر - خواجہ محمد وزیر " دفتر فصاحت " کانپور - مطبع مصطفائی ۱۲۷۳ھ
۱۹۱- وفا راشدی، " بنگال میں اردو " حیدرآباد (سندھ) : مکتبہ اشاعت اردو، افتخار پریس،

جنوری، ۱۹۵۵ء

۱۹۲- وقار عظیم ، سید ، دیوان درد معہ قند پارسی" ، کراچی : امین برادرس، آرام باغ،

(تعارف) درد کاکوروی

۱۹۳- ولی، ولی اللہ " نورالمعرفت " (مرتبہ) ڈاکٹر سید ظہیرالدین مدنی،

بمبئی : انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ ، جولائی، ۱۹۶۷ء

۱۹۴- ہاشم، میر قدرت اللہ ، " مجموعہ نغز" ، (مرتبہ) محمود شیرانی، : ۱۹۳۳ء

۱۹۵- ، نورس (حالی نمبر) "، اورنگ آباد : دکن

۱۹۶- نیاز، شاہ محمد نیاز، " دیوان نیاز" ، لکھنو : نول کشور، ۱۸۸۲ء

۱۹۷- ، " ہندوستانی " حصہ اول ، (سہ ماہی) ، الہ آباد :

ہندوستانی اکیڈمی، جنوری، ۱۹۳۲ء (جلد ۲)

===XXX====

تکمیل شد (۲۱)
۳-۳-۱۹۷۳ء